اردو ماہیا تحقیق و تنقید

حیدر قریشی

اردو ماہیا تحقیق و تنقید

حیدر قریشی

الوقار پبلیکیشنز



ماہیے کی بحث میں میری تین کتابیں تو پہلے سے چھپ چکی ہیں۔

۱۔اردو میں ماہیا نگاری، ۲۔اردو ماہیے کی تحریک، ۳۔اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما

مزید دو کتابوں "اردو ماہیا" اور "ماہیے کے مباحث" کا میٹر بھی ایک عرصہ سے تیار تھا، بلکہ دونوں کتابوں کا بیشتر میٹر ادھر ادھر کتب و رسائل میں چھپ چکا تھا........ ماہیے کی تحقیق و تنقید کے حوالے سے اپنی ان پانچوں کتابوں کو یکجا کرنا ضروری تھا۔ ماہیے کی بحث میں دلچسپی لینے والوں کے سامنے اب بحث کا پورا منظر نامہ روشن ہو کر سامنے آ جائے گا........ اردو ماہیا اردو ادب میں کہاں تک رائج ہو پاتا ہے؟ اس کا صحیح فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ تاہم یہ بات میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گزشتہ ربع صدی میں سہ مصرعی اصناف کے جتنے تجربے بھی ہوئے ہیں، ان سب میں ماہیا کو بہرحال سب سے زیادہ قبولیت اور مقبولیت حاصل رہی ہے اور حاصل رہے گی۔

ماہیے پر ہونے والی بحث میں میرا جتنا بھی حصہ رہا ہے، وہ یکجا کر کے ادبی دنیا کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور اس سارے لکھے کو ادب کی تاریخ کے حوالے کرتا ہوں۔

حیدر قریشی (جرمنی سے)

الوقار پبلیکیشنز
335-K2 Wapda Town, Lahore

اردو ماہیا تحقیق وتنقید

(پانچ کتابیں)

حیدر قریشی

الوقار پبلی کیشنز

335-K2 Wapda Town, Lahore

URDU MAHIYA TEHQEEQ O TANQEED
(Research & Criticism)
BY: Haider Qureshi
Year of 1st Edition 2010

اردو ماہیا تحقیق و تنقید
میں شامل پانچ کتابیں
۱۔اردو میں ماہیا نگاری۔۲۔اردو ماہیے کی تحریک
۳۔اردو ماہیے کے بانی: ہمت رائے شرما
۴۔اردو ماہیا۔۵۔اردو ماہیے کے مباحث

نام کتاب: اردو ماہیا تحقیق وتنقید
مصنف: حیدر قریشی
اشاعت: اگست 2010
قیمت: 500روپے
تعداد: 500
ناشر: سید وقار معین
(ٹیلی فون نمبر:0300-8408750)

الوقار پبلی کیشنز لاہور

انتساب

مبارکہ کے نام

اس حال فقیری میں
عمریں بیت گئیں
زلفوں کی اسیری میں

بچپن کے خزانے میں
کتنے زمانے تھے
اُس ایک زمانے میں

فہرست

اردو ماہیے کی تحریک

نوٹ: مضمون ''اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما'' اِس کتاب میں شامل تھا اور اس کے بعد آنے والی اسی نام کی کتاب ''اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما'' میں بھی شامل تھا۔یہاں اس مضمون کو فہرست میں تو شامل رکھا گیا ہے لیکن موضوعاتی تناظر میں اسے اگلی کتاب میں شامل کرنا مناسب سمجھا ہے۔**ح۔ق**

اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما

(**نوٹ**: یہاں اس کتاب کا پیش لفظ اور پہلے دو مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔مضامین نمبر۴ تا ٦ کو اپنے تنقیدی مضامین کے مجموعہ ''حاصلِ مطالعہ'' میں شامل کر چکا ہوں۔ہمت رائے شرما جی کے ایک خط اور ان کے ماہیوں کو جب بھی دیکھنا ہوگا میری کتاب ''اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما'' کے پہلے ایڈیشن سے رجوع کرنا ہوگا۔اس کی اتنی اہمیت تو رہنی چاہیے۔**ح۔ق**)

اردو ماہیا

----------(پیش لفظ،تاثرات)

ماہیے کے مباحث

حیدر قریشی کی مطبوعہ کتب

شعری مجموعے:

☆سلگتے خواب☆عمرِ گریزاں☆محبت کے پھول☆دعائے دل☆درد سمندر

☆غزلیں، نظمیں، ماہیے (پہلے چار مجموعوں کا مجموعہ)

نثری مجموعے:

افسانوی مجموعے: ☆روشنی کی بشارت☆قصے کہانیاں☆افسانے☆ایٹمی جنگ☆ افسانوں کے انگریزی اور ہندی تراجم کی کتب☆میں انتظار کرتا ہوں☆ And I Wait!

متفرق: ☆میری محبتیں (خاکے)☆کھٹی میٹھی یادیں (یادیں)☆فاصلے قربتیں (انشائیے)

☆سوئے حجاز (سفرنامہ)

مذکورہ بالا تمام تخلیقات نظم و نثر کا مجموعہ:

☆عمرِ لاحاصل کا حاصل

حالاتِ حاضرہ : (انٹرنیٹ کالموں کے مجموعے)

☆منظر اور پس منظر ☆خبرنامہ ☆اِدھر اُدھر سے

تحقیق و تنقید:

☆ڈاکٹر وزیر آغا عہد ساز شخصیت☆ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور مابعد جدیدیت☆حاصلِ مطالعہ

☆اردو میں ماہیا نگاری☆اردو ماہیے کی تحریک☆اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما

☆اردو ماہیا☆ماہیے کے مباحث

ماہیے کی پانچ کتابوں کا مجموعہ: اردو ماہیا تحقیق و تنقید

عرضِ حال

۱۹۹۰ء میں اردو ماہیے کی تفہیم کا ہلکا سا آغاز ہوا۔وزن کی بحث سے بات شروع ہوئی تھی اس لیے اسی موضوع نے زیادہ زور پکڑا۔بعدازاں ماہیے کے مزاج کا مسئلہ بھی زیرِ بحث آنے لگا۔اردو اور پنجابی کے مشترکہ یا ملتے جلتے الفاظ کا پنجابی لہجہ اردو میں در آنا،اردو میں پنجابی الفاظ کی آمیزش،ماہیے کی ہیئت سہ مصرعی،ڈیڑھ مصرعی یا یک مصرعی؟ یہ سارے مسائل موضوعِ گفتگو بنے۔اردو ماہیے کے بانی کے تعین میں بھی اختلافی رائے نمایاں ہوئی اور بالآخر (ابھی تک کی تحقیق کے مطابق) ہمت رائے شرماہی بانی قرار پائے۔

مجھے ان سارے مباحث میں اپنی توفیق کے مطابق حصہ لینے کا موقعہ ملا۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان مباحث کے کئی مخفی پہلو مجھ پر بھی تدریجاً روشن ہوتے گئے۔ایک وقت تک ایک نکتہ واضح اور سامنے تھا تو اسی پر توجہ مرکوز رہی،لیکن تحقیقی و علمی ارتقا کے نتیجہ میں جیسے جیسے بعض نئے پہلو سامنے آتے گئے میں نے انہیں بنیادی اصولوں پر جانچا اور پرکھا۔پھر جو سچ دکھائی دیا اسے برملا اختیار کرلیا،بیان کردیا۔مجھے خوشی ہے کہ اس معاملہ میں جہاں ایک طرف میرا بنیادی موقف اپنی اصل کی بنیاد پر قائم وسلامت رہا وہیں نئی تبدیلیاں بھی ایک ارتقائی سفر کی طرح آتی چلی گئیں۔

''اردو میں ماہیا نگاری'' میری یک موضوعی کتاب تھی جو۱۹۹۶ء میں مکمل کر لی گئی اور ۱۹۹۷ء میں منظرِ عام پر آ گئی۔اسی دوران میں نے ماہیے کی تفہیم کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی شروع کیا۔اس سلسلہ کا پہلا مضمون دسمبر۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔

۱۹۹۰ء میں میرے ماہیے تین ادبی رسائل میں شائع ہوئے۔ان میں سے دو رسائل میں تو کوئی مخالفت نہ ہوئی لیکن تیسرے رسالہ ''ابلاغ'' نے جو پشاور سے چھپتا تھا،میری مخالفت کا محاذ

کھول دیا۔وجہ یہ تھی کہ اس رسالہ کی مدیرہ خود تین یکساں مصرعوں کے ہائیکو لکھنے کے بعد تین یکساں مصرعوں کے ماہیے لکھ رہی تھیں۔مخالفت کسی تہذیب اور سلیقے کے ساتھ ہوتی تو علمی مکالمہ کی گنجائش رہتی۔لیکن ہوا یہ کہ ایک طرف تو میرے خلاف نامناسب قسم کے خطوط شائع کیے گئے دوسری طرف میرے جواب کو کچھ حذف کر کے اور کچھ اضافی نوٹ دے کر مسخ کر کے چھاپا گیا۔ اس صورتحال کو سمجھ لینے کا فائدہ یہ ہوا کہ میں نے پشاور والے مذکورہ رسالہ میں اس بحث کو بند کردیا اور اپنا موقف علمی زبان میں دوسرے رسائل میں پیش کرنا شروع کر دیا۔۱۹۹۷ء تک یعنی ماہیا پر میری پہلی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' چھپنے تک،میری کتاب میں بھی اور تب تک کے مطبوعہ مضامین میں بھی میری طرف سے کسی کے خلاف جارحانہ انداز اختیار نہیں کیا گیا۔کہیں ہلکی پھلکی سی نوک جھونک تو میری ہر تحریر میں ہوتی ہے۔تاہم ایسا کچھ بھی تہذیب کے دائرے کے اندر رہ کر ہوتا ہے۔حالانکہ پشاور والے ادبی رسالہ ''ابلاغ'' میں کیے جانے والے نامناسب حملوں کے جواب میں مجھے ترکی بہ ترکی کچھ لکھ دینے کا حق حاصل تھا۔لیکن میں نے چھ برس تک بالکل صبر و تحمل سے کام لیا۔کیونکہ مجھے بخوبی علم تھا ہمارا موقف اتنا مضبوط ہے کہ ہمیں کسی اور الجھاوے میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

لیکن آج دنیا کے رنگ ڈھنگ بدل گئے ہیں۔لوگ سرِ عام چوریاں پکڑے جانے پر،یا جعلسازی ظاہر ہونے پر بھی شرمندہ ہونے کی بجائے مزید ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہیں،پھر ماہیے کی بحث تو بہت ہی معمولی سا مسئلہ تھا۔چنانچہ ماہیے کو تین یکساں مصرعوں میں لکھنے والے حلقوں کی طرف سے میری مخالفت کے نئے نئے طریقے سامنے آنے لگے۔ان کے کمال کی داد دیتا ہوں کہ انہوں نے میری مخالفت میں ایسے ایسے بندوں کو اتارا جو ماہیا میرے موقف کے مطابق لکھتے تھے، حتیٰ کہ میرے بیان کردہ نکات کو دیدہ دلیری کے ساتھ اپنی دانشوری ظاہر کرتے ہوئے بیان کرتے تھے اور اس سب کے ساتھ میرے خلاف سخت زبان استعمال کرنا ایمان کا حصہ سمجھتے تھے۔ یہ معاملہ ایک دو بندوں تک محدود ہوتا تو میں اسے نظر انداز کر دیتا لیکن جب یہ انداز مسلسل سامنے آتا گیا تو واضح ہوتا گیا کہ یاروں کی حکمت عملی یہی ہے کہ اسے اسی انداز میں مختلف موضوعات

میں الجھا کر اور چاروں طرف سے گھیر کر لپیٹ دو۔

''ابلاغ'' پشاور کی مخالفت کو میں نے چھ سال تک عملاً نظر انداز کر رکھا تھا۔اس کے بعد ''تجدیدِ نو'' اسلام آباد کے ''المیہ کراچی نمبر'' میں ایک صاحب کی طرف سے،(جو میرے ساتھ ایک مالی معاملہ میں بد دیانتی کے مرتکب ہو چکے تھے) میرے خلاف ایک نہایت نازیبا اور جھوٹ کا پلندہ خط چھاپا گیا۔تب میں نے طے کرلیا کہ اس قماش کے لوگوں کو ان کی زبان میں جواب دینا ضروری ہے۔میرا جوابی خط کتاب ''اردو ماہیے کی تحریک'' میں بہ عنوان ''خط بنام ایڈیٹر ماہنامہ تجدیدنو' لاہور'' مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر بشیر سیفی نے جون، جولائی ۱۹۹۶ء میں ماہیے کی بحث میں حصہ لیا۔اس میں میرے موقف کو اپنا موقف بنا کر پیش کیا اور پھر بنیادی طور پر وہی کام کیا کہ حیدر قریشی کے کام کو دھندلایا جائے اور جیسے بَن پڑے یاروں کے تین یکساں مصرعوں والے ثلاثی کو بھی ماہیا منوالیا جائے۔اس کا جواب بہ عنوان ''ماہیے کے حوالے سے چند معروضات'' بھی مذکورہ کتاب میں شامل ہے۔ جب میرا مدلل جواب سامنے آیا تو بشیر سیفی نے خود کچھ لکھنے کی بجائے مسعود اختر نام کے اپنے کسی سچ مچ کے دوست رشاگرد یا فرضی نام سے مضمون چھپوایا کہ ماہیے کی یہ بحث کافروں کی سازش ہے۔اُدھر یوسف علی لائق نے کراچی سے حملہ کیا۔ مجھے ان کے جواب میں ''ماہیا اور چن ماہی'' لکھنا پڑا۔

ڈاکٹر فہیم اعظمی شروع میں ماہیے کے مسئلہ پر ہمارے موقف کو بھرپور طریقے سے پیش کر رہے تھے۔اس دوران ساختیات کے بارے میں میرا ایک اختلافی مضمون ماہنامہ عوامی منشور کراچی میں شائع ہوا تو فہیم اعظمی صاحب بھی ایک دم ماہیا کے مخالفین کے ساتھ مل گئے۔میرا ایک جوابی مضمون چھاپتے وقت نہ صرف مضمون کو مسخ کر دیا بلکہ اس کے ساتھ ایک اور مضمون کے ٹکڑے جوڑ کر اسے بالکل بے ربط کر دیا۔اس سلسلہ میں میرا خط بنام فہیم اعظمی ''اردو ماہیے کی تحریک'' میں شامل ہے۔

کمال کی بات یہ ہے کہ یہ سارے لکھنے والے ہمارے ماہیے کو تو رد نہیں کر رہے تھے لیکن ان سب کا حملہ مختلف بہانوں کے ساتھ ہم پر ہی تھا۔میں نے مذکورہ سارے واقعات کو اور مزید

اندر کی بعض باتوں کو ''ماہیے کی کہانی'' مضمون میں بھی یکجا کر دیا۔یہ سارے مضمون میری کتاب ''اردو ماہیے کی تحریک'' میں شامل ہیں۔کراچی سے پشاور تک ایک ساتھ کی گئی اس یلغار کا کمال یہ تھا کہ وسط ۱۹۹۶ء سے شروع کر کے ایک ہی سال ۱۹۹۷ء میں شدت پیدا کی گئی۔پھر اس میں اگلے برس تک مزید شدت پیدا کی گئی۔۱۹۹۹ء تک نئے اسلحہ بارود کا انتظام کیا گیا۔پہلے چھیڑے گئے مباحث میں چونکہ سارے پیادے پٹتے جا رہے تھے اس لیے اب ظہیر غازی پوری، پرویز بزمی اور مرزا حامد بیگ نئے اسلحہ کے ساتھ سامنے آئے۔ظہیر غازی پوری تو مناظر عاشق کی دشمنی میں ایسا کرنے چلے تھے سو انہیں ڈاکٹر مناظر عاشق نے برسرِ زمین نمٹ لیا۔پرویز بزمی اور مرزا حامد بیگ کے جواب میں مجھے پھر زیادہ سخت لہجہ اختیار کرنا پڑا۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ پھر متعلقہ موضوع پر دونوں صاحبان نے مزید کوئی کج بحثی کرنے کی ہمت نہیں کی۔

علمی اور تحقیقی معاملات میں مناسب سنجیدگی اختیار کرنا اور غیر ضروری تلخ کلامی سے بچنا بہتر ہوتا ہے۔لیکن میرے قارئین جب یہ ساری کتابیں غور سے پڑھیں گے تو انہیں بخوبی اندازہ ہو گا کہ (ہلکے پھلکے طنزِ ملیح کے استثنا کے ساتھ، جو میری ہر تحریر میں کسی نہ کسی طور موجود ہے) کئی برس تک میرے صبر و تحمل اور علمی زبان ہی میں بات کرنے کے باوجود حقائق کو دیدہ دانستہ مسخ کر کے مجھے حد سے زیادہ زچ کیا جا رہا تھا۔نہ کوئی علمی بات کو سمجھنے کو تیار تھا نہ ان میں سے کسی کا یہ مسئلہ تھا کہ وہ کوئی علمی مسئلہ زیرِ بحث لا رہے ہیں۔سب اپنی اپنی دشمنیوں کا حساب چکتا کرنے پر تلے ہوئے تھے۔سو نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اس گروہ کے ساتھ ویسا ہی کرنا پڑا جس کے یہ مستحق تھے۔ذاتی طور پر مجھے افسوس بھی ہے کہ ان لوگوں کے نامناسب طریقۂ واردات کے باعث مجھے ان کی سطح پر جا کر انہیں جواب دینا پڑا۔لیکن میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اس کتاب میں ابھی اُن دشمنیوں کا وہ حصہ شامل نہیں ہے جو میں نے ''ماہیا۔۔علمی بحث سے غوغائے رقیباں تک'' کے نام سے کتابی صورت میں ترتیب دے لیا تھا اور جس کی اشاعت کا اعلان بھی کیا جا چکا تھا،اس میں بہت سے دوسرے ایسے مضامین اور ان کے جواب شامل ہیں جن کا میں نے یہاں تذکرہ نہیں کیا۔یہ اچھی خاصی ہنگامہ خیز کتاب ہے۔تاہم میں نے اس کتاب کی

اشاعت روک دی ہے۔بس جتنی علمی بحث اور ذاتی لڑائی اس کتاب میں آ گئی ہے،اتنی ہی کافی ہے۔بشیر سیفی،فہیم اعظمی،اورسیدہ حنا کی وفات کے بعد میں نے بالکل طے کرلیا کہ اب ''غوغائے رقیباں''والی کتاب شائع نہیں کروں گا۔

ماہیے کی بحث میں میری تین کتابیں تو پہلے سے چھپ چکی ہیں۔

۱۔اردو میں ماہیا نگاری، ۲۔اردو ماہیے کی تحریک، ۳۔اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما

مزید دو کتابوں ''اردو ماہیا''اور''ماہیے کے مباحث'' کا میٹر بھی ایک عرصہ سے تیار تھا،بلکہ دونوں کتابوں کا بیشتر میٹر اِدھر اُدھر کتب و رسائل میں چھپ چکا تھا۔''اردو ماہیا''میں جن کتابوں کے لیے لکھے گئے پیش لفظ یا تاثرات شامل ہیں،ان میں سے ایک دوست نے میرے لکھے میں یک طرفہ محبت سے کام لے کرازخود کچھ کمی بیشی کر لی تھی۔میں نے اس دوست کی معصوم خواہش کا احترام کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی لیکن ''اردو ماہیا'' کتاب میں اپنے مضامین اور تاثرات کا وہی متن رکھا ہے جو میں نے اصلاً اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا تھا۔

ماہیے کی تحقیق وتنقید کے حوالے سے اپنی ان پانچوں کتابوں کو یکجا کرنا ضروری تھا۔ماہیے کی بحث میں دلچسپی لینے والوں کے سامنے اب بحث کا پورا منظر نامہ روشن ہوکر سامنے آ جائے گا۔

مجھے آج بھی کسی کج بحثی کی ضرورت نہیں ہے۔ماہیے کے بارے میں اپنے بنیادی اور اصولی موقف کی سچائی کا مجھے پکا یقین ہے۔لیکن اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ میرے لکھے میں بھی خامیاں ہوسکتی ہیں۔ان کی نشان دہی کیجیے،میں فراخدلی کے ساتھ غلطی کو تسلیم بھی کروں گا اور پوری وضاحت کے ساتھ درستی بھی کرلوں گا۔لیکن اگر کسی کو کام کرنے کی توفیق مل گئی ہے تو اسے دشمنی کی نظر سے نہیں دیکھیں۔علمی زبان میں بات کریں گے تو علمی مکالمہ ادب کے لیے بھی مفید ہو گا،اختلاف کرنے والوں کے لیے بھی اور خود میرے لیے بھی سودمند ثابت ہوگا۔

ایک طرف محاذ آرائی کا سلسلہ تھا دوسری طرف خود میرے دوستوں سے بھی کوئی نہ کوئی علمی غلطی ہو جاتی اور پھر مجھے اس معاملہ کو اس طرح سنبھالنا پڑتا کہ مخالفین کو بات زیادہ اچھالنے کا موقعہ نہ ملے،دوست بھی اپنی غلطی کا احساس کرلیں اور ناراضی کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔یہ اچھا

خاصا پُل صراط پر چلنے جیسا معاملہ تھا۔کچھ لوگوں نے محض شہرت سمیٹنے کے چکر میں اپنی طرف سے نیکی کا کام کیا لیکن میری مشکل میں بہرحال اضافہ کیا۔ہمت رائے شرما جی سے ماہیے کی ابتدا کے بارے میں مضمون لے کر چھاپنا رچھپوانا،یارلوگوں کی ایسی ہی کاوش تھی۔

اس کتاب میں شامل کتابوں میں کہیں کہیں اضافی نوٹ دکھائی دیں گے۔ان میں سے چند پہلے سے ان کتابوں میں شامل تھے جبکہ چند اضافی نوٹ مجھے اب شامل کرنا پڑے ہیں۔ پرانے لکھے میں جہاں کسی نظر ثانی کی ضرورت تھی وہاں نئے اضافی نوٹ دے دیئے ہیں۔کون سے نوٹ پرانے والے ہیں اور کون سے نئے؟ قارئین کے لیے اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہو گا۔اسی طرح ماہیے کے حوالے سے میرا ایک انٹرویو اختر رضا سلیمی نے لیا تھا۔یہ انٹرویو بعض رسائل میں چھپ چکا ہے۔چونکہ اس میں ساری گفتگو ماہیے کے حوالے سے ہوئی ہے،اس لیے اسے کتاب''ماہیے کے مباحث''میں شامل کرلیا ہے۔

گزشتہ تین سال سے میں کوشش کررہا تھا کہ اپنی پانچ کتابوں کے اس مجموعہ کی صورت میں ماہیے کی تحقیق وتنقید کے اس پراجیکٹ کو مکمل کرلوں لیکن دوسری بے شمار مصروفیات اور زندگی کے ہنگامے اس کی مہلت نہیں دے رہے تھے۔۲۰۰۹ء میں مجھے دل کی تکلیف ہوئی انجیوگرافی اور انجیو پلاسٹی کے مراحل سے چار مہینوں میں چار بار گزرنا پڑا تو مجھے جرمنی میں موجود سرکاری طبی سہولیات کے مطابق ۶ جولائی سے ۲۷ جولائی ۲۰۱۰ء تک ایک ہوٹل نما کلینک میں قیام کرنا پڑا۔ یہاں بڑی بیٹی کا لیپ ٹاپ ساتھ لے آیا۔اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے دل فرصت کے جو رات دن ڈھونڈا کرتا تھا،میسر آ گئے اور مجھے پانچوں کتابوں کی پروف ریڈنگ کرنے کا موقعہ مل گیا۔امین خیال،افضل چوہان اور جیم فے غوری کے ماہیوں کے مجموعوں پر مضامین اور عارف فرہاد کی کتاب''ماہیے کے خدوخال''پر مضمون،یہ چاروں مضمون ابھی پراجیکٹ کی تکمیل کی حالیہ لہر کے دوران لکھے گئے ہیں۔

یہ سارا میٹر یکجا کرتے وقت مجھے بعض موضوعات پر بات کرتے ہوئے بہت زیادہ تکرار کا احساس بھی ہوا ہے،لیکن جس صورتحال سے اردو ماہیا کی بحث گزر رہی تھی،وہاں ایسا

ناگزیر تھا۔انڈیا میں چھیڑے گئے مباحث کا وہاں کے تناظر میں جواب دینا پڑا، پاکستان میں اٹھائے گئے اعتراضات کے جواب پاکستانی پس منظر میں دینا پڑے۔جہاں دونوں ملکوں میں جانے والے رسائل میں بحث ہوئی وہاں دونوں طرف کو ملحوظ رکھا گیا۔سویوں یہ تکرار کا معاملہ بڑھتا گیا، پھر فریقِ ثانی کی طرف سے بار بار ایک ہی اعتراض کو دہرائے جانے کے باعث بھی جواب میں تکرار کی صورت پیدا ہوئی۔تاہم عموماً ہر ایسی صورت میں بھی کوئی نہ کوئی نیا نکتہ یا نئی بات کسی نہ کسی رنگ میں ضرور سامنے آتی گئی۔

اردو ماہیا اردو ادب میں کہاں تک رائج ہو پاتا ہے؟اس کا صحیح فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔تاہم یہ بات میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ گزشتہ ربع صدی میں سہ مصرعی اصناف کے جتنے تجربے بھی ہوئے ہیں، ان سب میں ماہیا کو بہر حال سب سے زیادہ قبولیت اور مقبولیت حاصل رہی ہے اور حاصل رہے گی۔

ماہیے پر ہونے والی بحث میں میرا جتنا بھی حصہ رہا ہے، وہ یک جا کر کے ادبی دنیا کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور اس سارے لکھے کو ادب کی تاریخ کے حوالے کرتا ہوں۔

حیدر قریشی

۲۵ر جولائی ۲۰۱۰ء

Reha Klinik , Room No. 412, Am Sprudelhof, Germany

جرمنی میں میرا ایڈریس
Haider Qureshi
Rossertstr.6,Okriftel,
65795Hattersheim,Germany.

E-mail:
hqg786@arcor.de
haider_qureshi2000@yahoo.com

شکریۂ احباب

اس کتاب کے جن حصوں کی کمپوزنگ نامکمل تھی، ان کی بقیہ کمپوزنگ کچھ خود کر لی، کچھ برادرم ارشد خالد سے کرالی۔بنیادی کمپوزنگ فراہم کرنے میں برادران مکرم عارف فرہاد، ڈاکٹر نذر خلیق اور غلام فرید کا بہت زیادہ تعاون شامل رہا۔سو پاکستان سے برادرم ڈاکٹر نذر خلیق برادرم غلام فرید، برادرم عارف فرہاد اور برادرم ارشد خالد کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے کسی نہ کسی مرحلہ پر، کسی نہ کسی رنگ میں کمپوزنگ کی کچھ نہ کچھ سہولت فراہم کی۔اسی طرح انڈیا سے برادرم مطیع الرحمٰن عزیز کا بھی شکریہ کہ انہوں نے آخری مرحلہ کی کمپوزنگ میں کافی ساتھ دیا۔

اس معاملہ میں اپنی بڑی بیٹی عزیزی رضوانہ کوثر اور داماد حفیظ کوثر کا خصوصی شکریہ کہ کلینک میں قیام کے دوران ان کا لیپ ٹاپ ملنے کی وجہ سے مجھے وہاں میسر فرصت کے دوران اس کتاب کو مکمل کرنے کا موقعہ مل گیا ورنہ یہ کتاب گزشتہ تین برسوں کی طرح ابھی بھی ادھوری رہتی۔

برادرم سید وقار معین صاحب کا بھی شکریہ کہ انہوں نے کتاب کی بروقت اشاعت کا انتظام کر دیا۔اس طرح میری محنت پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہی چھپ کر سامنے آ گئی۔اللہ سارے احباب اور بچوں کو جزائے خیر دے اور خوش رکھے۔

حیدر قریشی

اردو میں ماہیا نگاری

(تحقیق وتنقید)

حیدر قریشی

فرہاد پبلی کیشنز اسلام آباد کی جانب سے ۱۹۹۷ء میں شائع کی گئی

جب ماہیے کی بات آئی
ساتھ ہی سکھیوں کے
پیتل کی پرات آئی

جھجری بھی بجاتے ہیں
تال پہ تالی کے
جب ماہیے گاتے ہیں

انتساب

قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے نام

جنہوں نے اردو میں درست ماہیا نگاری کے مثالی نمونے عطا کئے

اور خوبصورت گلوکاروں

محمد رفیع ، آشا بھونسلے اور مسرت نذیر کے نام

جن کے گائے ہوئے ماہیے ، ماہیا نگاری کی بحث میں مستقل حوالہ بن گئے ہیں ۔

چڑھتے ہوئے جامَن پر
داغ لگا بیٹھے
ترے پیار کا دامَن پر

ابتدائیہ

اردو میں ماہیا نگاری کی غلط روش کے بعد درست وزن میں ماہیا نگاری اور اصلاح احوال کا آغاز ۱۹۹۰ء میں ہوا۔اوراب کہ ۱۹۹۶ء گذر چکا ہے،لگ بھگ چھ سال کے عرصہ میں نہ صرف ماہیے کے وزن کی درستی کا مسئلہ حل ہوا ہے بلکہ اس کے مزاج کو سمجھنے کی مخلصانہ کوششیں بھی ہوئی ہیں۔گزشتہ ۶ برسوں میں ماہیے کی بحث نے کیا کیا رخ اختیار کیا۔۔۔؟ اس کی بیشتر رُوداد میں نے اپنے تاثرات کے ساتھ اس کتاب میں یک جا کرنے کی کوشش کی ہے۔کوشش کا لفظ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ ۱۹۹۲ء میں جب ماہیے پر پہلا تنقیدی مضمون شائع ہوا،انہیں ایام میں مجھے ترک وطن کرنا پڑا۔ بیرون ملک آ کر شاید میں تمام رسائل پر پوری نظر نہیں رکھ سکا۔ماہیے کی بحث جب عروج پر پہنچی میں وطن عزیز سے دور تھا اس کے باوجود مقدور بھر اس کی بحث میں شریک رہا۔

میں ادب میں کسی قول اور نظریے کو حرف آخر نہیں سمجھتا۔ماہیے کے سلسلے میں میرا ایک موقف ہے جسے میں نے دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان دلائل کو ان سے بہتر دلائل کے ساتھ توڑا جا سکتا ہے۔لیکن پتھر کے ساتھ نہیں۔۔۔گزشتہ چھ برسوں میں اختلاف رائے رکھنے والوں میں تین طرح کے احباب سامنے آئے:

۱۔ وہ احباب جو خلوص اور نیک نیتی سے سمجھتے تھے کہ شاید ماہیے کا وزن دونوں طرح سے ہے،اس لئے ماہیے کے دونوں وزن ٹھیک ہیں۔

۲۔ وہ احباب جو پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھ رہے تھے۔بعض کی ایسے ''ماہیوں'' کی کتابیں تک چھپ گئی تھی۔انہوں نے حقیقت حال ظاہر ہو جانے کے بعد اپنے غلط وزن کے ''ماہیوں'' کو ماہیے منوانے کے لئے امداد باہمی کے طور پر مہم چلائی۔تاہم ذاتی

پریشانی کے باعث ان احباب نے ''طے شدہ نتائج حاصل کرنے والا تحقیقی انداز'' اختیار کرنے کے باوجود زیادہ تر ادبی زبان میں اپنا موقف پیش کیا۔

۳۔ وہ کرم فرما جو مجھ سے کسی اور سبب سے ذاتی طور پر ناراض تھے۔انہوں نے محض مجھے نیچا دکھانے کی غرض سے غلط بحث کیا۔حقائق کو دیدہ دانستہ مسخ کیا۔ادبی فضا کو گرد آلود کیا۔یہ کرم فرما ماہیے کی آڑ میں اپنی زخمی انا کیلئے مرہم چاہتے ہیں،بصورت دیگر گرد اڑاتے رہیں گے۔

سو یہ کتاب تیسری قسم کے کرم فرماؤں کے لئے ہرگز نہیں ہے۔پہلے دونوں طرح کے احباب کے لئے اور ان تمام ادب دوستوں کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے جو کسی کی طرفداری یا مخالفت کے جذبے کے بغیر ماہیے کے وزن اور مزاج کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

اس کتاب کی تکمیل کیلئے مجھے بہت سے حوالوں کی ضرورت تھی جو یہاں دستیاب نہ تھے۔جن دوستوں نے میرے مطلوبہ حوالہ جات فراہم کرنے میں میری مدد کی ان میں جناب امین خیال،محترم ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی،برادرم صفدر رضا صفی،برادرم انور مینائی اور برادرم عارف فرہاد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔میں ان تمام دوستوں کے تعاون پر ان کا شکر گزار ہوں۔جن دوستوں نے میری مودبانہ درخواست کے باوجود مجھے میرا مطلوبہ مواد فراہم کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کر لی (حالانکہ میں مطلوبہ مواد کی فراہمی کیلئے جملہ اخراجات بھی ادا کر رہا تھا) میں ان کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔دراصل نوشہرہ،راولپنڈی اور کراچی کے یہ دوست غلط وزن کے ''ماہیے'' کے حامی ہیں شاید اس لئے ایک ادبی معاملے میں تعاون کرنے میں انہیں انقباض محسوس ہوا۔ادبی معاملات میں اختلاف رائے جرم نہیں ہوتا۔تحقیقی معاملات میں کسی فرد کی انا کے مقابلے میں حقائق محترم ہوتے ہیں۔بہرحال ان دوستوں کی خاموشی کی مجبوری بھی برحق ہے۔

ماہیا ''کتاب دل'' ہے۔اس کتاب میں ماہیے کی۔۔۔۔پنجابی اور اردو ماہیے کی مختصر سی کہانی کے ساتھ اس ''کتابِ دل'' کی چھوٹی سی تفسیر بھی کی گئی ہے،اس امید کے ساتھ کہ:

"دلکھی جائیں گی کتاب دل کی تفسیریں بہت"۔

ماہیے کے وزن اور مزاج کے سلسلے میں ایک واضح موقف رکھنے کے باوجود میں نے اپنے ذہن کی کھڑکیوں اور دل کے دروازے کو کھلا رکھا ہوا ہے۔علمی اور ادبی سطح پر کوئی نئی بات مضبوط دلائل کے ساتھ پیش کی جائے تو میں اسے قبول کرنے میں دیر نہیں کروں گا۔اسی طرح میں توقع رکھتا ہوں کہ اگر میرے موقف میں جان ہے تو علمی، ادبی مزاج رکھنے والے احباب اسے خوشدلی سے قبول کریں گے۔

حیدر قریشی (جرمنی)

مورخہ:۱۳جنوری ۱۹۹۷ء

پنجابی لوک گیت ۔ ماہیا

ماہیا سرزمینِ پنجاب کا عوامی گیت ہے۔ ماہیا کا لفظ ماہی سے نکلا ہے لیکن یہ اردو والا ماہی نہیں ہے۔ ویسے ماہیا میں محبّ اپنے محبوب کی جدائی میں ماہیٔ بے آب کی طرح بھی تڑپتا دکھائی دیتا ہے۔ پنجابی میں بھینس کو مہیں کہتے ہیں۔بھینسیں چرانے والوں کو اسی نسبت سے ماہی کہا جاتا تھا۔ان چرواہوں کو بھینسوں پر نظر رکھنے کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا تھا اس لئے دیہاتی ماحول کے مطابق انہوں نے کسی مشغلے کے ذریعے وقت گزاری کا راستہ نکالا۔ بانسری بجانے اور گیت گانے کا مشغلہ ایسا تھا کہ بیک وقت چرواہے کا فرض بھی ادا کیا جا سکتا تھا اور اپنے دل کو بھی بہلایا جا سکتا تھا۔ بانسری اور اچھی آوازوں کے جادو نے بھی بعض چرواہوں کو اپنے اپنے دیہاتوں میں مقبولیت عطا کی ہو گی لیکن جب محبت کے قصوں میں رانجھے اور مہینوال کو اپنے اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرنے کے لئے چرواہا بننا پڑا تو پھر ان کرداروں کی رومانوی کشش نے لفظ ماہی کو چرواہے کی سطح سے اٹھا کر نہ صرف ہیر اور سوہنی کا محبوب بنا دیا بلکہ ہر محبت کرنے والی مٹیار کا محبوب ماہی قرار پایا۔اسی ماہی کے ساتھ اپنے پیار کے اظہار کے لئے ماہیا عوامی گیت بن کر سامنے آیا۔

ماہیے میں پنجاب کے عوام کے جذبات، احساسات اور خواہشات کا خوبصورت اور براہِ راست اظہار ملتا ہے۔عوام نے اپنی امنگوں، آرزؤں اور دعاؤں کو اس شاعری کے ذریعے سینہ بہ سینہ آگے بڑھایا اور زندہ رکھا۔اسی لئے یہ عوامی گیت اپنی ظاہری صورت میں انفرادی ہونے کے باوجود اپنی سوسائٹی کی ترجمانی کرتا ہے۔

ماہیا فکر و خیال سے تہی نہیں ہوتا لیکن گہرے فلسفیانہ خیالات کے برعکس سیدھے سبھاؤ عوام کے دل میں اتر جانے والا انداز ہی اس کے مزاج کا اہم حصہ ہے۔عوام کے دل میں سما جانے والے مزاج کے باعث ماہیا فکر سے زیادہ جذبے کو اہمیت دیتا ہے تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس میں رمز و کنایہ سے کام نہیں لیا جاتا۔ ماہیے میں جذبوں کا رس رمز و کنایہ کی مٹھاس سے مل کر انوکھی لذت پیدا کر دیتا ہے۔

منجی دھپے چھانویں ڈائی ہوئی اے
غم ساہنوں سجناں دا
لوکاں مرض بنائی ہوئی اے

چٹے رنگ دا بدام ہوسی
جیندیاں وی تیری آں
مویاں مٹی وی غلام ہوسی

پہلے ماہیے میں عورت کہہ رہی ہے کہ میں نے اپنی چارپائی آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں ڈال رکھی ہے۔ مجھے غم تو اپنے ماہی کی جدائی کا ہے لیکن یہ لوگ میرے دکھ کو نہیں سمجھ رہے۔ قیاس کر رہے ہیں کہ میں بیمار ہوں۔ دھوپ چھاؤں کے الفاظ ایک طرف بہار کے موسم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جب چھاؤں میں زیادہ دیر بیٹھے رہیں تو ٹھنڈ کا احساس ہونے لگتا ہے اور دھوپ میں زیادہ دیر بیٹھیں تو دھوپ چبھنے لگتی ہے۔ یوں بہار کے موسم میں ماہی کی جدائی کا دکھ بیان کیا ہے۔ پھر کبھی دھوپ اور کبھی چھاؤں کے الفاظ محبت میں لحظہ بہ لحظہ بدلتے ہوئے حالات کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔

دوسرے ماہیے میں عورت براہ راست اپنے ماہی سے مخاطب ہے۔ کاغذی بادام کا اوپر والا چھلکا بڑی حد تک سفید ہوتا ہے۔ سو عورت اپنے پیار کو یوں چھپاتی اور بتاتی ہے کہ جس طرح کاغذی بادام کا چھلکا بظاہر سخت نظر آتا ہے لیکن انگلیوں کے معمولی

سے دباؤ کے ساتھ چھلکا ٹوٹ جاتا ہے اور اندر سے گری نکل آتی ہے۔ بالکل ایسے ہی تم میری ظاہری ناراضگی یا سختی پر مت جانا۔ میں تو اندر سے تم پر فدا ہو چکی ہوں۔ یہاں تک کہ جیتے جی بھی تمہاری ہوں اور مرنے کے بعد بھی نہ صرف تمہاری رہوں گی بلکہ میری مٹی بھی تمہاری غلام رہے گی۔سفید رنگ کے بادام سے ایک اور معنی بھی نکلتے ہیں۔ بادام کی گری کا چھلکا اتر جائے تو اندر سے سفید گری نکلتی ہے۔ یوں بے لباسی کو لطیف پیرائے میں بیان کر کے خود سپردگی کا اظہار کیا گیا ہے۔محبت کا یہ والہانہ انداز جسم سے روح تک کا سفر بن جاتا ہے۔ ان دو مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گہرے فلسفیانہ افکار سے گریز اور براہ راست اظہار کے باوجود ماہیے میں رمز و کنایہ کی مٹھاس ماہیے کو تہہ دار معانی کی حامل بنا دیتی ہے۔

ماہیا بظاہر عورت کی زبان میں مرد سے محبت کا اظہار ہے۔ اس حوالے سے ماہیے کو قدیم ہندوستانی گیت کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔غور کیا جائے تو یہ صوفی شعراء کا بالواسطہ اثر بھی محسوس ہوتا ہے کہ صوفیانہ شاعری میں محبوب ہمیشہ مذکر کے صیغہ میں آیا ہے۔ ریختی سے بھی اس کے سرے ملائے جا سکتے ہیں کہ ریختی میں عورت کی زبان سے جذبات کا بے محابا اظہار کیا جاتا ہے۔

بے شک ماہیے میں عام طور پر عورت ہی بولتی سنائی دیتی ہے لیکن مردانہ زبان کے ماہیے بھی شروع سے چلے آ رہے ہیں۔ مکالماتی صورت کے ماہیوں میں عموماً مرد اور عورت شوخی اور شرارت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ مکالماتی ماہیے دیکھیں جو چھیڑ چھاڑ کی حد سے آگے جا رہے ہیں:

عورت	**مرد**
سڑکے تے روڑی اے	سڑکے تے روڑی اے
نالے میرا چھلا لا لیا	کیہڑا تیرا چھلا لا لیا
نالے انگل مروڑی اے	کیہڑی انگل مروڑی اے

عورت	مرد
سڑ کے تے روڑی اے	باغے وچ آنواں گا
سجا میرا چھلا لالیا	نالے تیرا چھلا دیاں گا
کھبی انگل مروڑی اے	نالے انگل چڑھاواں گا

اس مثال سے ظاہر ہے کہ ماہیا محض عورت ہی کے جذبات کی نہیں، مرد کے جذبات کی بھی ترجمانی کرتا ہے۔ گو کہ پنجابی میں ماہیا مرد کی زبان میں بھی ریختی کے مزاج سے آگے نہیں بڑھ سکا لیکن خوشی کی بات ہے کہ اردو کے ماہیا نگاروں نے اسے ریختی سے اُٹھا کر ریختہ کی سطح تک پہنچا دیا ہے۔

محبوب کے ساتھ محبت کا اظہار، والہانہ پن، معاملہ بندی، چھیڑ چھاڑ، ہجر، وصال، شکوے شکایتیں ماہیے کے ابتدائی موضوعات تھے۔ ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی تو رشتہ داریاں، میلے ٹھیلے، شادی بیاہ اور روزمرہ زندگی کے معاملات اور تقریبات بھی ماہیے میں اپنا رنگ جمانے لگیں۔ حمد و نعت اور دعا کے دینی جذبات ماہیے کا موضوع بننے لگے، زندگی کے مسائل بھی ماہیے میں بیان ہونے لگے۔ یوں ماہیا پنجابی معاشرے کے جذبات کا ترجمان بنتا گیا۔ اگرچہ زندگی کے مسائل اور ان سے جڑے ہوئے مختلف انسانی جذبات کا اظہار ماہیے کے موضوعات میں وسعت اور تنوع پیدا کرتا ہے تاہم پنجابی ماہیے کا غالب موضوع اپنے ماہی سے باتیں کرنا اور اپنے ماہی کی باتیں کرنا ہے۔ ماہیے کے اسی غالب موضوع سے ماہیے کا مزاج مرتب ہوتا ہے اور اس حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ ماہیا غزل کی اس ابتدائی اور بنیادی تعریف سے قریب ہے جس کے مطابق غزل کا مطلب محبوب عورتوں کی باتیں کرنا تھا۔

☆☆☆☆

ماہیے کے وزن کا مسئلہ

ماہیے کے لئے بگڑو اور ٹپا کے نام بھی استعمال ہوئے ہیں لیکن ماہیا نام زیادہ مقبول ہوا۔ ماہیے کی تحریری صورت کے سلسلے میں دو آراء ہیں۔ پہلے موقف کے مطابق ماہیا تین مصرعوں کی نظم ہے:

کوٹھے اُتوں اُڈ کانواں
سد پٹواری نوں
جند ماہیے دے ناں لانواں

دوسرے موقف کے مطابق ماہیا ''ڈیڑھ مصرعہ کی نظم ہے۔ پہلی لائن آدھے مصرعے کی ہے جو ٹریگر کا کام کرتی ہے اور دوسری لائن پورے مصرعہ کی ہے جس میں جذبات کا شعری فائر ہوتا ہے''

(۱) اس موقف کے مطابق ماہیا یوں لکھا جاتا ہے:

کوٹھے اُتوں اُڈ کانواں
سد پٹواری نوں جند ماہیے دے ناں لانواں

یہ اختلاف رائے صرف ماہیے کو تحریری صورت میں پیش کرنے کا ہے وگرنہ مذکورہ بالا دونوں ہیئتوں میں ماہیے کا اصل وزن محفوظ ہے۔ اگرچہ ماہیا کو تین مصرعوں کی ہیئت میں واضح پذیرائی مل چکی ہے اور یہی صورت ماہیے کی مقبول اور مروج صورت ہے تاہم دوسرے موقف سے بھی ماہیے کا مجموعی وزن بہرحال قائم رہتا ہے۔

ماہیے کے وزن کے سلسلے میں دو موقف سامنے آئے ہیں۔ پہلا موقف تنویر بخاری

کا ہے۔ان کے بقول ماہیے کا وزن یہ بنتا ہے:

مفعول مفاعیلن
مفعول مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

دوسرا موقف ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری کا ہے۔ان کے بقول ماہیے کا وزن یوں ہے:

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن

وزن کی بحث میں دونوں پنجابی سکالرز کا اختلاف واضح طور پر سامنے آیا تھا۔ جہاں تک ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں کا تعلق ہے ان کا وزن مفعول مفاعیلن ۔۔ بھی ہو سکتا ہے اور فعلن فعلن فعلن بھی۔غور کیا جائے تو ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری کا موقف زیادہ جاندار ہے کیونکہ مفعول مفاعیلن بھی عملی طور پر حقیقتاً فعلن فعلن فعلن کا روپ دھار لیتا ہے: مفعولمفاعیلن ۔۔۔تاہم تنویر بخاری کا موقف بھی یکسر غلط نہیں ہے کیونکہ بعض ماہیے ان کے بیان کردہ وزن پر بھی پورے اترتے ہیں۔ البتہ ماہیے کے دوسرے مصرعے کا وزن بنیادی وزن سے ایک سبب یعنی دو حروف کم ہوتا ہے۔ ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ اگر مفعول مفاعیلن کے وزن پر ہے تو اس کے دوسرے مصرعے کا وزن فعل مفاعیلن بنتا ہے۔ یوں پورے ماہیے کا وزن یہ ہوگا:

مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

اگر ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ فعلن فعلن فعلن کے وزن پر ہے تو اس کے دوسرے مصرعے کا وزن فعلن فعلن فع بنتا ہے۔ یوں پورے ماہیے کا وزن یہ ہوگا:

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے وزن کے سلسلے میں تنویر بخاری اور ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری گہری نظر سے کام نہیں لے سکے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دونوں صاحبان ماہیے کے پہلے مصرعہ کو بنیاد مان کر اس کے وزن کی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماہیے کی دھن پر پورا دھیان نہ دینے کے باعث ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں کے مقابلے میں دوسرے مصرعے میں ایک سبب کی کمی کا نازک فرق انہیں سمجھ میں نہ آ سکا ہو۔

اُردو زبان میں زحافات کا تعین ہے۔جن حروف کو گرانے کی اجازت ہے ان کی وضاحت موجود ہے لیکن پنجابی زبان میں ایسا کوئی ضابطہ یا اصول نہیں ہے۔ ضرورت شعری کے مطابق اس کے حروف کو کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے اور گرا کر مختصر بھی کر لیا جاتا ہے۔اس عمل کے دوران ملفوظی یا غیر ملفوظی حروف کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ پنجابی زبان میں اس رعایت کا فائدہ ماہیے میں بھی اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ جن صاحبان نے پنجابی ماہیے کو تحریری صورت میں دیکھا اور پھر اسے اردو قواعد کے مطابق سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی وہ اپنی تمام تر نیک نیتی اور اخلاص کے باوجود مغالطے کا شکار ہوئے۔ بعض ادباء نے کہا کہ ماہیے کے دوسرے مصرعے کا وزن پہلے اور تیسرے مصرعوں سے ایک سبب کم بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات ان کے برابر بھی ہوتا ہے۔بعض ادباء نے یہ بھی کہہ دیا کہ بعض اوقات ماہیے کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعوں سے بڑھ بھی جاتا ہے (۲) ایسے تمام دوستوں کا مغالطہ اتنا بے جا بھی نہیں تھا۔ ماہیے کو تحریری صورت میں دیکھیں اور اردو قواعد ذہن میں ہوں تو لازماً ایسا دھوکہ ہوتا ہے۔ پہلے ایسے چند ماہیے دیکھ لیں جن میں بظاہر ایسے لگتا ہے کہ کہیں ماہیے کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے

مصرعے سے ایک سبب کم ہے تو کہیں تینوں مصرعے ہم وزن لگتے ہیں اور کہیں دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعوں سے بھی آگے نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ ایسے ماہیے جن میں دوسرا مصرعہ ایک سبب کم ہے:

باری وچ کھیس پیا	آری اتے آری اے
اک دَم سجناں دا	اک دَم یوسف دا
اووی ٹر پردیس گیا	سارا مصر وپاری اے

ایسے ماہیے جن میں بظاہر تینوں مصرعے ہم وزن لگتے ہیں:

دوکاج قمیضاں دے
اساں کل ٹر جانا
فرمیل نصیباں دے

☆☆

اسیں آپے ای بھل گئے آں
تیرے پچھے سجناں وے
سڑکاں تے رُل گئے آں

ایسے ماہیے جن میں بظاہر دوسرے مصرعہ میں ایک سبب زائد لگتا ہے:

اکھ رورو سک گئی اے
لوکاں دی مویاں مکدی
ساڈی جیوندیاں مک گئی اے

☆

آلو، مٹر پکائے ہوئے نیں
ساڈے نالوں بٹن چنگے
جیہڑے سینے نال لائے ہوئے نیں

ماہیے کی ایسی تحریری صورتیں دیکھ کر ہمارے بعض ادیب یہ سمجھ بیٹھے کہ ماہیے کا دوسرا مصرعہ ماہیے کے پہلے مصرعہ سے ایک سبب کم بھی ہوسکتا ہے۔ ہم وزن بھی ہوسکتا ہے اور ایک سبب زائد بھی ہوسکتا ہے۔ پروفیسر عرش صدیقی یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس رائے سے مجھے اختلاف نہیں کہ ماہیے کے دوسرے مصرعے میں پہلے سے ایک سبب کم ہوتا ہے۔ میں صرف اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ کم بھی ہوسکتا ہے اور بیش بھی۔ یوں بنیادی وزن فعلن تین بار باہر رہے گا اور دوسرا مصرعہ تین ڈھائی یا ساڑھے تین بار بھی ہوسکے گا۔ پنجابی ماہیے میں یہ تینوں صورتیں ملتی ہیں۔'' (۳)

جب ماہیے کو تحریری صورت میں دیکھنے کے باعث اس کے دوسرے مصرعہ کے وزن کا مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہے تو کسی درست نتیجے تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے؟۔ اس سلسلے میں میرا موقف یہ ہے کہ ماہیا اصلاً لوک گیت ہے جس کی اپنی مخصوص دھن ہے۔ بس اسی دھن میں ہی اس کا اصل وزن موجود ہے۔ مختلف فلمی ماہیوں میں موسیقی کے نئے تجربے کئے گئے ہیں لیکن ہر تجربے میں ماہیے کی عوامی دھن کی روح نہ صرف موجود ہے بلکہ اپنے اصل وزن کے ساتھ پوری طرح محفوظ ہے۔ سو ماہیے کی دھن سے ہی اس کا اصل وزن دریافت کیا جاسکتا ہے۔ پہلے دیہاتی عوامی دھن اور بعض فلمی ماہیوں کی معروف مثالیں دیکھ لیں ان ماہیوں کو پڑھنے سے زیادہ سننا اور ان کی طرز کو ذہن نشین کرنا ضروری ہے:

چٹا ککڑ بنیرے تے	ساڈے دل نے گوا ماہیا
ریشمی دوپٹے والیے	تیری میری اک جندڑی
منڈا صدقے تیرے تے	بھانویں بت نے جدا ماہیا
(معروف دیہاتی دھن۔آواز: مسرت نذیر)	**(فلم ذیلدار)**
ساڈی عجب کہانی اے	کیوں مڑ مڑ تکدے او
بھل کے پرانے دکھڑے	پانویں لکھ پردے کرو
نویں دنیا وسانی اے	ساتوں لک نئیں سکدے او

(فلم: میرا ماہی)	**(فلم: یکے والی)**
اسمانی تارے نیں	ساڈا نازک دل ماہیا
بازی دل والی چناں	کلیاں نوں ملے بھنورے
اسی جت کے وی ہارے وے	سانوں توں گئیوں مل ماہیا
(فلم : من موجی)	**(فلم: پیشہ ور بدمعاش)**

ان ساری دھنوں کو ذہن نشین کر لیں۔ پھر ہر گانے کی طرز پر مذکورہ بالا ماہیوں کی بجائے ان اوزان کو گنگنا کر دیکھیں اور پرکھیں:

فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن
فعلن فعلن فع	فعل مفاعیلن
فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن

ان دونوں اوزان کو ماہیے کی عوامی اور فلمی دھنوں پر روانی کے ساتھ گنگنایا جا رہا ہے۔کہیں جھٹکا لگنے یا اٹکنے کا احساس نہیں ہوتا۔اب یوں کریں کہ اوپر والی ساری دھنوں پر باری باری ان دو اوزان کو بھی گنگنا کر پرکھنے کی کوشش کریں:

فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن
فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن
فعلن فعلن فعلن	مفعول مفاعیلن

یہاں آپ دوسرے مصرعوں کو سہولت اور روانی کے ساتھ نہیں گنگنا پائیں گے کیونکہ ماہیے کی دھن دوسرے مصرعے کو اسی صورت میں رواں کر سکے گی جب اس کا ایک سبب کم ہوگا۔ جب ماہیے کا دوسرا مصرعہ، پہلے اور تیسرے مصرعے سے ہم وزن ہونے کی صورت میں ہی لَے سے باہر ہو رہا ہے تو ایک سبب زائد ہونے کی صورت میں کیسے دھن میں لایا جا سکے گا۔

اس سیدھے سادھے اور آسان تجربے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ماہیے کا پہلا

مصرعہ اور تیسرا مصرعہ تو ہم وزن ہیں لیکن دوسرا مصرعہ ان کے وزن سے ایک سبب یعنی دو حروف کم ہے۔اگر تحریری صورت میں پنجابی ماہیے کا دوسرا مصرعہ کبھی پہلے اور تیسرے مصرعوں سے ایک سبب زائد اور کبھی ہم وزن نظر آتا ہے تو ایسا صرف پنجابی زبان کی لچک کے باعث نظر آتا ہے۔ پنجابی زبان کا یہ لچکیلا پن لسانی قواعد و ضوابط کی عدم موجودگی کے باعث ہے۔تاہم ماہیے کی دھن سے ماہیے کا وزن نہ صرف واضح طور پر مل جاتا ہے بلکہ اس سے ساری غلط فہمیاں بھی دُور ہو جاتی ہیں۔ ماہیے کے وزن کی تقسیم کے سلسلے میں یہ ایک اہم اور بنیادی نکتہ ہے جس سے بالخصوص ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے فرق کی نزاکت کو با آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

ماہیے کی دھن کا اعجاز ہے کہ اس نے نہ صرف ماہیے کے وزن کا پوری طرح تحفظ کیا ہے بلکہ اس کی بقا اور ارتقاء کی بھی ضمانت بن گئی ہے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ماہیا عوامی گیت ہے۔ یہ گائی جانے والی شاعری پہلے ہے اور لکھی جانے والی، پڑھی جانے والی شاعری بعد میں ہے۔ وہی ماہیا حقیقی معنوں میں ماہیا ہے جو سہولت اور روانی کے ساتھ ماہیے کی مخصوص دھن میں گایا/ گنگنایا جا سکتا ہے۔

پنجابی میں ماہیے کہتے وقت دوسرے مصرعے کے وزن کے باریک فرق کا اس لئے خیال نہیں کرنا پڑتا کہ پنجابی زبان کی لچک خود ہی اسے سنبھال لیتی ہے لیکن اردو زبان میں چونکہ ایسی عمومی لچک نہیں ہے اور اردو میں ماہیے کہتے وقت اردو قواعد کے مطابق ہی چلنا پڑتا ہے۔اس لئے اردو میں ماہیے کہتے وقت اس کے دوسرے مصرعے کے حساس فرق کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔ جو لوگ اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھ سکے انہوں نے ماہیے نہیں لکھے ثلاثی قسم کی کوئی چیز لکھی ہے۔

☆☆☆☆

اُردو میں ماہیا نگاری کی ابتدا

چراغ حسن حسرت کلکتہ کے اخبار ’’نئی دنیا‘‘ میں کولمبس کے نام سے فکاہی کالم لکھا کرتے تھے۔۱۹۳۰ء کے بعد وہ کلکتہ سے لاہور آ گئے۔ یہاں وہ مختلف اخبارات سے منسلک رہے ہیں۔انہوں نے ۱۹۳۷ء میں پنجابی ماہیے کے حسن سے متاثر ہوکر اردو میں چند ’’ماہیے‘‘ کہےان کے ایسے دو’’ماہیے‘‘ دیکھیں:

باغوں میں پڑے جھولے
تم بھول گئے ہم کو
ہم تم کو نہیں بھولے

راوی کا کنارا ہو
ہر موج کے ہونٹوں پر
افسانہ ہمارا ہو

پنجابی ماہیے کی جادوگری اور چراغ حسن حسرت کی ماہیے سے محبت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔لیکن حسرت پنجابی ماہیے کے وزن کی نزاکت کا خیال نہیں رکھ سکے۔نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے تین یکساں مصرعوں کے’’ماہیے‘‘ لکھ دیئے۔ان ماہیوں کے لگ بھگ ۲۰ سال بعد فلم پھاگن آئی تو اس کے ایک گیت میں پہلی بار پنجابی ماہیے کے درست وزن کے مطابق اردو ماہیے پیش کئے گئے۔اس فلم کے پروڈیوسر اردو کے مشہور ادیب راجندر سنگھ بیدی تھے اور مذکورہ ماہیے قمر جلال آبادی نے لکھے تھے۔ان ماہیوں کو محمد رفیع اور آشا بھونسلے نے گایا تھا:

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ

کیوں ہو گیا بے گانہ
ترا مرا کیا رشتہ
یہ تو نے نہیں جانا

☆

میں لاکھ ہوں بے گانہ
پھر یہ تڑپ کیسی
اتنا تو بتا جانا

فرصت ہو تو آ جانا
اپنے ہی ہاتھوں سے
مری دنیا مٹا جانا

اب تک کی معلومات کے مطابق یہ ماہیے اردو کے سب سے پہلے ماہیے ہیں جو پنجابی ماہیے کے وزن پر پورے اترتے ہیں۔اس لحاظ سے قمر جلال آبادی اردو کے سب سے پہلے ماہیا نگار قرار پاتے ہیں۔

اس گیت کے چند برس بعد اردو کے ایک اور معروف اور ممتاز شاعر ساحر لدھیانوی نے بھی اردو ماہیے لکھے۔یہ ماہیے فلم’’نیا دور‘‘ کے لئے محمد رفیع نے گائے تھے۔قمر جلال آبادی کے ماہیے اس وزن کے مطابق تھے۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

ساحر لدھیانوی نے ماہیے کے دونوں اوزان میں زحافات کی رعایت کے ساتھ اپنے ماہیے پیش کئے۔

دل کے لے دغا دیں گے	مفعول مفاعیلن
یار ہیں مطلب کے	فعل مفاعیلن
یہ دیں گے تو کیا دیں گے	مفعول مفاعیلن

☆

دُنیا کو دکھا دیں گے	فعلن فعلن فعلن
یاروں کے پسینے پر	فعلن فعلن فع
ہم خون بہا دیں گے	فعلن فعلن فعلن

ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی اس لئے درست پنجابی وزن کے مطابق ماہیے لکھ سکے کہ انہوں نے اردو ماہیے لکھتے وقت پنجابی ماہیے کو کسی عروضی حوالے سے سمجھنے کی بجائے اسے اس کی دھن کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی اور کامیاب رہے۔

ماہیے کی اصل دھن میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے ماہیے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء کے عرصہ میں آئے۔ اسی عرصہ کے دوران بشیر منذر، عبدالمجید بھٹی، منیر عشرت اور ثاقب زیروی نے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی پیش کئے۔ تاہم ابھی ماہیا نگاری کو تحریک کی صورت نہیں ملی تھی۔ اردو میں ماہیا نگاری کی موجودہ تحریک کا سلسلہ اسی کی دہائی میں ہونے والے ''تجربے'' سے براہ راست جوڑا جا سکتا ہے۔ ۱۹۸۳ء میں علی محمد فرشی کے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی ''ماہیے'' کے طور پر چھپے۔ علی محمد فرشی کے چند ''ماہیے'' پاکستان ٹیلی ویژن سے ٹیلی کاسٹ کئے گئے تھے۔ ان کی گائیکی سن کر ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ماہیے کی اصل لے میں نہ آنے کے باعث انہیں گانے والا بھی مشکل میں ہے اور گائیکی کا انداز بھی پنجابی کی کسی بھی دھن سے میل نہیں کھا رہا۔ علی محمد فرشی حقیقتاً تین ہم وزن مصرعوں کے ہائیکو لکھنے کے بعد تین ہم وزن مصرعوں کے ماہیے لکھنے لگے تھے۔ تحریری صورت میں اردو میں ہائیکو کا تجربہ ویسے بھی ہلکا پھلکا سا تھا۔ ایسے میں ماہیے کے مزاج سے قریب ثلاثی سامنے آئے تو قارئین ادب نے انہیں پسند کیا۔ علی محمد فرشی کے بعد نصیر احمد ناصر اور سیدہ حنا نے بھی ''ماہیا نگاری'' کا آغاز کیا۔ یہ دونوں بھی پہلے تین یکساں مصرعوں کے ہائیکو لکھ رہے تھے۔ چونکہ ہائیکو کے اصل وزن کا مسئلہ سامنے آ رہا تھا اس لئے ان دونوں شعراء نے بھی ''ماہیے'' کی طرف زیادہ توجہ دینا شروع کر دی لیکن ہائیکو نگاری کی طرح ماہیا نگاری میں بھی تین یکساں وزن کے مصرعے ہی لکھنے لگے۔ اس میں مذکورہ بالا تینوں شعراء کا کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ تینوں ہی ماہیے کے دوسرے مصرعے کے نازک فرق سے بے خبر تھے۔ یہاں علی محمد فرشی، نصیر احمد ناصر اور سیدہ حنا کے چند ثلاثی بھی دیکھ لیں جو انہوں نے ماہیے کے نام سے چھپوائے:

جو فرق تھا زر کا تھا
تعبیر محل کی وہ
میں خواب کھنڈر کا تھا

کفنی کوئی سلتی ہے
کب اس کو خبر میری
اس شہر میں ملتی ہے

(علی محمد فرشی)

ہاتھوں کی لکیروں میں
اک نام سلگتا ہے
بے آب جزیروں میں

سُنتا ہے نہ کہتا ہے
گُم اپنے خیالوں میں
پاگل کوئی رہتا ہے

(نصیر احمد ناصر)

کیچڑ میں کنول دیکھا
بے آسرا بچے کو
روتے ہوئے کل دیکھا

اک فاختہ بیٹھی ہے
پنکھ اس نے سمیٹے ہیں
لگتا ہے کہ زخمی ہے

☆

دیمک لگی الماری
اب اس میں رکھا کیا ہے
بیمار رہے بے چاری

چاندی کی کٹوری ہے
بیوی مرے بھائی کی
کہتے ہیں چٹوری ہے

(سیدہ حنا)

نصیر احمد ناصر اور علی محمد فرشی کے مقابلے میں سیدہ حنا کی ''ماہیا نگاری'' زیادہ مقبول ہوئی۔ بھارت کے دیپک قمر براہ راست ان سے متاثر ہوئے۔ وصی محمد وصی نے اثر قبول کیا، پھر یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ یوں علی محمد فرشی کی اولیت کے باوجود غلط وزن کے ماہیوں کو سیدہ حنا کے ذریعے فروغ حاصل ہوا۔ ماہیوں میں تین یکساں وزن کے مصرعوں کی غلط روش بے خبری کے باعث عام ہوئی، پھر اس کا ایسا بے محابا استعمال ہونے لگا کہ ہر

شاعر نے من چاہا وزن گھڑ لیا۔ وزن کے گمراہ کن استعمال کی یہ مثالیں بھی دیکھ لیں:

شجر سے ٹوٹا	نکال خنجر
سکوت جیسے	برہنہ سر ہے
حجر سے ٹوٹا	سنبھال خنجر

(ماہیے از فیروز مرزا مطبوعہ دو ماہی گلبن احمد آباد شمارہ جولائی اگست ۱۹۹۳ء)

آنکھوں میں بھری ہے ریت
طوفان کے ہاتھوں سے
پامال ہوئے میرے کھیت

رنگین اندھیرے میں
تری یاد مجھے لے لیتی ہے
بانہوں کے گھیرے میں

(ماہیے از سیما شکیب مطبوعہ سہ ماہی ارتکاز کراچی شمارہ اکتوبر ۱۹۹۵ء)

روشنی کا کہیں لشکر بھی نہیں
شب مرے شہر سے گزری لیکن
جاگتی صبح کا منظر بھی نہیں

راستے میں کہیں اشجار نہیں
دھوپ ہے آج بدن کی قسمت
دور تک سایہ دیوار نہیں

(ماہیے از شارق جمال ناگ پوری مطبوعہ: ماہنامہ ''نئی شناخت'' کٹک۔ جلد ۱، شمارہ ۲)

اگر چہ اب قفس میں بھی نہیں ہوں
میں نیلے پانیوں پر کیا اُڑوں گا
کہ اپنی دسترس میں بھی نہیں ہوں

مرے اندر کوئی تنہا بہت ہے
نہ جانے کیوں خوشی کی ساعتوں میں
لپٹ کر مجھ سے وہ روتا بہت ہے

(ماہیے از حسن عباس رضا۔ مطبوعہ ''اوراق'' لاہور۔ شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۲ء)

ماہیے کے ساتھ یہ تماشا نو آموز شاعروں نے نہیں کیا۔ زیادہ تر ایسے شعراء ہیں جو ایک عرصہ سے شاعری کر رہے ہیں اور ادب کی دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ جب ماہیا نگاری کے لئے اصل پنجابی ماہیے کے وزن کی پابندی اٹھا لی جائے گی تو پھر ان سے بھی بڑھ کر آزاد ''ماہیے'' لکھے جائیں گے۔

چراغ حسن حسرت کے ''ماہیوں'' کے لگ بھگ بیس سال کے بعد پہلے قمر جلال آبادی نے پھر ساحر لدھیانوی نے کسی بحث کے بغیر اردو میں درست وزن کے ماہیے پیش کر کے اصلاح کی ایک صورت نکالی تھی۔ پھر ان سے لگ بھگ بیس سال کے بعد جب نئی نسل کے بعض شعراء ماہیے کی طرف راغب ہوئے تو انہوں نے بھی بے خبری کے باعث چراغ حسن حسرت والا وزن اختیار کیا۔ اس غلط روش کی طرف توجہ کرنے میں بھی تقریباً دس سال کا عرصہ لگ گیا۔

ماہیے کے وزن کی درستی کے سلسلے میں سب سے پہلے ممتاز عارف نے توجہ دلائی۔ ''اوراق'' شمارہ اگست ۱۹۹۰ء میں ان کا یہ خط شائع ہوا:

''اوراق کے تازہ شمارے میں جو ماہیے شائع ہوئے ہیں وہ غنائیت سے تو واقعی لبریز ہیں لیکن ماہیے کا جو ایک مخصوص وزن ہے بعض ماہیے اس پر پورا نہیں اترتے۔

مثلاً " دل اس سے لگا بیٹھے/ اک شخص کی چاہت میں/ ہم جان گنوا بیٹھے ☆ پانی پہ جمی کائی/ کیا لطف محبت کا/ جب دل میں بدی آئی ۔۔۔۔میری ناقص رائے اور معلومات کے مطابق ماہیے کا روایتی اور درست وزن ایسے ہے:

باغوں میں پڑے جھولے/ تم ہمیں بھول گئے/ ہم تم کو نہیں بھولے۔۔۔۔۔۔۔ ماہیا چونکہ بنیادی طور پر پنجابی کی صنف ہے اس لئے دو مثالیں پنجابی ماہیوں کی ملاحظہ فرمائیں: کوئی کا ناوے کھاری دا/ دکھیاں بندیاں نو/ انج طعنہ نئیں ماری دا

ممٹی اُتے کاں بولے/ چٹھی آئی سجناں دی/ وچ میرا وی ناں بولے۔ یہ بات اپنی جگہ لائق تحسین ہے کہ آپ ماہیے (اردو ماہیے) کی روایت کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں آپ ماہیے کو خوب سے خوب تر بنانے کی تحریک چلا رہے ہیں۔ لیکن میری گزارش ہے کہ ماہیوں کی اشاعت کے وقت ماہیے کے مخصوص وزن کو پیش نظر ضرور رکھیں''۔

ممتاز عارف نے ماہیا کے درست وزن کے سلسلے میں بجا طور پر نشاندہی کی تھی۔ لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے حسرت کے اس ''ماہیے'' کو درست وزن میں کر دیا جو حقیقتاً تین یکساں مصرعوں پر مشتمل تھا۔ مذکورہ ''ماہیے'' کا دوسرا مصرعہ ''تم بھول گئے ہم کو'' ہے اور درست وزن میں لانے کے لئے اسے ''تم ہمیں بھول گئے'' ہی کرنا چاہئے تھا لیکن ممتاز عارف نے از خود تصرف سے کام لے کر غلط مثال دی تھی۔ ممتاز عارف کی بیان کردہ مثال پر انحصار کے نتیجہ میں آگے چل کر درست وزن والوں کو حق پر ہونے کے باوجود ایک بار خفت کا سامنا کرنا پڑا، جب غلط وزن والوں نے اس بحث کو علمی اور تحقیقی انداز میں آگے بڑھانے کی بجائے مناظرانہ رنگ دینے کی کوشش کی۔ ہر چند علمی اور تحقیقی کام میں مناظرانہ رنگ زیادہ دیر تک اور دور تک نہیں چل سکتا کیونکہ اہل علم کے نزدیک وقتی جملے بازی نہیں، حقائق معتبر ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ممتاز عارف نے قمر جلال آبادی یا ساحر لدھیانوی کے ماہیوں کے حوالے دیئے ہوتے تو اچھا تھا۔ ممتاز

عارف کے خط کی اشاعت کے نتیجہ میں، میں نے ماہیے کے وزن پر کافی غور کیا۔ اسی غور و خوض کے دوران ایک لہر میں مجھ سے چند ماہیے بھی ہو گئے۔ یہ ماہیے ماہنامہ ''ادب لطیف'' لاہور کے شمارہ نومبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئے۔ ان میں سے چند ماہیے یہ ہیں:

سوہنی ہے نہ ہیر ہے وہ	آنکھوں میں ستارے ہیں
اس کی مثال کہاں	ہجر کی شب میں بھی
آپ اپنی نظیر ہے وہ	وہ پاس ہمارے ہیں

☆

کچھ ہم نے ہی پی لی تھی	مل مہکی فضاؤں سے
یا پھر سچ مچ ہی	یا رنکل باہر
وہ آنکھ نشیلی تھی	اندر کے خلاؤں سے

نومبر میں یہ ماہیے چھپے اور دسمبر ۱۹۹۰ء کے ''اوراق'' میں میرا ایک خط شائع ہوا۔ جس میں ممتاز عارف کے موقف کی حمایت کرتے ہوئے اس وقت کے ''ماہیا نگاروں'' کو واضح مشورہ بھی دیا گیا۔ اس خط کا متعلقہ حصہ پیش ہے:

''ممتاز عارف نے اپنے خط میں ماہیے کے وزن کا مسئلہ اٹھایا ہے جو خاصا وزن رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ماہیا نگاروں کو باہم طے کر لینا چاہئے کہ انہیں اردو ماہیے کو اصل پنجابی ماہیے کی طرح رکھنا ہے یا اس کا حشر بھی ہائیکو جیسا کرانا ہے''۔

میرے اس مشورے پر کسی ''ماہیا نگار'' نے توجہ نہ فرمائی۔ ''ادب لطیف'' میں میرے ماہیوں کی اشاعت کے بعد ''تجدید نو'' شمارہ اگست ۱۹۹۱ء میں اور سہ ماہی ''ابلاغ'' شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۱ء میں میرے ماہیے شائع ہوئے۔ ''ادب لطیف'' اور ''تجدید نو'' میں چھپنے والے ماہیوں کے خلاف تو کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا لیکن ابلاغ میں میرے ماہیے چھپتے ہی شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا گیا (کرایا گیا)۔ شاید ایسا اس لئے ہوا کہ سیدہ حنا اس رسالے کی مدیرہ تھیں۔ وصی محمد وصی کے نامناسب خط اور سید حامد

سروش کی مناظرانہ حاشیہ آرائی سے یہ فائدہ ہوا کہ ماہیے کے وزن کا مسئلہ نمایاں ہو کر سامنے آ گیا اور مسئلہ نمایاں ہو کر سامنے آنے سے شعرائے کرام کو ماہیے کے اصل وزن کا علم ہونے لگا چنانچہ پھر اصل وزن کی حمایت میں سنجیدگی سے اور تفصیل سے اظہار ہونے لگا اور ماہیے کے خدوخال کو سمجھنے کی کوشش ہونے لگی۔

☆☆☆☆

ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث

(۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۳ء)

۱۹۹۲ء میں ماہیے کے وزن کی بحث ادبی رسائل میں وضاحتی خطوط سے آگے بڑھی۔ پروفیسر افتخار احمد نے اس موضوع میں دلچسپی لی۔ میرے ساتھ ان کی کئی نشستیں ہوئیں۔ پھر انہوں نے ''اردو ماہیے'' کے عنوان سے ایک مختصر مضمون لکھا۔ یہ مضمون ماہنامہ ''صریر'' کراچی کے شمارہ اگست ۱۹۹۲ء میں اور ماہنامہ ''تجدید نو'' کے شمارہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں انہوں نے ماہیے کے وزن کے سلسلے میں بتایا کہ یہ وزن یوں ہے۔

مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

انہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم کرنے کی بجائے ایک حرف ملفوظی کم کرنے سے بھی یعنی فعل مفاعیلن کی جگہ فعلن مفاعیلن سے بھی کام چل جاتا ہے۔ انہوں نے یہ پتے کی بات لکھی :

''اگر پنجابی ماہیے کے تینوں مصرعے یکساں نہیں ہیں تو پھر اردو کے کسی بھی شاعر کی سند پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔ اردو کے کسی اچھے سے اچھے شاعر نے بھی اگر ماہیے لکھتے وقت پنجابی ماہیے کا وزن ملحوظ نہیں رکھا تو یہ اس کی غلطی ہے۔ ایسے ماہیے ثلاثی قسم کی چیز تو کہلا سکتے ہیں ''ماہیے'' ہرگز نہیں۔ پروفیسر افتخار احمد کے مضمون نے اہل علم کو

فوراً اپنی طرف متوجہ کیا، چنانچہ نوجوان نقاد اور انشائیہ نگار ناصر عباس نیرّ نے ماہنامہ ''صریر'' کے شمارہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں اپنی رائے دیتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھا:

''اردو ماہیے کو پنجابی ماہیے کے وزن کے ہاتھ پر بیعت کرنی ہوگی''۔

پروفیسر ڈاکٹر عرش صدیقی نے ماہنامہ تجدید نو دسمبر ۱۹۹۲ء میں اپنے ایک مضمون میں جہاں پروفیسر افتخار احمد کے موقف سے اتفاق کیا، وہیں کچھ نئی باتیں بھی کیں۔۔۔۔لیکن ان کے مضمون کے ذکر سے پہلے اپنے ایک مضمون کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ماہنامہ ''صریر'' کے دسمبر ۱۹۹۲ء کے شمارہ میں میرا ایک مضمون شائع ہوا۔''ماہیا اور اس کا دوسرا مصرعہ'' اس مضمون میں ماہیے کا وزن میں نے بھی وہی بیان کیا جو افتخار احمد لکھ چکے تھے۔ تاہم اس میں ماہیے کی صنف کا تھوڑا سا تعارف اور اس کے مختلف موضوعات کے تذکرہ کے ساتھ پنجاب کے دیہاتی ماہیوں اور فلمی ماہیوں کی مثالیں دے کر ماہیے کے وزن کو واضح کیا۔ میں نے اس مضمون میں تین ہم وزن مصرعوں کے غلط ماہیے لکھنے والوں کے بارے میں لکھا کہ:

''ابتداء میں جن شعراء نے اسے اپنایا بعد میں آنے والوں نے انہیں کی تقلید کی اور یوں گزشتہ چند برسوں میں اردو ماہیا بھیڑ چال کا شکار رہا۔ تین یکساں مصرعوں میں ماہیے لکھنے والوں کو ماہیا نگاری میں تو سہولت ہوگئی لیکن اس سے پنجابی ماہیے کی روح اور جسم دونوں کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ اصل پنجابی وزن کے مطابق ماہیے لکھ کر ہمیں تھوڑی بہت محنت ضرور کرنا پڑے گی لیکن اس سے جہاں ہم ماہیے کی ثقافتی جڑوں سے منسلک ہوں گے وہیں اردو میں بھی ایک انوکھا اضافہ ہوگا''۔

پروفیسر عرش صدیقی نے پروفیسر افتخار احمد کے مضمون ''اردو ماہیے'' پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ پتے کی بات کی کہ ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن کے مطابق بھی ہوسکتا ہے اور فعلن فعلن فعلن کے مطابق بھی۔ دراصل پنجابی میں تنویر بخاری نے ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن بیان کیا تھا جبکہ ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری نے اسے

فعلن فعلن فعلن قرار دیا تھا۔لیکن اردو والے ابھی اس سے واقف نہیں ہوئے تھے۔ البتہ ایسا ضرور ہو رہا تھا کہ میرے بعض ماہیے (پہلے اور تیسرے مصرعوں میں) مفعول مفاعیلن کے مطابق ہوتے تھے اور بعض تین بار فعلن کے مطابق۔ ابھی تک عروضی صورت حال ہمارے سامنے پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔بس ماہیوں کو گنگنا کر پنجابی دھن پر پرکھنے کے باعث دونوں اوزان میں ماہیے ہو رہے تھے۔اسی وجہ سے میں بھی اور پروفیسر افتخار احمد بھی، ہم دونوں شروع میں اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ دوسرے مصرعہ میں فعل مفاعیلن کی جگہ فعلن مفاعیلن بھی لایا جا سکتا ہے۔ پروفیسر عرش صدیقی نے اس غلط فہمی کو دور کیا اور اردو دنیا کو فعلن فعلن فعلن والے وزن سے باخبر کیا۔ انہوں نے لکھا:

''یہ بات درست ہوگی کہ ماہیے کے لئے مفعول مفاعیلن اور فعلن فعلن فعلن کے دونوں اوزان بالکل درست ہیں۔ان دونوں اوزان سے اگر ایک ایک سبب کم کر دیا جائے تو زیادہ پریشانی نہیں ہوتی بلکہ فعلن والی بحر میں تو یہ عین فطری قواعد کے مطابق ہوتا ہے''۔ پروفیسر عرش صدیقی نے ماہیے کے وزن کی بحث کو سمیٹتے ہوئے اپنا موقف یوں واضح کیا :

''اس رائے سے مجھے اختلاف نہیں کہ ماہیے کے دوسرے مصرعے میں پہلے سے ایک سبب کم ہوتا ہے۔ میں صرف اس میں یہ اضافہ کروں گا کہ کم بھی ہوسکتا ہے اور بیش بھی۔ یوں بنیادی وزن فعلن تین بار باہر رہے گا اور دوسرا مصرعہ تین ڈھائی یا ساڑھے تین بار بھی ہوسکے گا۔ پنجابی ماہیے میں یہ تینوں صورتیں ملتی ہیں''۔

اصل میں پروفیسر عرش صدیقی اپنے اخلاص کے باوجود ماہیے کی مخصوص دھن سے اس کا وزن دریافت کرنے کی بجائے پنجابی ماہیے کو اردو قواعد کے مطابق پرکھنے لگے تھے اسی لئے دوسرے مصرعہ کے وزن میں فعلن کے لئے ڈھائی بار سے بڑھ کر تین اور ساڑھے تین بار تک کے مغالطہ میں پڑ گئے۔ پروفیسر عرش صدیقی کے بیان کردہ تینوں

اوزان یہاں لکھ رہا ہوں ۔ تینوں کو باری باری ماہیے کی کسی معروف دھن میں آزما کر چیک کریں:

فعلن فعلن فعلن	فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع (ڈھائی بار فعلن)	فعلن فعلن علن (تین بار فعلن)
فعلن فعلن فعلن	فعلن فعلن فعلن

فعلن فعلن فعلن

فعلن فعلن فعلن فع (ساڑھے تین بار فعلن)

فعلن فعلن فعلن

سوائے پہلے وزن کے کسی بھی وزن کو آپ ماہیے کی دھن میں نہیں گنگنا سکیں گے ۔ اس تجربے کا ذکر میں شروع میں بھی کر آیا ہوں اور اسی آسان تجربے سے ماہیے کے وزن کو اس کی دھن سے معلوم کیا جا سکتا ہے ۔

۱۹۹۲ء کے سال میں ماہیے کے وزن کی بحث سے جہاں اس کے خدوخال نمایاں ہوئے وہیں درست وزن میں ماہیا نگاری کا احساس بھی پیدا ہوا۔ چنانچہ میں جو ۱۹۹۰ء سے اکیلا ہی درست وزن میں ماہیے کہہ رہا تھا۔ اکتوبر ۱۹۹۲ء کے تجدید نو میں میرے ساتھ کچھ اور دوست بھی آن ملے ۔ یہ نئے ماہیا نگار سعید شباب، اجمل جنڈیالوی اور نوید رضا تھے ۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں رانا غلام شبیر اور تنویر نوازش کے ماہیے بھی تجدید نو میں چھپے ۔ ان دونوں کے ماہیے زیادہ تر درست وزن میں تھے لیکن بعض ماہیوں میں جھٹکے بھی محسوس ہو رہے تھے ۔ ۱۹۹۳ء میں بھارت میں بھی درست وزن میں ماہیا نگاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز نے اس برس درست وزن میں ماہیے کہے جو ''اوراق'' کی زینت بنے ۔ پاکستان میں بھی شعرائے کرام نے درست وزن کے ماہیے کہنے شروع کر دیئے ۔ امین خیال، غزالہ طلعت، نذر عباس، ارشد نعیم اور نوید رضا کے ماہیوں نے وزن کی درستی میں اہم کردار ادا کیا۔ درست وزن کے بیشتر ماہیے ''اوراق''

لاہور، ''صریر'' کراچی، ''تجدید نو'' اسلام آباد، ''توازن'' بھارت اور ''اسباق'' بھارت میں شائع ہوئے ۔

۱۹۹۳ء میں ماہیے کے وزن کے ساتھ اس کے مزاج کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ خاور اعجاز نے ''تجدید نو'' کے شمارہ فروری ۱۹۹۳ء میں اپنے مضمون میں ماہیے کے دونوں اوزان کو درست مانتے ہوئے لکھا کہ ماہیے کے سلسلے میں وزن سے زیادہ اس کے مزاج کو اہمیت دی جانی چاہئے جبکہ ماہنامہ ''صریر'' کے شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۳ء میں ڈاکٹر فہیم اعظمی کی یہ رائے سامنے آئی: ''ماہیے کی انفرادیت مضمون اور معنی میں نہیں بلکہ ہیئت یا اوزان میں ہے'' ۔۔۔۔۔۔ یہ دونوں آراء الگ الگ طور پر ماہیے کی تصویر کا صرف ایک رخ پیش کر رہی تھیں کیونکہ ماہیے کا پورا تاثر ماہیے کی ہیئت (درست وزن) اور ماہیے کے مزاج سے مل کر بنتا ہے ۔ ویسے خوشی کی بات ہے کہ خاور اعجاز نے مزاج پر زیادہ زور دینے کے باوجود درست وزن ہی میں ماہیے کہے اور ڈاکٹر فہیم اعظمی نے بھی ۱۹۹۴ء تک اپنے موقف کو مزید بہتر بنا لیا ''صریر، شمارہ ستمبر ۱۹۹۴ء میں انور مینائی کے خط کے جواب میں، ان کے ایک ماہیے کے وزن کے ذکر میں ڈاکٹر فہیم اعظمی نے لکھا:

''دھن تو ٹھیک ہے لیکن موضوع احساس، وارفتگی، تمثال تو وہ نہیں ہوتے'' ۔

دھن کی صورت میں ماہیے کے وزن کے ساتھ، ماہیے کے موضوع، احساس، وارفتگی اور جذبات وغیرہ کا ذکر کر کے ڈاکٹر فہیم اعظمی نے ماہیے کے مزاج کی اہمیت کا بھی احساس کیا ہے ۔ یہاں اس حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ شروع شروع میں اردو ماہیے کے وزن کی درستی کی تحریک میں ماہنامہ ''صریر'' نے سب سے زیادہ خدمات انجام دی ہیں ۔ ڈاکٹر فہیم اعظمی نے نہ صرف ہمارے موقف سے اتفاق کیا بلکہ اسے فروغ دینے میں پیش پیش رہے ۔ ''صریر'' میں ماہیے کی بحث کو نمایاں کرنے کے لئے مضامین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ قارئین کے خطوط کے صفحات پر انہوں نے بارہا ہمارے موقف کی تائید کی ۔ تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی کبھی بھی ماہیے کے عنوان سے ''صریر'' میں نہیں

چھاپے۔ایک نئے شاعر نثار ترابی نے اپنے ثلاثی کا مجموعہ ماہیے کے لیبل کے ساتھ پیش کیا ''صریر'' کے لئے اس کتاب کا اشتہار بنا کر بھیجا۔ڈاکٹر فہیم اعظمی نے وہ اشتہار تو چھاپ دیا لیکن اس میں ماہیے کے متعلق تمام الفاظ حذف کر دیئے۔''صریر'' کے شمارہ اگست ۱۹۹۴ء کے صفحہ نمبر ۸۲ پر چھپنے والے اس اشتہار کا متن یہ ہے:

معلوم کسے گوری/اڑتی ہوئی عمروں کی/کٹ جائے کہاں ڈوری

بارات گلابوں کی

شاعر: نثار ترابی

رابطہ : حمید ساغر 4۔چوہدری ولایت بلڈنگ، چوک وارث خان، مری روڈ، راولپنڈی فون 559128

اقبال جوزف فون: 8692188

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ابتدائی اور نازک مرحلے میں ماہیے کے سلسلے میں ''صریر'' کی خدمات ہر ادبی رسالے سے زیادہ ہیں۔۱۹۹۳ء میں بھارت کے معروف اردو روزنامہ ''ہندسماچار'' کی ۳۰ مئی کی اشاعت میں زاہد عباس کا ایک مضمون شائع ہوا۔''اردو میں ماہیا نگاری'' کے عنوان سے چھپنے والے اس مضمون میں وہی باتیں دہرائی گئی ہیں جو اس سے پہلے میں اور پروفیسر افتخار احمد لکھ چکے تھے۔تاہم اس مضمون کی اہمیت اور افادیت یوں بنتی ہے کہ یہ بھارتی پنجاب کے ایک معروف روزنامہ کے ذریعے بھارت میں ماہیے کے درست وزن کی پہچان اور تعارف کا باعث بنا اور اس کی گونج پاکستان کے ادبی رسائل میں بھی سنی گئی۔

ماہنامہ ''صریر'' شمارہ جون جولائی ۱۹۹۳ء میں سعید شباب کا ایک اہم مضمون ''ماہیے کی تفہیم میں پیش رفت'' شائع ہوا۔اس مضمون میں انہوں نے چراغ حسن حسرت کے ''ماہیوں'' کو ماہیے سے ان کے خلوص کا مظہر قرار دیا لیکن واضح کیا کہ: ''وہ پنجابی ماہیے کی ساخت کو گہری نظر سے جانچ نہ سکے'' شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ پنجابی کلچر

سے جڑے ہوئے نہیں تھے''۔ پھر انہوں نے قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے ماہیوں کا ذکر کر کے واضح کیا کہ ان شعراء نے۔۔۔۔۔''بغیر کسی بحث کے اس طریقے سے اردو دنیا کے سامنے ماہیے کے مثالی نمونے پیش کر دیئے تھے اور حسرت کی غلطی کی احسن طور پر نشاندہی کر دی تھی''۔۔۔انہوں نے ماہیا نگاری کی تازہ روش کا جائزہ لیتے ہوئے فراخ دلی سے یہ اعتراف کیا کہ: ''ہر چند اس وقت دس سے زائد شعراء ماہیے کے اصل وزن کو ملحوظ رکھ رہے ہیں، تاہم مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ دو تین شعراء کو چھوڑ کر باقی شعراء کے ہاں (مجھ سمیت) ماہیے کا اعلیٰ شعری معیار سامنے نہیں آرہا۔ ہر چند یہ ماہیے ''ملے ہلارے'' اور ''پھوئیاں پھوئیاں پھہار'' جیسے ماہیوں سے کہیں بہتر ہیں لیکن اعلیٰ شعری معیار تک پہنچنے کے لئے ہم سب کو ابھی محنت اور ریاضت کرنی ہوگی''۔

''صریر'' کے اسی شمارہ میں ایم اے تنویر کا ایک مضمون ''اردو ماہیے پر اوزان کی پابندی'' بھی شائع کیا گیا۔اس مضمون میں ایم اے تنویر پر خود واضح نہیں کہ وہ ماہیے کے وزن کے سلسلے میں کیا موقف رکھتے ہیں۔مثلاً پہلے وہ خود سوال کرتے ہیں کہ: ''ہم کیوں اردو ماہیے پر پنجابی ماہیے کے وزن کا اطلاق کریں''؟ گویا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پنجابی ماہیے کے وزن میں دوسرا مصرعہ ایک سبب کم ہوتا ہے۔لیکن آگے چل کر انہوں نے یہ کہا کہ اردو میں ماہیے کے دونوں اوزان کو قبول کر لینا چاہئے۔انہوں نے چند پنجابی ماہیے اور اردو کے تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی ''ماہیے'' کے نام سے پیش کئے اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ ''مندرجہ بالا پنجابی اور اردو ماہیے میں آپ دوسرے مصرعے کا ایک رکن کم کر ہی نہیں سکتے اور اگر دوسرے مصرعہ کی جگہ کوئی اور مصرعہ ایک رکن کم کر کے لکھیں گے تو ماہیے کی ساری خوبصورتی ختم ہو کر رہ جائے گی''۔

جہاں تک پنجابی ماہیوں کو تین ہم وزن مصرعوں کے ماہیے سمجھنے کا تعلق ہے اس کا جواب کتاب کے شروع میں ''ماہیے کے وزن کا مسئلہ'' کے تحت بھی آ چکا ہے اور اس

حصے میں پروفیسر عرش صدیقی کے مضمون کے حوالے سے بھی وضاحت سے بیان ہو چکا ہے۔اس لئے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک ایم اے تنویر کے پیش کردہ اردو ماہیوں کا تعلق ہے، میں ان میں سے صرف دو ماہیوں کو ان کی اصل صورت میں پیش کرنے کے ساتھ اصل وزن میں بھی کر کے دکھاتا ہوں۔ درست وزن میں لانے سے نہ صرف ان کی شعری خوبصورتی قائم رہتی ہے بلکہ ان میں کفایت لفظی کی خوبی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ثلاثی سے ماہیے بھی بن جاتے ہیں:

شاعرہ کی پیش کردہ صورت	**ماہیے کے وزن میں لانے کی صورت**
ہر نقش مٹا ڈالا	ہر نقش مٹا ڈالا
تم نے تو محبت کی	تم نے محبت کو
اک کھیل بنا ڈالا	اک کھیل بنا ڈالا

(سیدہ حنا)

☆

گلدان سجا رکھوں	گلدان سجا رکھوں
تم آؤ تو آنکھوں میں	آؤ تو آنکھوں میں
مسکان سجا رکھوں	مسکان سجا رکھوں

(شبہ طراز)

مئی جون ۱۹۹۳ء کے ''اوراق'' لاہور میں ناصر عباس نیرّ کا ایک اہم مضمون شائع ہوا۔''ماہیا'' اور اردو میں ماہیا نگاری''۔ یہ ایک عالمانہ مضمون تھا۔ ناصر عباس نیرّ نے اسے خاصی محنت اور تحقیق کے بعد لکھا تھا۔ اس مضمون میں ماہیے کے مزاج کو اس کے ثقافتی اور نفسی حوالوں سے عمدہ طریقے سے واضح کیا گیا۔ ناصر عباس نیرّ لکھتے ہیں:

''نقادوں نے پہلی لائن کو ''ضرورت شعری'' کی تخلیق قرار دیا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ پہلی لائن آخری لائن کی محض ''قافیائی ضرورت'' کی کفالت پر مامور نہیں۔ پہلی

لائن اصلاً ماہیے کے عقبی دیار کی طرف اشارہ کرتی ہے نیز پہلی لائن کی مدد سے اس تہذیبی دھارے سے وابستہ ہونے کی کوشش بھی کی جاتی ہے جس کی اخلاقیات سے ماہیا کہنے والا انحراف کرتا ہے''

لیکن اسی مضمون میں چند صفحات آگے چل کر ناصر عباس نیرّ لکھتے ہیں:

''ماہیے کا پہلا مصرعہ ماہیے کے موضوع سے متعلق نہیں ہوتا مگر ماہیے کے شعری آہنگ کے تابع ہو کر اتنا برا بھی نہیں لگتا''۔ ناصر عباس نیرّ کے ہاں اس تضاد اور کنفیوژن کا بھی ایک سبب ہے۔ اصل میں پنجابی ماہیوں میں بعض اوقات تو پہلے مصرعہ کا باقی ماہیے سے اتنا گہرا تعلق ہوتا ہے کہ ماہیا تہہ دار معنویت کا حامل نظر آنے لگتا ہے اور بعض اوقات ایسے بھی لگتا ہے کہ پہلا مصرعہ محض آخری مصرعہ کی قافیائی کفالت کر رہا ہے۔ ماہیے کے مزاج اور اس کے عقبی دیار کی نشاندہی میں ناصر عباس نیرّ نے عالمانہ نکتہ آفرینی سے کام لیا ہے۔ چند اقتباسات دیکھیں:

''ماہیا ہمارے تہذیبی ارتقا کے ایسے مرحلے پر نمودار ہوا جب زرعی نظام مشینوں کی زد پر نہیں آیا تھا۔ زرعی نظام پر انسان کی قوت بازو اور جسمانی مشقت کا غلبہ تھا۔ چنانچہ رویوں اور اقدار کا ایک خاص سسٹم رائج تھا۔ اس سسٹم میں جدید صنعتی زندگی کی نفسیاتی پیچیدگی، جذباتی پراگندگی نیز ذہنی گہرائی اس قدر نہیں تھی۔ جذبہ ماحولیاتی آلودگیوں اور معدے کی بیماریوں کے مضرات سے پاک تھا۔ اس کا رخ بھی واضح تھا۔ چنانچہ جب یہ جذبہ ماہیے میں ظاہر ہوا تو کسی رمز و ایما اور ابہام سے مملو نہیں تھا۔ اپنے محبوب سے لپٹنے اور جسمانی وصال سے سیراب ہونے کی صاف سیدھی خواہش تھی جو ماہیے میں ظاہر ہوئی''۔

''ذہن بالعموم چیزوں کو اجزا میں بانٹ کر ان کی تفہیم کرتا ہے مگر جسم کا نظام خیال، تفہیم اور تجزیے کے چکر میں پڑنے کی بجائے اجزاء کو متحد کرنے اور ایک کل کی تشکیل دینے پر ہر دم مائل رہتا ہے۔ یوں بھی عورت فطرتاً جسمانی سطح کی تخلیق کاری میں

اپنا ثانی نہیں رکھتی۔عورت کے فطری مزاج کی یہی خصوصیت ماہیے میں پیش ہوئی ہیں''۔

''عورت سوائے چند گھریلو ذمہ داریوں کے (جن میں مرد سے اس کے ازدواجی تعلقات اور وفاداری اہم ترین تھی) کوئی دوسری معاشرتی خدمت انجام نہیں دے سکتی تھی۔ ماہیے میں چونکہ اسی عورت کی ''نفسی شخصیت'' سرایت کئے ہوئے ہے اس لئے ماہئے کے موضوعات محبت، رومان سے آگے معاشرتی سچائیوں اور کائناتی حقیقتوں کی سرحدوں تک نہیں جا سکے۔۔۔۔ ماہیے میں اگر کہیں زمانے کے دکھ درد، سماجی ناانصافیوں اور دیگر معاشرتی سچائیوں کا موضوع آیا بھی ہے تو شکایت کی صورت میں آیا ہے''۔

اُردو میں ماہیا نگاری کے حوالے سے ناصر عباس نیرّ نے دو اہم باتیں کہی ہیں:

''پہلی بات یہ کہ ماہیا اردو ادب کے تمول کا باعث بن سکتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اردو زبان میں مقامی زبانوں کے الفاظ کی آمیزش ایک باقاعدہ رجحان کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ لسانی لین دین کا عمل نثر کی سطح تک محدود ہو تو ایک مزاحیہ صورت حال پیدا کرنے پر منتج ہوتا ہے جبکہ شاعری کی سطح پر غیر زبانوں کے الفاظ ''غیریت'' اور نامانوسیت کو تج کر اپنے محسوس ہوتے ہیں۔ نثر میں لفظوں کو چمٹے سے پکڑ پکڑ کر اکٹھا کیا جاتا ہے جبکہ شاعری میں لفظ اور خیال کے درمیان کوئی فاصلہ، کوئی دوئی نہیں ہوتی، وہ شعری آہنگ میں یوں گھل مل جاتے ہیں جس طرح چینی پانی میں! ۔۔۔۔۔سو پنجابی الفاظ جب ماہیے کے توسط سے اردو میں پہنچیں گے تو واقعی اردو زبان و ادب کے تمول کا باعث بنیں گے۔۔۔۔۔ دوسری بات یہ کہ ماہیے میں جذبے کے اظہار کی جو کھلی کھلی کیفیت ہوتی ہے وہ پیچیدہ دکھی زندگی کو ایک اعصابی نوعیت کی آسودگی فراہم کر سکتی ہے''۔

ماہیے کے وزن کے سلسلے میں ناصر عباس نیرّ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ دوسرے مصرعہ میں ''ایک سبب'' کم رکھنے کا موقف بھی درست ہے اور تینوں مصرعے ہم

وزن رکھنے کا موقف بھی درست ہے کیونکہ پنجابی میں دونوں طرح کے ماہیے ملتے ہیں۔ یہاں ناصر عباس نیرّ بھی پنجابی ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھ کر ایسی بات کہہ گئے ہیں جبکہ پنجابی زبان کی لچک کے باعث بظاہر ایسے ماہیے بھی مل جاتے ہیں جن کا دوسرا مصرعہ تحریری صورت میں بقول پروفیسر عرش صدیقی تین بار فعلن سے بڑھ کر ساڑھے تین بار فعلن کے وزن پر بھی ہوتا ہے۔لیکن یہ دھوکہ ہر اس محقق کو ہوگا جو ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھے گا۔اس کے برعکس جو بھی ماہیے کی دھن پر اسے آزمائے گا اسے ماہیے کا وزن سمجھنے میں کبھی بھی غلطی نہیں ہوگی۔ ناصر عباس نیرّ نے ایک جگہ لکھا ہے:

''وزن کا مسئلہ اس قدر اہم نہیں ہے جتنا اہم ماہیے کے اصل مزاج اور عقبی دیار کو برقرار رکھنا ہے''۔۔۔۔ ماہیے کے اصل مزاج اور عقبی دیار کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن وزن کا مسئلہ ان سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ جب ایک ماہیا اپنی ظاہری صورت میں ماہیا ہی نہیں ہوگا تو محض ماہیے کے مزاج سے کیا ہوگا۔ وزن ماہیے کے لئے جسم کا اور مزاج اس کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے۔تھوڑا آگے چلنے کے بعد ناصر عباس نیرّ کو مزاج کے ساتھ وزن کی اہمیت کا بھی احساس ہو گیا۔ چنانچہ پھر ان کے موقف میں توازن پیدا ہو گیا: ''نئی صنف کی مخصوص ہیئت، خارجی خدوخال کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے منفرد داخلی اوصاف کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا''۔

ماہیے کے وزن کے سلسلے میں ناصر عباس نیرّ کو جو مغالطہ ہوا، میں نے اس کے جواب میں ایک مضمون ''ماہیے کے وزن کا مسئلہ'' اوراق میں اشاعت کے لئے بھیجا جسے ''اوراق'' شمارہ نومبر، دسمبر۱۹۹۳ء میں خط کی صورت میں شائع کیا گیا۔ وزن کے سلسلے میں ان کی غلط فہمی کا تفصیلی جواب دینے کے بعد میں نے مضمون کے آخر میں لکھا:

''اردو شاعری کی تین بڑی روایات گیت، غزل اور نظم مجھے ماہیے میں یک جا ہوتی دکھائی دے رہی ہیں۔ ماہیا بنیادی طور پر ایک چھوٹی سی نظم ہے لیکن اس میں تین مصرعوں کے باوجود پہلے اور آخری مصارع میں قافیہ، ردیف کا التزام اسے غزل کے

شعر سے قریب کرتا ہے۔ پھر کوزے میں دریا بند کرنے کا غزل کے شعر کا وصف بھی ماہیے میں موجود ہے۔ مزاجاً ماہیا گیت جیسا ہے (اس حقیقت کا اظہار ناصر عباس نیّر نے بھی کیا ہے) لہٰذا اگر اردو میں اس صنف کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا تو اس کے وسیع تر امکانات کھل کر سامنے آئیں گے لیکن اس کے لئے بے حد ضروری ہے کہ اس کی بنیادی اینٹ درست رکھی جائے۔ اس کے وزن کے معاملے میں دو طرح کے موقف سامنے آئے ہیں۔ ایک تو وہ ادبا جو غلط فہمی کے باعث نیک نیتی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید ماہیے کے تینوں مصارع ہم وزن ہیں، ان کی غلط فہمی کو اس طرح کے مضامین اور ادبی مباحث سے دور کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے وہ شعرائے کرام ہیں جو پہلے تو بے خیالی اور لاعلمی کے باعث تین یکساں وزن کے مصارع میں غلط ماہیے لکھتے رہے لیکن جب انہیں غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی تو بجائے غلطی کی اصلاح کرنے کے اسے حق بجانب ثابت کرانے پر تل گئے''۔

''اوراق کے اسی شمارہ میں ملاپ چند کا ایک خط شائع ہوا۔ اس خط کا یہ اقتباس اہمیت کا حامل ہے:

''قطع نظر اس سے کہ پنجابی زبان میں زحافات کا کوئی ضابطہ نہیں ہے اس لئے ماہیے کے وزن کا تعین اس کی اصل دھن کی بنیاد پر ہی کیا جانا چاہئے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ماہیا کی اصل دھن موجود نہ ہوتی تب بھی ناصر عباس نیّر کے بیان کی بنیاد پر بھی اردو میں صرف وہی ماہیا قبول کیا جانا چاہئے تھا جس کے دوسرے مصرعے میں ایک سبب کم ہے کیونکہ تین یکساں مصرعوں کا ماہیا تو ثلاثی میں ضم ہو جاتا''۔

۱۹۹۳ء میں ایک اور اہم مضمون ''ماہیے کی ہیئت اور وزن'' سامنے آیا۔ غزالہ طلعت کا یہ مضمون ''صریر'' کے اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہوا۔ غزالہ طلعت نے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم رکھنے کے موقف سے اتفاق کیا اور شکوہ کیا کہ: (جنہوں نے پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھے) پہلے ان ''ماہیے کہنے والوں کو خوش آمدید کہا گیا لیکن جب یہ سلسلہ چل نکلا تو پھر اس کا بھی سنجیدگی سے نوٹس لیا جانے لگا اور یہاں بھی ساری پہلی تعمیر شدہ عمارت کو منہدم کرنا پڑا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ کسی تجربے کو غلط طور پر رواج دے دیا جائے تو اسے اس کی غلطی سمیت قبول کر لیا جائے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ کسی بھی تجربے کے آغاز ہی میں اس کی بنیادوں کی درستی چیک کر لینی چاہئے تا کہ پھر بعد میں پہلی تعمیر کو گرانے کی نوبت نہ آئے''۔

۹۳-۱۹۹۲ء اردو ماہیے کی تاریخ میں اس لحاظ سے بے حد اہم برس ہیں کہ ان دو برسوں میں ماہیے کے خدوخال اور مزاج کی بحث کے سلسلے میں نو مضامین لکھے گئے اور ہر مضمون میں ہمارے بیان کردہ وزن کو بہر حال تسلیم کیا گیا۔ جواد باء کسی دوسرے وزن کو بھی روا سمجھ رہے تھے ان کی غلط فہمی کی وجہ اور پوری وضاحت بھی انہیں برسوں میں بیان کی گئی۔ یوں اردو میں ماہیے کو سمجھنے کے لئے ایسا بنیادی کام ہو گیا جس سے ماہیے کا وزن اور مزاج دونوں واضح ہو گئے۔ ان دو برسوں میں درست وزن میں ماہیا نگاری کی طرف بھی پیش قدمی ہوئی۔ امین خیال، سعید شباب، خاور اعجاز، نذیر فتح پوری، رشید اعجاز، غزالہ طلعت، رانا غلام شبیر، نوید رضا، تنویر نوازش، اجمل جنڈیالوی، شبہ طراز، ارشد نعیم، نذر عباس ان دو برسوں میں ماہیا نگار کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔ ہر چند ان میں سے دو تین ماہیا نگاروں کے ہاں وزن پر گرفت کمزور بھی دکھائی دیتی ہے، تاہم درست وزن کو اپنانے کا رویہ اب فروغ پانے لگا تھا۔

☆☆☆☆

ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث

(۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء)

مارچ ۱۹۹۴ء میں ماہنامہ ''صریر'' میں ریاض احمد صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ''ماہیا وزن اور فن'' ۔۔۔۔۔ ریاض احمد اپنے مضمون میں جہاں جہاں اصل موضوع کی طرف آئے ہیں عموماً اہم اور کام کی باتیں کہہ گئے ہیں۔ تاہم وہ زیادہ تر اصل موضوع کو چھوڑ کر لسانی بکھیڑوں میں الجھے رہے اور اس میں بھی کبھی عربی کے حروف قلقلہ کا ذکر لے بیٹھے تو کبھی قومی ترانے کا، کبھی عربی کی کئی حروف تک پھیلتی چلی جاتی مسلسل حرکات میں الجھ گئے تو کبھی رباعی کے چوبیس اوزان کا تذکرہ کرنے لگے، کبھی عربی قصیدہ بردہ شریف اور قصیدہ غوثیہ کے عروضی اوزان بتانے لگے اور کبھی اقبال کی نظم مسجد قرطبہ کو قصیدہ بردہ شریف کی بحر کی ایک اور مزاحف صورت ثابت کرنے لگے۔ یہ ساری عالمانہ باتیں تھیں لیکن ماہیے کے وزن اور فن کے حوالے سے یہ غیر ضروری تھیں اور محض قاری کو ''بوجھوں مارنے والی'' تھیں۔ اس قسم کی طویل عالمانہ گفتگو کے بعد انہوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے ''مجھے احساس ہے کہ بات دور نکل گئی ہے۔ دراصل میں یہ وضاحت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ پنجابی زبان کے مخصوص لہجے اور بعض مفرد حروف یا مرکبات کی مخصوص آوازوں کے باعث جو اردو زبان کی سبک یا چست آوازوں کے مقابلے میں بوجھل، کرخت، بل دار لہجے کی حامل ہیں ان کی چولیں مروجہ عروضی اوزان میں ٹھیک سے بیٹھتی نظر نہیں آتیں''۔

ریاض احمد نے جس وضاحت کے لئے کوزے سے دریا بہا دیا ہے وہ سیدھے

سادھے الفاظ میں یوں بھی کہی جا چکی ہے کہ اردو زبان میں باقاعدہ قواعد وضوابط ہیں جن کے مطابق حروف کے استعمال میں رعایت سے فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے اور جہاں رعایت نہیں ہے وہاں پابندی بھی کرنی پڑتی ہے۔ اردو کے برعکس پنجابی میں زحافات کے قواعد اور ضابطے نہ ہونے کے باعث لچک اتنی زیادہ ہے کہ ضروریات کے مطابق (کسی قاعدے کے مطابق نہیں، صرف شعری ضرورت کے مطابق، الفاظ کو کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے اور گرا کر مختصر بھی کر لیا جاتا ہے۔ اس سیدھی سادی بات کو پنجاب کے تنویر بخاری سے لے کر۔۔۔ کرناٹک کے انور مینائی تک متعدد ادبا کسی طوالت کے بغیر اچھے انداز میں بیان کر چکے ہیں۔ پھر اسے غیر ضروری طور پر طول دے کر، بکھیر کر اور الجھا کر بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ریاض احمد جب اصل موضوع کی طرف آئے ہیں تو انہوں نے بنیادی نوعیت کی باتیں بھی بتائی ہیں مثلاً اس مضمون کے یہ چار اہم اقتباس دیکھیں:

''ماہیا پنجابی زبان کی ایک مقبول دھن ہے۔ اس کے بول عوامی فنکاروں کے ترتیب دیئے ہوئے ہوتے ہیں جن سے قصداً کسی عروضی وزن کی پابندی کا تقاضا ظاہر ہے کہ بے سود ہے۔ تاہم ان بولوں کے آہنگ میں عروضی وزن کی تلاش کچھ اتنا بے معنی عمل بھی نظر نہیں آتا''۔

''جو نکتہ ہاتھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ عروضی وزن (جو متحرک اور ساکن حروف کی ترتیب سے پیدا ہوتا ہے) کے مقابلے میں پنجابی اوزان میں موسیقی کے بنیادی تصورات مثلاً سر تال وغیرہ کی مدد سے آہنگ کو اس طرح نمایاں کیا جاتا ہے کہ عروضی وزن اس آہنگ کو مدنظر رکھے بغیر مقرر کرنا مشکل ہو جاتا ہے''۔

''ماہیا صرف ایک شاعری کی صنف ہی نہیں، ایک لے یا سر کا نام بھی ہے''۔

''ماہیا دراصل گانے کی چیز ہے۔ تحت اللفظ سننے، سنانے کی یہاں کوئی روایت نہیں۔ گانے کے لئے سر اور تال کی اہمیت زیادہ ہے''۔

ریاض احمد صاحب کی یہ بات بالکل درست ہے کہ ماہیا بنیادی طور پر گائی جانے والی شاعری ہے جس کی اپنی ایک لے (دھن) ہے۔اسی دھن کے ذریعے سے ماہیے کے وزن کو آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ان حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاض احمد مسئلے کی تہہ تک پہنچ چکے ہیں لیکن تھوڑا آگے چل کر وہ پھر کنفیوژ ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔تنویر بخاری کے پیش کردہ چار پنجابی ماہیے درج کر کے انہیں اردو کے پیمانے پر پرکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

''مروجہ ماہیے جنہیں لوک فنکاروں نے تخلیق کیا ہے وہ ہر جگہ مجوزہ بحر پر پورے نہیں اترتے۔دوسرے مصرعہ کے لئے لازمی نہیں کہ دوسرے دومصرعوں سے چھوٹا ہو(بعض جگہ مقابلتاً لمبا ہو جاتا۔اس سے پہلے ریاض احمد کے مذکورہ مضمون کے جو پانچ اقتباسات دیئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ پنجابی ماہیے کے وزن کو اس کی دھن (لے یا موسیقی) کے ذریعے متعین کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔یہ بالکل اصولی بات ہے لیکن پھر عملاً پنجابی زبان کی لچک کو یکسر نظرانداز کر کے پنجابی ماہیے کو اردو قواعد کے مطابق پرکھنا اور اسی بنیاد پر پھر ماہیے کے دوسرے مصرعے کو پہلے اور تیسرے مصرعہ سے کبھی چھوٹا، کبھی برابر اور کبھی لمبا قرار دے دینا حیران کن ہے۔کبھی کبھی ایسے بھی ہو جاتا ہے کہ آدمی کہہ کچھ رہا ہوتا ہے اور کر کچھ اور رہا ہوتا ہے۔بہر حال ریاض احمد کے مضمون سے یہ اصولی بات تو ملتی ہے کہ ماہیے کا وزن اس کی لے سے ہی طے ہو سکتا ہے۔

۱۹۹۴ء میں بھارت کے ادبی رسالہ دوماہی ''گلبن'' احمد آباد شمارہ مئی جون میں میرا ایک خصوصی نوٹ ''ماہیے کے بارے میں چند باتیں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اسی برس ڈیلی جنگ لندن کی ۲ جون کی اشاعت میں ادبی صفحہ پر میرا ایک مضمون ''اردو میں ماہیا نگاری'' شائع ہوا۔ مذکورہ نوٹ اور مضمون دونوں تعارفی نوعیت کے تھے تاہم اس کے نتیجہ میں مزید شعرائے کرام درست وزن میں ماہیا نگاری کی طرف مائل ہوئے۔ ایسے ماہیا نگاروں میں صدف جعفری، نیاز احمد مجاز اور اجمل پاشا کے نام قابل ذکر ہیں۔

''اوراق'' لاہور شمارہ جولائی اگست ۱۹۹۴ء میں نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز کے ماہیوں کے ساتھ نثار ترابی کے ثلاثی بھی ''ماہیے'' کے طور پر چھپے۔ میں نے ان پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر ''اوراق'' کو ایک خط لکھا۔ یہ خط ''اوراق'' کے شمارہ فروری، مارچ ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔اس خط کا ماہیے سے متعلقہ حصہ یہ ہے:

''رشید فتح پوری اور رشید اعجاز کے ماہیے اچھے لگے۔ نثار ترابی ماہیے کے مزاج آشنا لگتے ہیں مگر وزن کی نزاکت کا خیال نہیں رکھ سکے۔کتنا اچھا ہو کہ اب وہ درست وزن میں ماہیے کہنے لگیں۔درست وزن میں ماہیا نگاری کا رجحان مسلسل بڑھ رہا ہے''۔

میرے مشورے سے شاید نثار ترابی صاحب کو احساس ہوا کہ اگر میری بات مان لی گی تو ان کے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا چنانچہ انہوں نے دوطرفہ کارروائی کی۔ پی آر شپ کے زور سے اپنی بے جا تعریف کرانی شروع کی نیز میرے خط کے جواب میں خلط مبحث کی کوشش کرتے ہوئے ''اوراق'' میں خط چھپوایا۔ پہلے ان کی بے جا پی آر شپ کی دو مثالیں دیکھ لیں:

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین کا ایک مضمون ''مختصر شعری ہیئتیں'' سہ ماہی ''ارتکاز'' کراچی کے شمارہ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں ماہیے کے وزن کے سلسلے میں دونوں موقف بتائے گئے ہیں۔نثار ترابی کے بارے میں ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں:

''بعض ناقدین نے نثار ترابی کی کتاب ''بارات گلابوں کی'' کو اردو ماہیے کا پہلا مجموعہ قرار دیا ہے''۔حالانکہ ثلاثی کو ماہیے کے نام سے پیش کرنے کا یہ چوتھا مجموعہ ہے۔''ارتکاز'' کے اسی شمارہ میں پروفیسر احسان اکبر ''بارات گلابوں کی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نثار ترابی کو یہ خصوصی اہمیت نصیب ہے کہ اردو میں ماہیے کا تعارف کے بعد دوبارہ اس چلن کا احیا اسی کے قلم سے ہوا''

حقیقت یہ ہے کہ نصیر احمد ناصر اور علی محمد فرشی جب غلط وزن کا تعارف کرا کے

ایسے ’’ماہیے‘‘ لکھنا چھوڑ گئے (فرشی صاحب اب پھر مائل ہونے لگے ہیں) تب سیدہ حنا کے ہاتھوں اس کا احیا ہوا۔ سیدہ حنا کے بعد دیپک قمر کی اہمیت بنتی ہے جو نثار ترابی سے پہلے ثلاثی کے تین مجموعے چھپوا چکے ہیں۔ نثار ترابی کا نام تو غلط وزن کی ’’ماہیا نگاری‘‘ میں بھی بہت بعد میں آتا ہے۔ ہاں شاندار پی آر شپ کے چال چلن کا احیا بے شک انہیں کے ذریعے ہوا۔

بھارت کے ایک رسالہ ماہنامہ ’’تعمیر ہریانہ‘‘ کے اکتوبر ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں انور مینائی کا ’’ماہیے۔ ایک مطالعہ‘‘ کے عنوان سے ایک تعارفی نوعیت کا مضمون شائع ہوا۔ اس مضمون میں انور مینائی نے ماہیے کے وزن کے سلسلے میں دونوں موقف حوالوں کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی کے التزام کو درست قرار دیا۔ انور مینائی ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’مالک رام نے دیپک قمر کے ماہیوں کے دوسرے مجموعے ’’پھوئیاں پھوئیاں پھہار‘‘ کے فلیپ پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اشارتاً یکساں طوالت والے مصرعوں پر مبنی ماہیوں پر یوں تنقید کی ہے۔

’’کسی زبان کی مخصوص صنف کلام کو دوسری زبان میں متعارف کرانے کی کوشش ایسا ہی ہے جیسے ایک درخت کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر کسی دوسرے مقام پر لگا دینا۔ زمین نئی، آب و ہوا مختلف، ماحول اجنبی، خدا معلوم یہ انجانی باتیں اس درخت کو راس آئیں یا نہیں؟ وہ پنپ سکے یا نہیں‘‘۔

انور مینائی نے اپنے مضمون میں مالک رام کے جس اقتباس کو پیش کیا ہے لگتا ہے اس سے پہلے کا ایک جملہ ان سے سہواً رہ گیا ہے۔ مالک رام نے دیپک قمر کے ماہیوں پر رائے دیتے ہوئے لکھا تھا:

’’انہوں نے اس کے موضوع کو بھی وسعت دی ہے اور ہیئت میں بھی کچھ نیا تجربہ کیا ہے۔ کسی زبان کی مخصوص۔۔۔۔۔‘‘ ہیئت کے نئے تجربے کے اشارے میں

ہی مالک رام نے بھید کی بات کہہ دی تھی۔

اپنے مضمون کے آخر میں انور مینائی لکھتے ہیں: ’’فہیم اعظمی نے دو بنیادی باتیں بتائی ہیں۔ ایک ماہیا کے ثلاثی میں ضم ہو جانے کی بات اور دوسری ہیئت و وزن کا مضمون و معنی پر فوقیت۔۔۔۔ جب یکساں طوالت والے مصرعوں کی وجہ سے ثلاثی اور ماہیا کا فرق ہی مٹ جائے تو ماہیا کی تخلیق کا جواز بھی باقی نہیں رہتا۔ نیز دوسرے مصرعے کے پہلے رکن میں سبب خفیف کی کمی سے ماہیا، ثلاثی سے الگ اپنی پہچان قائم رکھ سکے گا۔ راقم التحریر بھی اسی موقف کا حامی ہے‘‘۔

اب ’’اوراق‘‘ شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں شائع ہونے والے دو خطوط یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ایک خط طاہر مجید کا ہے اور دوسرا نثار ترابی کا۔۔۔ پہلے طاہر مجید کے خط کا ایک اہم حصہ:

’’ماہیا پنجابی کا لوک گیت ہے اور موسیقی سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ یہ لکھی جانے والی صنف سے زیادہ گائی جانے والی صنف ہے۔ اس کے باوجود اس کے اصل وزن کو سمجھنے کی بجائے اس پر ’’طبلے کی تھاپ‘‘ کے حوالے سے طنز کیا جا رہا ہے۔ پنجابی ماہیے میں طبلے کی تھاپ تو نہیں البتہ گھڑے یا پرات کی آواز آج بھی ہر گاؤں میں سنی جاتی ہے۔ جن صاحبان کو ماہیے کی مخصوص نغمگی راس نہیں آ رہی ہے کیا ضروری ہے کہ وہ ماہیے ہی لکھیں۔ ثلاثی لکھ لیں۔ کوئی اور سہ مصرعی صنف ایجاد کر لیں۔ ضروری تو نہیں کہ کبھی ہائیکو پر مشق ناز کی جائے اور کبھی ماہیے پر۔ تین یکساں مصرعوں کی ایک صنف ثلاثی کے نام سے موجود ہے، جو صاحبان ماہیے کے اصل وزن کو ملحوظ نہیں رکھ سکتے وہ ثلاثی کہہ لیا کریں۔ یہ بالکل وہی صورت حال ہے جیسے بعض اخباری کالم نگار اپنے کالموں پر انشائیے کا لیبل لگانے کے متمنی تھے اور اس تمنا کی تکمیل کے لئے وہ اصل انشائیہ نگاروں کی مذمت کرانے لگے تھے۔ اردو ماہیے میں پہلے سے ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی کی روشن مثالیں موجود ہیں:

دل لے کے دغا دیں گے
یار ہیں مطلب کے
یہ دیں گے تو کیا دیں گے
(ساحر لدھیانوی: فلم نیا دور)

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ
(قمر جلال آبادی: فلم پھاگن)

اس کے باوجود اصل وزن کے سلسلے میں گرد اڑائی جا رہی ہے۔مقصد یہاں بھی یہی ہے کہ اس طرح بعض احباب کو ماہیا نگار منوا لیا جائے اور اس کارِ خیر کے لئے ضروری ہے کہ اصل وزن اختیار کرنے والوں کو نشانہ بنایا جائے۔زیرِ نظر ''اوراق'' میں آٹھ ماہیا نگاروں کے ماہیے چھپے ہیں۔تین صاحبان نے اصل وزن کو ملحوظ نہیں رکھا لیکن حوصلہ افزا امر یہ ہے کہ پانچ ماہیا نگاروں نے اصل وزن کو مدنظر رکھا ہے۔فرحت نواز، سعید شباب، شجاعت علی راہی، نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز کے ماہیے اس بات کا ثبوت ہیں کہ اردو میں اصل ماہیا فروغ پانے لگا ہے''۔

اب نثار ترابی کا وہ خط دیکھیں جو میرے مشورے کے جواب میں شائع ہوا:

''میں چند معروضات ماہیے کے حوالے سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں میرے مخاطب بطور خاص حیدر قریشی صاحب ہیں۔ان کی خدمت میں بہت احترام کے ساتھ گزارش ہے کہ وہ اردو ماہیے کے درمیانی مصرعے میں وزن کی بنیاد پر جس قسم کے رویے کو فروغ دے رہے ہیں وہ ماہیے کی کلاسیکی شعری روایات کے منافی ہے۔ وہ اربابِ فن جن کا میدان خالصتاً نقد و نظر ہے ماہیے کے ''درست وزن'' سے پوری طرح آگاہ ہیں یعنی یہ ایک رکن کم اور برابر کے مصرعوں میں ظہور ہوتا رہا ہے۔حیدر قریشی کو مساوی الوزن مصرعوں کو غلط قرار دینے سے قبل یہ دیکھ لینا چاہئے کہ کیا پنجابی اور اردو میں لکھے جانے والے ماہیوں میں دوسرے مصرعوں کے ''مساوی الوزن'' ہونے کی کلاسیکی اور جدید روایات موجود ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ لوک ورثہ کے قومی ادارے نے پنجابی ماہیے کے جس ذخیرہ کو کتابی شکل میں عکسی مفتی اور مظہر الاسلام ایسے سینئر

دانشوروں کی سرپرستی میں شائع کیا ہے حوالے کے لئے موجود ہے۔ میں یہاں صرف ایک مثال درج کرنے کے بعد بات آگے بڑھانا چاہوں گا ورنہ ''دوسرے مصرعے'' کے مساوی الوزن ہونے کی بے انت و بے حساب مثالیں موجود ہیں۔

چٹا ککڑ بنیرے تے/ روح ساڈی ایتھے پھردی/ جند سجناں دے ڈیرے تے

یہاں روح کو ''رو'' باندھا گیا ہے اور ''ح'' کو تقطیع میں شامل نہیں کیا گیا جو جائز ہے۔اردو ماہیے کا ذکر چھڑے تو مرحوم چراغ حسن حسرت کے اس ماہیے کو کون بھول سکتا ہے۔باغوں میں پڑے جھولے/تم بھول گئے ہم کو/ ہم تم کو نہیں بھولے۔

حسرت مرحوم نے لگ بھگ گیارہ ماہیے تخلیق کئے جو آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں اور ہر ماہیا برابر کے مصرعے میں مکمل ہوا ہے۔ان کے علاوہ بہت سے دیگر سینئر اور جدید تر نسل کے نمائندہ شعراء مساوی الوزن مصرعوں کی بنت سے اردو اور پنجابی ماہیے تخلیق کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔علاوہ ازیں میری کتاب ''بارات گلابوں کی'' اور سیدہ حنا کی ''سیدہ حنا کے ماہیے'' امجد اسلام امجد کی ''ذرا پھر سے کہنا'' خادم جعفری کی ''میرا چن تارا'' پاکستان میں اور دیپک قمر کے تین اردو مجموعے (جو خالصتاً اردو ماہیے پر مشتمل ہیں) ہندوستان میں شائع ہو کر۔۔۔۔مساوی الوزن مصرعوں کی مقبولیت کا زندہ ثبوت پیش کر رہے ہیں۔کیا ماہیے کی یہ ہردلعزیزی اس کے درست وزن میں ہونے کا واضح اعلان نامہ،جیتی جاگتی دلیل،فنی جواز اور روایتی تسلسل کی شعری صداقت نہیں؟۔۔۔۔۔ویسے ماہیے کے وزن کے مسئلے سے قطع نظر اصل بات ماہیے کے مزاج، لفظیات کے ورتارے، بے ساختہ پن، رس، نغمگی، مٹھاس، موضوعاتی فضا اور اس کے اسلوب کی انفرادیت ہے۔ ماہیے میں اگر ہمیں اپنی لوک روایات اور رہتل کی چمک رس گھولتی اور رقص کرتی نظر نہیں آتی تو وہ ماہیا نہیں سہ مصرعی کی کوئی دوسری شکل ہے۔ اس بار سیما پیروز، ایم اے تنویر اور سعید شباب کے ماہیے اپنے رس، رچاؤ اور تازگی کی بنا پر احساس کو بے ساختہ زنجیر کر گئے''۔

''اوراق'' شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں ماہیے کے حوالے سے ہونے والی بحث پر میرے تفصیلی تاثرات ۱۹۹۶ء کے آغاز کے ساتھ ہی سامنے آ گئے۔ تاہم ۱۹۹۵ء کے جاتے جاتے ایک اہم واقعہ یہ ہوا کہ حمایت علی شاعر نے تجدید نو کے شمارہ نومبر ۱۹۹۵ء میں اپنے ایک مکتوب میں ماہیے کے سلسلے میں روا رکھی جانے والی بے راہ روی پر افسوس کا اظہار کیا۔ ان کے مکتوب کے چند الفاظ ہی ہمارے لئے تقویت کا موجب بنے۔ ''اوراق'' کے جنوری، فروری ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں میرا تفصیلی خط شائع ہوا جو ماہیے کے حوالے سے ہونے والی سابقہ بحث کا جواب تھا۔ وہ خط درج ذیل ہے:

''اوراق'' شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں ماہیے کی بحث مزید نمایاں ہوئی ہے۔ جناب طاہر مجید نے انشائیہ کے حوالے سے اس کے ماضی کے مباحث اور ماہیے کی موجودہ بحث کی صورت حال میں دلچسپ مطابقت پیدا کی ہے۔ واقعتاً انشائیہ کے معاملہ میں جب خلط مبحث کیا گیا تب دوستیوں اور پی آر شپ کا مسئلہ تھا تو کہیں سہل انگاری کا۔۔۔۔ اب ماہیے کے معاملے میں بھی یہی صورت حال درپیش ہے۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ بیشتر دوست بے خبری کے باعث ہی تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھتے رہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شروع میں جب اصل وزن والے ماہیے منظر عام پر آئے تو نہ صرف ان کی مذمت کی گئی بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ پنجابی ماہیے تین یکساں مصرعوں پر ہی مشتمل ہوتے ہیں۔ یہ موقف ''ابلاغ'' کے صفحات پر سامنے آیا اور اسے دیپک قمر وغیرہ کی حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ لیکن پھر ہماری وضاحت سامنے آنے پر جیسے ہی ان لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ ان کا دعویٰ درست نہیں ہے تب یوں کہا گیا کہ ماہیے کے دونوں وزن درست ہیں۔ ''ابلاغ'' کے صفحات پر چھپنے والے وہ خطوط اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیے'' وزن سے بے خبری کے نتیجہ میں لکھے گئے۔ اب تو ہر شخص بڑے مزے سے کہہ سکتا ہے کہ ہمیں دونوں اوزان کا علم ہے اور ہم جان بوجھ کر تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھ رہے ہیں۔ بے خبری کے بعد

دوسرا سبب سہل انگاری بھی ہے۔ پہلے اور تیسرے مصرعوں کے مقابلہ میں دوسرے مصرعہ میں ''ایک سبب'' کی کمی کا التزام رکھنا اتنا آسان نہیں ہے اسی لئے یار لوگ تین یکساں مصرعوں کے ''ماہیوں'' پر ہی اصرار کرنے لگے۔۔۔۔۔ بشیر سیفی نے اپنے مضمون ''سیدہ حنا کے ماہیے'' میں ایم اے تنویر کے مضمون مطبوعہ ''صریر'' کراچی سالنامہ ۱۹۹۳ء کا بطور خاص حوالہ دیا ہے۔ اس مضمون میں باقی ساری باتیں ایک طرف اور ایم اے تنویر صاحب کا یہ معصومانہ سوال ایک طرف۔ ''سوال یہ ہے کہ ایسا کرنے کا جواز کیا ہے؟ ہم کیوں اردو ماہیے پر پنجابی وزن کا اطلاق کریں؟''۔۔۔۔۔۔ ریکارڈ کی درستی کے لئے مزید عرض ہے کہ اس مضمون کے آخر میں ''صریر'' کے ایڈیٹر ڈاکٹر فہیم اعظمی نے اپنے اختلافی نوٹ میں یہ الفاظ بھی لکھے ہیں: ''ماہیے کے فارم میں تبدیلی سے اس کی انفرادی حیثیت قائم نہ رہ سکے گی اور یہ اردو کی صنف ثلاثی میں ضم ہو جائے گی''۔۔۔۔۔ پھر نومبر ۱۹۹۳ء کے ''صریر'' میں جناب وحید انور نے اپنے خط میں مذکورہ مضمون کی ساری بحث ہی سمیٹ لی۔ انہوں نے ماہیے کی کسی بحر کے تعین کی بجائے سیدھی سادی بات کر دی جو ماہیے پنجابی ماہیے کی مخصوص دھن پر روانی کے ساتھ گنگنائے جا سکتے ہیں وہ ماہیے ہیں اور جنہیں گنگناتے ہوئے جھٹکا لگتا ہے وہ ماہیے نہیں ہیں۔ ''صریر'' سالنامہ ۱۹۹۳ء جس کا حوالہ بشیر سیفی دے رہے ہیں، اسی شمارہ میں سعید شباب کا ایک اہم مضمون ''ماہیے کی تفہیم میں پیش رفت'' بھی چھپا ہوا ہے۔ اس مضمون کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کر لیں کہ آج نثار ترابی صاحب اپنے خط میں چراغ حسن حسرت کے ''ماہیوں'' کے حوالے سے جو بات کر رہے ہیں سعید شباب اپنے اس مضمون میں اس کا مدلل جواب دے چکے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ جیسے انشائیہ کے اصل خدوخال کی مخالفت کرنے والے اپنے اعتراضات کے جواب مل جانے کے باوجود تواتر سے اپنے اعتراضات کو دہرائے جا رہے ہیں ویسے ہی ماہیے کے اصل وزن کے نام سے ناراض ہونے والے احباب بھی اپنے اعتراضات کو جواب ملنے کے باوجود دہرانے لگے

ہیں۔۔۔۔۔ نثار ترابی صاحب نے لوک ورثہ کی چھاپی ہوئی ماہیوں کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں کتاب اور مرتب کا نام بتانے کی بجائے اس کے ناشرین مظہرالاسلام اور عکسی مفتی کی دانشورانہ اہمیت کو اجاگر کرتے گئے ہیں۔ میں دونوں دانشور دوستوں سے کسی رابطے کے بغیر ادبی محبت رکھتا ہوں۔ مجھے اس وقت کتاب کا نام یاد نہیں آ رہا، تاہم اگر یہ کسی جدون صاحب کی مرتب کی ہوئی کتاب ہے تو نہایت معذرت کے ساتھ کہوں گا کہ یہ کتاب پنجابی ماہیے کی سب سے بری کتاب ہے۔ میں نثار ترابی صاحب سے ہی کہوں گا کہ وہ جی کڑا کر کے یہ کتاب ایک بار پھر پڑھ جائیں۔ اس کے بعد اس کتاب کے بارے میں وہ جو فیصلہ کر دیں میں ان پر بھروسہ کر کے اسے مان لوں گا۔ ویسے پنجابی میں ایک قدرے اچھی کتاب ''ماہیا۔ فن تے بنتر'' چھپی ہے۔ اسے تنویر بخاری نے لکھا ہے۔ اس پر جمال ہوشیارپوری کا ایک اہم اختلافی مضمون بھی چھپا ہے۔ چونکہ دونوں صاحبان ماہیے کے پہلے مصرعہ کو معیار مان کر ماہیے کی بحر کے تعین میں بحث کر رہے تھے اس لئے ''مفعول مفاعیلن'' اور ''فعلن فعلن فعلن'' کی حد تک بحث چلی، جبکہ ماہیے کے لئے یہ دونوں وزن درست ہیں۔۔۔۔ جناب نثار ترابی نے پنجابی سے تین یکساں مصرعوں کے ماہیے کی ایک مثال پیش کی ہے اور پھر اعتراض کیا ہے۔۔۔۔ اس اعتراض کا جواب بھی بارہا دیا جا چکا ہے۔ اب پھر مختصراً عرض کرتا ہوں کہ اردو میں زحافات کی جو رعایت ہے پنجابی زبان میں ایسا کوئی قاعدہ کلیہ موجود نہیں ہے۔ پنجابی میں بہت سے لفظوں کو شعری ضرورت اور سہولت کے مطابق چھوٹا یا لمبا کر لیا جاتا ہے۔ لہٰذا پنجابی ماہیے کو اگر آپ محض تحریری صورت میں دیکھیں گے تو لازماً دھوکہ کھائیں گے لیکن چونکہ ماہیا بنیادی طور پر گائی جانے والی صنف ہے اور اس کی مخصوص دھن ہے اس لئے تحریری صورت میں دیکھنے سے جو مغالطہ ہوتا ہے اسے اس کی دھن پر بآسانی پرکھا جا سکتا ہے۔ ماہیے کی مخصوص دھن میں ہی اس کا اصل وزن موجود ہے۔ ہم میں سے کسی نے بھی اس کے وزن کا تعین نہیں کرنا بلکہ صرف اس وزن کو معلوم کرنا ہے۔ اس کا موزوں

طریقہ یہی ہے کہ ماہیے کو محض لکھتے ہوئے نہیں بلکہ اس کی مخصوص دھن میں گنگناتے ہوئے تخلیق کریں پھر کوئی الجھن نہیں رہے گی۔ ماہیے کی مخصوص دھن کے مطابق جو ماہیا روانی سے گنگنایا جا سکتا ہے وہ کسی بحر میں ہو میں اسے ماہیا تسلیم کرتا ہوں لیکن جو ''ماہیا'' دوسرے مصرعہ میں جھٹکا کھانے لگے وہ ماہیا نہیں کچھ اور ہے لیکن دھن ماہیے والی ہو۔ چاہے مسرت نذیر والے گانے کی ہو، چاہے فلم ''پھاگن'' والے گانے کی ہو اور چاہے پنجاب کے دیہاتوں والی ہو۔ ان کے علاوہ اگر کوئی اور دھن ہے تو اسے بے شک گانا کہہ لیں، نغمہ کہہ لیں، لیکن وہ ماہیا نہیں ہے۔۔۔۔۔ جناب نثار ترابی نے اردو ''ماہیے'' کے بعض مجموعوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ان سے دگنی تعداد میں ہائیکو کے غلط وزن والے مجموعے بھی چھپ چکے ہیں تو کیا وہ ثلاثی محض اس لئے ہائیکو مان لئے جائیں گے کہ ان کے ڈھیر سارے مجموعے ہائیکو کے لیبل کے ساتھ چھپ چکے ہیں؟ باقی اب تیس سے زائد شعراء درست وزن میں ماہیے کہہ چکے ہیں۔ تین یکساں مصرعوں پر اصرار کرنے والے صاحبان کی تعداد تو اب دس بھی نہیں رہ گئی۔۔۔۔۔۔ ان ساری معروضات کے بعد خاص طور پر جناب نثار ترابی سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ ماہیے کی مخصوص دھن کو معیار مان کر فیصلہ کر لیں۔ یہ ایک سیدھا سادہ ادبی معاملہ ہے۔ سو اگر اس بحث کو اس رنگ میں آگے بڑھائیں کہ مجھے کچھ سمجھانا چاہیں یا خود کچھ سمجھنا چاہیں تو میں ان کا خیر مقدم کرتا ہوں اور واضح کرتا ہوں کہ اپنا موقف غلط ثابت ہونے کی صورت میں جو بھی ادبی سچائی ہو گی اس کا برملا اقرار کروں گا اور اپنے سابقہ رویے پر معذرت بھی کروں گا''۔

میرے اس خط کے جواب میں ''اوراق'' کے اس سے اگلے شمارے میں نثار ترابی نے معنی خیز خاموشی اختیار کر لی۔ ''اوراق'' شمارہ جنوری فروری ۱۹۹۶ء میں شائع ہونے والے مندرجہ بالا خط کے معاً بعد ماہنامہ ''صریر'' کراچی شمارہ مارچ ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر انور سدید کا طویل سالانہ ادبی جائزہ شائع ہوا۔ اس جائزہ میں ماہیا کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید نے لکھا:

’’سہ مصرعی اصناف سخن میں اردو ماہیا کو گزشتہ چند برسوں کے دوران اس لئے زیادہ اہمیت ملی کہ اس میں مقامی ثقافت کی باس نمایاں ہے۔ دوم یہ صنف سخن لوک مزاج اور موسیقی طراز ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس میں گیت کی طرح عورت کی کوک بھی زیادہ سنائی دیتی ہے۔ موضوعی اعتبار سے اب اس کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے لیکن یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی کہ ماہیا کی ہیئت کو پنجابی ماہیا کے مماثل کرنے میں حیدر قریشی نے زیادہ خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے ہیئت کی اس صورت کو قائم رکھنے پر اصرار کیا کہ ماہیا کے وسطی مصرعہ میں ایک رکن کم ہوتا ہے اور قاری پہلا مصرعہ الاپنے کے بعد تھوڑا سا رک جاتا ہے۔ رکاوٹ کا یہ وقفہ محبوب تک آواز پہنچانے کا وقفہ ہے۔ پہلے مصرعہ الاپنے کے بعد تھوڑا بلند آواز ہوتا ہے لیکن آخری مصرعہ ایسا ہوتا ہے جیسے جذبات کی چڑھی ہوئی ندی اب اتر رہی ہے۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کہ متعدد شعراء ماہیا میں تین ہم وزن مصرعے لکھ رہے ہیں اور یوں ماہیا کا مزاج ثلاثی کے ساتھ ملتا جا رہا ہے۔ حیدر قریشی اس مسئلے پر مسلسل تحقیق کر رہے ہیں۔ انہوں نے اعداد و شمار کی رو سے بتایا کہ اب تین یکساں مصرعوں کو ماہیا کے لئے استعمال کرنے والوں کی تعداد بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے‘‘۔ ماہیے کے نغماتی زیر و بم کو ڈاکٹر انور سدید نے خوبصورتی سے اپنے انداز میں بیان کیا ہے البتہ ان کا یہ بیان توجہ طلب ہے کہ ’’متعدد شعراء‘‘ ماہیا میں تین ہم وزن مصرعے لکھ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ ’’بعض شعراء‘‘ کی جگہ ’’متعدد شعراء‘‘ کے الفاظ روانی میں لکھ گئے ہیں۔ یہاں ایک سہو کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ اعتراف کر لوں کہ مجھے عروض کا کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔ ماہیے کے وزن کی بحث کے دوران تھوڑی سی شدبد حاصل کرنا پڑی۔ نثار ترابی نے اپنے مکتوب مطبوعہ ’’اوراق‘‘ شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں اور ڈاکٹر انور سدید نے اپنے مذکورہ بالا ادبی جائزے میں دوسرے مصرعہ میں ایک سبب یعنی دو حروف کی کمی کو ’’ایک رکن‘‘ کی کمی بیان کیا ہے جو دونوں دوستوں کا سہو ہے۔ فعلن ایک رکن ہے اور ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں دو حروف (ایک سبب) یعنی

آدھا رکن کم رکھنا ہوتا ہے۔ سالانہ ادبی جائزے میں ڈاکٹر انور سدید نے ماہیے کو جو اہمیت دی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نئی شعری صنف اب سنجیدہ اہل علم کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگی ہے۔

اس برس میرے ماہیوں کا پہلا مجموعہ ’’محبت کے پھول‘‘ منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے کے پیش لفظ میں اپنے موقف کو میں نے اپنے ماہیوں کے حوالے سے واضح کیا۔ ماہنامہ ’’صریر‘‘ کراچی کے سالنامہ (شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۶ء) میں ڈاکٹر بشیر سیفی کا مضمون ’’اردو ماہیا۔ تحقیقی مطالعہ‘‘ شائع ہوا۔ اس مضمون کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں چراغ حسن حسرت کے تین ہم وزن مصرعوں والے ’’ماہیوں‘‘ کے بعد اسی ٹائپ کے بشیر منذر، عبدالمجید بھٹی، منیر عشرت اور ثاقب زیردی کے ’’ماہیوں‘‘ کا بھی انکشاف کیا گیا ہے۔ یہ ’’ماہیے‘‘ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء کے دوران لکھے گئے تھے۔ یہ تقریباً وہی زمانہ بنتا ہے جب قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی درست وزن کے ماہیے پیش کر رہے تھے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں تمام تر بحث کے باوجود بشیر سیفی اس اصولی بات کو مان گئے ہیں کہ ماہیے کا وزن اس کی دھن کے مطابق ہونا چاہئے۔

نفس مضمون کے لحاظ سے اصل حقیقت کو تسلیم کر لینے کے باوجود بشیر سیفی نے تحقیق کے نام پر حقائق کو دھندلانے کی کوشش بھی کی ہے۔ اگر ان کی فروگزاشتیں سہواً ہوتیں تو انہیں نظر انداز کیا جا سکتا تھا لیکن چونکہ انہوں نے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لئے تگ و دو کی ہے اس لئے ان کی بعض ’’تحقیقی‘‘ باتوں کی حقیقت ظاہر کرنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر بشیر سیفی نے لکھا ہے کہ: ’’جب یہ اعتراض سامنے آیا کہ پنجابی ماہیا کے دوسرے مصرعہ میں ایک رکن کم ہوتا ہے اس لئے اردو میں تخلیق ہونے والے تین یکساں مصرعوں کے ماہیے پنجابی ماہیا کی اصل ہیئت کے مطابق نہیں تو بعض ماہیا نگاروں نے فوراً دوسرے مصرعہ میں ایک رکن کم کر دیا‘‘۔ ماہیے کے درست وزن کی نشاندہی اگست

۱۹۹۰ء میں ہوئی۔اس برس میرے درست وزن کے ماہیے ماہنامہ ''ادبِ لطیف'' لاہور شمارہ نومبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئے۔ستمبر ۱۹۹۲ء تک میں اکیلا ہی درست وزن میں ماہیے کہہ رہا تھا اور یار لوگوں کی ملامت کا نشانہ بھی بنا ہوا تھا۔اکتوبر ۱۹۹۲ء میں پہلی بار چند دوستوں نے اس طرف توجہ کی۔۱۹۹۴ء میں جا کر شعرائے کرام کو ہمارے موقف کی سچائی کا احساس ہونے لگا۔ہم نے چار پانچ سال تک سخت محنت کی۔تب کہیں جا کر ادبی دنیا کو حقیقت معلوم ہوئی۔فوراً دوسرے مصرعہ میں ایک رکن کم کر دینے کی بشیر سیفی کی تحقیق غلط ہے (ویسے دوسرے مصرعہ میں ایک رکن نہیں، ایک، سبب کم ہوتا ہے)۔اصل واقعہ یہ ہے کہ تین ہم وزن مصرعوں کی نظم کہنا آسان ہے۔اس کے مقابلہ میں دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی کا التزام رکھنا فنی ریاضت چاہتا ہے۔سوسہل پسندوں کے لئے تین ہم وزن مصرعوں کی ماہیا نگاری زیادہ بہتر تھی۔

ڈاکٹر بشیر سیفی نے ممتاز شاعر جناب پروفیسر ڈاکٹر صابر آفاقی کے مکتوب مطبوعہ ماہنامہ ''صریر'' کراچی شمارہ ستمبر ۱۹۹۳ء کا حوالہ دے کر ماہیے کے تینوں مصرعے ہم وزن ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے لیکن ان کا محققانہ کمال ہے کہ اس مکتوب کے جواب میں ڈاکٹر فہیم اعظمی کے موقف کو گول کر گئے ہیں جس میں ہمارے موقف کی معقولیت کا ذکر تھا۔پھر انہوں نے وحید انور کے خط مطبوعہ ماہنامہ ''صریر'' کراچی شمارہ نومبر ۱۹۹۳ء کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا جس میں جناب صابر آفاقی کے مکتوب کا مدلل جواب دے دیا گیا تھا۔تحقیقی مطالعہ تب منصفانہ ہوتا ہے جب فریقین کے موقف سامنے لا کر کوئی نتیجہ نکالا جائے یک طرفہ موقف پیش کر کے تحقیق کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ویسے ہمارے لئے یہی بات بہت ہے کہ ۱۹۹۶ء میں پروفیسر صابر آفاقی کے ماہیے منظر عام پر آئے ہیں اور یہ ماہیے ہمارے موقف والے وزن کے مطابق ہیں۔

ناصر عباس نیّر کے بارے میں بھی بشیر سیفی نے تاثر دیا ہے کہ وہ پہلے ہمارے موقف کے حامی تھے پھر انہوں نے وزن کے مقابلے میں دونوں اوزان کو درست قرار

دیا تھا نیز وزن کے مقابلہ میں ماہیے کے مزاج کو اہمیت دی تھی۔اس سلسلہ میں بھی ڈاکٹر بشیر سیفی نے اوراق لاہور شمارہ مئی جون ۱۹۹۳ء میں چھپنے والے ناصر عباس نیر کے مضمون کا حوالہ تو دیا ہے لیکن ''اوراق'' کے اس سے اگلے شمارہ کو اپنے تحقیقی مطالعہ میں شامل کرنا ضروری نہیں سمجھا جس میں میرا تفصیلی جواب چھپا تھا اور جس کے بعد ناصر عباس نیر کا یا کسی اور دوست کا جواب الجواب ''اوراق'' میں نہیں چھپا۔ڈاکٹر بشیر سیفی تحقیق کے نام پر جو انداز اختیار کر رہے ہیں محض اس کے جواب کے طور پر یہاں اپنے دوست ناصر عباس نیر کے ۱۹۹۶ء کے تحریر کردہ خط کا صرف ایک جملہ درج کر رہا ہوں۔ہماری سابقہ بحث اور ماہیے کی جملہ بحث کے تذکرہ کے بعد ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

''اردو میں ماہیے کی نسبت سے آپ اتھارٹی بن چکے ہیں''

میں برادرم ناصر عباس نیّر کے اس بیان کو ان کی محبت سمجھتا ہوں وگرنہ من آنم کہ من دانم۔

ڈاکٹر بشیر سیفی لکھتے ہیں: ''یہ بات خالی از دلچسپی نہیں کہ حیدر قریشی نے جن پنجابی ماہیوں کو اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کیا ہے (ابلاغ جولائی ۱۹۹۲ء) وصی محمد وصی نے ان کی تقطیع کر کے انہیں مساوی الوزن ثابت کیا ہے (ملاحظہ ہو ابلاغ اکتوبر ۱۹۹۲ء)''۔

۱۹۹۵ء تک ماہیے کے وزن کی بحث جتنی نکھر چکی ہے اس کے بعد ایسی بات لکھنا صرف ڈاکٹر بشیر سیفی جیسے محقق کا ہی حوصلہ ہے۔وصی محمد وصی اور دوسرے تمام احباب بھی جو پنجابی ماہیے کی تقطیع اردو عروض پر کریں گے لازماً دھوکہ کھائیں گے کیونکہ پنجابی الفاظ کی ساخت میں جو لچک ہے اسے اردو کے پیمانوں پر جانچنا ہی غلط ہے۔وصی محمد وصی تو دھن کو معیار مان کر فیصلہ کرنے کی بجائے پنجابی الفاظ کی تقطیع اردو قواعد کے مطابق کرنے لگے تھے اس لئے دھوکہ کھا گئے لیکن بشیر سیفی طے شدہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے والی ایسی تحقیق کر کے کسے دھوکہ دینا چاہتے ہیں؟

ابلاغ کے انہی صفحات پر وصی محمد وصی نے ساحر لدھیانوی کے ماہیے اپنی تائید میں پیش کئے لیکن وہ ماہیے ہمارے موقف کے مطابق نکلے۔ ڈاکٹر بشیر سیفی نے اسے دیدہ دانستہ نظر انداز کر دیا ہے۔ پھر ابلاغ کے صفحات پر وصی محمد وصی ہماری مذمت کرتے ہوئے بہانگ دہل یہ اعلان کر رہے تھے کہ ماہیا تو تین ہم وزن مصرعوں ہی پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ ان کا یہ دعویٰ آج اس عبرت ناک مقام پر آ پہنچا ہے کہ بشیر سیفی، نثار ترابی، ایم اے تنویر اور ایسے ہی دیگر ''ماہیا نگار'' ہمارے ماہیوں کو تو مان رہے ہیں اور اب اس تگ و دو میں لگے ہیں کہ ہمارے ثلاثی کو بھی ماہیا مان کیا جائے۔

ماہیے کے وزن کا مسئلہ سنجیدگی سے اٹھایا گیا تھا۔ شعرائے کرام نے فوراً نہیں بلکہ کافی غور و خوض کے بعد ہمارے موقف کی معقولیت کو تسلیم کیا۔ پنجابی کے ممتاز شاعر جناب امین خیال نے درست وزن میں اردو ماہیے کہہ کر ہماری تحریک کو تقویت پہنچائی ہے۔ نئی نسل کے ایک اہم شاعر عارف فرہاد پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی ماہیے کے عنوان سے پیش کرتے رہے۔ پھر طویل غور و خوض کے بعد انہوں نے درست وزن کو اختیار کر لیا اس سلسلے میں ان کے ایک خط کا ایک حصہ درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں :

''میں نے اوراق، تجدید نو اور دیگر ادبی پرچوں میں چھپنے والے وہ خطوط بھی پڑھے ہیں جو ماہیے کے حوالے سے تحریر کردہ ہیں اور آپ کے حالیہ خط پر بھی غور کیا ہے۔ واقعی آپ کا موقف درست ہے کہ اصل وزن ہے :

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

میں سمجھتا ہوں کہ مساوی الاوزان ماہیے کچھ لوگ اس لئے لکھ رہے ہیں کہ انہیں لکھتے وقت کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ میری اس سلسلے میں مختلف معاصرین سے بات چیت ہوئی ہے۔ جناب احمد ندیم قاسمی کا موقف بھی یہی ہے کہ لوگوں نے مروجہ بحر کو

آسان سمجھ کر اس میں ماہیے کہہ دیئے ہیں۔۔۔۔۔ آپ کے موقف پر غور کیا جائے تو دل راضی ہو جاتا ہے۔ ایک بات جو بھلی معلوم ہوتی ہے وہ دھن والی ہے''۔

(مکتوب عارف فرہاد بنام حیدر قریشی۔ مورخہ یکم اگست ۱۹۹۶ء)

ڈاکٹر بشیر سیفی کا مذکورہ بالا مضمون مجھے اکتوبر ۱۹۹۶ء میں ملا۔ تب ہی میں نے اس کا مختصر سا جواب لکھ کر ایڈیٹر ماہنامہ ''صریر'' کراچی کو بھیج دیا۔ اس جوابی مضمون کا عنوان تھا ''ماہیے کے حوالے سے چند معروضات''۔ اسی دوران ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مرتب کردہ ماہیوں کا ایک انتخاب ''رم جھم رم جھم'' دہلی سے شائع ہوا۔ اس کا ''حرف اول'' ایک مبسوط دیباچہ ہے جو ماہیے کے وزن کی بحث میں اڑائی گئی گرد کو صاف کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۴ نومبر ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں روزنامہ ''پاسبان'' بنگلور (کرناٹک) نے اپنے تقریباً دو ادبی صفحات ماہیے کے لئے مختص کئے۔ اس میں ۲۱ ماہیا نگاروں کے ماہیوں کے ساتھ تین مضامین شائع کئے۔ ''ماہیا اور اس کا دوسرا مصرعہ'' از حیدر قریشی، ''ماہیے۔ ایک مطالعہ'' از انور مینائی اور ''اردو ماہیے'' از سعید شباب۔۔۔۔۔ ان مضامین میں سے اول الذکر دونوں مضمون مطبوعہ ہیں اور ان کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ البتہ سعید شباب کا مضمون تازہ اور غیر مطبوعہ ہے۔ انہوں نے اختصار کے ساتھ پنجابی ماہیے کا تعارف کرایا ہے۔ اس کے وزن کا مسئلہ اٹھا کر اسے ماہیے کی دھن سے واضح کیا ہے۔ اردو ماہیے کی ابتداء اور اصلاح احوال کی روداد بیان کی ہے ان کا مضمون ان الفاظ کے ساتھ اختتام پذیر ہوا ہے :

''خوشی کی بات ہے کہ ماہیے کے مزاج اور خدوخال کی بحث جیسے جیسے آگے بڑھ رہی ہے ویسے ویسے شعرائے کرام ماہیے کے اصل وزن کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ غلط وزن میں ماہیے کہنے والوں کی تعداد اب بالکل گھٹ کر رہ گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے شعرائے کرام کے ذریعے اردو ماہیا دوسری اصناف ادب کے دوش بدوش

وقار کے ساتھ اکیسویں صدی میں داخل ہو سکے گا‘‘۔

میرا ایک مضمون ’’اردو ماہیا۔۔۔۔کل اور آج‘‘ ماہنامہ شاہین ڈنمارک کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔اس مضمون میں میں نے ماہیے کے وزن کے سلسلے میں اب تک بیان کئے گئے مختلف ادباء کے تاثرات کو بیان کر کے حقیقت حال ظاہر کی۔ ماہیے کے مزاج کے حوالے سے بھی میں نے اپنے موقف کی وضاحت کی۔اس کا یہ حصہ یہاں درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں:

’’جہاں تک ماہیے کے مزاج کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں کوئی حتمی بات کرنا اس لئے مشکل ہے کہ یہ زیادہ تر اپنے اپنے ذوق پر منحصر ہے۔خود پنجابی میں ایسے ماہیے موجود ہیں جنہیں مزاج کی کسی خاص حد میں لانا مشکل ہے۔مثلاً:

باگے وچ دریاں نیں
اللہ میاں پاس کرے
اساں فیساں بھریاں نیں

حمد،نعت،منقبت والے ماہیے اور زندگی کے تلخ مسائل والے پنجابی ماہیے بھی۔۔۔۔۔اس مزاج سے خاصے مختلف ہیں جو پنجابی ماہیے کی عمومی پہچان ہے۔ ماہیے کے مزاج کے حوالے کو ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا ہونے میں روک نہیں بننا چاہئے کیونکہ غزل بھی جو کل تک صرف عورتوں کی باتیں کرنے یا عورتوں سے باتیں کرنے تک محدود تھی،آج اپنی بنیاد پر قائم رہتے ہوئے زندگی کے کتنے ہی موضوعات کا احاطہ کر چکی ہے۔اس میں شک نہیں کہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے ماہیا نگاروں کے ہاں عام طور پر ماہیے کا مزاج از خود آ سکتا ہے بہ نسبت ان ماہیا نگاروں کے جو پنجاب سے تعلق نہیں رکھتے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے بعض ماہیا نگاروں نے بھی بڑے ہی بے رس اور پھیکے ماہیے کہے ہیں اور پنجاب سے تعلق نہ رکھنے والوں نے ایسے ایسے ماہیے بھی کہے ہیں جو وزن اور مزاج دونوں لحاظ سے عمدہ اور

خوبصورت ہیں۔پہلے پنجاب سے تعلق رکھنے والے ایسے ماہیا نگاروں کے ماہیے دیکھیں جو درست وزن کو اپنانے اور پنجابی ہونے کے باوجود پھیکے اور اوپرے اوپرے سے ماہیے کہہ رہے ہیں:

مجبور نہیں ہیں ہم
لوٹ کے آئیں گے
تم آنکھ نہ کریئو نم

ہر آنکھ میں سپنے ہیں
بیرن دنیا میں
یہ روگ ہی اپنے ہیں

☆

اک تیری نشانی ہے
میری اکھیں میں
دریا کی روانی ہے

☆

سویا بھی نہیں جاگا
ہوش میں آ جاؤ
ابھی وقت نہیں بھاگا

یہ مثالیں کسی کی دل آزاری کے لئے نہیں دی گئیں،اسی لئے میں نے ماہیا نگاروں کے نام نہیں دیئے۔ان مثالوں سے محض یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ پنجابی ذہن اور دل رکھنے والے شاعر بھی ماہیے کے عمومی مزاج سے پرے ہو کر ماہیے لکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح غیر پنجابی ہونے کے باوجود بعض ماہیے کہنے والے بھی ایسے ماہیے کہہ سکتے ہیں

جو بڑی حد تک پنجابی مزاج کے مطابق ہیں۔ چند مثالیں دیکھ لیں:

امواج کے دھاروں تک
اپنی کہانی ہے
طوفان سے کناروں تک
(نذیر فتح پوری۔ راجستھان)

ہے رنگ بہت گہرا
سرخی اناروں کی
تکتی ہے ترا چہرہ
(انور مینائی۔ کرناٹک)

ساون کی فضاؤں میں
خوشبو کا افسانہ
زلفوں کی گھٹاؤں میں
(مناظر عاشق ہرگانوی۔ بہار)

لفظوں پہ نہ جا بابا
عقل کی باتیں کیا
سن دل کی صدا بابا
(رشید اعجاز، پونا، مہاراشٹر)

اُردو ماہیے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے، ماہیے کے دامن کو وسیع کرنے کے عمل میں رکاوٹ ڈالے بغیر ماہیے کے مزاج کو برقرار رکھنے کی مثبت تلقین ساتھ ساتھ جاری رہنی چاہئے، تاہم ماہیے کے موضوعات میں وسعت آنے سے نئے

تجربات میں سے اگر بعض تجربات کچھ کچے اور ادھورے رہ جائیں تو انہیں برداشت کر لینا چاہئے کہ ایسے ادھورے اور کچے تجربات کے نتیجہ میں نئے اور بہتر تجربات کی راہیں بھی نکلیں گی۔ یوں اس دور میں کئے جانے والے بیشتر تجربات آنے والے دور میں اردو ماہیے کی تاریخ کا ایک قیمتی حصہ قرار پائیں گے''۔

۱۹۹۶ء کے آخر تک ماہیے کے وزن اور مزاج کو سمجھنے کے لئے اور حقیقت کو واضح کرنے کے لئے جو مخلصانہ کوششیں ہوئیں ان سے نہ صرف ان مسئلوں کے کئی پہلو کھل کر سامنے آئے بلکہ اصل حقائق بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے۔ اب بعض ''صاحبان'' بے شک کج بحثی کرنے یا حقائق کو مسخ کرنے کی تگ و دو کرتے رہیں لیکن ماہیے کے وزن کا مسئلہ ان تمام شعراء پر واضح ہو چکا ہے جو اَب ماہیے کہنے کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ البتہ جو شعراء پہلے تین ہم وزن مصرعوں کی نظمیں ''ماہیے'' کے نام سے پیش کرتے رہے اب ان کے لئے غلطی کو تسلیم کرنا اور پھر اس کی درستی کی طرف مائل ہونا بے شک خاصا مشکل بلکہ تکلیف دہ کام ہے۔ ایسا کام صرف ان شعراء کے لئے آسان ہو سکتا ہے جو نذیر فتح پوری، ضمیر اظہر، عارف فرہاد اور مناظر عاشق ہرگانوی جیسا حوصلہ اور ظرف رکھتے ہوں جن کے لئے ذاتی انا کے مقابلہ میں ادبی سچائی اہم اور محترم ہے، جسے تسلیم کر لینے سے ان کی شان کم نہیں ہوئی بلکہ ان کے وقار میں اضافہ ہوا ہے کہ انہوں نے حقیقت واضح ہو جانے پر اسے اپنی انا کا مسئلہ بنانے کی بجائے بشاشت کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔

بہرحال اب وزن کا مسئلہ نئے ماہیا نگاروں کے لئے کسی الجھن کا باعث نہیں رہا۔ وہ اسے بخوبی سمجھ رہے ہیں اور اس کے مطابق کامیابی کے ساتھ عمدہ ماہیے کہہ رہے ہیں۔ ماہیے کے مزاج کی تفہیم میں بھی پیش رفت ہوئی ہے۔ وزن اور مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہیے کے موضوعات میں بتدریج وسعت پیدا ہو رہی ہے، الفاظ کے برتاؤ میں بھی عمدہ تجربے ہو رہے ہیں۔ یہ ساری صورت حال خوش کن ہے۔ ☆☆☆☆☆

حاصلِ بحث

گزشتہ پانچ برس کے عرصہ میں ماہیے کی بحث کے نتیجہ میں ماہیے کے خدوخال نمایاں ہوئے ہیں اور اس کے مزاج کے مسئلہ کو سمجھنے کی مخلصانہ کوششیں ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں خاص طور پر افتخار احمد، ناصر عباس نیرؔ، پروفیسر عرش صدیقی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، سعید شباب، ریاض احمد، خاور اعجاز، ایم اے تنویر، نثار ترابی اور غزالہ طلعت کے ذریعے ماہیے کی بحث نے جو سفر طے کیا ہے، اس سے صورت حال کافی نکھر کر سامنے آ گئی ہے۔

ڈاکٹر فہیم اعظمی، ڈاکٹر انور سدید اور حمایت علی شاعر کے مختصر تاثرات نے بھی درست وزن کے ماہیے کو تقویت پہنچائی ہے۔ ماہیے کے وزن کے بارے میں اب پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تین یکساں وزن کے مصرعوں والے ''ماہیے'' حقیقتاً ماہیے نہیں ہیں۔ ماہیے کی پنجابی اور عوامی دھن سے یہ وزن اردو ماہیے کے لئے بالکل واضح ہو چکا ہے۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

اس کی رو سے ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' یعنی دو حروف کا کم ہونا ضروری ہے۔ اس وزن میں ماہیا پنجابی دھن کے مطابق پوری طرح رواں دواں ہو جاتا ہے۔ یہ دوسرا وزن بھی ماہیے کے لئے قابل قبول ہے:

مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

یہ وزن اس لئے روا ہے کہ اپنی روانی میں اگلے حروف میں ضم ہوتا ہوا، یہ وزن بھی اول الذکر وزن میں ڈھل جاتے ہے یعنی:

مفعولمفاعیلن
فعلم فاعی لن
مفعولمفاعیلن

اس کے باوجود واضح الفاظ میں ہمارا موقف یہی ہے کہ جو اردو ماہیا۔۔۔۔ پنجابی ماہیے کی مخصوص دھن پر سہولت اور روانی کے ساتھ گایا/گنگنایا جا سکتا ہے وہ ماہیا ہے اور جسے ماہیے کی دھن پر گاتے/گنگناتے ہوئے جھٹکا لگتا ہے وہ ماہیا نہیں کوئی اور چیز ہے۔ ماہیے کی مخصوص دھن کے سلسلے میں دو ماہیا گیتوں کو بنیادی حوالہ بنایا جا سکتا ہے۔

پنجابی میں مسرت نذیر کے گائے ہوئے غیر فلمی ماہیا گیت:

چٹا ککڑ بنیرے تے
کاسنی دوپٹے والیے
منڈا صدقے تیرے تے

اور اردو میں قمر جلال آبادی کے لکھے، فلم ''پھاگن'' میں محمد رفیع اور آشا بھونسلے کے گائے ہوئے ماہیا گیت:

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ

ماہیے کی اصل دھن وہ بنیادی نکتہ ہے جس سے اس کے وزن کو بخوبی اور

آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ماہیے کے وزن اور اس کے دوسرے مصرعہ میں فرق کی نزاکت پر اردو میں یہ اتنا اہم نوعیت کا کام ہوا ہے جس سے پنجابی ادب کے دانشور بھی بہتر طور پر استفادہ کر سکتے ہیں۔

جہاں تک ماہیے کے مزاج کے مسئلے کا تعلق ہے اس کے بارے میں وزن کی طرح کوئی حتمی اور دوٹوک بات کرنا ممکن نہیں ہے۔ وزن کو ماہیے کا جسم سمجھ لیں تو مزاج اس کی روح ہے۔جسم کی حد معین ہوتی ہے جبکہ روح کا مختلف حوالوں سے صرف احساس کیا جا سکتا ہے۔اس مثال سے قطع نظر مزاج کا معاملہ زیادہ تر قاری یا سامع کے ذوق پر منحصر ہے پنجابی میں کئی ایسے ماہیے ملتے ہیں جنہیں مزاج کی کسی خاص حد میں لانا مشکل ہے۔

باگے وچ دریاں نیں
اللہ میاں پاس کرے
اساں فیساں بھریاں نیں

حمدیہ، نعتیہ ماہیے، ظلم اور جبر کے خلاف احتجاج والے ماہیے بھی پنجابی ماہیے کے اس عمومی مزاج سے بالکل مختلف ہیں جو عام طور پر پنجابی ماہیے کی شناخت ہے۔جس طرح ماہیے کے مزاج کا زیادہ تر انحصار قاری یا سامع کے ذوق اور مزاج پر ہے ویسے ہی ماہیا نگار کا ذاتی ذوق اور مزاج بھی اس کے ماہیوں میں فطری طور پر آئے گا۔کوئی نظم نگار شاعر جب ماہیے کہے گا تو ان میں نظم کے اثرات آئیں گے۔کوئی غزل گو شاعر ماہیے کہے گا تو اس کے ماہیے میں غزل کے اثرات کچھ نہ کچھ تو ضرور آئیں گے۔اسی طرح اردو کے گیت نگار اگر ماہیے کہیں گے تو گیت کی ہندی روایت بھی اپنا اثر دکھائے گی۔ نظم، غزل اور گیت کے اثرات اردو ماہیے کے تشخص کو ختم نہیں کریں گے بلکہ اسے تازہ خون فراہم کریں گے۔ان اثرات سے ماہیے کا مزاج مزید بہتر ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ پنجاب کی زمین سے تعلق رکھنے والے شعرا جب ماہیے

کہیں گے تو ان کے ہاں ماہیے کی مٹھاس اور خوشبو از خود آتی جائے گی بہ نسبت ان شعراء کے جو پنجاب کی زمین سے دور ہیں لیکن گزشتہ پانچ برسوں میں یہ حقیقت بھی سامنے آئی ہے کہ پنجاب کی زمین سے جڑے ہوئے بعض شاعروں نے بڑے ہی بے رس اور پھیکے ماہیے بھی کہے ہیں اور دوسری طرف بہار، کرناٹک، مہاراشٹر اور راجستھان جیسے دور دراز علاقوں کے شعراء نے ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھا، اس کے وزن اور مزاج کو سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کی اور ماہیے سے اپنی گہری وابستگی کے باعث بعض ایسے خوبصورت ماہیے کہے جو پنجابی ماہیے کی روایت سے جڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس تخلیقی عمل کے دوران اردو اور پنجابی کے لسانی سسٹم کا وہ حصہ ان کا لاشعوری طور پر ممد ہوا ہو جو دونوں زبانوں میں مشترکہ طور پر موجود ہے۔ لہٰذا یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ چونکہ فلاں شاعر پنجاب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے تمام ماہیے مزاجاً اچھے ہیں اور فلاں شاعر پنجاب سے تعلق نہیں رکھتا اس لئے وہ ماہیے کہہ ہی نہیں سکتا۔ یہ ماہیے سے اپنی اپنی وابستگی پر منحصر ہے۔ قصیدے سے نکلی ہوئی غزل عربی اور فارسی سے ہوتی ہوئی اردو شاعری کی جان بن سکتی ہے تو پنجابی اور اردو میں لسانی قربت کے باعث پنجابی ماہیا بھی کسی تخصیص کے بغیر اردو شاعروں میں مقبول ہو کر اردو شاعری میں اپنا مقام بنا سکتا ہے۔ پھر جس طرح غزل عورتوں کی باتیں کرنے اور عورتوں سے باتیں کرنے کا بنیادی مزاج رکھنے کے باوجود اپنے ارتقا میں کتنے ہی عالمی، کائناتی اور مابعد الطبیعاتی موضوعات کا خوبصورتی سے ذکر کر چکی ہے اور یوں اپنے دامن کو وسیع تر کر چکی ہے۔ ویسے ہی یہ ممکن ہے کہ ماہیا محبت اور دھرتی سے منسلک رہتے ہوئے ارتقا کی منزلیں سر کرے اور لگے بندھے موضوعات سے آگے کے موضوعات بھی اس کے دامن میں سماتے جائیں۔ ماہیے کے مزاج کے نام پر اس کے موضوعات کو محدود کر کے اسے تکرار کا شکار بنانے سے بہتر ہے کہ اس کے موضوعات میں وسعت پیدا کی جائے۔ موضوعات میں وسعت کے باعث اگر بعض نئے تجربے کچے رہ جائیں یا نامانوس سے لگیں تو انہیں اس

لئے برداشت کر لینا چاہئے کہ آگے چل کر ان ادھورے یا کچے تجربات سے نئے اور کامیاب تجربات کی راہیں ضرور نکلیں گی۔

اپنے تمام محبت کرنے والے اور خوبصورت ماہیا نگاروں کے ساتھ اردو ماہیے کو ایک لمبا سفر کرنا ہے۔

اور ابھی سفر کی ابتدا ہے۔

☆☆☆☆

ہمارے ماہیا نگار

ماہیے کے وزن کی درستی کی بحث کے ساتھ درست وزن کی ماہیا نگاری کو بھی فروغ ملنے لگا۔ یوں تو ہر ماہیا اپنی جگہ مکمل نظم ہوتا ہے تاہم سوال جواب کی صورت میں ماہیوں کے نمونے پنجابی میں بھی ملتے ہیں اور اردو میں بھی۔ تا حال اردو ماہیے کا جو اولین نمونہ ہے وہ بھی دوگانے کی صورت میں ہے۔قمر جلال آبادی کے لکھے، محمد رفیع اور آشا بھونسلے کی آوازوں میں گائے ،فلم پھاگن کے یہ ماہیے''اردو میں ماہیا نگاری کی ابتداء'' میں درج کئے جا چکے ہیں۔ان کے بعد میں نے مکالمے کی صورت میں چند ماہیے کہے تھے۔ یہ مکالماتی ماہیے پاکستان اور بھارت کے بعض رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ میرے شعری مجموعہ''عمرِ گریزاں'' میں شامل ہیں اور میرے ماہیوں کے مجموعہ''محبت کے پھول'' میں بھی شامل ہیں۔ مکالماتی ماہیے کہنے میں تیسرا نمبر قاضی اعجاز محور کا ہے۔ ان کے یہ مکالماتی ماہیے دیکھیں:

مرد: ٹوٹے نہ یہ دل گوری
جیسے یہ کہتا ہے
تو اس سے مل گوری

عورت: دل کا تو بہانہ ہے
تیرا ہے کیا مطلب
میں نے اب جانا ہے

O

مرد: نزدیک تو آ گوری
کون ہیں ہم تیرے
ہم کو بتلا گوری

عورت: کیوں رہتے ہو یوں گھیرے
کیسے کہوں تم سے
تم کچھ بھی نہیں میرے

O

O

مرد: ہم تو ہیں کھرے دل کے
ساتھ نہ چھوڑیں گے
تو دیکھ ذرا مل کے

O

عورت: تم لوگ ہو دیوانے
کیسے دوانوں کی
کوئی باتیں سچ جانے

O

O

سعید شباب نے کسی ایک لفظ کے حوالے سے ماہیے کہنے کی طرح ڈالی اور اسی لفظ کو ماہیوں کا عنوان بنا دیا۔ انہوں نے ''دل''، ''ماہیے'' اور ''دیوانے'' کے عنوان سے عمدہ ماہیے پیش کیے۔

ان کے بعد نذیر فتح پوری نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے احد، احمد، تتلی، ساون، حمد، کتاب اور بعض دوسرے عنادین کے تحت اپنے ماہیے پیش کئے۔ میں نے کسی لفظ کے حوالے کی بجائے ایک موضوع کے تحت ماہیے پیش کئے ہیں۔ ''محبت کے پھول'' میں میرے ایسے ماہیے ''اپنے مولا کے حضور''، ''سوہنی دھرتی''، ''ایک باغ میں ملنے والی ایک لڑکی''۔ ''۵ جولائی ۱۹۷۷ء''، ''شادی بیاہ''، ''پھر وہی داستاں'' اور ''اکتساب'' کے عنادین کے تحت شامل ہیں۔

ایسے تجربات کے باوجود اصلاً ہر ماہیا اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے۔ اسی لیے کسی ایک موضوع یا لفظ کو بنیاد بنا کر متعدد ماہیے کہنے سے زیادہ ایسے ماہیے کہے گئے جو اپنے نفس مضمون کے لحاظ سے اپنی اپنی جگہ مکمل ہیں۔ یہاں اسی حوالے سے اردو کے اب تک کے معلوم تمام ماہیا نگاروں کے تعارف کے طور پر ان کے ماہیے درج کئے جاتے ہیں۔

زنجیر ہے پاؤں کی
راہ نہیں بھولے
ڈھولا ترے گاؤں کی
(یوسف اختر)

بھیگے ہوئے آنچل نے
راز اگل ڈالا
پھیلے ہوئے کاجل نے
(یوسف اختر)

شادی کے جھمیلے میں
شعر و ادب چھوٹا
بس ایک ہی ریلے میں
(غزالہ طلعت)

نرمی کے حوالے ہیں
اولے نہیں ہیں جی
یہ برف کے گالے ہیں
(غزالہ طلعت)

زخموں کے نوادر ہیں
میری نگاہوں میں
خوں رنگ مناظر ہیں
(انور مینائی)

بے موت ہی مرتے ہیں
پرواز یں کیسی
جب پنکھ ہی ٹوٹے ہیں
(انور مینائی)

کاغذ کے گلابوں پر
تتلی نہیں آتی
مصنوعی بہاروں پر
(بقا صدیقی)

پھولوں کی طرح رکھتے
پیار جو کرتے تم
رنگوں کی طرح رکھتے
(بقاء صدیقی)

کہنے کو تو روٹھے ہو
خوشبو بن کے مگر
ہر سانس میں بستے ہو
(ضمیر اظہر)

کھڑکی پہ چڑھی بیلیں
گم صم میں تنہا
سکھیاں مری سب کھیلیں
(ضمیر اظہر)

ناکام تمنائیں
ہم اس جینے سے
بہتر ہے کہ مر جائیں
(اجمل جنڈیالوی)

مرشد سے نہ پیروں سے
رفعت ملتی ہے
پاکیزہ ضمیروں سے
(اجمل جنڈیالوی)

اشک آنکھ میں ترس گئے
سامنا ہوتے ہی
سب بادل برس گئے
(امین خیال)

بوروں سے لدی بیلیں
آؤ بغیچوں میں
ہم پھول پری کھیلیں
(افتخار شفیع)

مت دل کو دکھایا کرو
ہجر کے ماروں کے
خوابوں میں تو آیا کرو
(سعید شباب)

آ جاؤں نہ دھوکے میں
جند مری لشکے
گوری ترے کوکے میں
(پروین کمار اشک)

ہے مانگ پناہوں کی
خوب دردِ دل پر
دستک ہے نگاہوں کی
(رشید اعجاز)

چشمے کہساروں کے
دیس مرے میں اب
چرچے ہیں بہاروں کے
(امین خیال)

گمنام کہانی ہے
پہلی محبت کی
روداد پرانی ہے
(افتخار شفیع)

عشق اپنا کھرا رکھنا
موسم ہو کوئی
زخموں کو ہرا رکھنا
(سعید شباب)

دل طائر کیوں چہکے
آگ کو چھوتے ہی
جب باس مٹی مہکے
(پروین کمار اشک)

ذہنوں میں اترتا ہے
عکس بجھے دل کا
سوچوں سے نکھرتا ہے
(رشید اعجاز)

اک اور ہی منظر ہے
چنچل آنکھوں میں
سیتا کا سوئمبر ہے
(شجاعت علی راہی)

ساون کے مہینے میں
دور ہیں ہم، تم سے
اک پیاس ہے سینے میں
(ندیم شعیب)

برسات کا موسم ہے
دل کے زخموں کا
ترا نام ہی مرہم ہے
(رانا غلام شبیر)

ندیا کے کنارے ہیں
ہار کے جیتے تم
ہم جیتے کے ہارے ہیں
(ارشد نعیم)

پنچھی ہیں ہواؤں میں
صرف تجھے ساجن
مانگا تھا دعاؤں میں
(نوید رضا)

تاریکیٔ زنداں ہوں
صبح بنارس تو
میں شام غریباں ہوں
(شجاعت علی راہی)

ماہی مرا آئے گا
جھیل کنارے پر
وہ گیت سنائے گا
(ندیم شعیب)

احساس کی دولت سے
قسمت بدلی ہے
انساں کی محبت ہے
(رانا غلام شبیر)

ملنے کا ارادہ ہے
اب کے برس جانم
تری یاد زیادہ ہے
(ارشد نعیم)

کس ہاتھ کی ریکھا ہے
بعد زمانے کے
میں نے اسے دیکھا ہے
(نوید رضا)

ساون کی فضاؤں میں
خوشبو کا افسانہ
زلفوں کی گھٹاؤں میں
(مناظر عاشق ہرگانوی)

یوں خواب سجاتے ہیں
لوگ زمینوں پر
آکاش سجاتے ہیں
(نذیر فتح پوری)

کب دل پر چاتی ہے
اب تصویر تری
چپ رہ کے ستاتی ہے
(فرحت نواز)

کھڑکی سے نہیں جھانکا
آج دوپٹے پر
تارا بھی نہیں ٹانکا
(منزہ اختر شاد)

ہے کیسا چلن ساتھی
دھوپ میں جلتا ہے
دن رات بدن ساتھی
(صدف جعفری)

کچھ اور سنور جائے
رات سہانی ہے
سپنوں میں گزر جائے
(مناظر عاشق ہرگانوی)

اشکوں کی روانی لکھ
نیند اچٹ جائے
تب دل کی کہانی لکھ
(نذیر فتح پوری)

یوں راز بتانا ہے
ہاتھوں میں ہم نے
جگنو کو چھپانا ہے
(فرحت نواز)

تکلے پر پونی ہو
ٹوٹے جب دھاگا
دکھ چادر دونی ہو
(منزہ اختر شاد)

سب راز بتا دے گا
بھٹکا مسافر ہی
منزل کا پتہ دے گا
(صدف جعفری)

دو لفظ کہانی کے
کاٹے نہیں کٹتے
یہ لمحے جوانی کے
(نذر عباس)

موسم کی سحر خیزی
کب میرا رہتا
اس کو تھی بہت تیزی
(خاور اعجاز)

ہم سہمے پرندے ہیں
سبز رتوں میں بھی
پرواز سے ڈرتے ہیں
(حسن عباس رضا)

رستے میں اندھیرا ہے
ٹھیک سہی لیکن
آنکھوں میں سویرا ہے
(قمر ساحری)

پلکوں سے اتارے تھے
جھلمل کرتے جو
یادوں کے ستارے تھے
(اجمل پاشا)

یہ سلسلہ جاری ہے
پیار کی بازی تو
جیتی کبھی، ہاری ہے
(نذر عباس)

دیوار سے آگے ہے
میں کیسے پہنچوں
وہ دار سے آگے ہے
(خاور اعجاز)

دل اپنے کشادہ تھے
اس لیے رونا پڑا
ہم ہنستے زیادہ تھے
(حسن عباس رضا)

پروائے جہاں کس کو
وقت بگولہ ہے
پہچانے کہاں کس کو
(قمر ساحری)

پیار ایسے نبھا دیں گے
قول کے پکے ہیں
دنیا کو دکھا دیں گے
(اجمل پاشا)

اک ایسی گھڑی ہوگی
مل نہیں پائیں گے
وہاں بھیڑ بڑی ہوگی
(آل عمران)

کیا رکھو گے پانی پر
پہلے یقیں کر لو
شعلوں کی جوانی پر
(نیاز احمد مجاز)

ہونا نہ الگ ماہیا
دل کی انگوٹھی میں
تیرا پیار ہے نگ ماہیا
(تنویر نوازش)

سیتا کی کہانی ہے
چاند میں ہالا ہے
لچھمن کی نشانی ہے
(وقیع منظر)

ترے پیار کے مارے ہیں
شک نہ کبھی کرنا
ہم دل سے تمہارے ہیں
(بسمہ طاہر)

کیسی بیماری ہے
چڑھتے سورج کا
ہر شخص پجاری ہے
(آل عمران)

کاغذ پہ ہے مہنگائی
کیسے کرو گے اب
لفظوں سے شناسائی
(نیاز احمد مجاز)

مخمور بناتا جا
نین کٹوروں سے
دو گھونٹ پلاتا جا
(تنویر نوازش)

پردیسی نہ گھر آیا
چاک فلک کر کے
اک چاند ابھر آیا
(وقیع منظر)

کھیتوں میں کھلی سرسوں
داغ جدائی کے
مٹ سکتے نہیں برسوں
(رستم نامی)

ساحل پہ نہ چھل آئی
کل تجھے آنا تھا
پر تیری نہ کل آئی
(ایم۔اے تنویر)

جب یاد تری آئی
ہجر کی راتوں میں
بڑھ جاتی ہے تنہائی
(ذوالفقار احسن)

یہ حسن، یہ رعنائی
رب کی امانت ہے
اے دلبر ہرجائی
(ڈاکٹر صابر آفاقی)

تنہائی میں وہ آئے
مجھ سے گلے مل کر
چپ چاپ بچھڑ جائے
(احمد حسین مجاہد)

آنکھوں میں بھرا اجلا
مست مناظر میں
ہو جاؤں نہ میں پگلا
(عارف فرہاد)

سنسان ہوئیں سڑکیں
چاندنی جب پھیلے
دل گوریوں کے دھڑکیں
(شبہ طراز)

اک نقش مٹانے میں
جیون بیت گیا
یادوں کو بھلانے میں
(ذوالفقار احسن)

تن چھلنی ہے تیروں سے
ہم کو بچا مولا!
اس دور کے پیروں سے
(ڈاکٹر صابر آفاقی)

آواز نہ دہراؤ
برف برسنے سے
پہلے ہی چلے آؤ
(احمد حسین مجاہد)

مہکا ہے خیال اس کا
وجد کا عالم ہے
یا کوئی جمال اس کا
(عارف فرہاد)

جھرنوں کی طرح پھوٹے
جھوٹ مری باتیں
آنسو تو نہیں جھوٹے
(مشتاق شاد)

کیا حکم ہے پیاسوں کو
شہر کا ہر دریا
تشنہ ہے بہت اب تو
(یونس احمر)

شہروں میں ہوا آئے
خوشبو گاؤں کی
ساتھ اپنے اٹھا لائے
(طفیل خلش)

دمساز نہیں کوئی
حال کہیں کس سے
ہم راز نہیں کوئی
(مشتاق احمد)

کوئی چیز گنوا بیٹھے
یاد انہیں آیا
جب ہم کو بھلا بیٹھے
(شوکت مہدی)

ماں خوف سے جاگ گئی
خواب میں دیکھا تھا
لڑکی کہیں بھاگ گئی
(مشتاق شاد)

واعظ کا تکلم بھی
کیف سے عاری ہے
انداز تبسم بھی
(یونس احمر)

تم آئے خیالوں میں
کتنے قریب تھے ہم
بیتے ہوئے سالوں میں
(طفیل خلش)

پامال تو ہونا ہے
موت کے ہاتھوں میں
انسان کھلونا ہے
(مشتاق احمد)

تو درد سے عاری ہے
رات جدائی کی
کانٹوں پہ گزاری ہے
(شوکت مہدی)

بادل بھی نہیں چھاتے
قحط پڑا ایسا
آنسو بھی نہیں آتے
(سیما شکیب)

سچ کہنے سے ڈرتے ہو
رب سے نہیں ڈرتے
پر لوگوں سے ڈرتے ہو
(عبدالجلیل عباد)

مرد: میری چھت پہ آیا کرو
ٹیچر بن کے تم
مجھے پیار سکھایا کرو
(وین ہانڈا۔فلم اف یہ محبت)

گم نام جزیروں میں
ڈھونڈ رہا ہے کیا
ہاتھوں کی لکیروں میں
(اشعر اورینوی)

مجبور ہوئے ایسے
چھوڑ کے دیس اپنا
پردیس میں آ پہنچے
(سجاد مرزا)

اک چاند سا چمکے ہے
پیار ترا اپگلی
آنکھوں سے چھلکے ہے
(نازیہ رحمٰن ناز)

تصویریں بناتا ہوں
رنگ نہیں ملتے
خوں اپنا بہاتا ہوں
(منظر نقوی)

عورت: میری چھت پہ آیا کرو
جب میں سو جاؤں
مری مکھیاں اڑایا کرو
(وین ہانڈا۔فلم اف یہ محبت)

طوفان، بھنور، دریا
دل میں تری چاہت
میں پھر بھی رہا پیاسا
(اشعر اورینوی)

خوابوں میں چلے آؤ
اپنے پجاری کو
تم اور نہ تڑپاؤ
(سجاد مرزا)

منہ زور جوانی ہے
عشق میں کیا حاصل
پانی میں مدھانی ہے
(جان کاشمیری)

دو پھول اناروں کے
کب وہ پوچھے گا
حالات بیماروں کے
(امجد حمید حسن)

یہ دن کب دیکھا تھا
ہم یوں جدا ہوں گے
کب پہلے یہ سوچا تھا
(یاسمین مبارک)

دل زرد کے صحرا میں
گم ہو یہ دنیا
اس درد کے صحرا میں
(دلشاد علی دلشاد)

رت آ گئی یادوں کی
ایک ستمگر کی
اور ٹوٹتے وعدوں کی
(ثریا شہاب)

ارمان یہ نکلیں گے
مطلع فاراں کے
ہم چاند کو دیکھیں گے
(محمد اقبال نجمی)

تم پیار سے پیارے ہو
دو جگ روٹھ گئے
اک تم تو سہارے ہو
(کندن لاہوری)

دلدار وہ ایسا ہے
انگ گلاب اس کا
رنگ سیبوں جیسا ہے
(نوید امین اعظم)

تیرے ہی سہارے میں
بندے ہم تیرے
یہ بھاگ ہمارے ہیں
(بشارت احمد بشارت)

کیوں تیرا خیال آئے
تیز ہوا جب بھی
سر کھڑکی سے ٹکرائے
(ثریا شہاب)

یہ کون سا رشتہ ہے
جب بھی اسے دیکھوں
دل میرا دھڑکتا ہے
(ڈاکٹر عارف حسن خان)

سب سپنے ٹوٹ گئے
تھے جو کبھی اپنے
وہ ساجن روٹھ گئے
(ڈاکٹر عارف حسن خان)

دریا میں رواں کشتی
تیری عنایت کو
میں بھول نہیں سکتی
(شاہدہ ناز)

اک پھول چنبیلی کا
ملنا لگا اچھا
بچپن کی سہیلی کا
(شاہدہ ناز)

قاضی اعجاز محور سے شاہدہ ناز تک درج ماہیا نگاروں کی تعداد 62 بنتی ہے۔اس تعداد میں قمر جلال آبادی، ساحر لدھیانوی اور حیدر قریشی کے نام بھی شامل کر لیں تو تادم تحریر ماہیا نگاروں کی تعداد 65 تک جا پہنچتی ہے ان ماہیا نگاروں میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کو اردو ماہیے کے بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔ باقی ماہیا نگاروں کی تعارفی درجہ بندی چار حصوں میں کی جا سکتی ہے۔

ان میں سے چند ماہیا نگار ایسے ہیں جنہوں نے زیادہ تر ثلاثی لکھے ہیں لیکن درست وزن والے چند ماہیے بھی لکھ دیئے ہیں۔ ان شعرا میں حسن عباس رضا اور ایم اے تنویر کے نام بطور خاص لئے جا سکتے ہیں۔ چند ماہیا نگار ایسے ہیں جنہیں ابھی وزن پر پوری گرفت حاصل نہیں ہے تاہم وہ اخلاص کے ساتھ درست وزن کو اپنانے کی کوشش ضرور کر رہے ہیں۔ ایسے ماہیا نگاروں میں بشارت احمد بشارت، نیاز احمد نیاز، نذر عباس اور بعض دیگر شعرا شامل ہیں۔

چند ماہیا نگار ایسے ہیں جنہوں نے درست وزن کو سمجھا اور مانا۔گنتی کے چند ماہیے کہہ کر رک گئے۔ شاید ماہیا ان کے مزاج کا حصہ نہیں بن سکا۔ایسے ماہیا نگاروں میں رستم نامی، منظر نقوی، اجمل جنڈیالوی اور نوید رضا جیسے عمدہ شعرا شامل ہیں۔

ان ماہیا نگاروں میں بعض ایسے شعرا بھی ہیں جنہوں نے پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی کہے۔ جب انہیں حقیقت حال کا علم ہوا انہوں نے غلط وزن کو ترک کر کے درست وزن کو اختیار کرلیا۔ایسے شعرا میں ضمیر اظہر، عارف فرہاد، یوسف اختر، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، انور مینائی، نذیر فتح پوری جیسے اہم شعرا شامل ہیں۔ان ماہیا نگاروں سمیت ایک بڑی اکثریت ایسے ماہیا نگاروں کی ہے جو ماہیے کے مزاج اور وزن کو بخوبی سمجھتے ہیں اور ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا کر کے اپنی اپنی بساط کے مطابق تخلیقات پیش کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆

اردو ماہیے کے موضوعات

ماہیے کا بنیادی موضوع محبت ہے۔ اس موضوع کے تحت محبوب کے حسن کی تعریف، پیار کے اظہار اور اقرار، محبت میں تکرار، عہد و پیمان، ملن اور جدائی، گلے شکوے اور کھلی ڈلی قسم کی چھیڑ چھاڑ کے مضامین آجاتے ہیں۔ شادی بیاہ کے مختلف جذبات، دیہاتی ماحول اور دھرتی سے وابستگی بھی ماہیے کے اہم موضوع ہیں۔ مختلف رشتہ داریوں کا ذکر بھی ماہیے کا موضوع رہا ہے۔

ان موضوعات کے علاوہ حمد، نعت، منقبت، میلے ٹھیلے، روزمرہ زندگی کے معاملات اور زندگی کے مسائل بھی ماہیے میں بیان ہوتے رہے ہیں۔ اگرچہ ایسے بعض موضوعات کو پنجابی میں ہلکا سا ہی چھوا گیا ہے۔

گزشتہ پانچ چھ سال کے مختصر سے عرصہ میں اردو ماہیے کے جو نمونے سامنے آئے ہیں ان میں نہ صرف پنجابی ماہیے کے تقریباً تمام موضوعات ملتے ہیں بلکہ پنجابی روایت سے آگے کا سفر بھی دکھائی دیتا ہے۔

حمدیہ ماہیوں میں اس انداز کے ماہیے ملتے ہیں:

ہے سارا کمال اس کا
ایسا جمالی وہ
ہر شے میں جلال اس کا
(نذیر فتح پوری)

تو ندیا ہے جاپوں کی
پار لگا مجھ کو
میں کشتی ہوں پاپوں کی
(پروین کمار اشک)

کوئل کوکو بولے
سن کر حق کی صدا
دل اللہ ہو، بولے
(آل عمران)

سچ ہے کہ بھلا وا ہے
ہم سے نہیں مطلب
جو کچھ ہے خدا کا ہے
(رشید اعجاز)

تو خود میں اکیلا ہے
تیرے دم سے مگر
سنسار کا میلہ ہے
(حیدر قریشی)

منظر بھی نکھر جائیں
اس کا اشارہ ہو
حالات سنور جائیں
(ذوالفقار احسن)

حمدیہ ماہیوں کے ساتھ خوبصورت نعتیہ ماہیے بھی کہے گئے ہیں۔

ان میں کہیں حضرت محمدﷺ سے محبت کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کی غلامی کرنے پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے اور کہیں حضورﷺ کی پاک زندگی کے بعض منور گوشے بیان کئے گئے ہیں۔

لذت ہی نرالی ہے
داورِ محشر سے
لو ہم نے لگالی ہے
(رشید اعجاز)

کیا شستہ کلامی ہے
ہر شے سے بہتر ہے
احمدﷺ کی غلامی ہے
(اجمل جنڈیالوی)

جو اپنی قبائیں تھیں
سرورِ عالمﷺ نے
دشمن کو عطا کر دیں
(نذیر فتح پوری)

سب صبحوں کا تاج ہوئی
رحمتِ عالمﷺ کو
جس شب معراج ہوئی
(حیدر قریشی)

آنحضرتﷺ کی ذات بابرکات کی نسبت سے مدینہ شریف کی برکات کا ذکر بھی ماہیوں میں کیا گیا ہے:

اس اور اجالے ہیں
جائیں مدینے جو
وہ قسمت والے ہیں
(سعید شباب)

سوہنا گلدستہ ہے
شہر مدینہ پر
اک نور برستا ہے
(آل عمران)

اک بات ہے سینے میں
جان مری نکلے
مولا کے مدینے میں
(اجمل جنڈیالوی)

روزوں کا مہینہ ہے
میری آنکھوں کا
مسکن وہ مدینہ ہے
(عارف فرہاد)

اشکوں سے ہیں آنکھیں تر
لاکھوں درود وسلام
اے رحمتوں کے پیکر
(شاہدہ ناز)

پھولوں سے بھری ڈالی
روضہ اطہر کی
دیکھوں گی کبھی جالی
(شاہدہ ناز)

دعائیہ اور فقیری مزاج کے ماہیے بھی کہے گئے ہیں جنہیں حمد و نعت کے دینی موضوع کے تسلسل میں دیکھا جا سکتا ہے۔

یہ نگری فقیروں کی
بڑھ کر ہیروں سے
قیمت یہاں منکوں کی
(ضمیر اظہر)

اس روز ہی بہتر تھے
آج یقیں آیا
جس روز بہتّر تھے
(نذیر فتح پوری)

درگاہ میں کیا آؤں
پاپ کی گٹھڑی ہوں
نذرانہ میں کیا لاؤں
(پروین کمار اشک)

برفی میں پستہ ہے
بخش خطا میری
جو نادانستہ ہے
(خاور اعجاز)

رشتوں ناتوں کے ذکر میں ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، شوہر، بیٹے، بیٹیوں وغیرہ کے بارے میں بعض عمدہ ماہیے کہے گئے ہیں:

اک نور خلاؤں میں
دیکھو تاثیریں
دادی کی دعاؤں میں
(آل عمران)

ممتا بھرا سینہ ہے
دل مری امی کا
چاہت کا خزینہ ہے
(بسمہ طاہر)

گڑیا کہلاتی ہے
اپنے بابا کے
جب پاؤں دباتی ہے
(افتخار شفیع)

تلخی نہ بڑھا بھائی
دودھ کا رشتہ ہے
مت زہر ملا بھائی
(نذیر فتح پوری)

کچھ کانچ سے گہنوں کے
رشتے ٹوٹ گئے
اک بھائی سے بہنوں کے
(یوسف اختر)

غم خوار نہیں کوئی
پہلا سا بہنوں
میں پیار نہیں کوئی
(امین خیال)

اس دل کی تو رانی ہے
اور بیٹا اپنی
چاہت کی نشانی ہے
(اجمل پاشا)

برگد کی جٹائیں ہیں
ساتھ مرے اب بھی
ابو کی دعائیں ہیں
(حیدر قریشی)

بعض رشتوں کے حوالے سے غزالہ طلعت کے یہ ماہیے اپنی الگ شان رکھتے ہیں۔

سچائی گماں جیسی
رب نے بنائی نہیں
نعمت کوئی ماں جیسی

صورت مرے بھائی کی
یاد دلاتی ہے
بابا کی جدائی کی

اب راج دلاروں سے
من آنگن مہکا
بچپن کی بہاروں سے

شوہر مرے اچھے ہیں
وعدہ نہیں کرتے
وعدے کے تو سچے ہیں

دھرتی کے حوالے سے جو ماہیے کہے گئے ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلا حوالہ دھرتی سے براہ راست تعلق اور وابستگی کو ظاہر کرتا ہے جب کہ دھرتی کا دوسرا حوالہ اس کے ثقافتی مظاہرے سے منسلک ہو کر سامنے آتا ہے۔ پہلے دھرتی سے براہِ راست تعلق کے ضمن میں ایسے ماہیے دیکھیں جو ارض وطن سے محبت کا اظہار ہیں۔

ہمیں جان سے پیارا ہے
پاک وطن اپنا
قسمت کا ستارا ہے
(رانا غلام شبیر)

اک لمبی کہانی ہوں
فخر ہے یہ مجھ کو
میں پاکستانی ہوں
(آل عمران)

ہر رُت ہریالی ہے
پاک وطن تیری
کیا شان نرالی ہے
(امین خیال)

چترال کو چلتے ہیں
سنگ پہاڑوں کے
جہاں رنگ بدلتے ہیں
(امین خیال)

دھرتی سے محبت کا ایک انداز ارض وطن سے شروع ہو کر پورے کرۂ ارض تک پھیل جاتا ہے۔ دھرتی سے محبت کے اظہار میں دھرتی کے کرب کو محسوس کرنے کا رویہ بھی سامنے آیا ہے۔ اس نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں:

تعبیر اک خواب کیا
مٹی کی چاہت میں
جسموں کو گلاب کیا
(یوسف اختر)

کیا باد بہاری ہے
سبز پری جیسی
یہ دھرتی ہماری ہے
(امین خیال)

زرخیز زمینوں میں
راوی بہتا ہے
پنجاب نگینوں میں
(عارف فرہاد)

مٹی کی انا بولی
میری آنکھوں کے
ساون میں اٹھی ڈولی
(عارف فرہاد)

بارش کو تو آنے دے
جلتی ہوئی دھرتی
کی پیاس بجھانے دے
(مناظر عاشق ہرگانوی)

آنکھوں میں اداسی ہے
میری طرح شاید
دھرتی بھی پیاسی ہے
(ارشد نعیم)

دھرتی کا دوسرا حوالہ ثقافتی مظاہر سے منسلک ہے۔ یہاں پنجاب کے ماحول کی خوشبو بھی ملتی ہے۔ ایسے ماہیوں میں دیہاتی ماحول، گندم کے کھلیان، سرسوں کا ساگ، اناروں کے پھول، انگور کی بیلیں، پنگھٹ، چڑیوں کی چہکاریں اور گائے کے دودھ کی دھاریں، غرض دھرتی کے مختلف ثقافتی مظاہر ماہیا نگاروں کی محبت یا کسی روگ کے ساتھ مل کر نمایاں ہوئے ہیں۔

چند ماہیے دیکھیں:

کھلیان ہے گندم کا
چھاج میں ہر دانہ
سندیس ہے بالم کا
(منزہ اختر شاد)

کتری ہوئی امبی ہے
آج اکیلی ہوں
اور رات بھی لمبی ہے
(منزہ اختر شاد)

کھیتوں میں کھلی سرسوں
ماہی نہیں آیا
آنا تھا اسے پرسوں
(ضمیر اظہر)

ماہی کبھی آ ملنے
پھول اناروں کے
شاخوں پہ لگے کھلنے
(ضمیر اظہر)

بچپن کے کھیلوں کو
سائیں ہرا رکھے
انگور کی بیلوں کو
(پروین کمار اشک)

برگد ہو کہ بیری ہو
جگنو نہیں ملتے
جب رات اندھیری ہو
(شجاعت علی راہی)

خواہش کبھی چھاؤں کی
اور کبھی چاہیں
دھوپ آپ کے گاؤں کی
(غزالہ طلعت)

پھولوں سے بھری جھولی
چاند ستاروں کی
پنگھٹ پہ کھڑی ٹولی
(نذر عباس)

اک بنڈل پانوں کا
دھان کے کھیتوں میں
زر بکھرا کسانوں کا
(امین خیال)

جب اونچی ہوں پروازیں
سنتے نہیں پنچھی
پھر پیڑوں کی آوازیں
(سعید شباب)

وہ چڑیوں کی چہکاریں
دن کے نکلتے ہی
پازیب کی جھنکاریں
(اجمل پاشا)

بستی کی بہاروں کے
نغمے سے، گائے
کے دودھ کی دھاروں کے
(اجمل پاشا)

مختلف میلوں کے تعلق سے تو ابھی تک اردو ماہیے میں کچھ نہیں کہا گیا۔ البتہ عید کی تقریب کی نسبت سے چند ماہیے ضرور کہے گئے ہیں:

ہم پھول سجائیں گے
عید کے دن یارو
روٹھوں کو منائیں گے
(ذوالفقار احسن)

مت دن اب گن ڈھولا
عید مبارک ہے
ترے وصل کا دن ڈھولا
(امین خیال)

میں عید مناؤں گی
ہاتھ پہ مہندی کا
اک چاند بناؤں گی
(قاضی اعجاز محور)

یہ کیسی نوید آئی
موقع نہیں پھر بھی
تم آئے کہ عید آئی
(نذیر فتح پوری)

میلوں ٹھیلوں کی طرح شادی بیاہ کی تقریب کے تعلق سے بھی ابھی تک اردو میں ماہیے نہیں کہے گئے۔ جبکہ پنجابی ماہیوں میں شادی بیاہ کے ڈھیر سارے ماہیے کہے گئے ہیں۔ زندگی کے مسائل اور معاملات کے سلسلے میں اردو ماہیا ظلم و جبر کی نشاندہی کر کے اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے معاشرتی منافقتوں کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ پنجابی میں اس نوعیت کے ماہیے بہت کم ملتے ہیں۔ اردو میں ایسے ماہیوں کو ترقی پسند تحریک کے اثرات کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ پہلے ظلم و جبر کی نشاندہی اور اسکے خلاف احتجاج یا ہلکے سے ردِعمل کی چند مثالیں دیکھیں:

اندھوں کی حکومت ہے
بہروں کی بستی میں
انصاف اکارت ہے
(نذیر فتح پوری)

برگد ہے نہ سایہ ہے
آگ نے بستی کو
کچھ ایسا جلایا ہے
(نذیر فتح پوری)

فصلوں کی کٹائی میں
بھوک نہیں مٹتی
دن بھر کی کمائی میں
(ذوالفقار احسن)

یہ خوف و خطر کب تک!
شیر رہو بن کر
جنگل میں جیو جب تک
(قمر ساحری)

بے نور فضا چیخے
ماتم میں کس کے
رہ رہ کے ہوا چیخے
(انور مینائی)

طوفان اٹھاتے ہو
اپنی فضاؤں میں
کیوں آگ لگاتے ہو
(مناظر عاشق ہرگانوی)

اک خوف کا ڈیرا ہے
نس نس میں سب کی
دہشت کا بسیرا ہے
(بسمہ طاہر)

گھنگھور اندھیرا ہے
کوئی کرن یا رب!
بڑی دور سویرا ہے
(بسمہ طاہر)

معاشرے کے منافقانہ کردار کو بعض ماہیوں میں یوں بے نقاب کیا گیا ہے کہ معاشرے کی مصلحت پسندی، مفاد پرستی واضح ہو جاتی ہے۔

بظاہر ماہیا نگار جیسے اپنی بات کر رہا ہے لیکن حقیقتاً وہ پوری سوسائٹی کے مصلحت پسند کرداروں کو سامنے لا رہا ہے:

ہم لوگ بھکاری ہیں
چڑھتے سورج کے
ہم لوگ پجاری ہیں
(شجاعت علی راہی)

دیوار سے آگے ہے
میں کیسے پہنچوں
وہ دار سے آگے ہے
(خاور اعجاز)

ظلم اور جبر کے خلاف کہیں عزم و عمل کی صورت میں اور کہیں دعا یا امید کی صورت میں ماہیا نگاروں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے:

چپ چاپ سے دکھ سہنا
جرم بڑا ہے یہ
مظلوم بنے رہنا
(امین خیال)

مکھ روشن تاروں کے
ہمت والے ہی
رخ موڑیں گے دھاروں کے
(امین خیال)

سکھ چین کا موسم دے
زخمی دھرتی کو
برسات کا مرہم دے
(سعید شباب)

موسم کو بدلنے دو
تازہ ہواؤں کو
کچھ دیر تو چلنے دو
(نذیر فتح پوری)

دل سوچ میں ڈوبا ہے
آؤ فضا بدلو
ہر سمت اندھیرا ہے
(مناظر عاشق ہرگانوی)

رنگین کہانی دو
اپنے لہو سے تم
گلشن کو جوانی دو
(مناظر عاشق ہرگانوی)

اردو میں خیال کی گہرائی یا نکتہ آفرینی کے ایسے ماہیے ملتے ہیں جو پنجابی ماہیے سے زیادہ اردو شاعری کی عطا ہیں:

کیا روپ جوانی ہیں
نقش جو دنیا میں
موجود ہیں فانی ہیں
(ضمیر اظہر)

ہم باہر رُلتے ہیں
حالانکہ دروازے
سب اندر کھلتے ہیں
(سعید شباب)

آنکھیں سرہانے پر
کھولیں گے ان کو
لیکن ترے آنے پر
(خاور اعجاز)

ہر شے کے نکھرنے تک
چاک میں گردش ہے
کوزے کے اترنے تک
(قمر ساحری)

تو درد، میں آنسو ہوں
فیصلہ مشکل ہے
تو میں ہے کہ میں تو ہوں
(پروین کمار اشک)

دریا میں بھی صحرا ہے
غور سے دیکھو تو
صحرا میں بھی دریا ہے
(انور مینائی)

لفظوں پہ نہ جا بابا
عقل کی باتیں کیا
سن دل کی صدا بابا
(رشید اعجاز)

من مچلے تو تن مچلے
ربط ہے دونوں میں
تن مچلے تو من مچلے
(نذیر فتح پوری)

آکاش پہ ہیں تارے
چلتی سرائے میں
مہمان ہیں ہم سارے
(تنویر نوازش)

خوابوں سے نکلتے ہیں
آؤ حقیقت کی
اس دنیا میں چلتے ہیں
(اجمل پاشا)

اک ایسی گھڑی آئی
شہرِ ستم میں بھی
آنسو کو ہنسی آئی
(صدف جعفری)

لفظوں میں اثر بھر لے
پیار کے لہجے سے
ہر دل میں تو گھر کر لے
(صدف جعفری)

محبت کا موضوع ماہیے کا محبوب ترین موضوع ہے۔محبوب کے حسن و جمال کی تعریف اور اس سے والہانہ محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔اردو ماہیے میں ایسے ماہیوں کی چند مثالیں دیکھیں:

چنری پہ کناری تھی
لال پراندی بھی
ہمراز ہماری تھی
(عارف فرہاد)

پاکیزہ تری آنکھیں
پیاسوں کی خاطر
مشکیزہ تری آنکھیں
(عارف فرہاد)

ہم ایک کے لکھ دیں گے
ماہی اگر مانگے
جاں قدموں میں رکھ دیں گے
(امین خیال)

بے مثل جوانی ہے
خوشبو فدا تجھ پہ
تو پھولوں کی رانی ہے
(انور مینائی)

بادل اور پروائی
دیکھ کے گوری کو
لینے لگے انگڑائی
(سعید شباب)

خوشبو کی طرح مہکو
شاخ پہ اس دل کی
پنچھی کی طرح چہکو
(سعید شباب)

یہ پیار کا رشتہ ہے
اس کی چکوری میں
ماہی مرا چندا ہے
(ضمیر اظہر)

اے جذبۂ بے تابی
پانی کے اندر بھی
ہے پیاس سلگتی سی
(مناظر عاشق ہرگانوی)

ہم چاندنی راتوں میں
بھول گئے سب کچھ
تیری میٹھی باتوں میں
(رانا غلام شبیر)

کچھ خواب رنگیلے ہیں
امرت میں ڈوبے
دو ہونٹ رسیلے ہیں
(افتخار شفیع)

قاضی اعجاز محور کے ماہیوں میں محبت، جدائی، انتظار اور دوبارہ ملنے کی امید کی ایک مربوط کہانی بنتی دکھائی دیتی ہے۔

سڑکوں پہ چلے تانگا
مانگا خدا سے جب
اک ساتھ ترا مانگا

O

اک پھول چنبیلی کا
وقت نہیں کٹتا
سکھیوں میں اکیلی کا

O

بادل بھی نہیں جائے
تانگ تھی جن کی وہ
مہماں بھی نہیں آئے

سڑکوں پہ چلے لاری
اپنے مقدر میں
کب ہوگا ملن پیاری

بے چین نہ ہو ماہیا
آج اکیلے ہیں
کل ہوں گے دو ماہیا

فرحت نواز کے ہاں محبت میں بے اختیاری کی ایسی کیفیت ہے جو چھپائے نہیں چھپتی۔ ان کے یہ ماہیے دیکھیں جن میں محبت کو چھپانے کی کاوش میں ہی محبت ظاہر ہوئی

جا رہی ہے:

تتلی کو اڑاؤں میں
پیار کے رنگ کئی
کس کس کو چھپاؤں میں

O

وعدوں میں جکڑتا ہے
ہوش نہیں رہتا
جب ہاتھ پکڑتا ہے

O

پازیب چھنکتی تھی
اس کی ہنسی تھی یا
کوئی دھنک چمکتی تھی

موتی میں چمک آئی
نام لیا تیرا
لہجے میں کھنک آئی

O

محبت کی یادیں اردو ماہیے میں کہیں بھنور کی طرح نمودار ہوئی ہیں تو کہیں گریزاں سایہ دیوار کی طرح ظاہر ہوئی ہے۔ کہیں پناہ اور سہارا بن کر آئی ہیں تو کہیں ایمان بن کر۔۔۔

یادیں جب فریاد بننے لگتی ہیں تو دوبارہ ملنے کی امید ایک کرن بن کر اپنی جھلک دکھانے لگتی ہے۔

دریا کا کنارا ہے
یاد بھنور ہے اور
دیوانہ تمہارا ہے
(رانا غلام شبیر)

یادوں کا سہارا بھی
مجھ سے گریزاں ہے
دیوار کا سایہ بھی
(مناظر عاشق ہرگانوی)

یادوں کی پناہوں میں
زندگی گزرے گی
اب ہجر کی بانہوں میں
(سعید شباب)

لج پیار کی پالی ہے
یاد تری سجنا
ایمان بنالی ہے
(تنویر نوازش)

کیوں اتنی جدائی ہے
آ جا سجن اب تو
تری یاد بھی آئی ہے
(بسمہ طاہر)

پھر پھوٹے کرن شاید
آس کا سج جائے
خوشبو سے چمن شاید
(صدف جعفری)

امین خیال کے ماہیوں میں یاد پہلے تڑپ بنتی ہے اور پھر لذت اور سرور میں ڈھل جاتی ہے:

پل پل تڑپاتے ہو
دل سے ذرا پوچھو
کب یاد نہ آتے ہو

سب خوشیاں مناتے ہیں
گذرے ہوئے لمحے
دل کو تڑپاتے ہیں

O

کچھ بدلیاں ہیں چھائیاں
تیرے تصور سے
سج جاتی ہیں تنہائیاں

O

کوئی یاد میں روتا ہے
دل میں سرور نیا
اک پیدا ہوتا ہے

پنجابی ماہیے میں چھیڑ چھاڑ کے ایسے مضامین عام ملتے ہیں جن میں جنسی خواہش یا تجربے کا اظہار برملا ہوتا ہے۔اردو میں ماہیا نگاروں نے ابھی تک پنجابی ماہیے کی اس روایت پر دھیان نہیں دیا۔میں نے اس نوعیت کے مٹھی بھر ماہیے کہے ہیں۔دو ماہیے بطور نمونہ درج ہیں:

گل عشق کی شان کی تھی
لت پت ہونا تھا
یہ فصل ہی دھان کی تھی

کلیوں کی چٹک بھی تھی
سانولی لڑکی میں
ایلوں کی مہک بھی تھی

ایسے ماہیوں کے برعکس دکھ، درد کے مضامین اردو ماہیے میں بکثرت اور عمدگی سے بیان ہوئے ہیں۔ایسے ماہیوں میں کہیں خواہشیں بجھتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں تو کہیں حسرتوں میں ڈھلتی دکھائی دیتی ہیں:

اے کاش کبھی برسے
روز گذرتا ہے
بادل مری چھت پر سے
(پروین کمار اشک)

جذبوں کا دھواں ہوں میں
جھانک مرے اندر
اک جلتا مکاں ہوں میں
(انور مینائی)

آسودۂ جاں ہوں گے
جب تک تو آئے
ہم لوگ کہاں ہوں گے
(خاور اعجاز)

اے کاش کہ یوں ہوتا
درد مرے دل میں
اٹھتا تو کوئی روتا
(صدف جعفری)

اک گیلا چو ماہیا
میری طرح تو بھی
تنہا کبھی رو ماہیا
(قاضی اعجاز محور)

سب کیکر پھول گئے
بھولی نہ میٹاریں
پردیسی بھول گئے
(قاضی اعجاز محور)

گہرے دکھ درد کے اظہار میں محبت کی ناکامی، محبوب کی بے وفائی یا لمبی جدائی کے مضامین ماہیے میں کچھ یوں بیان ہوئے ہیں:

گاگر یا پھوٹ گئی
عمروں کی یاری
پل بھر میں ٹوٹ گئی
(امین خیال)

دریاؤں کا پانی ہے
دکھ کی جہاں بھر میں
بس ایک کہانی ہے
(امین خیال)

دل درد کا جنگل تھا
رات سلگ اٹھا
گُل عالم صندل تھا
(پروین کمار اشک)

آنسو ہیں کہ موتی ہیں
روشن آنچل میں
تارے سے پروتی ہیں
(شجاعت علی راہی)

ہر زخم فروزاں ہے
درد کے صدقے میں
ہر سمت چراغاں ہے
(رشید اعجاز)

ہر سمت اداسی ہے
مل کے بچھڑ جانا
گو بات ذرا سی ہے
(احمد حسین مجاہد)

کمرے میں پڑے صوفے
درد جدائی کے
مرے ساجن کے تحفے
(نوید رضا)

باغوں میں بہار آئے
اس کی محبت میں
ہم سانس بھی ہار آئے
(یوسف اختر)

ہے رات چراغوں کی
اپنی دوالی ہے
جلتے ہوئے داغوں کی
(نذیر فتح پوری)

یہ دکھ ہیں جوانی کے
زخم ابھی تازہ
ہیں پریم کہانی کے
(رانا غلام شبیر)

اے میرے سخی داتا
میں کب اجڑا تھا
کچھ یاد نہیں آتا
(احمد حسین مجاہد)

ہوں دکھ کی پناہوں میں
تنہا چلوں کب تک
اجڑی ہوئی راہوں میں
(انور مینائی)

تو چاند بہاروں کا
بجھتا شرارہ میں
پت جھڑ کے چناروں کا
(ضمیر اظہر)

جو درد کے مارے ہیں
نام انہیں کیا دیں
ٹوٹے ہوئے تارے ہیں
(منظر نقوی)

سنتا ہے کوئی چھپ کے
شب کی اداسی میں
نغمات مری چپ کے
(ایم۔اے تنویر)

ساجن میں ترے غم میں
کتنا رویا تھا
اپریل کے موسم میں
(عارف فرہاد)

کب تیری عنایت ہے
دل زخمی کرنا
دنیا کی روایت ہے
(خاور اعجاز)

دریاؤں کا پانی ہے
اپنی محبت کی
دل دوز کہانی ہے
(افتخار شفیع)

دل اپنے کشادہ تھے
اس لیے رونا پڑا
ہم ہنستے زیادہ تھے
(حسن عباس رضا)

موسم کیوں پیلا تھا
میرے ساجن کا
ہر بول رسیلا تھا
(عارف فرہاد)

سہرے کی لڑی جاناں
دو دن کی چھاؤں
پھر دھوپ کڑی جاناں
(خاور اعجاز)

آنکھوں میں نمی سی ہے
آپ سے کیا پردہ
اک شے کی کمی سی ہے
(افتخار شفیع)

ان ماہیوں میں دکھ کا احساس دریا کے پانی، خوشبو، ستارے، زخم فروزاں، گیلی لکڑی کا دھواں، اداس خاموشی کا نغمہ، غرض ہر روپ میں آنسو بن کر آنکھ سے اترتا دکھائی دیتا ہے۔ دکھ کی یہ کیفیت جو آنسو بن کر اپنا اظہار کر جاتی ہے۔ خواتین ماہیا نگاروں کے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔

ہم قول کے پکے تھے
روگ لگا بیٹھے

کانٹوں پہ بسیرا ہے
جان مری جب سے

ترے پیار میں سچے تھے
(بسمہ طاہر)

رُخ آپ نے پھیرا ہے
(بسمہ طاہر)

یہ رات اندھیری ہے
دل ہے یا فرحتؔ
زخموں کی ڈھیری ہے
(فرحت نواز)

راتوں کو جگاتا ہے
وہم ہے یا کیا ہے
رہ رہ کے ڈراتا ہے
(فرحت نواز)

اشکوں سے بھری آنکھیں
کیسے یقین کروں
جھوٹی ہیں تری باتیں
(شاہدہ ناز)

برفانی ہوائیں ہیں
دل کے دریچے میں
زخموں کی چتائیں ہیں
(شاہدہ ناز)

خواتین ماہیا نگاروں میں درد کی کسک، ہلکے سے شکوے اور حالات سے سمجھوتہ کر لینے کی صورت میں یوں ابھری ہے:

رت بدلی ہے جاڑوں کی
برف نہیں پگھلی
پر اونچے پہاڑوں کی
(غزالہ طلعت)

پتھروں میں بھی جھرنے ہیں
برتن اپنے ہمیں
اب ان ہی سے بھرنے ہیں
(غزالہ طلعت)

تاروں کی جھلمل ہے
میری دعاؤں میں
تو آج بھی شامل ہے
(شاہدہ ناز)

آکاش پہ بادل ہے
تجھ سے وفا مانگے
دل کتنا پاگل ہے
(شاہدہ ناز)

دکھوں اور غموں کو ہنسی خوشی جھیلنے کا رویہ بھی ماہیے میں نمایاں ہو رہا ہے۔اس کی دو مثالیں دیکھ لیں:

غمِ دل کا نہاں رکھنا
لب پہ سدا اپنے
مسرور بیاں رکھنا
(صدف جعفری)

دکھ سکھ کا میل دکھا
ہنستے گاتے ہوئے
اس ہجر کو جھیل دکھا
(فرحت نواز)

حمد،نعت، دعا، رشتے داریاں، دھرتی، دیہاتی ماحول،تقریبات، زندگی کے مسائل،محبت اور اس سے جڑے ہوئے مضامین، یہ تمام موضوعات ماہیے کے مزاج سے بڑی حد تک ہم آہنگ ہو کر اردو ماہیے میں بیان ہوئے ہیں۔کہیں کہیں اگر ہلکے سے اوپرے پن کا احساس ہوتا ہے تو ایسے مضامین میں جو پنجابی ماہیے میں نہیں ملتے۔ظاہر ہے اردو ماہیے میں ان موضوعات کے اظہار کا تجربہ ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔آگے چل کر ایسے موضوعات بھی ماہیے کے مزاج کا حصہ بن جائیں گے۔میں نے ماہیے کے موضوعات کے اس ذکر میں تفصیل سے دانستہ اجتناب کیا ہے کیونکہ تفصیل سے لکھنے کی صورت میں ہر موضوع الگ مضمون کا تقاضا کرتا۔اسی لیے میں نے صرف موضوع کو نشان زد کر کے اس سے متعلق ماہیے پیش کر دیئے ہیں تاکہ اندازہ کیا جا سکے کہ اصلاح احوال کی تحریک کے پانچ چھ برس کے اندر ہی درست وزن کے ماہیے کو اردو میں کتنا فروغ ملا ہے۔متعدد شعرائے کرام نے اس طرف متوجہ ہو کر اپنے محسوسات اور جذبات کا اظہار کر کے ماہیے کے وسیع امکانات کا در وا کر دیا ہے۔اردو ماہیے کے اس سرگرم ابتدائی دور میں ان ماہیا نگاروں کی ادبی خدمات ماہیے کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہیں گی۔

یہ ابھی اردو ماہیے کی ابتداء ہے۔ مجھے امید ہے کہ آنے والے برسوں میں ماہیا اپنے خدوخال اور مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے موضوعات میں وسعت پیدا کرے گا اور پنجاب کا یہ لوک گیت اپنے رس اور مٹھاس کے باعث ''اردو شاعری کی ایک مقبول صنف'' قرار پائے گا۔

---

(۱) اس سلسلے میں ابھی تک صرف میں نے اور بشارت احمد بشارت نے چند ماہیے کہے ہیں جن میں شادی کے موقع پر مختلف نوعیت کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔

☆☆☆☆

امین خیال کے ماہیے

امین خیال پنجابی کے معروف شاعر ہیں۔ پنجاب کی ثقافت سے بخوبی آگاہ ہیں اور خود بھی اس ثقافت سے جڑے ہوئے ہیں۔ پنجابی کے معروف اور کہنہ مشق شاعر کی حیثیت سے جہاں دیگر اصناف شعر سے واقف ہیں وہیں ماہیے کے بھی نبض شناس ہیں۔ انہوں نے اردو میں بھی شاعری کی ہے۔ یادگار پنجابی شاعری کے علاوہ ان کی دو اہم ادبی خدمات ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے دوہے لکھے اور اچھے اچھے ناقدین سے اس فن کا لوہا منوایا، دوسرا یہ کہ انہوں نے پنجابی لوک گیت ماہیے کو اردو میں پیش کیا۔ جب اردو ماہیے کے وزن کی درستی کی تحریک کا آغاز ہوا اس کے معاً بعد امین خیال نے کسی بحث مباحثہ میں پڑے بغیر درست وزن کے ماہیے پیش کر کے اپنا موقف واضح کر دیا۔ یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ امین خیال ۱۹۹۳ء سے درست وزن کے ماہیے کہہ رہے ہیں اور یہ ماہیے مختلف رسائل میں تب سے ہی چھپ رہے ہیں جب کہ مجھ سے ان کا پہلا رابطہ ۱۹۹۶ء میں ہوا ہے۔ اس حوالے سے ان کی اردو ماہیا نگاری بے حد اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ انہوں نے پنجابی شاعر ہونے کی حیثیت سے، پنجابی ماہیے کے درست وزن کو سمجھتے ہوئے از خود اسی وزن میں ماہیے پیش کیے۔ سو وہ اس لحاظ سے پنجابی کے شاعروں میں پہلے شاعر ہیں جنہوں نے ماہیے کے اصل وزن اور مزاج کے مطابق اردو میں ماہیے کہے اور ماہیے کو وقار اور اعتبار عطا کیا۔ امین خیال کے ماہیے پنجابی روایت کے مطابق ہیں۔ ان ماہیوں میں وہی رس اور نغمگی ہے جو پنجابی ماہیے کا طرہ امتیاز ہے۔

کچھ ملتا ہے مانگے سے
ہاتھ پکڑ میرا
میں اتروں تانگے سے

آ مست بنا ماہیا
آنکھ کے ساغر سے
کوئی نشہ پلا ماہیا

جلوے ہیں بہاروں کے
کچھ ہیں محبت کے
کچھ ان کے نظاروں کے

رہتے ہو خیالوں میں
کب دن فرقت کے
بدلیں گے وصالوں میں

اس پار کوئی جائے
اس پر جاں واروں
جو یار کو لے آئے

آ کاش پہ اُڑ جائیں
چاند پہ گھر لے لیں
اور لوٹ کے نہ آئیں

ہے بجلی کا بل ماہیا
ذات نہیں ملتی
مل جاتے ہیں دل ماہیا

کر مجھ سے وفا سائیں
دکھ کا زمانہ ہے
تو ساتھ نبھا سائیں

امین خیال کے ماہیوں میں جدائی اور انتظار کی کیفیتیں پنجاب کی ثقافت کے مختلف مظاہر کے ساتھ مل کر سامنے آتی ہیں۔محبوب دریائے چناب کے دوسری طرف رہتا ہے۔ یہاں ذہن سوہنی ،مہینوال کے کرداروں کی طرف جاتا ہے۔محبوب شاعر کے خوابوں اور خیالوں پر چھایا ہوا ہے لیکن بار بار بلانے کے باوجود نہ صرف خود نہیں آتا بلکہ اپنی خیریت کی چٹھی بھی نہیں بھیجتا۔ جدائی اور انتظار کی اس حالت میں پھاگ منانے کا وقت بھی گزرا جا رہا ہے۔

آنا ہے تو آ جاؤ
حال جدائی کا
سُن جاؤ، سنا جاؤ

اب کچھ بھی نہیں بھاتا
تیری جدائی میں
دل چین نہیں پاتا

کیکر کی چھاؤں ہے
پار جھناؤں سے
اُس یار کا گاؤں ہے

خوابوں میں نہ آیا کرو
جاگتی آنکھوں میں
اب آ کے سمایا کرو

کوئی چٹھی تری آتی
دنیا میں جینے کی
امید تو بندھ جاتی

رُت پھاگ منانے کی
کب تک رہ دیکھوں
ساجن ترے آنے کی

امین خیال رئیس طبقے سے نہیں،عوام کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ غریب اور دُکھی عوام دکھوں سے آشنا ہی نہیں ہیں،خود بھی زندگی کے ایسے دکھوں سے گذرے ہیں۔ پہلے تو وہ جبر کے سامنے خاموش ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

بھادوں کا مہینا ہے
حبس کے موسم میں
دَم سادھ کے جینا ہے

ہم گھات نہیں بدلے
چہرے بدلے ہیں
حالات نہیں بدلے

پھر جیسے ان کی سوچ میں تبدیلی آتی ہے۔ وہ ظلم، جبر اور زیادتیوں پر خاموش رہنے کو جرم قرار دیتے ہیں۔

چپ چاپ سے دکھ سہنا
جرم بڑا ہے یہ
مظلوم بنے رہنا

وہ سکھ سے نہیں رہتا
ظلم وستم کو بھی
جو ظلم نہیں کہتا

امین خیال ظلم اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ان کے ہاں مایوس کن حالات میں بھی سچ کی فتح کی امید سلامت رہتی ہے۔ان کے ایسے ماہیوں کو اردو کی کسی روایت کے تناظر میں دیکھنے کی بجائے انہیں امین کے پنجابی غزلوں کے مجموعہ ''سُولاں سِر سرداری'' کے حوالے سے دیکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔سو ان کے احتجاجی اور انقلابی ماہیے ایک اہم پنجابی شاعر کے دل کی آواز ہیں۔ایسے ماہیوں سے اردو میں اسی انداز کی ماہیا نگاری کا جواز بن جاتا ہے، چاہے ایسی ماہیا نگاری دوسروں کے ہاں ترقی پسند روایت سے کیوں نہ آئی ہو۔امین خیال کے اس انداز کے چند ماہیے دیکھیں:

کچھ بانٹ نہ پاتے ہیں
چھوٹی مچھلیوں کو
گھڑیال ہی کھاتے ہیں

ہے چیل اسمانوں میں
جبر کے ہوتے ہیں
چرچے ایوانوں میں

ہے درد کی اپنی لَے
چاندنی راتوں پہ
سایوں کا تسلط ہے

یہ کیسی حقیقت ہے
پھولوں پہ گلشن میں
کانٹوں کی حکومت ہے

سچ زیر نہیں ہوتا
دیر تو ہوتی ہے
اندھیر نہیں ہوتا

مکھ روشن تاروں کے
ہمت والے ہی
رُخ موڑیں گے دھاروں کے

امین خیال کے ماہیوں میں پنجابی ماہیے کی روایت کے اثرات بہت واضح ہیں۔پنجابی ماہیے میں بعض اوقات پہلے مصرعہ کا باقی ماہیے سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور بعض اوقات سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، یا بہت ہی مبہم سا تعلق ہوتا ہے۔امین خیال کے ہاں تینوں مصرعوں کے بامعنی تعلق کی تو کئی مثالیں ہیں تاہم ایسے ماہیے بھی موجود ہیں جن

میں نفسِ مضمون کے لحاظ سے پہلا مصرعہ باقی ماہیے سے الگ تھلگ دکھائی دیتا ہے۔

بازار میں چینی ہے
یہ جگ فانی ہے
اور موت یقینی ہے

کوئی ائرکنڈیشن ہے
جذبے نہیں بس میں
حالات سے اَن بن ہے

امین خیال نے اردو ماہیے میں پنجابی الفاظ اور تلفظ کو بے تکلفی سے استعمال کیا ہے اور اس تجربے میں ان کے ماہیے مزید چمک اُٹھتے ہیں۔ائیرکنڈیشن، لیکھ، ڈھولا، سائیاں، جھنا، مکھ، پانوں کا بنڈل، جیسے الفاظ اس کی چند مثالیں ہیں۔امین خیال کے چند ایسے ماہیے دیکھیں جن میں ان کی سوچ اور جذبے مل کر ماہیے کے حسن میں اضافہ کر رہے ہیں۔

کہساروں میں ہیں کھائیاں
جاں کی اماں پاؤں
کچھ عرض کروں سائیاں

باغوں میں بہار آئی
چپکے سے فطرت کے
سب رنگ چرا لائی

کہہ دو غم خواروں کو
جینے نہیں دیتے
کیوں پیار کے ماروں کو

رُت میں شادابی ہے
خوشیوں کا موسم
پھر بھی بے تابی ہے

بجلی کا پلگ ماہیا
تو گرمندری ہے
میں مُندری کا نگ ماہیا

خود میں کھو جاتا ہوں
میں سے گزرتا ہوں
اور تم ہو جاتا ہوں

خوشی کی بات ہے کہ امین خیال کے ماہیوں میں دینی افکار و جذبات بھی آنے لگے ہیں۔اس سلسلے میں حمد، نعت، منقبت کے مضامین والے ماہیوں کے ساتھ بعض دینی

تعلیمات کو بھی انہوں نے ماہیے کی زبان میں پیش کیا ہے۔ان کے اس انداز کے ماہیوں کی ایک جھلک دیکھتے چلیں:

سب جگ کا تو پالک ہے
ہر شے پر قادر
ہر شے کا تو مالک ہے

طوفان کا پالا ہوں
ہاتھ پکڑ میرا
میں ڈوبنے والا ہوں

چاند آپؐ کا ہالا ہے
نام محمد ﷺ سے
گھر گھر میں اجالا ہے

نعمت ہیں جہانوں کی
پاک نبی ﷺ میرے
رحمت ہیں جہانوں کی

تاریکی سی طاری ہے
بیعت یزیدی ہی
اس دور میں جاری ہے

وحدت کے رازوں کا
کافر و مسلم میں
ہے فرق نمازوں کا

امین خیال کے ایسے ماہیے۔اردو ماہیے کے شاندار مستقبل کے گواہ ہیں:

کیسا یہ چڑھاؤ ہے
بحر ہے اشکوں کا
اور آنکھ کی ناؤ ہے

سرکار!۔۔نہیں ہوتا
ہر شخص محبت کا
کردار نہیں ہوتا

مٹ جائے گی بے تابی
پھر سے عطا کر دے
اس باغ کو شادابی

کر تو ہی دوا سائیں
مار ہی ڈالے گی
دلبر کی جفا سائیں

O O

بے کل کر دیتا ہے
عشق سیانوں کو
پاگل کر دیتا ہے

یوں شہد کیا بس کو
پیار سکھایا ہے
میں نے اس بے حس کو

امین خیال جیسے بنیادی طور پر پنجابی کے معروف شاعر کا اردو ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھنا اور اردو میں خوبصورت ماہیے عطا کرنا، اردو ماہیے کی خوش نصیبی ہے۔اردو ماہیا اپنی اس خوش نصیبی پر ناز کرتا رہے گا۔

☆☆☆☆

عارف فرہاد کے ماہیے

عارف فرہاد نوجوان جدید شاعروں میں ایک اہم نام ہے۔ ان کی شاعری میں صرف لفظیات کی تازگی ہی نہیں ملتی، خیال کی تازگی بھی ملتی ہے۔ اپنے ہم عصر نظم نگاروں میں انہیں منفرد مقام حاصل ہے۔ عارف فرہاد پہلے مساوی الاوزان مصرعوں کے ''ماہیے'' کہتے رہے ہیں۔ ادبی رسائل میں ماہیے کے وزن کے سلسلے میں جو بحث ہوتی رہی ہے وہ اسے توجہ سے پڑھتے رہے ہیں۔ انہوں نے جب محسوس کیا کہ ماہیے کا وزن اس کی دھن سے ہی دریافت کیا جا سکتا ہے اور پھر دھن کے ذریعے وہ درست وزن کو سمجھ گئے تو انہوں نے اسے اپنانے میں دیر نہیں کی۔ اس سلسلہ میں نہ تو انہوں نے اپنے موقف کی تبدیلی کو اپنی سبکی سمجھا، نہ اسے اپنی انا کا مسئلہ بنایا جیسا کہ ہمارے بعض ماہیا نما ثلاثی نگاروں نے اپنے ثلاثی کو ''ماہیے'' قرار دلوانے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔ عارف فرہاد کا رویہ دراصل ادب سے ان کی وابستگی اور ذاتی تعلقات پر ادبی سچائی کو فوقیت دینے کا رویہ ہے جو ہمارے ادیبوں کے عمومی طرزِ عمل سے مختلف اور لائقِ تحسین ہے۔ اردو ماہیے میں جن شعراء کے ہاں پنجابی ماحول اور ثقافت کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں عارف فرہاد بھی ان میں ایک اہم شاعر ہیں۔ ان کے چند ایسے ماہیے دیکھیں جن میں پنجابی ثقافت کے اثرات اپنی مٹھاس کے ساتھ موجود ہیں۔ ان ماہیوں میں پنجابی معاشرے کا منظر تشکیل پاتا دکھائی دیتا ہے:

پھولوں بھرے گاؤں کو
بھول نہیں سکتا
پیپل تری چھاؤں کو

کھیتوں میں اگی سرسوں
خوشبو کہتی ہے
ملنا مجھے پھر پرسوں

جھومر ترے ملتے ہیں
لوگ زمینوں کے
آکاش سے ملتے ہیں

زرخیز زمینوں میں
راوی بہتا ہے
پنجاب نگینوں میں

کوا ہے بنیرے پر
آنے والا ہے
وہ یار کے ڈیرے پر

چنری پہ کناری تھی
لال پراندی بھی
ہمراز ہماری تھی

چمپا سے، چنبیلی سے
پیار بھری باتیں
کرتی تھی سہیلی سے

جھرنا ترے گاؤں میں
دھوپ کے راہی بھی
آ بیٹھے ہیں چھاؤں میں

ایسے ماہیوں میں زیادہ تر پنجابی معاشرے کا دیہات نمایاں ہے تاہم عارف فرہاد کے ماہیوں میں دیہاتی ماحول کے ساتھ ساتھ پنجاب کے شہروں کا رنگ ڈھنگ بھی موجود ہے۔ پنجاب کے نگینوں جیسے دیہاتوں میں بسنے والا راوی شہروں میں آ کر محبوب کے حسن میں ڈھل جاتا ہے اور محبت کے جذبے کے کئی رنگ اس حسن میں منعکس ہونے لگتے ہیں۔

راوی نہ بہے کیسے
حسن ترا ساجن
پردوں میں رہے کیسے

خوشبو مجھے کہتی ہے
قوس قزح بن کر
بادل پہ وہ رہتی ہے

گلبرگ کے پھولوں میں
خوشبو نہیں ویسی
صد برگ کے پھولوں میں

ٹیرس پہ جب آتی تھی
کیسے ہنس ہنس کر
وہ ہاتھ ہلاتی تھی

دل کے لیے غم ڈھونڈے
راولپنڈی میں
کیا کوئی صنم ڈھونڈے

کمخواب کے جوڑے میں
کتنا روئی ہے
اس بار وچھوڑے میں

پنجاب کے ثقافتی اثرات سے قطع نظر۔عارف فرہاد کے ماہیوں میں محبت کا والہانہ اظہار اور محبت کی یادوں کی کسک بڑی شدت سے موجود ہے۔ پہلے محبت کے اظہار کے چند خوبصورت ماہیے دیکھیں:

آکاش کا تارا میں
حسن سمندر کا
بن جاؤں کنارا میں

چن تارے اتار آؤں
تیری آنکھوں میں
اک رات گذار آؤں

دیوار گرا سجنی
گھر کے لوگوں کو
جلدی سے منا سجنی

زنجیر کریں کیسے
خوابوں میں تجھ کو
تسخیر کریں کیسے

اور اب یادوں کے اثرات دیکھیں جن میں جدائی کا دکھ، پا نہ سکنے کا دکھ، ہوک بن کر سامنے آتا ہے:

دو ہونٹ سلیمانی
ہم سے کرتی تھی
باتیں وہ پرستانی

ساجن میں ترے غم میں
کتنا رویا تھا
اپریل کے موسم میں

بادل کوئی برسا ہے
بھیگے جسموں کو
پیاسا کوئی ترسا ہے

کس گاؤں میں آئے ہیں
چاہا ہے جن کو
وہ لوگ پرائے ہیں

اک ضرب ہتھوڑے کی
دل پہ لگی کیسے
مت پوچھ وچھوڑے کی

جھوٹے افسانے میں
کیسے ملتے ہم
بے درد زمانے میں

عارف فرہاد نے اپنے ماہیوں کے ذریعے اردو ماہیے کے دامن کو وسیع کرنے کی تخلیقی کاوش کی ہے۔اس عمل کے دوران انہوں نے جہاں ماہیے کی روایت سے خود کو کٹنے نہیں دیا وہیں روایت کی زمین میں رہتے ہوئے نئے نئے گل بوٹے کھلائے ہیں۔ان کے چند ایسے ماہیے دیکھیں:

کابل سے ہوا آئی
بہتے دریا میں
پھولوں کو بہا لائی

صحرا سے گذر جائیں
پیاسے دریا میں
اک روز اتر جائیں

زیتون کی شاخوں سے
خوشبو آتی ہے
اب دل کی آہوں سے

اپنے ہیں سبھی چہرے
ہم نے ملنا ہے
تو لاکھ بٹھا پہرے

تلوار میں دیکھا تھا
حیراں آنکھوں کے
بازار میں دیکھا تھا

اس دل میں اترتی ہے
جب آئینے میں
چھپ چھپ کے سنورتی ہے

صحرا میں سراب ایسا
خوابوں میں آئے
اک شخص گلاب ایسا

کس دیس میں آئے ہیں
بنجر کھیتوں پر
جلتے ہوئے سائے ہیں

اس نوعیت کے ماہیے ابھی تجربے کے مرحلے میں ہیں۔ چونکہ ان میں ماہیے کی روایت سے آگے کا سفر ہے اس لیے بعض لوگوں کو نامانوسیت کا ہلکا سا احساس بھی ہوسکتا ہے۔ مجھے ایسے ماہیوں میں عارف فرہاد کی نظم نگاری کے مثبت اثرات کا احساس ہوا ہے۔ اردو ماہیے کو وسعت دینے کے لیے ایسے تجربات بے حد ضروری ہیں۔ اس نوعیت کے تجربات کی قدر و قیمت کا اندازہ شاید اس وقت سے زیادہ آنے والے وقت میں ہو سکے گا۔

آخر میں عارف فرہاد کے چند خوبصورت اور موضوعاتی لحاظ سے ملے جلے ماہیے پیش ہیں۔ یہ ماہیے عارف فرہاد کی ماہیا نگاری کے ساتھ اردو ماہیے کے امکانات کو بھی اجاگر کرتے ہیں:

ہم لوگ تو بچے تھے
ماں کے آنچل میں
سب موسم سچے تھے

تم عید پہ آ جانا
پیار بھری باتیں
سکھیوں کو بتا جانا

جب بھی مرے گھر آئیں
روشن آنگن ہو
چن تارے اتر آئیں

خوابوں میں سنورتی ہے
میری گلی سے وہ
کب روز گزرتی ہے

گھر چھوڑ نہ دے میرا
لڑکی دیوانی
دل توڑ نہ دے میرا

سودائی نہیں آیا
کھلتے پھولوں کا
شیدائی نہیں آیا

گاؤں کی ہوا بولی
ڈھولا کیوں رویا
یہ کس کی اٹھی ڈولی

کوئی نہ ہمیں ٹوکے
ہجر میں سجنی کے
مرجائیں گے رو رو کے

یاقوت کے دانوں سے
بھاؤ محبت کے
مت پوچھ پٹھانوں سے

ہرجائی نہیں ملتا
تیری یادوں سے
یہ زخم نہیں سلتا

☆☆☆☆

مناظر عاشق ہرگانوی کے ماہیے

بھارت کے اہم ماہیا نگاروں میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ یوں تو وہ کثیر الجہت ادیب ہیں اور انتہائی متحرک اور فعال بھی۔۔شاعری، افسانہ، تنقید، تحقیق تو ان کے خاص میدان ہیں ہی لیکن ادب میں ہونے والے نئے تجربات کا بھی انہوں نے ہمیشہ محبت کے ساتھ سواگت کیا ہے۔کوئی نیا تجربہ ادب میں کامیاب ہو یا ناکام۔ یہ تو بعد کی بات ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی کی خوبی ہے کہ انہوں نے نئے تجربات کو پنپنے کے مواقع ضرور دیئے۔آزاد غزل، ہائیکو، نثری نظم کے سلسلے میں یہ فیصلہ تو وقت کرے گا کہ ان میں سے کون سا تجربہ ادب کا جزو بنتا ہے اور کون سا ختم ہو جائے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان نئے تجربات کے سلسلے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی خدمات کی ایک اہمیت بنتی ہے، تخلیقی سطح پر بھی اور بحث مباحثہ کی سطح پر بھی۔

جب ماہیے کے غلط وزن کا تجربہ اردو میں رائج ہوا تو ڈاکٹر مناظر نے بھی تین یکساں وزن کے ثلاثی ''ماہیے'' کے نام سے لکھے۔ان کے ایسے ''ماہیے'' بھارت کے بعض ادبی رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ جب انہیں ماہیے کے اصل وزن کا علم ہوا تو انہوں نے نہ صرف درست وزن کو اپنا لیا بلکہ ماہیے کے پنجابی روپ کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش بھی کرنے لگے۔ان کی اس سچی لگن کا ثمر ان کا وہ طویل مضمون ہے جو ''اردو میں ماہیا نگاری'' کے عنوان سے ماہنامہ ''صریر'' کراچی کے شمارہ جنوری ۱۹۹۷ء میں چھپ چکا ہے۔ یہی مضمون ان کی مرتب کردہ کتاب ''رم جھم رم جھم'' میں بھی بطور ''حرف اول'' شامل ہے۔اس مضمون سے ماہیے کے تئیں ان کی محبت اور اخلاص کا اندازہ کیا جا

سکتا ہے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے ماہیوں میں جو چیز فوراً متوجہ کرتی ہے وہ گھٹن کا احساس ہے۔ یہ گھٹن سیاسی اور مذہبی نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے اور کسی اور نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے۔

طوفان اٹھاتے ہو
اپنی فضاؤں میں
کیوں آگ لگاتے ہو

زخموں کی کہانی ہے
شہر کی ویرانی
دیکھی نہیں جاتی ہے

کیسی یہ ملہاریں
آنگن آنگن کیوں
نفرت کی دیواریں

عالم انجانا ہے
محفل سونی ہے
خالی پیمانہ ہے

گلشن کی زبانوں پر
مہر خموشی تھی
ہر پھول کے ہونٹوں پر

موسم طوفانی ہے
سونے والے سن
گھر گھر ویرانی ہے

شبنم پر پہرہ ہے
بندش ہے گل پر
بلبل بے چہرہ ہے

منظر میں نہ آنے دے
خون کا قطرہ بھی
خنجر میں نہ آنے دے

سماجی جبر کے باوجود گلشن وطن سے مناظر عاشق کی وابستگی کم نہیں ہوتی۔کبھی وہ ''اہل محبت'' کی بدلی ہوئی نگاہوں پر حیران ہوتے ہیں اور کبھی مصلحت آمیز خاموشی میں عافیت محسوس کرتے ہیں:

آئی ہے سحر کیسی
اہلِ محبت کی
بدلی ہے نظر کیسی

دل اپنا بچا کر رکھ
ٹھیک نہیں موسم
خود کو پس منظر رکھ

اور کبھی تمام تر ،زیادتی ، ناانصافی اور گھٹن کے باوجود گلشن وطن کے لیے خون کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ دکھائی دیتے ہیں:

رنگین کہانی دو
اپنے لہو سے تم
گلشن کو جوانی دو

سماجی گھٹن کے موضوع سے قطع نظر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے ماہیوں میں کہیں موسم کی دیوانگی اور محبت کا منظر دکھائی دیتا ہے تو کہیں خوابوں کی شکست کا احساس جاگتا ہے۔ کہیں وہ جلتی ہوئی دھرتی کی پیاس بجھانے کے لیے بارش کی تمنا کرتے ہیں تو کہیں محبت کا سفر طوفانی لہروں پر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

گل ہے پیمانہ ہے
آؤ مل بیٹھیں
موسم دیوانہ ہے

ہر گام پہ تڑپے ہیں
وقت کے ہاتھوں ہم
تقدیر سے الجھے ہیں

لمحوں کی حکایت کیا
ٹوٹ گئی ساری
خوابوں کی یہ جنت کیا

بارش کو تو آنے دے
جلتی ہوئی دھرتی
کی پیاس بجھانے دے

گھرتے طوفانوں میں
ساتھ مرا تیرا
موجوں کی لہروں میں

ڈاکٹر مناظر عاشق کی ماہیا نگاری فی الوقت رائج ماہیا نگاری کے مطابق ہے لیکن جب وہ کبھی لفظ کے جامہ کی جستجو کرتے ہیں اور کبھی وسعت معنی کی طلب ان کے ہاں شدت اختیار کرنے لگتی ہے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اندر کا ماہیا نگار ’’ کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے‘‘ کا ورد کر رہا ہے۔ اسی مقام پر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی ماہیا نگاری اردو میں نئی راہیں تراشنا چاہتی ہے۔ نئی روایت تشکیل دینا چاہتی ہے۔ ان کی تخلیقی جستجو اس میں کس حد تک کامیاب ہوگی؟ اس کا فیصلہ تو اس وقت ہوگا جب ان کے ’’ کچھ اور چاہیے‘‘ کا ارادہ لفظ و معنی سے نئی سطح پر ہم رشتہ ہوگا، تاہم اس وقت ان کی جستجو کی سچائی کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ نثری نظم اور ہائیکو کے تجربات کے مقابلہ میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی آزاد غزل کے تجربہ میں زیادہ کامیاب رہے ہیں۔ اب ماہیے سے ان کی محبت اور وابستگی دیکھتے ہوئے لگتا ہے کہ وہ ماہیے کے میدان میں آزاد غزل کے تجربہ سے بھی زیادہ کامیاب اور سرخرو ہوں گے۔

جلتی ہوئی سوچوں کو
لفظ کا جامہ دے
احساس کے زخموں کو

طوفاں کی روانی دے
شاعر کے لفظوں
میں وسعت معنی دے

احساس مروت دے
آج کے انسان کو
پھر ذوق محبت دے

کرنوں کا قرینہ کیا
شام کے سورج کا
اے دوست بھروسہ کیا

ساغر ہے نہ صہبا ہے
ہے یہ عجب محفل
ہر شخص ہی الجھا ہے

ہر سمت شرارا ہے
حسن کے جلوؤں کا
انداز دل آرا ہے

درویش دعا دیتے
خوابوں کا شیشہ
آنکھوں میں سجا دیتے

جینے کی ادا رکھو
خواب پریشاں کو
پلکوں پہ سجا رکھو

تصویر سیاسی تھی
شاخ ثمر ور پر
پتھر کی گواہی تھی

تہذیب ادا ٹوٹی
دھوپ چمکنے سے
شبنم کی انا ٹوٹی

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے اس انداز کے ماہیوں سے ان کے اندر کی طلب، جستجو اور اس کے امکانات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جب سے اردو میں درست وزن کی ماہیا نگاری کو فروغ ملنے لگا ہے تب سے بعض دوستوں نے ماہیے کے مزاج کا مسئلہ بھی اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ گویا جب تک غلط وزن میں ''ماہیے'' پیش کئے جا رہے تھے تب تک ماہیے کے مزاج کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس مسئلے پر میں الگ سے اور کافی تفصیل کے ساتھ اپنا موقف بیان کر چکا ہوں یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ میں یہاں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے چند ایسے ماہیے پیش کرنا چاہتا ہوں گا جو یارلوگوں کے مبینہ مزاج کے بھی عین مطابق ہیں:

ساون کی فضاؤں میں
خوشبو کا افسانہ
زلفوں کی گھٹاؤں میں

توہین وفا کرنا
آپ کا شیوہ ہے
ہر دل پہ جفا کرنا

اے جذبۂ بے تابی
پانی کے اندر بھی
ہے پیاس سلگتی سی

ظلمت میں گھری ہوگی
دشت میں سرگرداں
آشفتہ سری میری

چاہت کے نشیمن میں
لفظ محبت لکھ
بکھراؤ ہے آنگن میں

برکھا رت آئی تھی
پھولوں کے آنگن
ہریالی چھائی تھی

شب کی حیرانی تھی
دل ڈوبا ڈوبا
کتنی ویرانی تھی

پھولوں میں لہکتی ہے
خوشبو محبت کی
سانسوں میں مہکتی ہے

ماہیے کے خدوخال اور مزاج سے آشنائی اور ماہیا نگاری سے اپنی تخلیقی محبت کے باعث ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے مختصر سے عرصہ میں اس جدید تحریک میں اپنے لیے ایک اہم اور محترم مقام بنا لیا ہے۔ درست ماہیا نگاری کی تحریک کے اس ابتدائی دور میں وہ ان متحرک ماہیا نگاروں اور نقادوں میں شامل ہیں جن کے ذکر کے بغیر آنے والے دور میں ماہیے کی تاریخ مکمل نہیں کہلا سکے گی۔

☆☆☆☆

قمر ساحری کے ماہیے

اردو ماہیے کی موجودہ تحریک سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے پروفیسر قمر ساحری چھپے رستم نکلے کہ انہوں نے بڑی ہی خاموشی کے ساتھ ماہیے سے محبت کی۔ کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ اس محبت کا راز تب افشا ہوا جب ''بادِ سبز'' نے اس کی خوشبو پھیلا دی۔ میں نے ماہنامہ ''منشور'' کراچی کے ایک شمارہ میں ان کی کتاب ''بادِ سبز'' کا اشتہار دیکھا تو خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۹۶ء کو میں نے انہیں ایک خط لکھا۔ انہوں نے ۶ اگست ۱۹۹۶ء کو اس کا جواب دیتے ہوئے جی خوش کر دیا۔ انہوں نے لکھا:

> ''بادِ سبز'' میں تین سو سے زیادہ ماہیے ہیں۔ کمپوز ہو چکے ہیں پیسٹنگ اور پرنٹنگ کے مراحل باقی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مراحل آخر اگست تک مکمل ہو ہی جائیں گے۔''

جس طرح کبھی پنجابی ہیر سنا کر پنجابیوں نے اہلِ درد کو لوٹ لیا تھا۔ کچھ ایسے ہی اب ماہیے کے پنجابی انگ نے اردو والوں کو اپنا اسیر بنا لیا ہے۔ قمر ساحری بھی پنجابی ماہیے کے اسیر ہیں لیکن پھر انہوں نے ماہیے کہہ کر اہلِ پنجاب کو بھی رقصاں کر دیا ہے:

مہتاب ہوا رقصاں
گیت لکھے ہم نے
پنجاب ہوا رقصاں

قمر ساحری کے ماہیوں میں دھرتی کے مختلف مظاہر ثقافتی سطح پر بھی اپنی جھلک دکھاتے ہیں اور محبت کی مختلف کیفیات کے ساتھ مل کر بھی جلوہ گر ہوتے ہیں اور بعض

اوقات تو سیاسی صورتحال پر بھی خوبصورتی سے منطبق ہوتے ہیں ان کے اس نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں:

ٹھنڈک ہے فضاؤں میں
برف پہاڑوں پر
ساون ہے ہواؤں میں

جب کھیت مہکتے ہیں
رقص کریں آنچل
دل اور دھڑکتے ہیں

سکھ، چین وہیں پانا
شہر سے گھبرا کر
کھیتوں کی طرف جانا

خوشبو تو مہک اٹھے
گیت لکھوا ایسے
ہر شخص لہک اٹھے

جنگل میں گرے اولے
سرد فضاؤں میں
اب تو بھی کہیں ہولے

پھر تیری مہک آئی
دھول اڑی دل سے
آنکھوں میں چمک آئی

کچھ کر کے دکھانا ہے
وقت کے جنگل کو
گلزار بنانا ہے

ہے ساری فضا ان کی
پھول بکھرتے ہیں
چلتی ہے ہوا ان کی

بحیثیت شاعر قمر ساحری محنت کش طبقے اور غریب عوام سے محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ماہیا نگاری میں بھی اس محبت کا اظہار ملتا ہے۔ غریب عوام کے مسائل اور حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ بھی قمر ساحری کا خاص موضوع ہیں۔

سلگتے ہوئے سیاسی اور سماجی مسائل کے حوالے سے انہوں نے بہت سارے ماہیے لکھے ہیں۔ کراچی شہر کا روگ بھی ان کے ماہیوں میں دکھ بن کر اپنی جھلک دکھاتا

ہے۔قمر ساحری کے ایسی نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں جن میں ساری صورتحال کا کرب فکری سطح پر نمایاں ہے۔

حیرت میں فقط ہم تم
فصل انہیں کی ہے
محنت میں فقط ہم تم

دیہات ہی میں رہ کے
لوگ رہیں بھوکے
کھلیان کہیں مہکے

پھر چیخ اٹھا کوئی
جشن ہوا برپا
پھر قتل ہوا کوئی

پتھر کا جگر رکھیں
یار بنا دشمن
کس کس پہ نظر رکھیں

ٹوٹے ہیں ستم ہم پر
حال سنائیں کیا
ہیں سب کے کرم ہم پر

خوشیاں ہیں تیموں میں
پیار کے نقشے بھی
شامل ہیں سکیموں میں

عادل ہی نہیں کوئی
عدل کہاں ہوگا
ہے نیک کہیں کوئی ؟

ظالم نہ رہے کوئی
حشر اٹھے ایسا
قاتل نہ رہے کوئی

وہ شہر نگینہ تھا
لوٹ لیا کس نے
علموں کا خزینہ تھا

انصاف کہاں ہوگا ؟
یاد ہمیں آیا
سرمایہ جہاں ہوگا

اک عمر گنوا دی ہے
صبر کریں کتنا
ہر چیز لٹا دی ہے

اک بات پہ ڈٹ جاؤ
ظلم سہیں کب تک
میداں میں نکل آؤ

قمر ساحری کی شاعری کا غالب موضوع سیاسی اور سماجی مسائل ہی ہیں۔اس موضوع کو چھوتے ہوئے جب وہ نفس مضمون کو تھوڑا سا پردے میں رکھ کر بیان کرتے ہیں تو شاعری کا حسن دمکنے لگتا ہے۔ان کے چند ایسے ماہیے بھی دیکھ لیں:

آنکھوں کی بھلائی سے
فیض نہیں پہنچا
قندیل نمائی سے

آئین کرم بدلا
پھول کھلے دل میں
انداز ستم بدلا

بادل تو بہت آئے
دھوپ رہی رقصاں
گرجے نہ برس پائے

باغوں میں کہاں ڈھونڈیں
پھول کہاں ہوگا
داغوں میں کہاں ڈھونڈیں

بارش جو ہوئی اب کے
پیاس بجھی لیکن
پھر ہوش اڑے سب کے

باتیں نہ بناؤ تم
اور کوئی قصہ
سن لیں گے، سناؤ تم

جذبے تو بہت سے ہیں
کام دکھاؤ تو
وعدے تو بہت سے ہیں

کچھ اور بھی جلنا ہے
آگ ابھی نم ہے
لوہے کو پگھلنا ہے

کانٹے بھی مہکتے ہیں
دور ہے کچھ ایسا
سائے بھی چمکتے ہیں

کیا اس کی دعائیں تھیں
کھیت رہے سوکھے
باتوں میں گھٹائیں تھیں

قمر ساحری کے بعض ماہیے محض مصرعوں کی ترتیب بدلنے سے ہائیکو جیسے محسوس ہوتے ہیں۔ اگر ان میں مصرعہ اولیٰ کو مصرعہ ثالث اور مصرعہ ثالث کو مصرعہ اول کر دیا جائے تو ماہیا زیادہ چمک اٹھے گا۔

صرف دو مثالیں:

مطبوعہ صورت میں	**ترتیب میں تبدیلی سے**
اے جان جہاں تجھ کو	ہے یاد ابھی مجھ کو
بھول نہیں سکتا	بھول نہیں سکتا
ہے یاد ابھی مجھ کو	اے جان جہاں تجھ کو
غیروں میں کوئی اپنا	آنکھوں میں یہی سپنا
کاش نکل آئے	کاش نکل آئے
آنکھوں میں یہی سپنا	غیروں میں کوئی اپنا

قمر ساحری کے بعض ماہیوں میں لفظوں کا برتاؤ نامانوس سا لگتا ہے۔ ممکن ہے اہل زبان میں یہ مروج ہو اور ہم پنجابی اور سرائیکی لہجے والی اردو بولنے والے اسی وجہ سے اجنبیت محسوس کرتے ہوں۔

ایسے چند ماہیے بھی دیکھ لیں:

آواز کہاں تک دیں
ساتھ تمہارے ہیں
تم ساتھ جہاں تک دیں

دوزخ کی دہک والی
دھوپ!!! ارے توبہ
سائے کو جلا ڈالی

ہونٹوں کو سیئے رکھنا
شہر درخشاں میں
پلکوں پہ دیئے رکھنا

ایسا بھی ہوا لوگو
بھول ہوئی سب سے
سب اپنی دعا لوگو

قمر ساحری کے بعض ماہیوں میں پنجابی ماہیے جیسی مٹھاس ملتی ہے تو بعض ماہیوں میں انوکھا اور خوبصورت شعری اسلوب جھلکتا ہے۔ یہ بلا شبہ ایسے ماہیے ہیں جو اہل پنجاب کو بھی متاثر کرنے والے ہیں۔ صرف چند مثالیں دیکھیں:

بانہوں میں نہیں نرمی
سرد ہوئے جذبے
بوسوں سے گئی گرمی

بے معنی تبسم کیا
بات کرو آؤ!
چھپ چھپ کے تکلم کیا

سچ تھا کہ کہانی تھی
یاد نہیں ہم کو
کیا چیز جوانی تھی

کیا دن تھے، نظارے تھے
بھول گئے ہوں گے
جب ہم بھی ''ستارے'' تھے

وہ اور زمانے تھے
یاد ابھی تک ہیں
جب خواب سہانے تھے

ہر صبح سہانی تھی
یاد ابھی تک ہے
ہر رات کہانی تھی

قمر ساحری نے ''بادِ سبز'' کے صفحہ نمبر۳ پر لکھا ہے۔''اردو ادب میں پہلا دیوان ماہیا حرف اسبق کی ترتیب کے ساتھ''۔ اگرچہ ''بادِ سبز'' میرے ماہیوں کے مجموعہ ''محبت کے پھول'' کے بعد منظر عام پر آئی ہے تاہم اس کتاب کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے ماہیے کہہ کر ماہیے کا دیوان پیش کرنا

پروفیسر قمر ساحری کا اعزاز اور کارنامہ ہے۔ان کا یہ کارنامہ اور اعزاز اردو ماہیے کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔

قمر ساحری حیدرآباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ دکن سے کراچی آ کر آباد ہوئے۔ دکنی اردو کا پنجابی اور سرائیکی زبانوں سے قدیمی تعلق رہا ہے۔قمر ساحری نے پنجابی ماہیے کو اردو ماہیے میں زندگی دے کر دکنی اردو اور پنجابی، سرائیکی زبانوں کے پرانے رشتے کو بھی پھر سے زندہ کر دیا ہے:

باشندہ دکن کا ہوں
حرف نکھرتے ہیں
اردو کے وطن کا ہوں

وہ کام کیا ہم نے
دنگ ہوئے سب ہی
دیوان لکھا ہم نے

بلاشبہ قمر ساحری نے اپنے ماہیوں کا دیوان پیش کر کے اردو ماہیے سے دلچسپی رکھنے والوں کو مسرت آمیز حیرت سے دوچار کر دیا ہے۔خدا کرے ہم سب کی یہ حیرت قائم رہے اور قمر ساحری اردو ماہیے کے میدان میں مزید پیش قدمی کرتے رہیں۔

☆☆☆☆

پروین کمار اشک کے ماہیے

ہندوستان میں رشید اعجاز، نذیر فتح پوری اور انور مینائی کے بعد پروین کمار اشک کی ماہیا نگاری نے نہ صرف درست وزن کی تحریک کو تقویت پہنچائی بلکہ پنجابی سے ان کے تعلق نے ماہیے کے مزاج کو بھی کسی حد تک نمایاں کیا۔ اس سلسلے میں ان کی پنجابیت ان کے بہت کام آئی۔

کھیل عشق کا سانجھا ہے
ہیر ہے ہر تتلی
ہر پھول اک رانجھا ہے

فریاد تو سن ماہیا
جان مری کھینچے
تری ونجھلی کی دھن ماہیا

رُت عشق نرالی ہے
ہجر کے بوٹے پر
غم کی ہریالی ہے

یوں وصل کی رات آئی
ماہی نہیں آیا
زخموں کی برات آئی

بابل کا ویہڑہ تھا
ساگ تھا سرسوں کا
مکھن کا پیڑہ تھا

کھیتوں کو پڑے دندل
گندل سی لڑکی
جب توڑتی تھی گندل

ان ماہیوں میں سانجھا، ونجھلی، مکھن کا پیڑہ، ویہڑہ، گندل اور دندل جیسے پنجابی الفاظ اردو ماہیے میں غالباً پہلی بار آئے ہیں ان لفظوں کے استعمال سے ان ماہیوں

پر کوئی منفی اثر نہیں پڑا بلکہ اردو میں پنجابی کی آمیزش سے اردو کے دامن کو وسیع کرنے کا امکان ابھر آیا ہے۔

ماہی کی بے اعتنائی، بے وفائی اور شاعر کا احساس نارسائی پروین کمار اشک کے ماہیوں میں کچھ اس انداز سے بیان ہوتا ہے:

کیا حال ان پاؤں کا
بھول گئے رستہ
جو یار کے گاؤں کا

دل سونا رستہ ہے
گوری کے قدموں کو
جنموں سے ترستا ہے

ساگر سے بھی گہری تھی
ہاتھ نہیں آئی
مچھلی جو سنہری تھی

چنری میں ستارے ہیں
کالی راتوں میں
اشکوں کے سہارے ہیں

پروین کمار اشک کے ماہیوں میں کہیں کہیں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان میں زمینی آسمانی، طبیعاتی و مابعدالطبیعاتی قسم کی نیم فلسفیانہ لہر بھی آجاتی ہے۔ ماہیا اپنے مخصوص مزاج کے باعث دقیق اور فلسفیانہ مضامین کا متحمل نہیں ہوسکتا۔لیکن میرا خیال ہے کہ ایسے مضامین کو ماہیے کے لیے شجر ممنوعہ قرار دینا بھی مناسب نہیں۔عین ممکن ہے کہ آگے چل کر اردو ماہیا اپنے اندر ایسے موضوعات کو جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کر لے۔اگر کبھی ایسا ہوا تو پروین کمار اشک اردو ماہیا کے اس آنے والے رویہ کے بانیوں میں شمار ہوں گے۔ان کے چند اس نوعیت کے ماہیے دیکھیں:

قدرت مرا مے خانہ
پیاس مری صحرا
دریا مرا پیمانہ

گر چھو لے تری مٹی
سانس چلے میرا
ورنہ میں نری مٹی

ہے کھیل مقدر کا
کشتی شیشے کی
دریا ہے پتھر کا

بجھتا ہوں نہ ڈھلتا ہوں
درد کا سورج ہوں
دن رات میں جلتا ہوں

پردیس چلے پتے
پیڑ بہت رویا
جب جھڑنے لگے پتے

کوئی چھاؤں نہ بیوہ ہو
دے دے کوئی کاندھا
گرتے ہوئے برگد کو

پروین کمار اشک کے ہاں جدائی کا مضمون ہجر سے ہجرت تک کا روپ اختیار کر جاتا ہے۔ان کے بزرگوں کو قیام پاکستان کے بعد بھارتی پنجاب جانا پڑا۔انہوں نے خود ترک وطن کا دکھ نہیں جھیلا۔ان کی پیدائش قیام پاکستان کے بعد ہوئی لیکن وطن سے جدائی کا دکھ انہیں ورثے میں ملا:

وہ دور نہیں دیکھا
ہم نے بزرگوں کا
لاہور نہیں دیکھا

ہجر کا دکھ ان کے ہاں یوں مقدس بن جاتا ہے:

دل و جان کا سنگم ہے
ہجر کا ہر آنسو
مجھے آب زم زم ہے

اور پھر ہجر سے ہجرت کی کیفیت یوں ظاہر ہوتی ہے:

ہجرت کے تھے خمیازے
خالی مکانوں پر
روتے رہے دروازے

ظالم شمشیروں نے
چیر دیئے دو دل
سرحد کی لکیروں نے

سرحد کی لکیروں سے ذہن سیاسی عمل کی طرف بھی جاتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ پروین کمار اشک کا دکھ سیاسی سے زیادہ انسانی دکھ ہے، محبت کا دکھ ہے، یادوں کا دکھ ہے۔ یہ محبتیں اور یادیں انہیں اپنے بزرگوں سے وراثت میں ملی ہیں اور وہ انہیں اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ پروین کمار اشک کے ہاں بعض ایسے ماہیے ملتے ہیں جو کچھ اوپرے اوپرے سے لگتے ہیں۔کہیں ایسے لگتا ہے کہ ''بیت برائے بیت'' جیسی صورت ہے اور کہیں ایسے لگتا ہے ان کا خیال لفظوں کی گرفت میں پوری طرح نہیں آسکا، لفظ کچے کچے سے لگتے ہیں۔ایسے چند ماہیے بھی دیکھ لیں:

اک ڈائن آتی ہے
وصل کبوتر کو
کچا کھا جاتی ہے

بولے گا مرا طوطی
ماہی جو پہنے گا
مرے چمڑے کی جوتی

صورت کی کالی ہوں
کون اماں دے گا
ساجن تری گالی ہوں

کوٹھے پہ گری بجلی
آنکھوں میں یوں اتری
دل سے نہ گئی بجلی

اللہ سے ڈر کافر
ڈھولن ماہی پر
تنقید نہ کر کافر

سوکھے ہیں اگر پتے
ابر کی سازش ہے
کر اشکوں سے تر پتے

ہر اچھے سے اچھے شاعر کے ہاں کمزور شاعری کے چند نمونے مل جاتے ہیں۔ پروین کمار اشک کے ہاں ایسے ماہیوں کو اسی ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔اس کے باوجود وہ اردو کے ان خوبصورت ماہیا نگاروں میں شامل ہیں جو ماہیے کی بنیاد درست کرنے کے ساتھ اس کے اصل مزاج کو نمایاں بھی کر رہے ہیں اور اس تخلیقی عمل کے دوران خود کو تکرار سے بچانے کی کوشش بھی کر

رہے ہیں۔ظاہر ہے ایسی صورتحال میں اگر بعض تجربے کچے بھی رہ جائیں تو اس سے اجتہاد کرنے والے شعراء کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔اب پروین کمار اشک کے چند ایسے ماہیے دیکھیں جو بلاشبہ اردو ماہیے کے حسن میں اضافہ کر رہے ہیں:

احساس ہرا دیکھا
سوکھے پتوں سے
گلدان سجا دیکھا

کھوٹے کو کھرا کر دے
ایک نظر تیری
ہر دشت ہرا کر دے

چاند عشق کا روشن کر
روح کی مسجد میں
چن ماہی کے درشن کر

دل مست قلندر ہے
یار اس بوتل میں
اک عشق سمندر ہے

ساجن گھر ٹھہرے تھے
سرمئی راتیں تھیں
دن کتنے سنہرے تھے

شب تارے بہت روئے
چاند نہیں نکلا
بے چارے بہت روئے

سانسوں کے رشتے ہیں
پیپل مت کاٹو
پیپل میں پُرکھے ہیں

ہے قید مری تقدیر
ہتھکڑیاں ٹوٹیں
تو پاؤں پڑی زنجیر

خوشبو میں نہاتا ہوں
پھول کو تکتے ہی
شبنم ہو جاتا ہوں

ہم جیسے کہاں جوگی
درد دوا اپنی
ہم ٹھہرے غزل روگی

چندا کی چکوری ہے
شہد سے بھی میٹھی
تو دودھ سے گوری ہے

لے جا مجھے گھر ماہیا
تنہا نہ طے ہوگا
سانسوں کا سفر ماہیا

پردیس میں رہتے ہیں
دلی کے جنگل میں
دکھ پنڈی کے سہتے ہیں

روٹی کے چکر میں
رانجھے دبئی میں
ہیریں گم دفتر میں

کیا بھول گیا ماہیا
شہر کے کولر میں
پیپل کی ہوا ماہیا

کیا جادو کیا ماہیا
منہ سے کہوں رب رب
نکلے ماہیا۔ ماہیا

کلمے کے جادو نے
پاگل کر ڈالا
مجھے حضرت باہوؒ نے

بھوکے ہیں دعاؤں کے
درد ہیں یوں جیسے
بچے بن ماؤں کے

پروین کمار اشک کے اس انداز کے ماہیے، اردو ماہیا نگاری میں خوبصورت اضافہ ہیں۔ ان کے جذبوں سے بھرے دل اور خلاق ذہن نے مختصر سی مدت میں اتنے اچھے اور معیاری ماہیے عطا کیے ہیں کہ اردو ماہیے کے مستقبل سے اطمینان سا ہونے لگا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پروین کمار اشک اپنے پنجابی مزاج اور لب و لہجے کے ساتھ اردو ماہیے کے دامن کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جائیں گے۔

☆☆☆☆

نذیر فتح پوری کے ماہیے

بھارت کے شاعروں میں نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز نے ایک ساتھ اور باقی سارے ماہیے نگاروں سے پہلے درست وزن میں ماہیا نگاری کی۔ رشید اعجاز مرحوم کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ تھوڑے سے ماہیے اردو ماہیے کو عطا کر سکے۔ نذیر فتح پوری نے ماہیے کہنے میں فعالیت کا مظاہرہ کیا جو ان کی ماہیے سے محبت کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے حمدیہ، نعتیہ ماہیے لکھے، بزرگان دین سے اپنی عقیدت کا اظہار ماہیے میں کیا۔ ساون، تتلی، وہ اور کتاب کے عناوین کے تحت انہوں نے یک موضوعی ماہیے بھی لکھے۔ ان کی ماہیا نگاری ایسے انداز کے ماہیوں میں اپنا حسن دکھاتی ہے۔

موجوں میں بھی بکھریں گے
پار سمندر بھی
ہم لوگ ہی اتریں گے

امواج کے دھاروں تک
اپنی کہانی ہے
طوفاں سے کناروں تک

سینے سے اٹھتے ہیں
درد کے یہ بادل
آنکھوں سے برستے ہیں

قطرے سے بھنور تک ہے
رنگ محبت کا
ذرے سے گہر تک ہے

خوابوں کا جہاں رکھ لے
آگے اندھیرا ہے
کچھ کا ہکشاں رکھ لے

سیراب نہیں کرتا
تشنہ لبوں کو وہ
تشنہ بھی نہیں رکھتا

گُل کا ہے، نہ کِل کا ہے
تم کو سنائیں کیا
یہ ماجرا دل کا ہے

یہ کرب بھی سہتے ہیں
اہلِ سمندر اب
تالاب میں رہتے ہیں

لمبائی سے مت ڈرنا
دل کے فسانے کی
تلخیص نہیں کرنا

گفتار زمانے کی
دل پہ گری جیسے
تلوار زمانے کی

یادوں کے چراغوں کو
تیز نہیں کرنا
جلتے ہوئے داغوں کو

کچھ پیڑ بھی اونچے تھے
یار تھے کم ہمت
انگور بھی کھٹے تھے

آنکھوں کی چمک جاگی
لمس ترا پا کر
سانسوں کی مہک جاگی

رخ دیکھ ہواؤں کا
دیپ جلانا پھر
رستے پہ دعاؤں کا

نذیر فتح پوری کے ایسے ماہیوں میں پنجابی ماہیوں کے رس کی ہلکی سی پھوار ہوتی محسوس ہوتی ہے جس سے تر و تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس طرح کے ماہیے اپنی مختلف کیفیتوں کے ساتھ دل پر براہ راست اثر کرتے ہیں۔ ان ماہیوں کے موضوعات محض پنجاب سے مخصوص نہیں ہیں اس کے باوجود ان میں ماہیے والی مٹھاس موجود ہے۔ شاید ایسا اس لیے ہے کہ یہ ماہیے بے ساختگی سے ہوتے گئے ہیں۔ ان کے برعکس نذیر فتح پوری نے جہاں شعوری طور پر پنجاب کا کوئی حوالہ لانے کی کاوش کی ہے وہیں ان کے ماہیے

رس اور مٹھاس سے تہی ہوتے نظر آتے ہیں اور آمد کی بجائے آورد کی صورت ابھر آتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ دو ماہیے دیکھیں:

کچا ہے گھڑا اس کا
راہ میں دریا ہے
کیا ہوگا خدا! اس کا

الزام کڑا لے کر
یار سے ملنے کو
نکلی ہے گھڑا لے کر

دراصل نذیر فتح پوری راجستھانی شاعر ہیں۔ ان کے ہاں پنجاب کے دریائی اور میدانی مزاج کی بجائے صحرائی مزاج ملتا ہے۔ ماہیے کے مزاج میں صحرائی اثرات کی مکمل نفی تو نہیں کی جا سکتی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ماہیے کے مزاج کا غالب عنصر میدانی اور پنج دریائی ہے۔

ہم مختلف قصوں، کہانیوں کی تلمیحات کو ماہیے میں بیان کر سکتے ہیں۔ نئے موضوعات بھی ماہیے کے لیے شجر ممنوعہ نہیں ہیں لیکن ان کا ماہیے کے مزاج سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے کہ خود نذیر فتح پوری کو بھی اس حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے کیونکہ انہوں نے شعوری طور پر پنجابی ثقافت کے حوالے پیش کرنے سے زیادہ اپنے راجستھانی ماحول کو اپنا موضوع بنانا شروع کر دیا ہے۔ ان کا یہ تجربہ بھی بالکل ابتدائی مرحلے میں ہے اس لیے یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اگر پنجابی مزاج کے ماہیے میں راجستھانی ثقافت کی ادبی پیوند کاری کا یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو اردو ماہیا ایک نئے ذائقے سے آشنا ہوگا۔ راجستھانی ماحول کے بعض ماہیے یہ احساس دلاتے ہیں کہ نذیر فتح پوری کا یہ تجربہ ابھی کچا پکا ہے۔ مثلاً

چاندی ہوں نہ سونا ہوں
توڑ دے ٹھوکر سے
میں ریت کھلونا ہوں

آندھی میں بھی لہرے گی
ریت کی رسی ہے
مٹھی میں نہ ٹھہرے گی

اک جاٹ کا بیٹا ہے
بوند بھروسے پر
ہل جو تنے نکلا ہے

مرتوں کو جلا سجنی
گرمی کا موسم ہے
پنکھا تو جھلا سجنی

یہ گاؤں کی حالت ہے
ریت گھروندوں پر
آندھی کی حکومت ہے

بنجاروں کی ہے ٹولی
مہماں دو دن کے
پھر دوست نہ ہم جولی

اس طرز کے ماہیوں کے برعکس ایسے ماہیے ان امکانات کی طرف روشن اشارہ کرتے ہیں جو پنجاب کے ماہیے میں راجستھانی ثقافت کی آمیزش سے ماہیے کے حسن میں اضافے کا باعث بن سکتے ہیں:

کچھ سپنے سلونے تھے
جھولی میں بچپن کی
کچھ ریت کھلونے تھے

صحرا میں صدا دینا
ایسے لگا جیسے
بہرے کو دعا دینا

بے گھر ہیں یہ بے چارے
ان کا مقدر کیا
بنجارے ہیں بنجارے

کیوں روٹھ گیا پانی
ابر نہیں برسے
سب سوکھ گیا پانی

راجستھانی ماحول سے ہٹ کر، نذیر فتح پوری نے ماہیے کے مخصوص موضوعات سے آگے بڑھ کر بعض اہم موضوعات کو اپنے ماہیوں میں چھوا ہے۔

بارود پہ بیٹھی ہے
میرے زمانے کی
یہ فاختہ کیسی ہے

کیا فتویٰ تمہارا ہے
بزم انا الحق پہ
اب راج ہمارا ہے

کل رات جو بھڑ کی تھی
اپنی ہواؤں سے
تھی خاک قلندر کی

تسلیم نہیں کرنا
اہل رعونت کی
تعظیم نہیں کرنا

تاریخ نویسی کے نام پہ ہمارے ہاں ہی نہیں ساری دنیا میں جھوٹ کی فیکٹریاں لگی رہی ہیں۔تنخواہ دار تاریخ نویسوں نے تو خیر تاریخ لکھتے وقت صرف اور صرف اپنے آقاؤں کا حق نمک ہی ادا کرنا ہوتا ہے، بظاہر غیر جانبدار مورخین نے بھی اپنے تعصّبات سے تاریخی حقائق کو مسخ کیا ہے۔اس سلسلے میں نذیر فتح پوری نے بڑی دلچسپ بات کہی ہے:

تم ایک مورخ ہو
فرض تمہارا ہے
جو سچ ہے وہی لکھو

اس قسم کے موضوعات کو ماہیا اپنے اندر جذب کرتا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت ہی کرے گا۔ تاہم نذیر فتح پوری کی جرات کی داد ضرور دینی چاہیے کہ انہوں نے ماہیے سے محبت کے باعث ماہیا نگاری میں نئے موضوعات کو لا کر ماہیے کے دامن کو وسیع کرنے کی کاوش کی ہے۔ یہ کاوش آگے چل کر ناکام ہو جائے تب بھی ماہیے سے نذیر فتح پوری کی محبت کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

میں امید کرتا ہوں کہ نذیر فتح پوری ماہیے میں راجستھانی ثقافت کے اثرات خوبصورت اور دل آویز انداز سے پیش کر کے ماہیے کو راجستھان کا بھی عوامی گیت بنا دیں گے اور نئے موضوعات کو ایسے انداز سے پیش کریں گے کہ ماہیا انہیں اپنے اندر جذب کر لے گا اور اس انجذاب کے ساتھ اس کا دامن مزید وسیع ہو جائے گا۔ ویسے اردو ماہیے کی تاریخ میں زندہ رہنے کے لیے نذیر فتح پوری کا یہ اعزاز بھی معمولی نہیں کہ

ماہیا نگاری کے اس فعال دور میں وہ بھارت سے اردو کے سب سے پہلے ماہیا نگار ہیں لیکن اردو ماہیے کے لیے ان کی خدمات اولیت کے اس اعزاز تک ہی محدود نہیں ہیں۔ اردو ماہیے کو ابھی ان سے بڑی توقعات ہیں۔

☆☆☆☆

یوسف اختر کے ماہیے

یوسف اختر اردو کے دوسرے اہم ماہیا نگاروں کی نسبت قدرے تاخیر سے ماہیا نگاری کی طرف آئے لیکن انہوں نے مختصر سے عرصہ میں اپنی عمدہ اور خوبصورت ماہیا نگاری سے اپنی تاخیر کی تلافی کردی ہے۔ان کے ماہیوں میں محبوب کی یاد سے لے کر انسانی مسائل تک جذبات کا اظہار دیہاتی ماحول کے تناظر میں ہوا ہے۔ یہ دیہاتی ماحول جہلم کے دریا کے پانی سے چلتا ہوا ہزارہ کے دریائے سرن سے ہوتا ہوا کشمیر کے دریائے نیلم کے کنارے تک آباد ہوتا چلا جاتا ہے۔

جہلم ترے دھاروں کی
بھول نہیں سکتے
ہم آگ چناروں کی

کچھ کھیت ہیں سرسوں کے
توڑ کے مت جانا
یہ رشتے برسوں کے

بہتا ہے سرن ڈھولا
صبح بنارس کی
تو پہلی کرن ڈھولا

گاؤں سے نکل آئے
دھوپ میں ہجرت کی
چھاؤں سے نکل آئے

نوخیز جوانی میں
سپنے ڈوب گئے
نیلم ترے پانی میں

کیوں آگ لگاتے ہو
دھان کے کھیتوں میں
سورج کو اُگاتے ہو

یوسف اختر کے ماہیوں میں خوشی کی کھلی کھلی کیفیت ملتی ہے۔ وصل اور جدائی

دونوں میں ہی محبت کا مسرت آمیز اظہار ملتا ہے جیسے انہیں یقین ہو کہ جدائی عارضی سی ہے اور جدائی کے ان لمحات کے بعد پھر وصل نصیب ہو گا۔ ان کے ایسے چند ماہیے دیکھیں:

کچنار کے پھول آئے
دل تری ٹیبل پر
ساجن ہم بھول آئے

برگد کی چھاؤں کو
بھول نہیں سکتے
گوری ترے گاؤں کو

ان چاندنی راتوں کے
بھید نہیں کھلتے
ڈھولا تری باتوں کے

ہم دل کو ٹٹولیں گے
پیار کے دعوے کو
میزان پہ تولیں گے

تصویر کرے کوئی
وصل کے لمحے کو
زنجیر کرے کوئی

اس دل کو وہ الجھائے
بیٹھ کے کھڑکی میں
جب زلف کو سلجھائے

دریا کی روانی ہے
ہاتھ ہواؤں کے
اب اپنی کہانی ہے

اک بات کہوں ڈھولا
کانٹوں سے ہم نے
پھولوں کو نہیں تولا

ماہیے میں خوشی کی ایسی کیفیت یوسف اختر کی خاص پہچان ہے کیونکہ اردو میں ابھی تک اس نوعیت کے ماہیے بہت کم کہے گئے ہیں۔ ان کے اس مزاج کے باعث ان کے ماہیوں میں غم کے مضامین میں بھی دکھ کے احساس کے باوجود جیسے خوشی کی کوئی زیریں لہر سی محسوس ہوتی ہے۔ شاید یہ دکھ کو دکھ دینے والے کی مہربانی سمجھ کر قبول کرنے کا رویہ ہے۔ ان کے ایسے چند ماہیے دیکھیں:

یادوں کے دیئے رکھنا
ہجر کے موسم میں
ہونٹوں کو سیئے رکھنا

اس شب کی سیاہی میں
روتے رہے ساجن
ہم تیری جدائی میں

ہرا پات مسوری کا
زخم نہیں بھرتا
اس چاند سے دوری کا

تنہا نہیں ہو جانا
شہر کی گلیوں میں
رسوا نہیں ہو جانا

ٹوٹے ہوئے تاروں سے
آس لگاتے ہو
ہم ہجر کے ماروں سے

خوشبو کے سفیروں کا
کون پتہ دے گا
اب تیرے فقیروں کا

پربت پر شام اتری
صدیوں کی تنہائی
ڈھولا مرے نام اتری

کچھ پیار بھری باتیں
اپنا اثاثہ ہیں
دو چار ملاقاتیں

یوسف اختر کے بعض ماہیوں میں سماجی اور سیاسی بے رحمی کا ذکر بھی آیا ہے۔ اس حوالے سے پہلے کراچی اور کشمیر کے بارے میں ان کے یہ دو ماہیے دیکھیں:

یہ شہر نگاراں ہے
خون کی سرخی ہے
کیا رنگ بہاراں ہے (کراچی)

انگار برستے ہیں
پھولوں کی وادی
میں خار برستے ہیں (کشمیر)

یوسف اختر کے لہجے میں جو ملائمت ہے اس کا نتیجہ ہے کہ عمومی غیر منصفانہ سماجی صورتحال پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے بھی وہ ایک حد سے زیادہ بلند آہنگ اور

تلخ نہیں ہوتے۔اس موضوع کو چھوتے ہوئے یوسف اختر کا ملائم لہجہ ان کے ماہیوں کو نعرہ بننے سے بچالیتا ہے۔ان کے اس نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں:

آنکھوں سے کشید ہوئے
حرف جو ہونٹوں کے
مقتل میں شہید ہوئے

کچھ سوچ کے نکلے تھے
خواب پرندوں کے
پر نوچ کے نکلے تھے

دولت کے پجاری ہیں
سچ کو چھپاتے ہیں
یہ کیسے لکھاری ہیں

کیسے ہوشناسائی
دھوپ کی بستی میں
کہیں چھاؤں نہیں آئی

احساس یہ کب ہوگا
لہجے کی تلخی
کا کچھ تو سبب ہوگا

ناکردہ گناہوں کی
قید بہت کاٹی
ان شہر پناہوں کی

رشتوں سے محبت، بعض رشتوں کے ٹوٹنے کا دکھ اور بعض ٹوٹے ہوئے رشتوں کی المیہ صورتحال یوسف اختر کے ماہیوں میں یوں آئی ہے:

کچھ کانچ سے گہنوں کے
رشتے ٹوٹ گئے
اک بھائی سے بہنوں کے

ریکھا تھی ہتھیلی پر
بھائی الجھ بیٹھے
بابل کی حویلی پر

خوش پھرتا ہے ماں جایا
بھائی کے بچوں نے
کھانا بھی نہیں کھایا

ماں کا رشتہ بڑا مقدس اور معتبر رشتہ ہے اردو ماہیے میں اس رشتے کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔اس رشتے کے تعلق سے یوسف اختر کے ماہیے مضمون کی تکرار کا احساس دلاتے ہیں۔ماں کی دعا کا مضمون پہلے ہی سو رنگ سے باندھا جا چکا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ اب اردو ماہیے میں اس سے ہٹ کر بھی کوئی بات کہی جائے۔بہرحال ماں کی دعا کے حوالے سے یوسف اختر کے یہ دو ماہیے بھی دیکھ لیں:

گھنگھور گھٹائیں ہیں
سایہ فگن سر پر
میری ماں کی دعائیں ہیں

ہم رہتے ہیں چھاؤں میں
رکھتی ہے یاد ہمیں
ماں اپنی دعاؤں میں

یوسف اختر کے ماہیوں میں نفس مضمون کی تکرار کی ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔عمومی طور پر ان کے ماہیوں میں خیال کی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ان کے ماہیے پنجاب اور کشمیر کے سنگم پر واقع ہزارہ کے خوبصورت علاقہ کی مٹی سے جڑے ہوئے ہیں۔چنانچہ ان میں پنجابی اور ہزاروی ثقافت کے ساتھ ساتھ پوٹھوہاری اور کشمیری کلچر کے ہلکے ہلکے اثرات بھی ابھرے ہیں۔یوں اردو میں ان کا لہجہ ماہیے سے ہم آہنگ ہو کر اس سے آگے بھی جاتا دکھائی دیتا ہے۔ان کے چند خوبصورت ماہیے دیکھیں:

اجڑی ہوئی راہوں میں
اس نے گرا ڈالا
اپنی ہی نگاہوں میں

بچپن کی کہانی پر
بنیادیں رکھیں
بہتے ہوئے پانی پر

برسات میں پھاگن کی
یاد بہت آئی
بھولے ہوئے ساجن کی

اک خواب چنا ہوتا
رات کے آنگن سے
مہتاب چنا ہوتا

دیوار میں در رکھنا
چاہ کی پونجی کو
سنبھال کے گھر رکھنا

کبھی آ کے مل ڈھولا
دیس پرائے میں
اکتا گیا دل ڈھولا

جینے تو دیا ہوتا
زہر جدائی کا
پینے تو دیا ہوتا

کاغذ کے گلابوں کی
کون چنے کرچیں
ٹوٹے ہوئے خوابوں کی

کوئی چنری ململ کی
سونے نہیں دیتی
چھن چھن تری پائل کی

زنجیر ہے پاؤں کی
راہ نہیں بھولے
ڈھولا ترے گاؤں کی

آنکھوں سے دور ہوئے
خواب تھے شیشے کے
جو چکنا چور ہوئے

پھولوں کی نمائش میں
رستہ بھول گئے
ہم چاند کی خواہش میں

اگر یوسف اختر اپنی ماہیا نگاری میں اسی انداز سے آگے بڑھتے رہے تو اپنے منفرد لہجے کو مستحکم کر لینے کے بعد تمام ماہیا نگاروں میں اپنے رس اور نغمگی کے باعث الگ سے پہچانے جائیں گے۔ اردو ماہیے کو یوسف اختر جیسے نغمہ ریز اور خوبصورت ماہیا نگار نے ابھی بہت کچھ دینا ہے۔

☆☆☆☆

انور مینائی کے ماہیے

ماہیا نگار انور مینائی سے میرا پہلا تعارف ستمبر۱۹۹۴ء میں ہوا۔ اس ماہ کے رسالہ ''صریر'' کراچی میں ان کا ایک خط چھپا تھا اور ''صریر'' کے مخصوص انداز کے مطابق خط کے ساتھ ہی ایڈیٹر ''صریر'' ڈاکٹر فہیم اعظمی کا جواب بھی چھپا تھا۔ اس خط اور اس کے جواب کا ماہیے سے متعلق قابلِ ذکر حصہ یہاں پیش کر رہا ہوں:

انور مینائی کے خط کا اقتباس: گزشتہ مرتبہ پندرہ ماہیے بروزن مفعول مفاعیلن / فعل مفاعیلن یعنی آپ کے تائید کردہ وزن پر اشاعت کے لیے روانہ کیے تھے۔ اپریل کے شمارہ میں شائع نہیں ہوئے۔ غالباً اگلی اشاعت کے لیے آپ نے محفوظ کر لیے ہوں گے۔

ادارہ صریر: انور مینائی صاحب! آپ کے ماہیے ہمارے پاس محفوظ ہیں اور شائع ہوں گے۔ ویسے انور مینائی صاحب دوہے کی طرح ماہیا بھی گیت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کا تعلق اس مٹی سے نہیں ہے جہاں ماہیا پیدا ہوا، ان کی کوشش ارادی ہو جاتی ہے۔ ان کے ماہیے میں Rustictouch کم اور Sophistication زیادہ آ جاتا ہے۔ آپ کا ایک ماہیا ہے۔

ہر موج میں بہتا ہوں/ پنجابی دھن میں/ میں ماہیے کہتا ہوں/

تو بھائی دھن تو ٹھیک ہے لیکن موضوع، احساس، جذبات، وارفتگی تمثال تو وہ نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر فہیم اعظمی کی بات اصولی طور پر درست تھی، اگرچہ اس میں یہ استثنائی گنجائش بھی ہے کہ پنجابی اور اردو کے درمیان گہری لسانی قربت ہے اور جغرافیائی لحاظ سے بھی پنجاب سے ملتے ہوئے اردو کے علاقے دونوں زبانوں کو مزید قریب لے آتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہہ سکتے

ہیں کہ برصغیر کی زبانوں میں پنجابی اور اردو ایک دوسرے سے کافی قریب ہیں تاہم ڈاکٹر فہیم اعظمی کی بات بھی یکسر غلط نہیں ہے۔البتہ انہوں نے اپنا موقف جس ماہیے کی مثال کے ساتھ بیان کیا ہے وہ مثال درست نہیں ہے کیونکہ انور مینائی کا مذکورہ بالا ماہیا ایک خوبصورت ماہیا ہے جو پنجابی کے ماہیے کے وزن کے مطابق اور مزاج سے کافی قریب ہے۔انور مینائی کرناٹک، بنگلور سے تعلق رکھتے ہیں جو جغرافیائی لحاظ سے پنجاب سے قریب نہیں ہے۔اس کے باوجود ان کا یہی ماہیا پڑھ کر میں نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کے اندر ایک اچھا ماہیا نگار چھپا ہوا ہے۔پھر میں نے دو ماہی گلبن احمد آباد کے شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۹۴ء میں ان کے چند ماہیے پڑھے:

کیا میت نہیں کوئی
ہونٹوں پہ مہندی کے
اب گیت نہیں کوئی

دھن پیار کا ٹھکرا کر
افسوس اب ساجن
پردیس بسے جا کر

ہے آج ہوا پاگل
تجھ کو بلاتا ہے
پیڑوں کا ہرا آنچل

شہروں کی زمیں ترسے
لیکن سمندر پر
ساون کی گھٹا برسے

یہ سارے ماہیے درست وزن میں تھے۔تب میں نے ان سے رابطہ کیا اور انہیں لکھا کہ آخری ماہیے کا دوسرا مصرعہ وزن کے لحاظ سے یوں بھی چل سکتا ہے لیکن اگر وہ دوسرے مصرعہ میں لفظ ''لیکن'' کی جگہ ''اور'' کر لیں تو ماہیا زیادہ خوبصورت ہو جائے گا۔یعنی:

شہروں کی زمیں ترسے
اور سمندر پر
ساون کی گھٹا برسے

انور مینائی علم عروض میں مہارت رکھتے ہیں۔ان کی کتاب ''شہکار عروض و

بلاغت'' چھپ چکی ہے۔پی۔ایچ۔ڈی کا تحقیقی مقالہ مکمل کر چکے ہیں۔ان کی عالی ظرفی ہے کہ انہوں نے نہ صرف میری تجویز کو قبول کیا بلکہ پنجابی ماہیے کے وزن کے ساتھ اس کے مزاج کو سمجھنے کے لیے میرے ساتھ مسلسل خط و کتابت کی۔بھارت میں رشید اعجاز اور نذیر فتح پوری کے بعد کسی شاعر نے ماہیے کو سب سے زیادہ فروغ دینے کی کوشش کی ہے تو وہ انور مینائی ہیں۔ان کے بہت سارے ماہیے اردو کے خوبصورت ماہیے کہے جا سکتے ہیں۔

بے مثل جوانی ہے
خوشبو فدا تجھ پر
تو پھولوں کی رانی ہے

یہ دکھ کے جھمیلے ہیں
ہم دونوں اب تک
مل کر بھی اکیلے ہیں

بے رنگ سی کلیاں ہیں
سجنی کہاں ہے تو
اجڑی ہوئی گلیاں ہیں

ہے رنگ بہت گہرا
سرخی اناروں کی
تکتی ہے ترا چہرہ

پھر لوٹ کے بچپن میں
آؤ ذرا کھیلیں
برسات کے آنگن میں

شاداب فضائیں ہیں
جنگل میں ہر سو
برگد کی جٹائیں ہیں

سفاک ہواؤں میں
بھسم نہ ہو جاؤں
رشتوں کی چتاؤں میں

گرمی میں جھلستی ہیں
پانی کی خاطر
فصلیں بھی ترستی ہیں

پھر کیسے پرائے ہیں
ہم تو تمہاری ہی
آواز کے سائے ہیں

ریت آنکھوں میں چبھتی ہے
اب مری نظروں میں
ساحل ہے نہ سیپی ہے

انور مینائی کے ماہیوں میں ظلم اور نا انصافی کے، انسانی المناکی کے مضامین بھی آئے ہیں۔ بظاہر ایسے مضامین ماہیے میں نہیں جچتے لیکن ان ماہیوں کو ادبی لحاظ سے ترقی پسند تحریک کے حوالے سے دیکھا جائے تو اردو میں نہ صرف قابل قبول لگتے ہیں بلکہ ماہیے کے مضامین میں اضافے کا موجب بھی لگتے ہیں۔ البتہ اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا کہ ایسے ماہیوں کو ماہیا اپنے اندر بساتا ہے یا نہیں؟ انور مینائی کے ایسے چند ماہیے دیکھیں۔

زخموں کے نوادر ہیں
میری نگاہوں میں
خوں رنگ مناظر ہیں

کانٹوں پہ نوازش ہے
پھولوں سے کہہ دو
موسم کی یہ سازش ہے

پھل توڑو تو خطرہ ہے
سبز درختوں پر
سانپوں کا بسیرا ہے

رُت آئی ہے پت جھڑ کی
مجھ سے نہیں ہوگی
گیتوں کی پذیرائی

یہ سچ کی تباہی ہے
اب کے عدالت میں
جھوٹوں کی گواہی ہے

ہوتا نہیں میں غارت
لمحوں سے لڑتا ہوں
جیون ہے مہا بھارت

انور مینائی کے ماہیوں میں درختوں اور جنگلوں کا ذکر کچھ اس انداز میں ملتا ہے:

ہر شاخ لچکتی ہے
تیز ہواؤں سے
جامن بھی ٹپکتی ہے

برسے ہیں یونہی پتھر
خوشبو تھرکتی ہے
اب آم کے پیڑوں پر

موسم کا بلاوا ہے
مستی لٹاتی ہے
پیپل کی جو چھایا ہے

سناٹوں کے جنگل میں
بستی دھنس جاتی
ہے رات کی دلدل میں

پنجابی ماہیے میں فکر کے مقابلہ میں جذبہ غالب رہتا ہے جب کہ انور مینائی کے ہاں فکر کا غلبہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ ویسے اردو میں جذبے اور فکر کے فطری توازن سے ماہیے کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔ انور مینائی یہی کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جوگی کا بسیرا ہے
جیون کا ہے کا
اک دھوپ کا صحرا ہے

پھر چاہے بکھر جاؤ
پہلے مرے اندر
چپ چاپ اتر جاؤ

حرکت سی ہے ساکن میں
معنی کی دنیا ہے
الفاظ کے باطن میں

پڑ جاؤ گے الجھن میں
چہرہ ذرا دیکھو
حالات کے درپن میں

اک زخم لگا گہرا
آنکھوں کے آگے
خوابوں کا نگر اجڑا

کیا آب ہے چہروں میں
ہم تم بہہ نکلے
جذبات کی لہروں میں

انور مینائی کے اس انداز کے ماہیوں میں ان کا جذبہ اور فکر دونوں متوازی ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔انور مینائی اردو ماہیے کے ان اہم ابتدائی شعرا میں سے ہیں جنہوں نے ماہیے کے وزن اور مزاج کو برقرار رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔اور اس کے ارتقاء کے امکانات کو اجاگر کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ انور مینائی اردو ماہیے سے اپنی محبت کو قائم رکھیں گے۔اس نوخیز شعری صنف کو تخلیقی لگن کے ساتھ اپنے جذبوں اور فکر کے رچاؤ سے مزید خوبصورت ماہیے عطا کریں گے اور اس کے دامن کو اپنے ماہیوں سے مالا مال کر دیں گے۔

☆☆☆☆

سعید شباب کے ماہیے

سعید شباب نے سب سے پہلے اپنے ماہیوں کو کسی عنوان کے تحت پیش کرنے کی روایت قائم کی ہے۔ یاد، دل، دیوانہ اور ماہیے کے عنوان کے تحت انہوں نے گویا مسلسل غزل کی طرح مسلسل ماہیے پیش کیے ہیں۔ ''ماہیے'' کے خصوصی عنوان سے پیش کئے گئے ان کے ماہیے پڑھ کر دیکھیں۔ ماہیے کی ہیئت، وزن اور مزاج کے بارے میں مضامین کی صورت میں تو بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ماہیا شاعری کے ذریعے سعید شباب نے دریا کو کوزے میں بند کر کے دکھا دیا ہے۔ ماہیے کے لفظ کو شعری ضرورت کے مطابق پنجابی تلفظ میں بھی برتا ہے اور اردو تلفظ میں بھی۔

گیتوں کی جوانی ہے
بحر یہی یارو
ماہیے کی نشانی ہے

مٹیار اٹھلاتی ہوئی
دھن ہے ماہیے کی
ہنستی، بل کھاتی ہوئی

پھولوں کی مہک بھی ہے
ماہیے میں دکھ کے
کانٹوں کی کسک بھی ہے

تحفہ پنجاب کا ہے
نشہ ماہیے میں
دریائے چناب کا ہے

گہرائی کی خوبی ہے
وسعتِ صحرا بھی
ماہیے میں ڈوبی ہے

جن لوگوں نے ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھا ہے ان میں سے اکثر نے اعتراض کیا کہ دوسرے مصرعہ میں تھوڑی سی کمی کے باعث جھٹکا محسوس ہوتا ہے۔لیکن دوسرے مصرعے میں ایک سبب کی کمی سے ہی تو ماہیے میں روانی پیدا ہوتی ہے اور اس روانی کا اس وقت تک اندازہ نہیں کیا جاسکتا جب تک گائے ہوئے ماہیے سن نہ لئے جائیں۔ماہیے کی دھن کو ایک مٹیار کہہ کر پھر اس کی اٹھلاتی ہوئی چال کو ہنستی، بل کھاتی ہوئی بیان کر کے سعید شباب نے بڑی لطافت سے ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے وزن کی نوعیت اور خوبصورتی کو اجاگر کیا ہے۔ان پانچوں ماہیوں میں سعید شباب نے ماہیے کی جو خوبیاں بیان کی ہیں، وہ ساری خوبیاں ان کے اپنے ماہیوں میں موجود ہیں۔انہوں نے ماہیے کے اصل وزن میں ماہیے کہے۔ان کی ماہیا شاعری کسی مٹیار کی طرح اٹھلاتی، ہنستی اور بل کھاتی ہوئی آتی دکھائی دیتی ہے۔ان کے ماہیے گیتوں کی جوانی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔چند ماہیے دیکھیں:

بادل اور پروائی
دیکھ کے گوری کو
لینے لگے انگڑائی

خوشبو کی طرح مہکو
شاخ پہ اس دل کی
پنچھی کی طرح چہکو

پازیب کی چھن چھن سے
بوجھ لیا اس کو
ہمسایوں کے آنگن سے

مت دور نکل جانا
ممکن ہوتا ہے
موسم کا بدل جانا

پھولوں کی مہک اور کانٹوں کی کسک سے دکھ اور سکھ کے ملاپ کا جو منظر نامہ بنتا ہے۔وہ سعید شباب کے ماہیوں میں بڑا خوبصورت دکھائی دیتا ہے:

ہنستے ہوئے رونے کا
موسم آیا ہے
دکھ درد بلونے کا

دکھ، درد کا میلہ ہے
من کی بستی کا
یہ رنگ نویلا ہے

آئے نہ نگاہوں میں
آنکھیں بچھائی تھیں
اس شوخ کی راہوں میں

کیا اپنی جوانی ہے
درد کا قصہ ہے
زخموں کی کہانی ہے

احساس کے گھاؤ میں
جلتے رہتے ہیں
یادوں کے الاؤ میں

اک زخم بھرا جب سے
مانگ رہا ہے دل
اک زخم نیا، رب سے

اور سعید شباب کے دو ایسے ماہیے دیکھیں جن میں دریائے چناب کے نشے کا سرور موجود ہے:

دشمن دل والوں کا
شہر تمہارا بھی
ہوا شہر سیالوں کا

اک یاد پرانی ہے
دل کے چناب میں پھر
کوئی طغیانی ہے

ماہیے میں جس گہرائی اور وسعت کا ذکر سعید شباب نے کیا ہے اس کی ایک ہلکی سی جھلک ان کے اپنے ماہیوں میں بھی دیکھ لیں:

ہم باہر رُلتے ہیں
حالانکہ دروازے
سب اندر کھلتے ہیں

دکھ خواب کے کھونے کا
پھول تھے چاندی کے
ہر پیڑ تھا سونے کا

اک بوند کی ہستی ہے
دل کی حقیقت کیا
بس خون کی مستی ہے

راس آگئی تنہائی
گھائل کر گئی جب
چہروں کی شناسائی

سعید شباب کے ماہیوں میں ان کا جو لہجہ ابھرا ہے وہ پنجاب کے دریا اور چولستان کے صحرا، دونوں کے امتزاج کا نتیجہ ہے ۔ پانی اور ریت ، پیاس اور سراب ،شہری اور خانہ بدوشی ، شور اور خاموشی ، سکوت اور تحرک ، ہجر اور وصال ، خوشی اور غم ،غرض ایسی متضاد حالتوں کے ٹکراؤ سے نہیں بلکہ ملاپ اور امتزاج سے سعید شباب کی ماہیا شاعری کا لہجہ بنتا ہے ۔شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ ان دونوں کلچرز سے نہ صرف پوری طرح آشنا ہیں بلکہ ان دونوں کلچرز کے اثرات ان کے اندر رچے بسے ہوئے ہیں ۔ وجہ کچھ بھی رہی ہو سعید شباب کے مخصوص لہجے نے اردو ماہیے کو اپنے ابتدائی مرحلے میں ہی ایک عمدہ اور خوبصورت ماہیا نگار عطا کر دیا ہے ۔سعید شباب کے ماہیوں میں متضاد کیفیتوں کے امتزاج سے جو شاعری وجود میں آئی ہے وہ امتزاج ہونے کے باوجود دریائی سے زیادہ صحرائی ہے ۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ پنجاب کا باسی ہونے کے باوجود چولستانی ہے ۔ بہر حال اس کے مخصوص مزاج اور لہجے کے حامل یہ چند ماہیے دیکھیں:

ہنستا ہے نہ روتا ہے
دل کا محبت میں
یہ حال بھی ہوتا ہے

پہرہ تو بٹھانا ہے
دل کی تجوری میں
زخموں کا خزانہ ہے

ہنس ہنس کے رلاتی ہیں
یادیں ستم گر کی
رہ رہ کے ستاتی ہیں

کب اس نے پکارا تھا
دل کی تھی خوش فہمی
اور وہم ہمارا تھا

بس ایسا ہی موسم ہو
تپتا ہوا دل ہو
اور آنکھ میں شبنم ہو

مت اس کو صدا دینا
دیپک یادوں کے
اب خود ہی بجھا دینا

جب اونچی ہوں پروازیں
سنتے نہیں پنچھی
پھر پیڑوں کی آوازیں

ہنس کھیل کے جی لیں گے
اور دل کے آنسو
خاموشی سے پی لیں گے

سعید شباب کے جتنے ماہیے حوالے کے طور پر ابھی تک درج ہوئے ہیں ان میں سے دس ماہیوں میں دل اور ایک میں من کا لفظ آیا ہے ۔جن ماہیوں میں دل کا لفظ نہیں آیا ان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب میں بھی ’’رودادِ دل‘‘ ہی بیان ہوئی ہے ۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں ماہیے کو کتابِ دل قرار دیا تھا ۔ یہ حقیقت ہے کہ ماہیا فکر سے زیادہ جذبے کو اہمیت دیتا ہے ۔ سچے جذبے کتابِ دل کی کہانیاں ہیں ۔سعید شباب صاحبِ دل شاعر ہیں ۔انہوں نے فکر و خیال کو رد نہیں کیا لیکن عشق و خرد اور دل و دماغ کی کشمکش کو اپنے طور پر سمجھنے کے بعد دل کے حق میں ووٹ دیا ہے:

نفرت نہ محبت سے
روگ لگے سارے
اس سوچ کی وسعت سے

یہ الگ بات ہے کہ محبت کا روگ اور اس کی وسعت عقل و خرد سے کہیں زیادہ ہے ۔سعید شباب محبت کے روگ میں مبتلا دکھوں اور یادوں کے پھیلے ہوئے صحرا میں دھونی رمائے بیٹھے ہیں ۔اس صحرا میں بڑ کا کوئی درخت نہیں ہو سکتا لیکن محبت کے گیان کے لیے کسی بڑ کے درخت کی ایسی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی کیونکہ محبت کا روگ خود ہی بڑ کا درخت بن کر اپنے روگی کو گیان کا نور عطا کر دیتا ہے ۔

بجھتے ہوئے تارے ہیں
دل کی اداسی سے
بے چین نظارے ہیں

جگنو ہے نہ تارا ہے
ہجر کی راتوں میں
بس ذکر تمہارا ہے

کوئی بستی نہ راس آئی
یا دھنڈ رہی میں
خوش ہے ترا سودائی

کوئی سپنا نہیں تھا وہ
کیا بنتا میرا
خود اپنا نہیں تھا وہ

سعید شباب کے ماہیے اصلاً ایک دکھی دل کی آواز ہیں۔ یہ دنیا والوں سے فریاد کی صورت میں نہیں بلکہ اپنی محبت کی مہک اور اس کے روگ کی کسک سے بے ساختہ ابھرنے والی آواز ہے جو خود شاعر کے لیے انوکھی سی لذت کا موجب بن رہی ہے۔ ماہیا نگاری کے اس درخشاں دور کی ابتدا میں سعید شباب اردو ماہیا کے ایک اہم شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ ان کے ماہیوں کی خوشبو دیر تک رہے گی۔ ماہیے کی تاریخ میں ان کے خوبصورت ماہیے آنے والے ماہیا نگاروں کے لیے اگلی منزلوں کی طرف نشاندہی کرتے رہیں گے۔

☆☆☆☆

اختتامیہ

''اردو میں ماہیا نگاری'' کے مکمل ہونے تک اس موضوع سے متعلق بعض دلچسپ مخفی گوشے سامنے آ گئے ہیں۔ ماہیے کے وزن کی بحث میں تحقیقی زاویے سے ان پر مزید کام ہونا چاہیے۔ یہاں میں مختصراً نشاندہی کیے دیتا ہوں۔

پنجابی ماہیے کے وزن کے سلسلے میں بظاہر تنویر بخاری اور ڈاکٹر ہوشیار پوری کے درمیان وزن کے تعین کا اختلاف بحث کی صورت میں چلا تھا جس میں تنویر بخاری کے بقول ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن بنتا ہے اور ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری کے بقول ماہیے کا وزن فعلن فعلن فعلن فعلن بنتا ہے۔ اب یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ مفعول مفاعیلن کا وزن پنجابی میں سب سے پہلے پروفیسر شارب نے بیان کیا تھا۔ پنجاب بورڈ لاہور نے ۱۹۸۷ء میں ان کی مرتب کردہ کتاب ماہیے پر شائع کی تھی۔ اس کے صفحہ نمبر ۱۱ تا صفحہ نمبر ۳۶ پروفیسر شارب نے ''کچھ ماہیے بارے'' کے زیر عنوان اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن بیان کیا ہے۔

تنویر بخاری نے اپنی کتاب ''ماہیا فن تے بنتر'' (مطبوعہ ۱۹۸۸ء) میں وزن کے مسئلے پر مختلف پنجابی اور سرائیکی دانشوروں کی آراء کے حوالے دیئے ہیں۔ (شاید احتیاطاً) ۱۹۶۵ء سے بھی پہلے علامہ غلام یعقوب انور کے ساتھ اپنی زبانی گفتگو کا حوالہ بھی دیا ہے جس کی رو سے مفعول مفاعیلن وزن کا تعین سب سے پہلے تنویر بخاری نے کیا تھا (کتاب ''ماہیا۔ فن تے بنتر'' صفحہ نمبر ۲۸ تا صفحہ نمبر ۳۱) ہوسکتا ہے اس وزن کی دریافت تنویر بخاری نے ہی سب سے پہلے کی ہو اور انہیں کی زبانی بات پروفیسر شارب

لے اڑے ہوں تاہم مناسب تھا کہ تنویر بخاری نے جہاں مختلف پنجابی اور سرائیکی دانشوروں کے حوالے دیئے تھے وہیں ۱۹۸۷ء میں چھپنے والی کتاب ''ماہیے''اور پروفیسر شارب کا حوالہ بھی دے دیا ہوتا بلکہ یہ وضاحت بھی کر دی ہوتی کہ پروفیسر شارب نے انہیں کے بیان سے استفادہ کیا تھا تو ان کی علمی پوزیشن زیادہ بہتر ہوتی۔ان کی طرف سے پروفیسر شارب کے نام اور کام سے گریز حقیقتاً شعوری اخفا کے زمرے میں آرہا ہے اور ان کی تحقیقی محبت کا یہ پہلو مشکوک ہو رہا ہے تاہم اس سلسلے میں تنویر بخاری اور پروفیسر شارب اور دیگر سنجیدہ اہل علم بہتر طور پر حقیقت کو واضح کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری نے مفعول مفاعیلن کے مقابلے میں فعلن فعلن فعلن کا جو وزن بیان کیا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ابھی تک ماہیے کی دھن کی بنیاد پر میرے لیے تو یہ دونوں وزن (دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی کے ساتھ) ویسے بھی قابل قبول ہیں تاہم احمد حسین مجاہد نے اپنی عروضی تحقیق سے واضح کیا ہے کہ اردو میں ان دونوں اوزان کا فرق صرف ''تسکین اوسط'' کی کرشمہ سازی ہے ورنہ اصل میں دونوں ایک ہیں۔سو اس سے ہمارے موقف کو مزید تقویت ملتی ہے کہ ہم صرف دھن کی بنیاد پر جن اوزان کو تسلیم کرتے ہیں وہ عروضی لحاظ سے بھی اردو میں ایک ہی ہو جاتے ہیں۔میرا اور میرے دوسرے ساتھیوں کا بنیادی موقف یہی ہے کہ ماہیے کے وزن کا تعین اس کی دھن کی بنیاد پر ہوتا ہے۔اس اصول کے مطابق ماہیے کا جو وزن بھی دریافت کر لیا جائے قابل قبول ہے۔تاحال کسی بھی وزن میں طے کریں ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی لازم آ رہی ہے۔دھن کی بنیاد پر ماہیے کے وزن کی تلاش کا اصول ایسا بنیادی کام ہے جس سے اب ہمارے پنجابی اسکالرز بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

''اردو ماہیا نگاری'' کا یہ اختتامیہ ماہیے کی بحث کا اختتام نہیں ہے بلکہ علمی ،ادبی اور تحقیقی زبان میں بات کرنے والوں کے لیے ایک بڑی سطح پر یہ نقطہ آغاز ہے۔ مجھے امید ہے کہ ماہیے کے خدو خال کو نکھارنے اور سنوارنے کے لیے تخلیقی اور تحقیقی

دونوں لحاظ سے مزید پیش رفت ہوگی۔پنجابی کا لوک گیت ماہیا اردو شاعری میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے ساتھ اردو کی ایک مقبول،توانا اور میٹھی شعری صنف کے طور پر نمایاں ہوگا۔اردو ماہیے کے حسن،خوشبو اور رس کا جادو عوام کو بھی اور تخلیق کاروں کو بھی اپنا اسیر بناتا چلا جائے گا۔

حیدر قریشی

(جرمنی سے)

اُردو ماہیے کی تحریک

(تحقیقی وتنقیدی مضامین)

حیدر قریشی

(فرہاد پبلی کیشنز راولپنڈی کی جانب سے ۱۹۹۹ء میں شائع کی گئی)

بُور آگیا آموں میں
رونقیں جاگ اُٹھیں
دیہات کی شاموں میں

انتساب

اردو ماہیے کے بانی

ہمت رائے شرما جی کے نام

اَن دیکھے جہانوں تک
دل نے پہنچنا تھا
چاہت کے خزانوں تک

حرف اول

۱۹۹۶ء کے آخر تک میری کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' مکمل ہوئی اور ۱۹۹۷ء کی تیسری سہ ماہی تک چھپ گئی ۔اور اب ۱۹۹۸ء میں ماہیے کے تعلق سے لکھے گئے اپنے اب تک کے مضامین کا مجموعہ شائع کرا رہا ہوں۔

''اردو میں ماہیا نگاری'' یک موضوعی کتاب تھی اسے لکھتے وقت میں ۱۹۹۶ء کے پائیدان پر کھڑا ہو کر گزشتہ چھ برسوں کی بحث کا منظر دیکھ رہا تھا جبکہ ''اردو ماہیے کی تحریک'' کے مضامین فاصلے سے منظر کو دکھانے کی بجائے لمحہ لمحہ کی کہانی سناتے ہیں۔ ماہیے کی بحث کے ریکارڈ کی درستی کے لئے چند اہم خطوط بھی اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ان مضامین اور خطوط سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ماہیے کو سمجھنے کے عمل میں بتدریج بہتری آتی گئی ہے۔ جہاں اس کے وزن کا بنیادی اصول اپنی جگہ اٹل ثابت ہوا ہے وہیں اس کے بعض ایسے گوشے بھی بحث سے روشن ہوتے چلے گئے ہیں جو اس سے پہلے نظروں سے اوجھل تھے۔ ابھی تک معترضین کا کوئی ایک بھی ایسا اہم اعتراض نہیں ہے جس کا مدلل جواب نہ دے دیا گیا ہو۔لیکن معترضین کا یہ کمال رہا ہے کہ ہماری طرف سے دی گئی دلیل کے جواب میں کوئی مدلل بات کرنے کی بجائے گھما پھرا کر پھر اسی اعتراض کو دہرا دیتے ہیں۔ایسے رویہ کے نتیجہ میں ہمارے جواب الجواب میں ہمارے موقف کی تکرار بھی ہوئی، تاہم ہمارے موقف کی وضاحت میں جہاں کہیں پہلی بات دہرائی گئی ہے وہیں کوئی نہ کوئی نیا علمی نکتہ بھی سامنے آ گیا ہے۔

☆ میں نے اپنی گزشتہ کتاب کے ''اختتامیہ'' میں اس توقع کا اظہار کیا تھا کہ ''ماہیے کے خدوخال کو نکھارنے اور سنوارنے کے لئے تخلیقی اور تحقیقی دونوں لحاظ سے مزید پیش رفت ہو

گی''۔تخلیقی پیش رفت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ تب ماہیا نگاروں کی تعداد ۶۵ تھی اور دو سال کے اندر اندر یہ تعداد دوسو سے تجاوز کر چکی ہے۔ ماہیا ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنا رہا ہے۔

☆ تحقیقی لحاظ سے بھی نئے انکشافات ہوئے ہیں۔ میں نے تب تک کی معلومات کی بناء پر قمر جلال آبادی کو اردو کا پہلا ماہیا نگار قرار دیا تھا۔اب یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ ۱۹۳۶ء میں ہمت رائے شرما نے سب سے پہلے ماہیے کہے تھے۔سو وہ اردو ماہیے کے بانی ہیں۔

☆ تب میں نے مکالماتی ماہیے کا اولین نمونہ قمر جلال آبادی کے ماہیوں کو بیان کرنے کے ساتھ اپنے مکالماتی ماہیوں کو دوسرے نمبر پر اور قاضی اعجاز محور کے مکالماتی ماہیوں کو تیسرے نمبر پر قرار دیا تھا لیکن اب پاکستانی فلم ''حسرت'' اور انڈین فلم ''پتی، پتنی اور وہ'' کے مکالماتی ماہیے بھی سامنے آ گئے ہیں اور ہو سکتا ہے کل کلاں مزید ایسے مکالماتی ماہیے بھی دریافت ہو جائیں۔ یہ امر خوش کن ہے کہ تخلیقی اور تحقیقی دونوں لحاظ سے اردو ماہیے میں پیش رفت ہو رہی ہے اور ماہیے کی تنقید لکھنے والوں کی ایک موثر تعداد بھی سامنے آ گئی ہے جو ماہیے کے وزن کو بخوبی سمجھتے ہوئے اب تخلیق کئے گئے ماہیوں کے تنقیدی جائزہ اور ان کے محاسن پر توجہ کر رہی ہے۔

''اردو میں ماہیا نگاری'' کے ابتدائیہ میں ۔۔میں نے اختلاف رائے رکھنے والے تین طرح کے احباب کا ذکر کیا تھا۔

ا۔ وہ احباب جو خلوص اور نیک نیتی سے سمجھتے تھے کہ شاید ماہیے کا وزن دونوں طرح سے ہے۔اس لئے ماہیے کے دونوں وزن ٹھیک ہیں۔

۲۔ وہ احباب جو پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ماہیے لکھ رہے تھے۔بعض کی ایسے ماہیوں کی کتابیں تک چھپ گئی تھیں۔انہوں نے حقیقت حال ظاہر ہو جانے کے بعد اپنے غلط وزن کے ماہیوں کو منوانے کے لئے امداد باہمی کے طور پر مہم چلائی تاہم ذاتی پریشانی کے باعث ان احباب نے طے شدہ نتائج حاصل کرنے والا تحقیقی انداز اختیار کرنے کے باوجود زیادہ تر ادبی زبان میں اپنا موقف پیش کیا۔

۳۔ وہ کرم فرما جو مجھ سے کسی اور سبب سے ذاتی طور پر ناراض تھے انہوں نے محض مجھے

نیچا دکھانے کی غرض سے خلط مبحث کیا۔حقائق کو دیدہ دانستہ مسخ کیا۔ادبی فضا گرد آلود کی۔ یہ کرم فرما ماہیے کی آڑ میں اپنی زخمی انا کے لئے مرہم چاہتے ہیں۔بصورت دیگر گرد اڑاتے رہیں گے“۔

اس میدان میں بھی پیش رفت ہوئی ہے۔اول الذکر اختلاف رائے رکھنے والے دو طرح کے احباب میں سے بعض نے ہمارے اصولی موقف کی معقولیت کو تسلیم کیا ہے لیکن مزید دو طرح کے مخالفین بھی سامنے آ گئے ہیں۔

☆ بعض ادبی یتیم قسم کے نقاد جو طویل عرصہ سے لکھنے کے باوجود اپنی کوئی شناخت نہیں بنا سکے تھے انہوں نے ماہیے کی تحریک کی اپوزیشن بن کر نام کمانے کو غنیمت سمجھا ہے لیکن علمی سطح پر انہیں اندازہ ہو گیا ہے کہ ماہیا مال غنیمت نہیں ہے۔

☆ ایسے لوگ جو کسی کی اچھی کارکردگی سے خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں۔ان میں اپنے بھی شامل ہیں اور پرائے بھی۔ بلکہ اپنے ہی زیادہ ہیں۔اس سلسلہ میں بعض مہربانوں نے براہ راست اور بعض نے بالواسطہ طور پر اس غم و غصے کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ یہ شخص ماہیے کے ذریعے شہرت پانا چاہتا ہے۔ماہیے کا بانی بننا چاہتا ہے۔۔وغیرہ۔

پنجابی ماہیے کے وزن کے بارے میں رواروی میں کہہ دیا جاتا ہے کہ پنجابی میں دونوں اوزان کے ماہیے ملتے ہیں۔ یہ بات درست نہیں ہے۔اگر پنجابی ماہیے کے الفاظ کو اردو عروض کے گھیرے میں لینے کی کوشش کی جائے تو صرف مذکورہ دو نہیں یہ ساری صورتیں پیش آتی ہیں۔

ا۔ ماہیے کا دوسرا مصرعہ، پہلے اور تیسرے مصرعوں کے وزن کے مقابلے میں ایک سبب کم بھی ہوتا ہے۔

۲۔ ماہیے کا دوسرا مصرعہ، پہلے اور تیسرے مصرعوں کے وزن کے برابر بھی ہوتا ہے۔

۳۔ ماہیے کا دوسرا مصرعہ، پہلے اور تیسرے مصرعوں کے وزن کے مقابلہ میں ایک سبب زائد بھی ہوتا ہے۔

۴۔ ماہیے کے دوسرے مصرعہ کی طرح ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں کا وزن بھی کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتا رہتا ہے۔

ایسی پیچیدہ صورتحال میں ہم نے اردو عروض کی ”تکنیکی کرتب بازی“ کرنے والوں کے برعکس ماہیے کے وزن کی دریافت کا ایسا سیدھا سادہ اصول بتایا ہے کہ سارے الجھاؤ از خود ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اصول یہ ہے کہ پنجابی ماہیے کے وزن کو اس کے الفاظ کی بجائے اس کی دھن سے دریافت کیا جائے۔

اردو ماہیے کی حالیہ تحریک سے پہلے بھی جتنے اردو ماہیے (فلموں کے لئے) پنجابی ماہیے کی دھن کی بنیاد پر لکھے گئے ان کا وزن بھی ہمارے موقف کے مطابق دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی کے ساتھ ہے اور اب بھی فلموں کے لئے جتنے اردو ماہیے۔۔ پنجابی ماہیے کی دھن کی بنیاد پر لکھے جا رہے ہیں ان کا وزن بھی ہمارے موقف کی تصدیق کرتے ہوئے ماہیے کے فطری بہاؤ اور روانی کو اجاگر کرتا ہے۔۔آخر ایسا کیوں ہے؟ کوئی فیصلہ کن علمی بات کرنے والوں کو اس سوال پر سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد کسی حتمی نتیجہ تک پہنچنا چاہئے۔

اگر ہمارا موقف مضبوط ہے تو سنجیدہ اختلاف رائے رکھنے والوں سے لے کر حاسدین تک۔۔ ہر ایک کے لب و لہجے کے مطابق، اسی انداز میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے رہیں گے۔اس مجموعے میں بھی ایسی مدلل وضاحتیں موجود ہیں۔ میں اپنے موقف کو پورے اعتماد کے ساتھ ادبی دنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ادبی تاریخ کے سپرد کرتا ہوں۔

حیدر قریشی

ماہیا اور اس کا دوسرا مصرعہ

پنجابی لوک گیتوں کی اصناف میں ''ماہیا'' ایک اہم صنف ہے۔ یہ نام لفظ ''ماہی'' سے مشتق ہے۔ بھینس کو پنجابی میں ''مہیں'' کہتے ہیں۔ بھینسیں چرانے والے کو اس نسبت سے ''ماہی'' کہا جاتا تھا۔ پنجاب کی محبت کی داستانوں میں رانجھا اور مہینوال (عزت بیگ) دو ایسے کردار ہیں جنہوں نے اپنے اپنے محبوب تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بھینسیں چَرانے کا کام کیا۔ ان کرداروں کی رومانوی قوت نے لفظ ماہی کو صرف ہیر اور سوہنی ہی کا محبوب نہیں بنایا بلکہ ہر محبت کرنے والی مٹیار کا محبوب ماہی قرار پایا۔ محبّ اور محبوب کے تعلق اور معاملات کے اظہار کے لئے پنجابی لوک گیتوں میں ''ماہیا'' کی صنف پروان چڑھی۔

اس صنف میں محبوب کے حسن و جمال، پیار، محبت، ملن، جدائی، گلے، شکوے، چھیڑ چھاڑ کے موضوعات عام ملتے ہیں۔ پھر موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی تو ان میں زندگی کے مسائل اور دکھوں کا اظہار بھی ہونے لگا۔ حمدیہ، نعتیہ، ماہیے کہے گئے اور بزرگان دین کی توصیف کی گئی۔ دعائیہ ماہیے بھی لکھے گئے۔ روزمرہ زندگی کے معاملات اور رشتہ داریوں کے تذکرے بھی ہونے لگے۔

''ماہیا'' کے چند اور نام بھی ہیں جن میں ''بگڑو'' اور ''ٹپا'' قابل ذکر ہیں تاہم بحیثیت شعری صنف ''ماہیا'' مقبول ہوا۔ ہئیت کے لحاظ سے ماہیا کی تین چار قسمیں ہیں جو معمولی سے ردوبدل کے ساتھ چھ سے سات مصرعوں پر مشتمل ہیں۔ دوسری ہئیت کے ماہیے، سننے والوں نے عام لوک گیتوں میں شمار کئے۔ تین مصرعوں کی ہئیت والے پنجابی ماہیوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

سونے دا کِل ماہیا
لوکا دیاں رون اکھیاں
ساڈا روندا اے دل ماہیا

دو کاج قمیضاں دے
اساں کل ٹر جانا
فر میل نصیباں دے

اکھ رو رو سک گئی اے
لوکاں دی مویاں مکدی
ساڈی جیوندیاں مک گئی اے

کوٹھے اتوں اڈ کانواں
سد پٹواری نوں
جند ماہیۓ دے ناں لانواں

آری اتے آری اے
اک دَم یوسف دا
سارا مصر وپاری اے

کوٹھے اتے رسیاں نیں
کچیئے زبان دِیئے
گلاں گھر جا دسیاں نیں

باری وچ کھیس پیا
اک دم سجناں دا
اووی ٹر پردیس گیا

دھارے دی کنڈی آ
منڈیا لہور دیا
تری اکھ بڑی گنڈی آ

ترے عاشق رل گئے نیں
زخم وچھوڑے دے
چناں مڑ کے کھل گئے نیں

دندا بُھر گیا آری دا
نما نما سک سرمہ
مُڈھ بنھ گیا یاری دا

اردو میں غیر ملفوظی حروف تقطیع میں شمار نہیں ہوتے اور ان حروف کی عروض میں وضاحت موجود ہے۔ پنجابی میں اس سلسلے میں کوئی قاعدہ کلیہ موجود نہیں۔ اردو کے بہت سارے ملفوظی حروف بھی پنجابی میں گرا دیئے جاتے ہیں۔ اس حوالے سے پنجابی ماہیے کے وزن کا تعین

کرنا شاید مشکل ہو لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے کیونکہ ''ماہیا'' بنیادی طور پر گائی جانے والی صنف ہے اور مختلف دھنوں میں گائے جانے کے باوجود ہر دھن میں اس کا اصل وزن واضح ہو جاتا ہے۔ مختلف گلوکاروں نے فلمی اور غیر فلمی ماہیوں میں الگ الگ دھنوں پر جو گیت گائے ہیں ان کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ساڈی عجب کہانی اے
بھل کے پرانے دکھڑے
نویں دنیا وسانی اے

رُکھ ساوے ساوے نہراں دے
ہن دلا تری مرضی
جتھے آکھ دئیں گا ٹھہراں دے

گھڑا بھر لیا پانی دا
پنڈ ول منہ کر کے
راہ تکنی آں ہانی دا (فلم ''میرا ماہی'')

کیوں مڑ مڑ تک دے او
بھانویں لکھ پردے کرو
ساتھوں لک نئیں سکدے او

لکناں ای پیندا اے
دل جدوں لگ جاوے
کدوں وس وچ رہندا اے

اسیں آپے ای بھل گئے آں
ترے پچھے سجناں وے
سڑکاں تے رُل گئے آں (فلم ''یکے والی'')

اسمانی تارے نیں
بازی دل والی چناں
اسی جت کے وی ہارے وے

اے چھوٹیاں راتاں نیں
عمراں مک جانیاں
نئیں اومکنیاں باتاں نیں

پھل پک گئے ٹکراں دے
رب سانوں میل دتا
اسیں کدی وی نہ وچھڑاں گے (فلم ''چن تارا'')

تک چن پیا جاندا ای
ویکھ ویکھ میرے چن نوں
پیا مکھڑا چھپاندا ای

نی تو میرے نال سجنی ایں
کی میں مثال دیاں
مینوں کنی چنگی لگنی ایں

(فلم ''دو پتر اناراں دے'')

ساڈا نازک دل ماہیا
کلیاں نوں ملے بھنورے
ساہنوں تو گئیوں مل ماہیا

گلاں پچھ نہ تو رات دیاں
اجے تک مستیاں نیں
مینوں اوسے ملاقات دیاں

(فلم ''پیشہ ور بدمعاش'')

ساڈے دل نے گواہ ماہیا
تیری میری اک جندڑی
بھانویں بت نے جدا ماہیا
(فلم ''ذیلدار'')

چٹا ککڑ بنیرے تے
کاسنی دوپٹے والیئے
منڈا صدقے تیرے تے
(غیر فلمی ''مسرت نذیر'')

یہ آٹھ گیت الگ الگ دھنوں میں گائے گئے ہیں تاہم ہر دھن سے ''ماہیے'' کا اصل وزن پوری طرح ظاہر ہو رہا ہے۔ کسی بھی گانے کی دھن میں ماہیے کا پہلا مصرعہ اٹھاتے وقت جو لے ہوتی ہے تیسرے مصرعے کو بھی اسی طرح اٹھایا جا سکتا ہے لیکن دوسرے مصرعے کو پہلے مصرعہ کے انداز میں اٹھانا چاہیں تو لے ٹوٹ جاتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ماہیے کے پہلے اور

آخری، دونوں مصرعے یکساں وزن کے ہیں لیکن دوسرا مصرعہ اس وزن میں نہیں ہے۔ میں نے پنجابی ماہیے کے بارے میں پنجابی ادبا کی کتب سے بھی استفادہ کیا ہے اور اپنے طور پر غور وخوض کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پنجابی ماہیے کا وزن پہلے مصرعے میں ''مفعول مفاعیلن'' کے مطابق ہے جبکہ دوسرے مصرعے کا وزن ''فعل مفاعیلن'' کے مطابق ہے۔ پنجاب زبان کی لچک کے باعث کہیں کہیں دوسرا مصرعہ ''فعلن مفاعیلن'' کے وزن پر بھی آ جاتا ہے۔ اردو میں یہ دونوں وزن غالباً کسی بحر میں نہیں آتے۔ اس کے باوجود پنجابی ماہیے میں مفعول/ مفاعیلن/فعل مفاعیلن/مفعول مفاعیلن کے وزن میں جو روانی اور ترنم ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔ مذکورہ بالا گیتوں کی آٹھ مختلف دھنوں میں سے کسی دھن پر بھی اس وزن کو آزما کر دیکھ لیں روانی قائم رہے گی۔

اردو میں ماہیے لکھنے والے شعرائے کرام نے پنجابی ماہیے کے دوسرے مصرعے کے حقیقی وزن پر غور کئے بغیر تین یکساں مصرعوں مفعول مفاعیلن/مفعول مفاعیلن/مفعول مفاعیلن میں ماہیے لکھے ہیں جو درست نہیں ہے۔ ابتداء میں جن شعراء نے اسے اپنایا بعد میں آنے والوں نے انہی کی تقلید کی اور یوں گذشتہ چند برسوں میں اردو ماہیا بھیڑ چال کا شکار رہا۔ تین یکساں مصرعوں میں ماہیے لکھنے والوں کو ماہیا نگاری میں سہولت تو ہوگئی لیکن اس سے پنجابی ماہیے کی روح اور جسم دونوں کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ اصل پنجابی وزن کے مطابق ماہیے لکھ کر ہمیں تھوڑی بہت محنت ضرور کرنا پڑے گی لیکن اس سے جہاں ماہیے کی ثقافتی جڑوں سے ہم منسلک ہوں گے وہیں اردو میں بھی ایک انوکھا اضافہ ہوگا۔ ماہیے کے دوسرے مصرعے کا وزن فعل مفاعیلن کی صورت میں یقیناً ایک انوکھا اور دلچسپ اضافہ ہوگا۔

اردو میں تین یکساں مصرعوں کے غلط ماہیے کے رواج سے پہلے اردو میں ہی پنجابی وزن کے مطابق ماہیے کہنے کی دو عمدہ مثالیں موجود ہیں۔ پانچویں دہائی کے اخیر اور چھٹی دہائی کے آغاز میں بھارت کی دو فلمیں ریلیز ہوئی تھیں۔ ''پھاگن'' اور ''نیا دور''۔ ان فلموں میں پنجابی وزن کے مطابق اردو ماہیے گیت کی صورت میں پیش کئے گئے تھے۔ فلم پھاگن کے ماہیے قمر جلال آبادی

نے لکھے تھے اور نیا دور کے ساحر لدھیانوی نے۔ یہاں دونوں شعراء کے مذکورہ ماہیے درج کئے دیتا ہوں تاکہ میرے بیان کردہ ماہیے کے وزن کی مزید تصدیق ہو سکے۔

قمر جلال آبادی:۔

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ

کیوں ہو گیا بیگانہ
ترا مرا کیا رشتہ
یہ تو نے نہیں جانا

میں لاکھ ہوں بیگانہ
پھر یہ تڑپ کیسی
اتنا تو بتا جانا

فرصت ہو تو آ جانا
اپنے ہی ہاتھوں سے
مری دنیا مٹا جانا

ساحر لدھیانوی:۔

دل لے کے دغا دیں گے
یار ہیں مطلب کے
یہ دیں گے تو کیا دیں گے

دنیا کو دکھا دیں گے
یاروں کے پسینے پر
ہم خون بہا دیں گے

آج سے دو سال پہلے سرگودھا کے نوجوان شاعر ممتاز عارف نے ''اوراق'' شمارہ اگست 1990ء میں اپنے ایک خط کے ذریعے اردو ماہیا نگاروں کو پنجابی کے اصل وزن کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ''اوراق'' کے اس سے اگلے شمارے میں (بابت ماہ دسمبر 1990ء) میں نے اپنے خط میں لکھا تھا۔

''ممتاز عارف نے اپنے خط میں ماہیے کے وزن کا مسئلہ اٹھایا ہے جو خاصا وزن رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے ہمارے ماہیا نگاروں کو باہم طے کر لینا چاہئے کہ انہیں اردو ماہیے کو اصل پنجابی ماہیے کی طرف رکھنا ہے یا اس کا حشر بھی ہائیکو جیسا کرانا ہے۔''

یہاں یہ دلچسپ وضاحت بھی کر دوں کہ تین یکساں مصرعوں کے ماہیے لکھنے والے

بیشتر شعراء وہی ہیں جو تین یکساں مصرعوں میں ہائیکو بھی لکھتے رہے ہیں۔اب جہاں ہائیکو کے اصل وزن کا مسئلہ حل ہو رہا ہے، ماہیے کے وزن کا مسئلہ بھی طے ہو جانا چاہئے۔اوراق میں اپنا مذکورہ بالا خط بھیجنے کے بعد میں نے اصلاح احوال کے لئے خود بھی اردو میں چند ماہیے کہے تاکہ اردو میں اصل وزن کی مثالیں سامنے آسکیں۔ یہ ماہیے ''ادبِ لطیف''، ''تجدیدِ نو''، ''صریر'' اور ''ابلاغ'' میں شائع ہوئے۔اپنے چند ماہیے اسی وزن کے حوالے سے درج کر رہا ہوں۔

مسجد ہے نہ مندر ہے
دل یہ ہمارا تو
اک دکھ کا سمندر ہے

سوہنی ہے نہ ہیر ہے وہ
اس کی مثال کہاں
آپ اپنی نظیر ہے وہ

جوگی کے نہیں پھیرے
دل جہاں آجائے
وہیں ڈال دیئے ڈیرے

مل مہکی فضاؤں سے
یار نکل باہر
اندر کے خلاؤں سے

دریا کی روانی ہے
اب مرے بیٹے میں
مری گذری جوانی ہے

تجدیدِ نو کی مدیرہ شبہ طراز خود بھی ماہیے لکھتی ہیں۔انہوں نے وزن کے معاملے میں گڑ بڑ کی نشاندہی پر حیرت کا اظہار کیا اور میرے ماہیے خوشی سے شائع کئے۔میرے موقف سے اصولی اتفاق بھی کیا لیکن ایک اور رسالے ابلاغ کی مدیرہ نے جو بدقسمتی سے پہلے تین یکساں مصرعوں کے ہائیکو لکھتی رہی تھیں اور اب تین مصرعوں کے ماہیے لکھ رہی ہیں، میرے ماہیے تو چھاپ دیئے لیکن اس کے ساتھ ہی میرے خلاف محاذ کھول دیا۔میرے لئے یہ تجربہ بیک وقت دلچسپ بھی تھا اور افسوسناک بھی۔تاہم اس مخالفت کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ دوسرے شعرائے کرام اس مسئلے کی طرف متوجہ ہوگئے اور ماہیے کے وزن پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے۔چند ماہ کی مختصر سی مدت میں اس مسئلے

پر مضامین بھی چھپنے لگے اور بعض شعرائے کرام نے پنجابی وزن کے مطابق ماہیے لکھنے شروع کر دیئے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح ہائیکو نگاروں کو اصل وزن ملحوظ رکھنا پڑا یا ہائیکو نگاری چھوڑنا پڑی اس طرح ماہیا نگار شعراء بھی جلد ہی پنجابی ماہیے کے اصل وزن کی طرف رجوع کر لیں گے اور خود ساختہ وزن ترک کر دیا جائے گا۔

جن شعراء کرام نے پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق اردو ماہیے کہے ہیں ان کے چند نمونے درج کر رہا ہوں۔

حسن عباس رضا:۔

دل اپنے کشادہ تھے
اس لئے رونا پڑا
ہم ہنستے زیادہ تھے

ہم سہمے پرندے ہیں
سبز رتوں میں بھی
پرواز سے ڈرتے ہیں

سعید شباب:۔

ہنستا ہے نہ روتا ہے
دل کا محبت میں
یہ حال بھی ہوتا ہے

اک بوند کی ہستی ہے
دل کی حقیقت کیا
بس خون کی مستی ہے

نذر عباس:۔

دو لفظ کہانی کے
کاٹے نہیں کٹتے
یہ لمحے جوانی کے

یہ سلسلہ جاری ہے
پیار کی بازی تو
جیتی کبھی ہاری ہے

اجمل جنڈیالوی:۔

مرشد سے نہ پیروں سے
رفعت ملتی ہے
پاکیزہ ضمیروں سے

مولا کی عطائیں ہوں
سامنے آنکھوں کے
طیبہ کی فضائیں ہوں

ارشد نعیم:-

شب ڈھلنے والی ہے
سورج نکلے گا
ترے مکھ پر لالی ہے

ندیا کے کنارے ہیں
ہار کے جیتے تم
ہم جیت کے ہارے ہیں

نوید رضا:-

دھرتی پہ اُگے بوٹے
جاگ پڑی آنکھیں
پر خواب نہیں ٹوٹے

کمرے میں پڑے صوفے
درد جدائی کے
مرے ساجن کے تحفے

مجھے امید ہے کہ یہ ماہیے بارش کے پہلے قطروں کی طرح ثابت ہوں گے اور وہ تمام ماہیا نگار جو اَب تک بے خبری کے باعث تین یکساں مصرعوں کے ماہیے لکھتے رہے ہیں اب ماہیے کے اصل وزن (مفعول مفاعیلن/فعل مفاعیلن/مفعول مفاعیلن/ ۔۔یا۔۔ مفعول مفاعیلن/فعلن مفاعیلن/مفعول مفاعیلن) میں ماہیے کہنے لگیں گے اور پھر اس کے اصل وزن میں اپنے بھرپور تخلیقی ممکنات کو کھل کر سامنے آنے کا موقع دیں گے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''صریر'' کراچی شمارہ۔دسمبر 1992ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہیے کے وزن کا مسئلہ

ناصر عباس نیر کو میں اردو تنقید میں ہوا کا تازہ جھونکا سمجھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ مستقبل میں اردو تنقید میں جو بیش قیمت اضافے ہوں گے ان میں ناصر عباس نیر کا اہم حصہ ہوگا۔ اپنے مضمون ''ماہیا اور اردو میں ماہیا نگاری'' (مطبوعہ ''اوراق'' مئی جون 1993ء) میں ماہیے کی ابتداء، مزاج اور خدوخال کے بارے میں انہوں نے جو باتیں کی ہیں بڑی حد تک درست ہیں۔ ماہیا ''کتابِ دل'' ہے جس کی جتنی تفسیریں لکھی جائیں اپنی جگہ ہر تفسیر اہم ہوگی سو اس لحاظ سے ناصر عباس نیر نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بھی اپنی ایک اہمیت ہے۔ مضمون کے دوسرے حصہ میں ماہیے کے وزن کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے ناصر عباس نیر درست نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ پنجابی ماہیے کے وزن کو سمجھنے میں جو دھوکہ ہو رہا ہے اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ اردو زبان میں ملفوظی اور غیر ملفوظی حروف کی پوری وضاحت موجود ہے۔ غیر ملفوظی حروف کو تقطیع میں شمار نہیں کیا جاتا۔ علم عروض میں اس کی باقاعدہ نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اردو کے برعکس پنجابی زبان میں ایسے اصول اور ضابطے موجود نہیں ہیں۔ پنجابی شاعری میں متعدد ایسے حروف کو گرا دیا جاتا ہے جو اردو میں ملفوظی شمار کئے جاتے ہیں اور حسب ضرورت متعدد ایسے حروف کو کھینچ کر لمبا کر لیا جاتا ہے جو اردو میں غیر ملفوظی ہیں۔ پنجابی زبان میں پائی جانے والی اس لچک کے باعث ماہیے کو کتابی سطح پر سمجھنے میں دھوکہ ہو رہا ہے۔ ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

''اگرچہ حیدر قریشی کے موقف سے ہم آہنگ پنجابی ماہیوں کی کثیر تعداد موجود ہے تاہم ایسے ماہیے بھی افراط سے مل جاتے ہیں جن کی تینوں لائنیں مساوی الوزن ہیں''......

تینوں لائنیں مساوی الوزن اس لئے دکھائی دیتی ہیں کہ ہم انہیں اردو عروض کے پیمانے سے

دیکھتے ہیں جس طرح ''ڈرامہ'' بنیادی طور پر ایسا کھیل جسے دیکھا جا سکے اور محض کتابی ڈرامہ خود ڈرامہ نگاری کے ساتھ ایک مذاق ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈرامہ اسٹیج نہ کیا گیا ہو یا فلمایا نہ گیا ہو تاہم اصل ڈرامہ وہی ہے جو اسٹیج کیا جا سکتا ہو یا فلمایا جا سکتا ہو۔ کچھ اسی انداز میں سمجھ لیں کہ ماہیا بنیادی طور پر گائی جانے والی لوک شاعری ہے اور اس کی اپنی مخصوص دھنیں ہیں۔ اس کی اصل دھن تو وہ ہے جس میں پنجاب کی دیہاتی عورتیں آج بھی شادی بیاہ کے موقع پر مزے مزے سے ماہیے گاتی ہیں۔ اسی دھن میں مسرت نذیر نے غیر فلمی ماہیے گائے تھے۔ (چٹا ککڑ بنیرے تے) جب فلم والوں کو ماہیے کی غنائیت اور مٹھاس کا اندازہ ہوا تو انہوں نے بھی متعدد فلموں میں ماہیے پیش کئے۔ ان ماہیوں میں بھی ماہیے کی اصل دھن کو ملحوظ رکھتے ہوئے نئی دھنیں تیار کی گئیں۔ فلمی دھنیں ہوں یا پنجاب کی دیہاتی عورتوں کی ماہیے والی خاص دھن ہو۔ ماہیے کی کسی بھی معروف دھن میں اس کا اصل وزن با آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ جب گائے گئے تینوں مصرعوں کا الگ الگ وزن نکالا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ دوسرا مصرعہ جسے ہم پہلے اور تیسرے مصرعوں کے مساوی الوزن سمجھ بیٹھے ہیں درحقیقت مساوی الوزن نہیں ہے بلکہ تھوڑا سا کم ہے۔ اردو عروض کے برعکس پنجابی زبان کی لچک کے باعث ہم گائیکی میں اس کا وزن بخوبی سمجھ سکیں گے۔ ناصر عباس نیر کا پیش کردہ ایک پنجابی ماہیا ہے۔

کوٹھے اتوں اڈ کانواں
سد پٹواری نوں
جند ماہیے دے ناں لانواں

اگر تینوں مصرعے مساوی الوزن ہیں تو ماہیے کی ساری دھنوں میں آزما کر دیکھ لیں آپ پہلا مصرعہ ٹھیک لَے میں اٹھا لیں گے۔ تیسرے مصرعے کو بھی پہلے مصرعے کی لَے میں اٹھانا چاہیں تو کوئی دقت نہ ہوگی کیونکہ پہلا اور تیسرا دونوں مصرعے یکساں وزن کے ہیں لیکن اگر آپ دوسرے مصرعے کو بھی پہلے مصرعے کی لَے پر اٹھانا چاہیں تو پہلے لفظ پر ہی شدید جھٹکا لگے گا۔ وجہ یہی ہے کہ دوسرا مصرعہ وزن میں ''ایک سبب'' کم ہونے کے باعث پہلے مصرعے کی لَے پر پڑھا ہی

نہیں جا سکتا لیکن ناصر عباس نیر وزن کی اس نزاکت پر شاید پوری طرح غور نہیں کر سکے چنانچہ میری اس وضاحت اور دلیل کے باوجود لکھتے ہیں۔

''حیدر قریشی جسے لے کا ٹوٹنا کہتے ہیں وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ماہیے کی پہلی اور تیسری لائن ہم وزن ہونے کے ساتھ ہم قافیہ بھی ہوتی ہے جبکہ دوسری لائن ہم قافیہ نہیں ہے۔''

کاش ایسا ہوتا اور میں خوشی کے ساتھ اپنی غلطی یا بے خبری کا اقرار کر لیتا۔ اگر میں صرف غزل کا شاعر ہوتا اور جدید نظم سے بالکل بے بہرہ ہوتا تب بھی میں اس بات کو مان لیتا۔ میں نے دو چار اچھی نظمیں لکھی ہوں یا نہ لکھی ہوں لیکن میں جدید نظم کا ایک اچھا قاری ضرور ہوں۔ اس لئے قافیے کی عدم موجودگی سے مجھے کوئی دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرے مصرعے کو لے پر اٹھانا چاہیں تو پہلے لفظ پر ہی جھٹکا لگتا ہے اور کسی مصرعے کے شروع میں تو قافیے کا کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا۔......تنویر بخاری اور ڈاکٹر ہوشیار پوری کے درمیان چونکہ ماہیے کے پہلے مصرعے کو ہی معیار سمجھ کر اس کی بحر کے تعین کی بحث چل نکلی تھی۔ اس لئے دونوں میں سے کسی نے بھی دوسرے مصرعے کے وزن کے فرق کی نزاکت پر دھیان نہیں دیا۔

میرے نزدیک ماہیے کا وزن کسی پنجابی یا غیر پنجابی دانشور نے طے نہیں کرنا صرف اسے دریافت کرنا ہے کیونکہ پنجابی ماہیے کا اصل وزن اس کے اندر موجود ہے۔ جو بھی ماہیے کی مخصوص دھنوں کے ذریعے اسے جاننا چاہے، جان سکتا ہے۔ تنویر بخاری اور ڈاکٹر جمال دونوں کی بیان کردہ بحریں اردو عروض کے لحاظ سے الگ الگ ہیں لیکن پنجابی زبان کی لچک کے باعث ڈاکٹر جمال والی بحر میں بھی ماہیا سما جاتا ہے۔

تنویر بخاری: مفعول مفاعیلن (مف+عول+مفا+عی+لن) = تین سبب اور دو وتد
ڈاکٹر جمال: فعلن فعلن فعلن (فع+لن+فع+لن+فع+لن) = چھ سبب

تنویر بخاری کے تین سبب اور دو وتد مجموعی طور پر چھ سبب کے برابر ہی بنتے ہیں......ڈاکٹر جمال کی بحر کو ماہیے کی دھن میں گائیں تو گا سکتے ہیں اور اس کے دوسرے مصرعے میں آسانی سے ایک سبب کم رکھا جا سکتا ہے۔

فعلن فعلن فعلن	کوٹھے اتوں اڈ کاواں
فعلن فعلن فع	سد پٹواری نوں
فعلن فعلن فعلن	جند ماہیے دے ناں لاواں

ماہیے کی ایک دو نہیں بیس بحریں بیان کر دی جائیں ہر وہ بحر درست ہے جس میں ماہیا اپنی مخصوص دھن میں گایا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر جمال اور تنویر بخاری کی بحروں کے حساب سے ماہیے کے دوسرے مصرعے کا وزن یوں بنے گا۔

تنویر بخاری: فعل مفاعیلن (فعل + مفا + عی + لن) دو وتد + دو سبب

ڈاکٹر جمال: فعل فعلن فع (فع + لن + فع + لن + فع) پانچ سبب

یہ عجیب بات ہے کہ میں نے محض ماہیے کی دھن کی بنیاد پر جو ماہیے کہے ہیں ان میں سے بعض میں دوسرے مصرعے میں دو وتد اور دو سبب آئے ہیں مثلاً

مستی ہے ہواؤں میں
رات کی رانی کی
خوشبو ہے فضاؤں میں

اور بعض میں پانچ سبب آئے ہیں۔اس کا مطلب ہے دونوں ماہرین کی دریافت کردہ بحروں سے دوسرے مصرعے کا جو اصل وزن بنتا ہے وہ از خود میرے ماہیوں میں آتا رہا ہے اور ماہیے میں اس تصرف کی گنجائش موجود ہے۔میرے ماہیوں کے دوسرے مصرعے میں پانچ سبب آنے کی ایک مثال بھی دیکھ لیں۔

دن وصل کے تھوڑے ہیں
جی بھر کر مل لو
پھر لمبے وچھوڑے ہیں

اردو شاعری کی تین بڑی روایات گیت، غزل اور نظم مجھے ماہیے میں یک جا ہوتی دکھائی دے رہی ہیں۔ماہیا بنیادی طور پر ایک چھوٹی سی نظم ہے لیکن اس میں تین مصرعوں کے باوجود پہلے

اور آخری مصارع میں قافیہ ردیف کا التزام اسے غزل کے شعر کے قریب کر دیتا ہے۔پھر کوزے میں دریا بند کرنے کا غزل کے شعر کا وصف بھی ماہیے میں موجود ہے۔مزاجاً ماہیا گیت جیسا ہے۔(اس حقیقت کا اظہار ناصر عباس نیر نے بھی کیا ہے) لہٰذا اگر اردو میں اس صنف کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا تو اس کے وسیع تر امکانات کھل کر سامنے آئیں گے لیکن اس کے لئے بے حد ضروری ہے کہ اس کی بنیادی اینٹ درست رکھی جائے۔اس کے وزن کے معاملے میں دو طرح کے موقف سامنے آئے ہیں۔ایک تو وہ ادیب جو غلط فہمی کے باعث نیک نیتی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید ماہیے کے تینوں مصارع ہم وزن ہیں۔ان کی غلط فہمی کو اس طرح کے مضامین اور ادبی مباحث سے دور کیا جا سکتا ہے۔دوسرے وہ شعرائے کرام ہیں جو پہلے تو بے خیالی اور لاعلمی کے باعث تین یکساں وزن کے مصارع میں غلط ماہیے لکھتے رہے لیکن جب انہیں غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی تو بجائے غلطی کی اصلاح کرنے کے اسے حق بجانب ثابت کرانے پر تل گئے۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ''اوراق'' لاہور، شمارہ نومبر دسمبر 1993ء)

نوٹ: یہ مضمون ''اوراق'' میں خطوط کے صفحات میں شائع کیا گیا۔

☆☆☆☆

ماہیے کے بارے میں چند باتیں

ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے جس کی ایک مخصوص دھن ہے اس کی گائیکی میں نئے نئے تجربے کئے گئے۔ان سب میں بھی اس کی مخصوص دُھن کی بنیاد قائم رکھی گئی۔ ماہیے کو گہری نظر سے نہ دیکھا جائے تو یہ تین مساوی الوزن مصرعوں کی مختصر نظم دکھائی دیتی ہے لیکن اس کی مخصوص دُھن میں چھپے ہوئے اس کے اصل وزن کو دریافت کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پہلا اور تیسرا مصرع مساوی الوزن ہیں لیکن درمیان والا دوسرا مصرع اس وزن سے دو حرف کم ہے۔ پنجابی ماہیوں کو پاکستانی گلوکارہ مسرت نذیر نے ان کی مخصوص دیہاتی دھن میں گایا تھا۔ چٹا ککڑ بنیرے تے۔۔۔اسی دُھن کے وزن کے مطابق قمر جلال آبادی نے فلم ''پھاگن'' میں اردو ماہیے پیش کئے تھے۔تم روٹھ کے مت جانا/ مجھ سے کیا شکوہ/ دیوانہ ہے دیوانہ (آوازیں: محمد رفیع اور آشا بھوسلے) نئے ماہیا نگار اگر وزن کی تفہیم میں کوئی الجھن محسوس کرتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ مسرت نذیر کے مذکورہ پنجابی گیت یا فلم ''پھاگن'' کے اس گیت کی دُھن کو ذہن نشین کر لیں۔ پھر انہیں درست پنجابی وزن کے ماہیے کہنے میں کوئی دقت نہ ہوگی بلکہ خود بخود روانی آتی جائے گی۔

اردو ماہیے کو تین یکساں مصرعوں کی نظم سمجھ لینے کی غلطی کے باعث اس میں بے جا تصرف اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ شعراء کرام نے اپنی مرضی کی بحروں میں تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی لکھ کر ان پر ماہیے کا عنوان چپکا دیا اس سلسلے میں یہ چند مثالیں بطور نمونہ پیش ہیں۔

اگرچہ اب قفس میں بھی نہیں ہوں
میں نیلے پانیوں پر کیا اڑوں گا
کہ اپنی دسترس میں بھی نہیں ہوں (مطبوعہ ''اوراق'' لاہور)

روشنی کا کہیں لشکر بھی نہیں
شب مرے شہر سے گذری لیکن
جاگتی صبح کا منظر بھی نہیں (مطبوعہ ''نئی شناخت'' کٹک)

بے آس نہ ہو کر جی
آئے گی تری منزل
کھا کھا کے تو ٹھوکر جی (مطبوعہ ''کتاب نما'' نئی دہلی)

شجر سے ٹوٹا
سکوت جیسے
حجر سے ٹوٹا (مطبوعہ ''گلبن'' احمد آباد)

ان ساری بحروں میں کہی جانے والی نظموں کو اور جو مرضی کہہ لیجئے یہ ماہیے ہرگز نہیں ہیں۔اصل ماہیا وہی ہے جو پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق ہوگا۔

کوٹھے اتوں اڈ کانواں
سد پٹواری نوں
جند ماہیے دے ناں لانواں

پاکستان میں اوراق، صریر اور تجدید نو میں ماہیے کی بحث کھل کر ہو رہی ہے اور اس کے نتیجہ میں شعراء کرام اصل وزن کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ پاکستان میں سعید شباب، شبہ طراز، اجمل جنڈیالوی، غزالہ طلعت، ارشد نعیم، نوید رضا، نذر عباس اور حیدر قریشی کے اصل وزن والے ماہیے چھپ چکے ہیں۔ بھارت میں نذیر فتح پوری اور رشید اعجاز نے اصل وزن کے ماہیے کہے ہیں۔صدف جعفری اور وقیع منظر نے بھی اصل وزن کے مطابق چند ماہیے پیش کئے ہیں۔اصل وزن کی وضاحت میں پانچ مضمون چھپ چکے ہیں۔ بھارت کے جن شعراء کو ابھی تک ماہیے کے

اصل وزن کا علم نہیں ہوسکا تھا، امید ہے کہ وہ اب اردو میں ماہیے کہتے وقت پنجابی ماہیے کے اصل وزن کو ملحوظ رکھیں گے کیونکہ اصل وزن سے انحراف والے ماہیے صرف ثلاثی کہلائیں گے۔

(مطبوعہ۔ دوماہی ''گلبن'' احمد آباد شمارہ مئی جون 1994ء)

☆☆☆☆

اردو میں ماہیا نگاری

ادب میں نئے تجربات اس کی بقا اور ارتقا میں ہمیشہ اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ بے جان اور پھیکے تجربات چند دنوں کے شور شرابے کے بعد اپنی موت آپ مرجاتے ہیں جبکہ صحت منداور زبان سے موافقت رکھنے والے تجربات نئے ادب کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ اردو میں ہائیکو کا مزاج جو جاپان کے فکری پس منظر سے مرتب ہوا تھا اسے نظر انداز کر دیا گیا بلکہ اس پر غور ہی نہیں کیا گیا۔ ہائیکو کے وزن کے معاملہ میں ۵، ۷، ۵ سلیبلز کی پابندی تو درکنار یار لوگوں نے تین یکساں وزن کے مصرعوں کی نظمیں لکھ کر انہیں ہائیکو قرار دے دیا۔ جب ان غلطیوں کی نشاندہی کی گئی تو بعض شعراء نے ہائیکو کو چھوڑ کر ماہیا نگاری شروع کر دی۔ ہائیکو کے مزاج کے مسئلہ کے برعکس ماہیے میں یہ خوبی موجود ہے کہ اس کا مزاج پنجاب کی مٹی میں گندھا ہوا ہے اور اردو میں اسے آسانی سے اور خوبصورتی سے رائج کیا جاسکتا ہے لیکن تین یکساں مصرعوں کے ہائیکو لکھنے والوں نے ماہیے کے وزن پر بھی غور کئے بغیر تین یکساں مصرعوں کے ماہیے لکھنا شروع کر دیئے۔

ماہیا بنیادی طور پر لوک شاعری ہے۔ پنجاب کے دیہات میں شادی بیاہ کے مواقع پر آج بھی ماہیے بڑے شوق سے گائے جاتے ہیں۔ ماہیا کی اپنی ایک مخصوص دھن ہے۔ مسرت نذیر کے گائے ہوئے ماہیے ''چٹا ککڑ بنیرے تے'' اسی مخصوص دھن میں گائے گئے ہیں۔ متعدد پاکستانی اور بھارتی فلموں میں بھی ماہیے بطور گیت گائے گئے ہیں۔ ان فلمی گیتوں میں موسیقی کے مختلف تجربات کرنے کے باوجود ماہیے کی بنیادی دھن کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس دھن کے مطابق ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں کا وزن برابر ہوتا ہے لیکن دوسرے مصرعے کا وزن اس سے دو حرف یعنی ''ایک سبب'' کم ہوتا ہے۔

کوٹھے اتوں اڈ کانواں

سد پٹواری نوں

جند ماہیے دے ناں لانواں

اردو زبان میں زحافات کی نشاندہی کر دی گئی ہے چنانچہ شاعری میں ایسے حروف کو حسب ضرورت گرایا جا سکتا ہے۔ پنجابی زبان میں چونکہ ایسا کوئی کلیہ موجود نہیں پھر اس زبان میں لچک بھی بہت ہے اس لئے اس میں متعدد ایسے حروف کو بھی گرا دیا جاتا ہے جو اردو میں زحافات میں شامل نہیں۔ زبان کی اس لچک کے باعث پنجابی کے بعض ماہیوں سے یہ دھوکہ ہوا کہ شاید تین یکساں وزن کے مصرعے پنجابی ماہیے میں رائج ہیں۔ اس مغالطے کو ماہیے کی مخصوص دھن پر آزما کر آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اپنی بات کو مثال دے کر واضح کرتا ہوں۔

چٹا ککڑ بنیرے تے

کاسنی دپٹے والیئے

منڈا صدقے تیرے تے

اس ماہیے کی گائیکی میں پہلے مصرعے کو معیار مقرر کر لیجئے۔ اسی لے میں اگر آپ تیسرے مصرعے ''منڈا صدقے تیرے تے'' کو اٹھانا چاہیں تو باآسانی اٹھا لیں گے کیونکہ پہلا مصرعہ اور تیسرا مصرعہ دونوں ہم وزن ہیں لیکن اسی لے پر اگر آپ دوسرے مصرعے (کاسنی دپٹے والیئے) کو اٹھانا چاہیں تو فوراً جھٹکا محسوس ہوگا اسی مقام پر ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے فرق کی نزاکت کا پتہ چل جاتا ہے۔

اردو میں ماہیا نگاری کے شوق میں تین یکساں مصرعوں کی جو نظمیں لکھی گئیں ان میں بھی شعرائے کرام نے دریا دلی سے کام لیتے ہوئے من چاہی بحروں میں ماہیے ایجاد کر ڈالے۔ پنجابی ماہیے کے وزن کا خون کرنے والی چند مثالیں پیش ہیں۔

روشنی کا کہیں لشکر بھی نہیں

شب مرے شہر سے گذری لیکن

جاگتی صبح کا منظر بھی نہیں

(ماہیے از شارق جمال ناگپوری۔ مطبوعہ ماہنامہ ''نئی شناخت'' کٹک بھارت جلد نمبر ۱، شمارہ ۲)

اگرچہ اب قفس میں بھی نہیں ہوں

میں نیلے پانیوں پر کیا اڑوں گا

کہ اپنی دسترس میں بھی نہیں ہوں

(ماہیے از حسن عباس رضا۔ مطبوعہ ماہنامہ ''اوراق'' لاہور جون جولائی 1992ء)

آوارہ خیالوں سے

کیا حال ہوا میرا

خود اپنی ہی سوچوں سے

(ماہیے از دیپک قمر مجموعہ کلام دیپک قمر)

شجر سے ٹوٹا

سکوت جیسے

حجر سے ٹوٹا

(ماہیے از فیروز مرزا مطبوعہ دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد، جولائی، اگست 1993ء)

پنجابی ماہیے کے دوسرے مصرعے میں دو حروف کم ہونے کا جو نازک سا فرق ہے اسے عام اردو دان اگر نہیں سمجھ پائے تھے تو اردو میں بھی ایسے ماہیوں کی مثالیں پہلے سے موجود تھیں جن میں پنجابی ماہیے والے وزن کو برتا گیا تھا۔ قمر جلال آبادی نے فلم پھاگن کے لئے اور ساحر لدھیانوی نے فلم ''نیا دور'' کے لئے جو ماہیے لکھے تھے وہ نہ صرف پنجابی وزن کے مطابق تھے بلکہ ان کی دھنوں میں بھی پنجابی ماہیے کی بنیادی دھن کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ اردو کے ماہیا نگار اگر ان کے ماہیوں کے وزن پر ہی غور کر لیتے تو ماہیے کے نام پر تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی کے ڈھیر نہ لگا دیتے۔ مذکورہ دونوں شعراء کے اردو ماہیے دیکھ لیں جو پنجابی ماہیے کے وزن کے عین مطابق ہیں۔

دل لے کے دغا دیں گے
یار ہیں مطلب کے
یہ دیں گے تو کیا دیں گے
(ساحرلدھیانوی)

تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ
(قمرجلال آبادی)

اردو ماہیے میں وزن کی درستی کے مسئلہ کی طرف توجہ دلانے کے بعد متعدد ادباء نے ہمارے موقف کی تائید کی ہے۔سعید شباب، افتخار احمد، خاور اعجاز، ملاپ چند، زاہد عباس، وحید انور، ناصر عباس نیر،غزالہ طلعت، پروفیسر عرش صدیقی اور ڈاکٹر فہیم اعظمی نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بیشتر مضامین اور تاثرات ماہنامہ ''صریر''، ماہنامہ ''تجدید نو'' ماہنامہ ''اوراق'' اور ''ہند سماچار'' (جالندھر) میں شائع ہوئے۔ بحث کھل کر ہوئی تو ماہیا نگاروں نے اصل وزن پر غور کیا چنانچہ اب ماہیا نگاروں کی اکثریت اصل وزن کو ملحوظ رکھنے لگی ہے۔متعدد ماہیا نگاروں نے اصل وزن سے اپنی بے خبری کا اقرار کر کے درست وزن میں ماہیے کہے ایسے شعراء میں خاص طور پر بھارت سے رسالہ ''اسباق'' کے مدیر نذیر فتح پوری اور پاکستان سے رسالہ ''تجدید نو'' کی مدیرہ شبہ طراز قابل ذکر ہیں۔آخر میں درست وزن کو ملحوظ رکھنے والے ماہیا نگاروں کی چند مثالیں جن سے ماہیے کے وزن کو سمجھنے میں مزید آسانی ہوگی۔

گیتوں کی روانی ہے
بحر یہی یارو
ماہیے کی نشانی ہے
(سعید شباب)

امواج کے دھاروں تک
اپنی کہانی ہے
طوفان سے کناروں تک
(نذیر فتح پوری)

لفظوں پہ نہ جا بابا
عقل کی باتیں کیا
سن دل کی صدا بابا
(رشید اعجاز)

بھادوں کا مہینہ ہے
حبس کی نگری میں
دم سادھ کے جینا ہے
(امین خیال)

ہر بات بنا لے گا
اس کا زمانہ ہے
جو رنگ جما لے گا
(خاور اعجاز)

آنکھوں میں اداسی ہے
میری طرح شاید
دھرتی بھی پیاسی ہے
(ارشد نعیم)

میں تم کو سزا دیتی
پھول اگر ہوتے
کاپی میں چھپا لیتی
(شبہ طراز)

مرشد سے نہ پیروں سے
رفعت ملتی ہے
پاکیزہ ضمیروں سے
(محمد اجمل جنڈیالوی)

کمرے میں پڑے صوفے
درد جدائی کے
مرے ساجن کے تحفے
(نوید رضا)

سچائی گماں جیسی
رب نے بنائی نہیں
نعمت کوئی ماں جیسی
(غزالہ طلعت)

ہم سہمے پرندے ہیں
سبز رُتوں میں بھی
پرواز سے ڈرتے ہیں
(حسن عباس)

پھولوں سے بھری جھولی
چاند ستاروں کی
پنگھٹ پہ کھڑی ٹولی
(نذر عباس)

کھیتوں میں کھلی سرسوں
داغ جدائی کے
مٹ سکتے نہیں برسوں
(رستم نامی)

چنبیلی کی کلیاں تھیں
اپنی جوانی تھی
اور شہر کی گلیاں تھیں
(حیدر قریشی)

ان تمام ماہیا نگاروں کے یہ ماہیے اور ایسے ہی دیگر ماہیے پنجابی کے وزن کے مطابق ہیں۔ان سب کو ماہیے کی مخصوص دھن پر روانی سے گایا/ گنگنایا جا سکتا ہے۔ایسے تمام اردو ماہیے جو

پنجابی کی دھن پر آسانی سے گنگنائے جا سکتے ہیں وہی درست ماہیے ہیں۔ اردو میں تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی کو اور جو نام دے دیا جائے لیکن وہ ماہیے نہیں ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ ہماری تھوڑی سی محنت کے نتیجہ میں تین چار سال کے عرصہ میں ہی نہ صرف ماہیے کے وزن کے سلسلہ میں غلط فہمی دور ہوئی ہے بلکہ ماہیا نگاروں نے اصلاح احوال کے لئے درست وزن کو اپنا کر اردو ماہیے کے مزید امکانات کا در وا کر دیا ہے۔ وزن کی درستی کا مسئلہ طے ہونے کے بعد اب امید ہے کہ اردو ماہیا اپنے اصل مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے موضوعاتی تنوع کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا اردو شاعری کی ایک مقبول صنف بن جائے گا لیکن اس کے لئے ہمارے ماہیا نگاروں کو خاصی ریاضت کرنا ہوگی۔

(مطبوعہ ڈیلی جنگ، لندن ادبی صفحہ 2 جون 1994ء)

محبت کے پھول

(پیش لفظ)

ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے۔ شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں پنجاب کے دیہات میں ماہیے بڑے شوق سے گائے جاتے ہیں۔ ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ ہم وزن ہوتا ہے جبکہ درمیانی مصرعہ اس وزن سے ایک ''سبب'' یعنی دو حرف کم ہوتا ہے۔ پنجابی زبان اتنی لچکدار ہے کہ اس کے الفاظ کو ضرورت کے مطابق کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے اور الانگ بھی لیا جاتا ہے۔ زبان کے اس لچکیلے پن کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ پنجابی ماہیے کے تینوں مصرعے ہم وزن ہیں اور بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعے سے بڑھ بھی جاتا ہے۔ ایسی غلط فہمیاں ان لوگوں میں پیدا ہوئیں جنہوں نے ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھا لیکن جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے کہ ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے۔ اس لوک گیت کی اپنی ایک مخصوص دھن ہے بہت سارے فلمی گیتوں میں ماہیے پیش کرتے وقت نئے نئے تجربات بھی کئے گئے لیکن تمام تجربات میں ماہیے کی بنیادی دھن کو ملحوظ رکھا گیا چنانچہ ماہیے کی تمام فلمی اور غیر فلمی دھنوں میں اس کی بنیادی دھن کی روح موجود ہے اسی روح سے ماہیے کے وزن کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعے سے ایک سبب کم ہوتا ہے۔

اردو میں ماہیے کا وزن ابھی تک ان دو صورتوں میں سامنے آیا ہے اور یہ دونوں وزن پنجابی ماہیے کے مطابق درست ہیں۔

۱۔ فعلن فعلن فعلن — کچھ رشتے ٹوٹ گئے

فعلن فعلن فع — برتن مٹی کے
فعلن فعلن فعلن — ہاتھوں سے چھوٹ گئے

۲۔ مفعول مفاعیلن — مل مہکی فضاؤں سے
فعل مفاعیلن — یار نکل باہر
مفعول مفاعیلن — اندر کے خلاؤں سے

اردو میں ماہیا نگاری کی موجودہ لہر کا آغاز اسی کی دہائی میں ہوا۔تب شعرائے کرام نے پنجابی ماہیے کے وزن کی نزاکت پر غور کئے بغیر تین یکساں وزن کے مصرعوں کے انبار لگانے شروع کر دیئے۔کسی بھلے مانس کو اتنا خیال بھی نہ آیا کہ کبھی اپنے ''ماہیوں'' کو ماہیے کی دھن میں گنگنا کر بھی دیکھ لے۔ 1990ء میں جب ماہیے کے اصل وزن کی طرف توجہ دلائی گئی تو تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی ماہیے کے نام سے پیش کرنے والے شعراء کرام نے بجائے اصلاح کے برہمی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔تب میں نے ایک طرف ادبی رسائل میں وضاحتی خطوط اور مضامین چھپوائے تو دوسری طرف پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق اردو میں بھی ماہیے پیش کرنا شروع کر دیئے۔

میں ابتدائی تین چار برسوں میں صرف ۴۲ ماہیے کہہ سکا۔وجہ یہ تھی کہ میں ماہیے کہنے کیلئے بھی اپنے تخلیقی لمحوں کی آمد کا منتظر رہتا تھا۔یہ اولین بیالیس ماہیے میرے دوسرے شعری مجموعہ ''عمر گریزاں'' میں میری غزلوں اور نظموں کے ساتھ چھپ چکے ہیں۔بعد میں ماہیے کی بحث مزید آگے بڑھی تو اس سے مجھے تحریک ملی اور جب شعراء کی بھاری اکثریت غلط وزن کو چھوڑ کر (میرے بیان کردہ) اصل پنجابی ماہیے والے وزن کو اپنانے لگی تو اس سے بھی مجھے داخلی طور پر خاصی تقویت ملی۔چنانچہ وقفے وقفے سے آنے والی متعدد تخلیقی لہروں نے میری ماہیوں کی دو سینچریاں پوری کر دیں تو میں نے انہیں کتابی صورت میں پیش کرنے کا ارادہ کرلیا۔

پنجابی ماہیے کا پہلا موضوع تو اپنے ماہی سے باتیں کرنا اور اپنے ماہی کی باتیں کرنا ہی

ہے۔ان میں محبوب کے حسن و جمال کی باتیں، پیار کے اقرار اور پیار میں تکرار کی باتیں،عہد و پیمان،ہجر، وصال، گلے،شکوے اور معاملہ بندی کی حد تک پہنچی ہوئی چھیڑ چھاڑ کی باتیں شامل ہیں۔شادی بیاہ کے موقع پر مختلف انسانی جذبات کا اظہار بھی ماہیوں میں ہوتا ہے۔ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی تو حمد،نعت،منقبت اور دعائیں بھی ماہیے کے روپ میں کہی گئیں۔زندگی کے مسائل دکھ سکھ،غم اور خوشیاں اور رشتہ داریاں بھی ماہیے کا موضوع بنتی گئیں۔ماہیے میں جو بات بھی کہی جاتی ہے فلسفیانہ انداز کے بجائے دل میں اتر جانے والے انداز سے کہی جاتی ہے۔میرے اردو ماہیے، پنجابی ماہیے کی اسی روایت سے جڑے ہوئے ہیں۔سرائیکی النسل ہونے کے باوجود میری مادری زبان پنجابی ہے اس لئے پنجابی ماہیے کی روایت میرے اندر رچی بسی ہوئی ہے۔اس روایت سے منسلک رہ کر اردو میں ماہیے کہنے کے بعد مجھے ہمیشہ تخلیقی آسودگی کا احساس ہوا ہے۔باقی خوب سے خوب تر کی لگن تو آخر دم تک رہتی ہے۔

یوں تو ہر ماہیا اپنی جگہ مکمل نظم ہوتا ہے تاہم میرے بعض ماہیے ایک ہی موضوع کے تحت ایک ہی لڑی میں ہوتے گئے۔اپنے مولا کے حضور،سوہنی دھرتی،مکالمے کی صورت میں،ایک باغ میں ملنے والی ایک لڑکی،۵ جولائی ۱۹۷۷ء، شادی بیاہ، پھر وہی داستاں اور اکتساب کے عنوان سے جو ماہیے اس کتاب میں شامل ہیں سب اپنی اپنی موضوعاتی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں اور یہ ماہیے اسی تسلسل میں ہوئے تھے جبکہ باقی سارے ماہیے لخت لخت ہوئے تھے۔

''محبت کے پھول'' مرتب کرتے وقت میں نے ان ماہیوں کے موڈ اور موضوع کے مطابق الگ الگ سیٹ بنائے تو یہ بھی بڑی حد تک اپنے اپنے عنوان سے مربوط نظر آنے لگے۔تاہم یہ ماہیے بنیادی طور پر الگ الگ ہیں۔آپ جیسے چاہیں انہیں پڑھ سکتے ہیں۔

کیا ''محبت کے پھول'' کے ماہیے پنجابی ماہیے کے وزن،مزاج اور روح کے مطابق ہونے کے ساتھ ماہیا نگاری میں کسی نئی خوشبو کا احساس دلاتے ہیں؟اس کا فیصلہ محبت کرنے والے قارئین نے کرنا ہے۔

(مطبوعہ ماہیوں کا مجموعہ ''محبت کے پھول'' ۱۹۹۶ء)

خط بنام ایڈیٹر ماہنامہ تجدید نو، لاہور

(یہ خط تجدید نو میں شائع نہیں ہو سکا)

محترمہ عذرا اصغر صاحبہ، سلام مسنون

''تجدید نو'' کا ''المیہ کراچی نمبر'' موصول ہوا۔ اس موضوع کے حوالے سے میرا خط شائع کرنے کا شکریہ۔ میں نے جولائی کے ''تجدید نو'' میں ایک صاحب کی بدنیتی اور غلط بیانیوں کی نشاندہی کر کے حقیقت واضح کی تھی۔ اس کے جواب میں موصوف اس بار خاصے مغلوب الغضب نظر آ رہے ہیں۔ میں نے پانچ اہم نکات اٹھا کر ان کی تضاد بیانی یا جھوٹ کو ثابت کیا تھا۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی انہوں نے جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس کی بجائے انہوں نے نمبر لگا کر 9 ایسے نتائج میرے خط سے اخذ کئے ہیں جس میں سے ایک بھی میرے خط میں نہیں ہے۔ میرا خط جولائی کے ''تجدید نو'' میں چھپا ہوا موجود ہے۔ آخر موصوف کس کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں؟ موصوف نے حمایت علی شاعر، ڈاکٹر فہیم اعظمی اور احمد صغیر صدیقی کو بھی بلا وجہ گندا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نو کے نو نکات اور ان کا غیر مہذب لہجہ ان کے اندر کے مسئلے کو نمایاں کر رہا ہے۔ میں پہلے بھی ان کے جھوٹ نشان زد کر چکا ہوں۔ اب مذکورہ بالا نو نکات کے علاوہ (جو جھوٹ کا پلندہ ہیں) ان کا ایک اور جھوٹ بھی نشان زد کئے دیتا ہوں۔ موصوف لکھتے ہیں۔

''حیدر قریشی صاحب نے لکھا ہے کہ جب ماہیا تحریری صورت میں ہی موجود نہیں تھا تو اس کے وزن کا کیسے پتہ چل سکتا ہے'' (ص۱۲۴) یہ بندر کی بلا طویلے کے سر کیوں؟ میرے خط مطبوعہ جولائی 1996ء کے دوسرے نکتے کو دیکھ لیں۔ یہ خود ان کے اپنے الفاظ تھے جو میں نے کاماز

میں درج کر کے پھر اس پر اپنا موقف واضح کیا ہے لیکن موصوف کا کمال دیکھ لیں کہ بڑی دلیری سے ''اپنا فرمان'' میرے کھاتے میں ڈال کر حکم صادر کرنے لگے ہیں۔

میں نے ان کی اس غلط بیانی کی نشاندہی کی تھی کہ وہ بے جا طور پر نثار ترابی کی کتاب کو ماہیوں کا اولین مجموعہ قرار دے رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کسی ندامت کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

میں نے لکھا تھا کہ موصوف اپریل 1993ء میں دونوں اوزان کے ماہیے رائج ہونا مان چکے تھے۔ اب صرف تین ہم وزن مصرعوں کے ماہیوں کو ماہیا قرار دے رہے ہیں۔ موصوف نے اپنے اس تضاد کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اپنے اپریل 1996ء والے خط میں میں نے لکھا تھا ''مزے کی بات یہ ہے کہ ساحر لدھیانوی کی مثال پہلے پہل اس طبقے کی طرف سے دی گئی تھی جو تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی ماہیے کے نام سے پیش کر رہے تھے تب ہم نے انہیں یہ بتایا تھا کہ یہ مثال ہمارے حق میں جاتی ہے۔''

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کے بعد یا تو موصوف تحقیق کر کے ہماری دلیل کو رد کرتے یا شرافت سے مان لیتے لیکن دیکھیں اس کا جواب ان کے طنزیہ نکات میں کیسے عالمانہ انداز میں دیا گیا ہے۔

''اب یہ تحقیق ضروری ہے کہ ساحر لدھیانوی کو پنجابی زبان و ادب کا بڑا نقاد تسلیم کروایا جائے تا کہ پنجابی زبان اور ادب کے حوالے سے ان کی رائے کو مستند مانا جا سکے۔'' 9 طنزیہ نکات میں جو انہوں نے خود ہی گھڑ کر مجھ سے منسوب کر دیئے، انہوں نے صرف اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ اس کے باوجود ان کی ''عالی ظرفی'' ملاحظہ ہو، کہتے ہیں ''حیدر قریشی صاحب نے قارئین تجدید کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ میں نے ناراضگی کے باعث اپنا موقف تبدیل کیا ہے۔ جہاں تک ناراضگی کا تعلق ہے تو میں ان سے کیوں ناراض ہوں گا۔ ادبی سطح پر اختلاف تو دو دوستوں میں بھی ہو سکتا ہے۔''

ان کے خط کی زبان کتنی علمی اور ادبی ہے یہ تو اب تجدید کے ریکارڈ پر موجود ہے۔

موصوف نے مجھے ایک قیمتی مشورہ بھی دیا ہے ''ان کو اپنی تخلیق کی طرف توجہ دینا ضروری ہے جو ساری پبلک ریلیشنگ کے باوجود زندہ درگور ہونے پر تلی ہوئی ہے۔ افسوس کہ ان کو اپنی غیر معیاری تخلیقات کی اشاعت کے لئے سینکڑوں جرمن مارک صرف کرنا پڑ رہے ہیں۔''

میں ان کا شکر گذار ہوں کہ وہ میری تخلیقات کو زندہ درگور ہونے سے بچانا چاہتے ہیں اور میرے جرمن مارکوں کے زیاں کا بھی انہیں افسوس ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہیں صرف اس زیاں کا افسوس ہے کہ میں پاکستانی رسائل ان کے ذریعے منگوایا کرتا تھا لیکن ایک معاملے میں ان کی بدنیتی اور مالی معاملے میں غبن کے بعد میں نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ سو میں تو جرمن مارکوں کے زیاں سے بچ گیا ہوں۔ ویسے موصوف خود گواہی دیں گے کہ میں تو پاکستانی رسائل براہ راست منگوانے کی بجائے پاکستانی حساب سے سالانہ چندہ ادا کر کے ان کی معرفت منگاتا تھا۔ کسی ادبی رسالے کا صرف سالانہ چندہ ادا کرنا اگر گناہ ہے تو میں اس کا مجرم ہوں۔ تخلیق ساری زندگی مجھے مفت ملتا رہا ہے۔ کیا اب اس کا پاکستانی حساب سے سالانہ چندہ ادا کرنا جرم ہے؟ جبکہ ابھی بھی بعض رسائل مجھے فری آ رہے ہیں حالانکہ ان پر بھاری ڈاک خرچ بھی ہوتا ہے۔ خود ''تجدید نو'' مجھے فری آ رہا ہے۔ البتہ اب میں اس کا سالانہ چندہ ضرور ادا کروں گا۔

پبلک ریلیشنگ کے حوالے سے موصوف کے کردار کی ایک ہلکی سی جھلک بھی دکھاتا چلوں۔ میں نے انہیں 1994ء میں ایک رسالے کے لئے ایک غزل بھیجی ساتھ ہی لکھا کہ اس میں میں نے محاورہ توڑنے کا تجربہ کیا ہے ممکن ہے بعض لوگ اس پر اعتراض کریں۔ تب موصوف نے مجھے بڑی محبت سے لکھا کہ آپ فکر نہ کریں کسی قسم کا بھی اعتراض ہوا تو آپ مجھ سمیت شیخوپورہ کے تمام دوستوں کو جواب دینے کیلئے مستعد پائیں گے۔ 1994ء تک جو صاحب میری حمایت میں یوں کمر بستہ تھے وہ اب مخالفت پر کمر بستہ ہیں تو اس کی وجوہات کا اندازہ اہل نظر ویسے ہی کر لیں گے۔ میرے نزدیک ماہیے کے حوالے سے ان کی ساری مخالفت ذاتی رنجش کی زائیدہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ایسے خطوط کے نتیجہ میں عارف فرہاد جیسے عمدہ شاعر بھی درست وزن کو اپنا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں عارف فرہاد کے ایک خط کا اقتباس دے دینا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ ''یار لوگوں'' کو

اندازہ ہو جائے کہ ان کی بے جا مخالفت ماہیے کے لئے دیسی کھاد کا کام دے رہی ہے۔ عارف فرہاد لکھتے ہیں۔

''میں نے اوراق، تجدید نو اور دیگر ادبی پرچوں میں چھپنے والے وہ خطوط بھی پڑھے ہیں جو ماہیے کے حوالے سے تحریر کردہ ہیں اور آپ کے حالیہ خط پر بھی غور کیا ہے۔ واقعی آپ کا موقف درست ہے کہ اصل وزن ہے۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

میں سمجھتا ہوں کہ مساوی الاوزان ماہیے کچھ لوگ اس لئے لکھ رہے ہیں کہ انہیں لکھتے وقت کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ میری اس سلسلے میں مختلف معاصرین سے بات چیت ہوئی ہے...... آپ کے موقف پر غور کیا جائے تو دل راضی ہو جاتا ہے۔ ایک بات جو بھلی معلوم ہوتی ہے وہ دھن والی ہے۔''

(مکتوب عارف فرہاد بنام حیدر قریشی مورخہ یکم اگست 1996ء)

اور آخر میں موصوف کے ممدوح تنویر بخاری صاحب کی کتاب ''ماہیا فن تے بنتر'' کا ایک اقتباس۔ ماہیے کی بحث کے حوالے سے موصوف مکتوب نگار کے لئے درج کر رہا ہوں۔ شاید انہیں ذاتی رنجش سے باہر آ کر غور و فکر کا موقع مل جائے۔

''مینوں احساس اے کہ کسے سانجھی گل دا سٹا کڈھنا کسے کلے جنے دا کم نہیں ہوندا، سارے جنے نہیں تاں کوئی پر یہہ پنچایت رل کے ایہدا فیصلہ کر سکدی اے۔ کسے اک دی متھی ہوئی گل پردھان نہیں ہوندی'' (ماہیا فن تے بنتر صفحہ 43)

عذرا صاحبہ! مہربانی کر کے میرا یہ خط فائل میں بھی سنبھال کر رکھیں کیونکہ تجدید میں اس کی اشاعت کے دوران اگر کتابت کی کوئی غلطی رہ جائے تو ''یار لوگوں'' کو کتابت کی غلطی میرے کھاتے میں ڈالنے کا موقع نہ ملے۔

عرفی تو مي اندیش زغوغائے رقیباں۔

والسلام نیک تمناؤں کے ساتھ

حیدر قریشی، جرمنی

18 جنوری 1997ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اردو ماہیا......کل اور آج

حالیہ چند برسوں میں ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث نے نہ صرف پنجابی ماہیے کے خدوخال کو واضح کیا ہے بلکہ اردو ماہیے کو درست سمت میں لا کے اس کے دامن کو بھی وسیع کیا ہے۔ بمشکل پانچ سال کے عرصہ میں اس موضوع نے شعراء کرام کو اپنی طرف متوجہ کیا اور ماہیا نگاروں کی ایک بڑی تعداد کو درست وزن اور مزاج کی ماہیا نگاری کی طرف مائل کر دیا۔ ماہیے کے وزن کے سلسلے میں ابتداء میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ ماہیا تین ہم وزن مصرعوں پر ہی مشتمل ہوتا ہے(۱) جب اردو دنیا کو بتایا گیا کہ ماہیے کا دوسرا مصرعہ، اس کے پہلے اور تیسرے مصرعہ سے ''ایک سبب'' کم ہوتا ہے(۲) تب ماہیے کی بحث کھل کر ہونے لگی چنانچہ بعض ادیبوں نے یہ موقف بیان کیا کہ ماہیے کے دونوں وزن درست ہیں۔ (۳) یعنی تینوں مصرعے ہم وزن بھی ہو سکتے ہیں اور دوسرے مصرعے میں ''ایک سبب'' کم بھی ہوسکتا ہے۔ بعض دوستوں نے پنجابی ماہیے کو اردو عروض پر جانچنے کے بعد یہ خیال ظاہر کیا کہ ماہیے کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعہ سے ''ایک سبب'' کم بھی ہوسکتا ہے، ہم وزن بھی ہوسکتا ہے اور ''ایک سبب'' زائد بھی ہوسکتا ہے۔ (۴) ماہیے کے وزن کی بحث میں شریک بیشتر ادباء نیک نیتی سے درست نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے تاہم بعض احباب محض اس لئے مغالطے کا شکار ہوئے کہ پنجابی زبان میں اردو جیسے قواعد وضوابط کی عدم موجودگی کے باوجود پنجابی ماہیے کو اردو کے لسانی پیمانے سے جانچنے کی کوشش کرتے رہے۔ پنجابی زبان میں لسانی قواعد وضوابط کی عدم موجودگی کے باعث متعدد حروف کو شعری ضرورت کے مطابق گرا بھی لیا جاتا ہے اور زیادہ کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض دوستوں کو تینوں ہم وزن مصرعوں والے ماہیے بھی دکھائی دیئے۔ دوسرے مصرعہ میں ''ایک سبب'' کم والے بھی محسوس

ہوئے اور دوسرے مصرعہ میں ایک سبب زائد والے بھی نظر آئے۔ میں نے اور بعض دیگر احباب نے اس سلسلے میں وضاحت کی تھی کہ پنجابی ماہیے کی ایک مخصوص دھن ہے اور اسی دھن سے اس کے اصل وزن کو دریافت کیا جا سکتا ہے۔(۵) مسرت نذیر کے گائے ہوئے غیر فلمی ماہیوں اور فلم ’’پھاگن‘‘ میں گائے ہوئے محمد رفیع اور آشا بھوسلے کے ماہیوں کا متعدد بار حوالہ دیا جا چکا ہے یہاں دونوں کا ایک ایک ماہیا پھر درج کر رہا ہوں۔

چٹا ککڑ بنیرے تے	تم روٹھ کے مت جانا
کاسنی دپٹے والیئے	مجھ سے کیا شکوہ
منڈا صدقے تیرے تے	دیوانہ ہے دیوانہ
(مسرت نذیر)	(رفیع+آشا)

ان دونوں دھنوں کی بنیاد پر ماہیے کے یہ دو وزن دریافت ہوتے ہیں۔

۱۔	مفعول مفاعیلن	۲۔	فعلن فعلن فعلن
	فعل مفاعیلن		فعلن فعلن فع
	مفعول مفاعیلن		فعلن فعلن فعلن

بنظر غائر دیکھا جائے تو پہلا وزن دراصل دوسرے وزن کی تھوڑی سی بدلی ہوئی صورت ہے۔یعنی۔

مفعولمفاعیلن
فعلم فاعی لن
مفعولمفاعیلن

سو ہم یہاں فعلن والے وزن کے حوالے سے ہی بات آگے بڑھائیں گے۔ ماہیے کے وزن کے سلسلے میں اب تک جو تین مختلف وزن بیان کئے گئے ہیں وہ تقطیع کر کے کچھ یوں ظاہر ہوتے ہیں۔

دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم والا وزن:۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

تینوں مصرعے ہم وزن ہونے والا وزن:۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن

دوسرے مصرعے میں ایک سبب زائد والا وزن:۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

اگر پنجابی ماہیوں کو اردو کے ضابطوں کے مطابق پرکھیں تو یقیناً دوسرے مصرعہ میں یہ تینوں صورتیں دکھائی دیتی ہیں بلکہ پہلے اور تیسرے مصرعوں کا وزن بھی خلط ملط ہوتا دکھائی دے گا۔ایسا صرف اس لئے ہے کہ پنجابی زبان اردو جیسے لسانی ضابطے نہیں رکھتی اور حروف کو حسب ضرورت چھوٹا یا لمبا کر لیا جاتا ہے لیکن ماہیا بنیادی طور پر لوک گیت ہے۔اس کی مخصوص دھن ہے اور اس کی دھن میں اس کا اصل وزن محفوظ ہے چنانچہ دھن سے ماہیے کے وزن کو دریافت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔اوپر درج کئے گئے مسرت نذیر اور رفیع و آشا کے ماہیوں کی دھنوں پر ماہیے کے بیان کئے گئے تینوں اوزان کو گنگنانے کی کوشش کریں تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔صرف دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم والا وزن آسانی اور روانی سے گنگنایا جا سکتا ہے......اس وزن کو گنگنائیے۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع

فعلن فعلن فعلن

دھن یہ ہونی چاہئے۔

تم روٹھ کے مت جانا		چٹا ککڑ بنیرے تے
مجھ سے کیا شکوہ	یا	کاسنی دپٹے والیے
دیوانہ ہے دیوانہ		منڈا صدقے تیرے تے

اس دھن پر دوسرے مصرعہ میں صرف اڑھائی بار فعلن گنگنایا جا سکتا ہے۔ تین بار یا ساڑھے تین بار فعلن ماہیے کی دھن میں آ ہی نہیں رہا۔ ماہیے کے وزن میں دوسرے مصرعہ کی نزاکت کو سمجھنے اور پرکھنے کی یہ بنیادی کلید ہے، اس سے ہی سارا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک ضروری وضاحت بھی کر دوں۔ اردو میں ماہیا کہتے وقت بعض ایسے ماہیوں سے مغالطہ ہو سکتا ہے جن میں زحافات کی رعایت سے فائدہ اٹھایا گیا ہو......مثلاً سعید شباب کا ایک ماہیا ہے۔

کب اس نے پکارا تھا
دل کی تھی خوش فہمی
اور وہم ہمارا تھا

اس میں دوسرا مصرعہ اردو قواعد کی رعایت کے مطابق درست وزن میں ہے۔ ''دل ک تھ خش فہمی'' ایسا جائز ہے لیکن فی الوقت خلط مبحث سے بچنے کے لئے میں نے سعید شباب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ دوسرے مصرعہ میں سے لفظ ''تھی'' کو حذف کر کے اسے ''دل کی خوش فہمی'' کر لیں تا کہ ماہیے کے خدوخال کو واضح کرنے میں کسی بھی طرف سے ہونے والی امکانی کج بحثی سے بچا جا سکے۔ سو اصولاً ایسے ماہیے دونوں صورتوں میں درست ہیں اور ان سے ماہیے کے دوسرے مصرعہ کا ہم وزن ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔

جن ادیبوں نے سنجیدگی سے ماہیے کی بحث میں مضامین یا خطوط کے ذریعے اپنا موقف پیش کیا ہے وہ تمام ادباء قابل احترام اور تحسین کے لائق ہیں کہ انہوں نے نیک نیتی سے اس مسئلے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے تاہم بعض کرم فرماؤں نے ''خطوط بازی'' کی سطح پر رہ

کر اس بحث کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں یہ کہا گیا ہے کہ ماہیے کی تو کئی اقسام ہیں۔ کہنے والے نے کوئی نئی بات نہیں کہی لیکن بات اس ڈھنگ سے کہی گئی ہے کہ اردو ماہیے کی قابل قدر پیشرفت کو گرد آلود کیا جا سکے حالانکہ میں دسمبر 1992ء کے ''صریر'' میں اس حوالے سے بھی یہ بات لکھ چکا ہوں۔

''ماہیا کی وہ صنف زیادہ مقبول اور معروف ہوئی جو تین مصرعوں پر مشتمل ہے۔ دوسری ہئیت کے ماہیے سننے والوں نے عام لوک گیتوں میں شمار کئے۔''

اردو میں تا حال پنجابی کا وہی ماہیا رائج اور زیر بحث ہے جو تین مصرعوں پر مشتمل ہے۔ کسی دوسری قسم کے ماہیوں کا ذکر کرنے والوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اصل بحث سے فرار کے لئے غلط بحث کرنے کی بجائے یا تو اپنے بیان کردہ ماہیوں کو اردو میں رائج کریں یا بحث کو اسی ماہیے تک محدود رکھیں جو اردو میں رائج ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو میں ماہیے کے وزن کی بحث اس طرح نکھر کر سامنے آ چکی ہے کہ اب پنجابی ادب کے سکالرز بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

جہاں تک ماہیے کے مزاج کا مسئلہ ہے اس سلسلہ میں کوئی حتمی بات کرنا اس لئے مشکل ہے کہ یہ زیادہ تر اپنے اپنے ذوق پر منحصر ہے۔ خود پنجابی میں ایسے ماہیے موجود ہیں جنہیں مزاج کی کسی خاص حد میں لانا مشکل ہے۔ مثلاً

باگے وچ دریاں نیں
اللہ میاں پاس کرے
اساں فیساں بھریاں نیں

حمد، نعت، منقبت والے ماہیے اور زندگی کے تلخ مسائل والے پنجابی ماہیے بھی ۔۔۔۔اس مزاج سے خاصے مختلف ہیں جو پنجابی ماہیے کی عمومی پہچان ہے۔ ماہیے کے مزاج کے حوالے کو ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا ہونے میں روک نہیں بننا چاہئے کیونکہ غزل بھی جو کل تک صرف عورتوں کی باتیں کرنے یا عورتوں سے باتیں کرنے تک محدود تھی' آج اپنی بنیاد پر قائم رہتے ہوئے زندگی کے کتنے ہی موضوعات کا احاطہ کر چکی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پنجاب

سے تعلق رکھنے والے ماہیا نگاروں کے ہاں عام طور پر ماہیے کا مزاج از خود آ سکتا ہے۔ بہ نسبت ان ماہیا نگاروں کے جو پنجاب سے تعلق نہیں رکھتے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پنجاب سے تعلق رکھنے والے بعض ماہیا نگاروں نے بھی بڑے ہی بے رس ماہیے کہے ہیں اور پنجاب سے تعلق نہ رکھنے والوں نے ایسے ایسے ماہیے بھی کہے ہیں جو وزن اور مزاج دونوں لحاظ سے عمدہ اور خوبصورت ہیں۔ پہلے پنجاب سے تعلق رکھنے والے ایسے ماہیا نگاروں کے ماہیے دیکھیں جو درست وزن کو اپنانے اور پنجابی ہونے کے باوجود پھیکے اور اوپرے سے ماہیے کہہ رہے ہیں۔

مجبور نہیں ہیں ہم
لوٹ کے آئیں گے
تم آنکھ نہ کر یئو نم

آنکھوں میں سپنے ہیں
بیرن دنیا میں
یہ روگ ہی اپنے ہیں

اک تیری نشانی ہے
میری اکھین میں
دریا کی روانی ہے

سویا بھی نہیں جاگا
ہوش میں آجاؤ
ابھی وقت نہیں بھاگا

یہ مثالیں کسی کی دل آزاری کے لئے نہیں دی گئیں اسی لئے میں نے ماہیا نگاروں کے نام نہیں دیئے۔ ان مثالوں سے محض یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ پنجابی ذہن اور دل رکھنے والے شاعر بھی ماہیے کے عمومی مزاج سے پرے ہو کر ماہیے لکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح غیر پنجابی ہونے کے باوجود ماہیے کہنے والے بھی ایسے ماہیے کہہ سکتے ہیں جو بڑی حد تک پنجابی مزاج کے مطابق ہیں۔ چند مثالیں دیکھ لیں۔

امواج کے دھاروں تک
اپنی کہانی ہے
طوفاں سے کناروں تک

ہے رنگ بہت گہرا
سرخی اناروں کی
تکتی ہے ترا چہرہ

(نذیر فتح پوری۔ راجستھان)

(انور مینائی۔ کرناٹک)

ساون کی فضاؤں میں
خوشبو کا افسانہ
زلفوں کی گھٹاؤں میں

(مناظر عاشق ہرگانوی۔ بہار)

لفظوں پہ نہ جا بابا
عقل کی باتیں کیا
سن دل کی صدا بابا

(رشید اعجاز پونہ)

اردو ماہیے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے، ماہیے کے دامن کو وسیع کرنے کے عمل میں رکاوٹ ڈالے بغیر ماہیے کے مزاج کو برقرار رکھنے کی مثبت تلقین ساتھ ساتھ جاری رہنی چاہئے تاہم ماہیے کے موضوعات میں وسعت آنے سے نئے تجربات میں اگر بعض تجربات کچھ کچے اور ادھورے رہ جائیں تو انہیں برداشت کر لینا چاہئے کہ ایسے ادھورے اور کچے تجربات کے نتیجہ میں نئے اور بہتر تجربات کی راہیں بھی نکلیں گی یوں اس دور میں کئے جانے والے بیشتر تجربات آنے والے دور میں اردو ماہیے کی تاریخ کا ایک قیمتی حصہ قرار پائیں گے۔

گذشتہ چند برسوں میں اردو ماہیے کے درست وزن کو حیرت انگیز مقبولیت حاصل ہوئی۔ 40 سے زائد شعراء درست وزن میں ماہیے کہہ چکے ہیں۔ اردو میں درست وزن کے ماہیا نگاروں کی نا تمام فہرست میں یہ نام آتے ہیں۔ قمر جلال آبادی، ساحر لدھیانوی، ڈاکٹر صابر آفاقی، امین خیال، پروین کمار اشک، یوسف اختر، نذیر فتح پوری، ضمیر اظہر (مرحوم)، رشید اعجاز (مرحوم)، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، انور مینائی، سعید شباب، قاضی اعجاز محور، فرحت نواز، منزہ اختر شاد، اجمل پاشا، ندیم شعیب، شجاعت علی راہی، غزالہ طلعت، عارف فرہاد، شاہدہ ناز، صدف جعفری، خاور اعجاز، حسن عباس رضا، رانا غلام شبیر، نذر عباس، قمر ساحری، آل عمران، رستم نامی، نیاز احمد مجاز، وقیع منظر، بقا صدیقی، افتخار شیخ، منظر نقوی، نوید رضا، تنویر نوازش، شبہ طراز، بسمہ طاہر، اجمل جنڈیالوی، ذوالفقار احسن، ایم اے تنویر، ارشد نعیم، طفیل خلش، بشارت احمد بشارت، طاہر

مجید، احمد حسین مجاہد۔

ان میں بعض ایسے صاحبان ہیں جنہوں نے گنتی کے چند ماہیے کہے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے غلط وزن کی ماہیا نگاری کے ساتھ درست وزن میں بھی طبع آزمائی کر لی ہے۔ بعض ایسے ماہیا نگار ہیں جنہوں نے شروع میں غلط وزن میں ماہیے کہے، پھر اس وزن کو ترک کر کے اب صرف درست وزن میں ماہیا نگاری کر رہے ہیں۔ بعض ایسے دوست ہیں جنہیں وزن پر پوری گرفت حاصل نہیں چنانچہ ان کے ہاں ٹھیک وزن والے چند ماہیوں کے ساتھ بعض بے وزن اور بے ربط سے ماہیے بھی ملتے ہیں تاہم ان میں ایک بڑی تعداد ان ماہیا نگاروں کی ہے جو درست وزن کو اپنا کر اور ماہیے کے مزاج کو سمجھ کر ماہیا نگاری کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان میں بعض ایسے اہم ماہیا نگار بھی ہیں جو بنیادی طور پر پنجابی کے شاعر اور ادیب ہیں اور انہوں نے اردو میں ماہیے کہہ کر پنجابی کے تخلیق کاروں کا موقف تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ کر دیا ہے۔

پانچ برس کے مختصر عرصہ میں میرے ماہیوں کا مجموعہ ''محبت کے پھول'' منظر عام پر آ چکا ہے۔ بھارت سے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''رم جھم رم جھم'' کے نام سے 11 ماہیا نگاروں کا ایک اہم انتخاب مرتب کر کے چھاپ دیا ہے۔ پروفیسر قمر ساحری کے ماہیوں کا دیوان ''بادِ سبز'' اور نذیر فتح پوری کے ماہیوں کا مجموعہ ''ریگِ رواں'' چھپنے کی خبریں بھی آ چکی ہیں۔ امین خیال، پروین کمار اشک، یوسف اختر، طفیل خلش، سعید شباب اور دیگر ماہیا نگاروں کے مجموعے بھی اگلے دو تین برسوں تک چھپ جانے کی توقع ہے۔ آخر میں چند ماہیا نگاروں کے خوبصورت اور زرخیز ماہیے دیکھ لیں۔ یہ چند ماہیے اردو میں ماہیا نگاری کی موجودہ صورتحال کے ساتھ آنے والے امکانات کی خبر بھی دے رہے ہیں۔

کہساروں میں ہیں کھائیاں
جاں کی اماں پاؤں
کچھ عرض کروں سائیاں
(امین خیال)

یہ حسن، یہ رعنائی
رب کی امانت ہے
اے دلبر ہرجائی
(ڈاکٹر صابر آفاقی)

تم آئے خیالوں میں
کتنے قریب تھے ہم
بیتے ہوئے سالوں میں
(طفیل خلش)

بچپن کی کہانی پر
بنیادیں رکھیں
بہتے ہوئے پانی پر
(یوسف اختر)

کھیتوں میں کھلی سرسوں
ماہی نہیں آیا
آنا تھا اسے پرسوں
(ضمیر اظہر)

گُل کا ہے نہ گلِ کا ہے
تم کو سنائیں کیا
یہ ماجرا دل کا ہے
(نذیر فتح پوری)

بچپن کے کھیلوں کو
سائیں ہرا رکھے
انگور کی بیلوں کو
(پروین کمار اشک)

رنگین کہانی دو
اپنے لہو سے تم
گلشن کو جوانی دو
(مناظر عاشق ہرگانوی)

یہ دکھ کے جھمیلے ہیں
ہم دونوں اب تک
مل کر بھی اکیلے ہیں
(انور مینائی)

آئے نہ نگاہوں میں
آنکھیں بچھائی تھیں
اس شوخ کی راہوں میں
(سعید شباب)

سڑکوں پہ چلے تانگا
مانگا خدا سے جب
اک ساتھ ترا مانگا
(قاضی اعجاز احمد)

کتری ہوئی امی ہے
آج اکیلی ہوں
اور رات بھی لمبی ہے
(منزہ اختر شاد)

اک نقش مٹانے میں
جیون بیت گیا
یادوں کو بھلانے میں
(ذوالفقار احسن)

لج پیار کی پالی ہے
یاد تری سجنا

ہر سمت اداسی ہے
مل کے بچھڑ جانا
گو بات ذرا سی ہے
(احمد حسین مجاہد)

تتلی کو اڑاؤں میں
پیار کے رنگ کئی
کس کس کو چھپاؤں میں
(فرحت نواز)

بستی کی بہاروں کے
نغمے سے، گائے
کے دودھ کی دھاروں کے
(اجمل پاشا)

آنکھیں سرہانے پر
کھولیں گے ان کو
لیکن ترے آنے پر
(خاور اعجاز)

رت بدلی ہے جاڑوں کی
برف نہیں پگھلی

ایمان بنالی ہے
(تنویر نوازش)

چنری پہ کناری تھی
لال پراندی بھی
ہمراز ہماری تھی
(عارف فرہاد)

پر اونچے پہاڑوں کی
(غزالہ طلعت)

اک پھول چنبیلی کا
ملنا لگا اچھا
بچپن کی سہیلی کا
(شاہد ناز)

حوالہ جات

۱۔ مکتوب وصی محمد وصی مطبوعہ سہ ماہی ''ابلاغ'' پشاور، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۱ء

۲۔ ''اردو ماہیے'' افتخار احمد، مطبوعہ ماہنامہ ''تجدید نو'' لاہور، اسلام آباد، شمارہ اکتوبر ۱۹۹۲ء
''ماہیا اور اس کا دوسرا مصرعہ'' از حید قریشی، مطبوعہ ماہنامہ ''صریر'' کراچی، شمارہ دسمبر ۱۹۹۲ء

۳۔ ''ماہیا اور اردو میں ماہیا نگاری'' از ناصر عباس نیر، مطبوعہ ''اوراق'' لاہور، شمارہ مئی، جون ۱۹۹۳ء
مکتوب ارشد نعیم، مطبوعہ ''تجدید نو'' لاہور، اسلام آباد، شمارہ اپریل ۱۹۹۳ء
''اردو ماہیے پر اوزان کی پابندی'' از ایم اے تنویر، مطبوعہ ماہنامہ ''صریر'' کراچی، شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۳ء
مکتوب نثار ترابی، مطبوعہ ''اوراق'' لاہور، شمارہ اگست ۱۹۹۵ء

۴۔ ''فاروق لودھی کے ہائیکو'' از پروفیسر عرش صدیقی ماہنامہ ''تجدید نو'' لاہور، اسلام آباد شمارہ دسمبر ۱۹۹۲ء

’’ماہیا وزن اور فن‘‘ از ریاض احمد، مطبوعہ ماہنامہ ’’صریر‘‘ کراچی
شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۳ء

۵۔ ’’اردو ماہیے‘‘، از افتخار احمد، ۱۹۹۲ء
’’ماہیا اور اس کا دوسرا مصرعہ‘‘ از حیدر قریشی، ۱۹۹۲ء
’’ماہیے کی تفہیم میں پیشرفت‘‘ از سعید شباب، مطبوعہ ’’صریر‘‘ کراچی،
شمارہ جون، جولائی ۱۹۹۳ء
’’مکتوب وحید انور‘‘ مطبوعہ ماہنامہ ’’صریر‘‘ کراچی، شمارہ نومبر ۱۹۹۳ء
مکتوب ملاپ چند مطبوعہ ’’اوراق‘‘ لاہور، شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۹۳ء
’’اردو میں ماہیا نگاری‘‘ از حیدر قریشی، مطبوعہ ڈیلی جنگ لندن، شمارہ ۲ جون ۱۹۹۴ء

(مطبوعہ: ماہنامہ ’’شاہین‘‘ کوپن ہیگن شمارہ دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری ۱۹۹۷ء،
’’اوراق‘‘ لاہور، جنوری ۱۹۹۷ء)

☆☆☆☆☆☆

ماہیے کے حوالے سے چند معروضات

ماہیے کے وزن کی بحث اب اتنی نکھر چکی ہے کہ کسی کے غلط مبحث کے باوجود اب اس کے خدوخال کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے وزن کے سلسلے میں جن دوستوں نے اخلاص کے ساتھ تحقیق کی اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرتے رہے، ان میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ دوسرا مصرعہ کبھی پہلے اور تیسرے مصرعوں کے وزن کے برابر بھی ہوتا ہے اور کبھی اس کا ایک ’’سبب‘‘ کم بھی ہو جاتا ہے۔ بعض نے یہ سمجھا کہ دوسرا مصرعہ نہ صرف کبھی برابر ہوتا ہے، کبھی ایک ’’سبب‘‘ کم بلکہ کبھی ایک ’’سبب‘‘ زائد بھی ہو جاتا ہے۔ بعض نے یہ باور کیا کہ صرف دوسرا مصرعہ ہی نہیں ماہیے کے باقی مصرعے بھی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ تمام تر اخلاص کے باوجود ایسی غلط فہمیاں محض اس لئے پیدا ہوئیں کہ پنجابی ماہیوں کا وزن اردو قواعد وضوابط کے مطابق پرکھنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ پنجابی زبان کی ساخت اور اس میں لفظوں کے برتاؤ سے متعلق یہ حقیقت میں متعدد بار لکھ چکا ہوں کہ پنجابی زبان میں اردو جیسے لسانی قواعد وضوابط کی عدم موجودگی کے باعث لچک بہت زیادہ ہے چنانچہ شعری ضرورت کے مطابق اس کے الفاظ کو کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے اور الانگ کر مختصر بھی کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں جو دوست بھی پنجابی ماہیے کے وزن کو سمجھنے کے لئے پنجابی الفاظ کو اردو عروض پر پرکھنے کی کوشش کریں گے، مغالطے کا شکار ہوں گے۔ میں نے شروع ہی سے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ ماہیے کا اصل وزن اس کی دھن میں موجود ہے۔ یہ وہ بنیادی کلید ہے جس سے ماہیے کے وزن کا مسئلہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اس مسئلے پر مزید وضاحت آخر میں کروں گا۔ یہاں میں ڈاکٹر بشیر سیفی کے مضمون کے بعض ایسے مندرجات کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں جو ریکارڈ کی درستی کے لئے ضروری ہیں۔ بشیر سیفی

لکھتے ہیں۔

’’جب یہ اعتراض سامنے آیا کہ پنجابی ماہیا کے دوسرے مصرعہ میں ایک رکن کم ہوتا ہے،اس لئے اردو میں تخلیق ہونے والے تین یکساں مصرعوں کے ماہیے پنجابی ماہیا کی اصل ہیئت کے مطابق نہیں تو بعض ماہیا نگاروں نے فوراً دوسرے مصرعہ میں ایک رکن کم کر دیا۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۹۰ء میں صرف میں نے ہی اصل وزن کی ماہیا نگاری اختیار کی اور اس کی سزا کے طور پر یار لوگوں کی طعن و تشنیع کا نشانہ بھی بنا۔دوسرے دوست تو ۱۹۹۲ء کے آخر میں جا کر توجہ کرنے لگے تھے وہ بھی خال خال۔

ناصر عباس نیرؔ کے موقف میں تبدیلی کا بھی بشیر سیفی نے خصوصی تذکرہ کیا ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ ماہیے کے وزن کا مسئلہ تو صرف اس کی دھن سے ہی حل ہوتا ہے۔ہم میں سے کسی نے بھی وزن کا فیصلہ نہیں کرنا صرف اسے ماہیے کی دھن سے دریافت کرنا ہے۔ جہاں تک ناصر عباس نیرؔ کا تعلق ہے میں انہیں نوجوان تنقید نگاروں میں بے حد اہم سمجھتا ہوں۔انہوں نے بھی ماہیے کے وزن کے سلسلے میں اردو قواعد برتنے کی کوشش کی تھی سو نتیجہ وہی نکلا جو ایسی صورت میں نکلنا تھا۔تاہم ماہیے کے ضمن میں یہ ان کا اخلاص ہی تھا کہ وزن کے مقابلے میں اس کے مزاج کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے بعد تھوڑا آگے چل کر ان کا موقف پھر متوازن ہوتا دکھائی دیتا تھا۔انہوں نے لکھا تھا ’’نئی صنف کی مخصوص ہیئت اور خارجی خدوخال کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے منفرد داخلی اوصاف کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا‘‘ (اوراق لاہور مئی جون ۱۹۹۳ء)۔

میں نے ناصر عباس نیرؔ کے مذکورہ مضمون کے جواب میں ایک مضمون ’’اوراق‘‘ میں اشاعت کے لئے بھیجا تھا۔’’ماہیے کے وزن کا مسئلہ‘‘ میرے اس مضمون کو اوراق میں خطوط کے صفحات میں جگہ دی گئی۔شاید اسی وجہ سے بشیر سیفی نے میری وضاحتوں کا اپنے ’’قیمتی تحقیقی‘‘ مضمون میں ذکر نہیں کیا۔اپنے مذکورہ جواب کی آخری سطور یہاں درج کر رہا ہوں کہ ان سطور میں جس حقیقت کی طرف تین سال پہلے اشارہ کیا گیا تھا وہ اب کافی نمایاں ہو چکی ہے۔

’’اس کے وزن کے معاملے میں دو طرح کے موقف سامنے آئے ہیں۔ایک تو وہ ادباء

جو غلط فہمی کے باعث نیک نیتی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید ماہیے کے تینوں مصارع ہم وزن ہیں۔ ان کی غلط فہمی کو اس طرح کے مضامین اور ادبی مباحث سے دور کیا جا سکتا ہے۔دوسرے وہ شعراء کرام ہیں جو پہلے تو بے خیالی اور لاعلمی کے باعث تین یکساں وزن کے مصارع میں غلط ماہیے لکھتے رہے لیکن جب انہیں غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی تو بجائے غلطی کی اصلاح کرنے کے اسے حق بجانب ثابت کرانے پر تل گئے‘‘ (اوراق نومبر،دسمبر ۱۹۹۳ء)

بشیر سیفی لکھتے ہیں ’’یہ بات خالی از دلچسپی نہیں کہ حیدر قریشی نے جن پنجابی ماہیوں کو اپنے موقف کے ثبوت میں پیش کیا ہے (ابلاغ، جولائی ۱۹۹۲ء) وصی محمد وصی نے ان کی تقطیع کر کے انہیں مساوی الوزن ثابت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابلاغ اکتوبر ۱۹۹۲ء) اس ’’پُر از دلچسپی‘‘ بات میں دلچسپی کی اور بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن میں پھر اپنی بات کو دہرا رہا ہوں کہ پنجابی ماہیے کی تقطیع اردو قواعد کے مطابق کرنے میں لازماً دھوکہ ہوگا۔وصی محمد وصی اسی دھوکے کا شکار ہوئے۔باقی بشیر سیفی یہ دلچسپ باتیں بتانا بھول گئے ہیں کہ وصی محمد وصی نے ساحر لدھیانوی کے ماہیے اس دعوے کے ساتھ پیش کئے تھے کہ یہ مساوی الوزن ہیں لیکن وہ ماہیے ہمارے موقف کے مطابق نکلے۔پھر وہ یہ دلچسپ بات بتانا بھی بھول گئے کہ وصی محمد وصی ببانگ دہل یہ دعویٰ فرما رہے تھے کہ ماہیے صرف تین ہم وزن مصرعوں پر مبنی ہوتے ہیں جبکہ وہی دعویٰ اب عبرت کے اس مقام تک آ گیا ہے کہ یار لوگ ہمارے ماہیوں کو تو ماہیے مانتے ہیں اور حیلے بہانوں سے اپنے ثلاثی کو بھی ماہیے منوانا چاہتے ہیں۔ (ویسے ابلاغ میں نہ صرف میرے خط کا ایک اہم حصہ حذف کر دیا گیا تھا بلکہ مزید فٹ نوٹ کے ساتھ حاشیہ آرائی کر کے دھونس بھی جمائی گئی تھی۔ظاہر ہے بشیر سیفی کو اس پس منظر کا علم ہی نہیں ہوگا سو ان سے گلہ بھی نہیں)۔

بشیر سیفی کے مضمون میں اس نوعیت کی اور بھی باتیں ہیں جن سے حقائق کو مشکوک کرنے کا شبہ ہوتا ہے تاہم میرا خیال ہے میری اتنی وضاحتوں سے ہی ان کے ’’تحقیقی‘‘ مضمون کا مجموعی تاثر سامنے آ گیا ہے۔سو اب میں ماہیے کے وزن کی بحث کی طرف واپس آتا ہوں۔میں نے پہلے دن ہی سے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ماہیے کے وزن کو اس کی دھن سے دریافت کیا

جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ بشیر سیفی اپنے مضمون کے آخر میں اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔اگر چہ اس نتیجہ کو بھی انہوں نے دانستہ یا نادانستہ خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے ان کی رائے ان کے اپنے الفاظ میں دیکھ لیں۔ ’’اس ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ ماہیا گائی جانے والی صنف سخن ہے جس کی ایک مخصوص دھن ہے جو ماہیا اس دھن پر گایا جاسکتا ہے۔ وہ ماہیا ہے خواہ اس کے تینوں مصرعے ہم وزن ہوں، خواہ پہلا، دوسرا یا تیسرا مصرعہ چھوٹا بڑا ہو۔‘‘ خواہ سے پہلے بشیر سیفی نے جو رائے دی ہے وہ وہی ہے جو میں شروع سے عرض کرتا چلا آ رہا ہوں۔سو مجھے خوشی ہے کہ بشیر سیفی نے بھی اس حقیقت کو مان لیا ہے۔اس اصول پر وزن کا مسئلہ آسانی سے طے ہو جاتا ہے لیکن ’’خواہ‘‘ کے بعد انہوں نے جس تاثر کو ابھارنے کی کوشش کی ہے وہ خواہ مخواہ کی کوشش ہے۔ پھر بھی انہی کے بیان کے مطابق یہاں مسئلے کا حل واضح کئے دیتا ہوں، ماہیے کی دو دھنیں ذہن نشین کر لیں۔

پنجابی	اردو
چٹا ککڑ بنیرے تے	تم روٹھ کے مت جانا
ریشمی دوپٹے والیئے	مجھ سے کیا شکوہ
منڈا صدقے تیرے تے	دیوانہ ہے دیوانہ
(مسرت نذیر)	(رفیع+آشا)

اب دونوں طرزوں پر ماہیے کے اس وزن کو گنگنا کر چیک کر لیں۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن
(دوسرا مصرعہ ایک سبب کم)

اس وزن کو سہولت اور روانی کے ساتھ گنگنایا جاسکتا ہے۔اب یوں کریں کہ دوسرے مصرعہ میں ایک ’’سبب‘‘ کم رکھنے کی بجائے تینوں ہم وزن مصرعوں میں بھی اور دوسرے مصرعہ میں ایک ’’سبب‘‘ زائد کر کے بھی گنگنانے کی کوشش کریں۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن
(تینوں مصرعے ہم وزن)

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن
(دوسرا مصرعہ ایک سبب زائد)

دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم کے علاوہ آپ ماہیے کی دھن میں کسی اور وزن کو نہیں گنگنا سکیں گے۔ مجھے امید ہے کہ تین مصرعوں کے ہم وزن ثلاثی لکھنے والے شعراء کرام اب حقائق کا سامنا حوصلے کے ساتھ کریں گے۔علمی اور ادبی معاملات میں جہاں تحقیق کو بنیادی اہمیت حاصل ہو وہاں حقیقت کو زیادہ دیر تک نہیں چھپایا جا سکتا۔ دوستوں کے ذریعے خلط مبحث کرانے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا ہم نے اپنا موقف واضح کر دیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ آنے والا وقت جب ذاتی تعلقات کے اثرات سے نکل چکا ہوگا تب اس کا فیصلہ یقیناً ہمارے حق میں ہوگا۔اگر چہ اس وقت بھی ہمارے موقف کو واضح پذیرائی مل چکی ہے لیکن آنے والے وقت میں سچائی مزید نکھر جائے گی۔

۱۔ ’’ماہیا اور اردو میں ماہیا نگاری‘‘ از ناصر عباس نیرؔ، مطبوعہ ’’اوراق‘‘ لاہور، مئی جون ۱۹۹۳ء

۲۔ ’’فاروق لودھی کے ہائیکو‘‘ از پروفیسر عرش صدیقی، مطبوعہ ’’تجدید نو‘‘ لاہور، دسمبر ۱۹۹۲ء

۳۔ ماہیا وزن اور فن از ریاض احمد مطبوعہ ''صریر'' کراچی، مارچ ۱۹۹۶ء

(مطبوعہ ادبی صفحہ روزنامہ نوائے وقت ۲۱ اپریل ۱۹۹۷ء راولپنڈی)

(نوٹ: ایڈیٹر ماہنامہ ''صریر'' کراچی نے میرے اس مضمون کو ''صریر'' کے شمارہ مارچ ۱۹۹۷ء میں اس طرح سنسر کر کے شائع کیا کہ بشیر سیفی صاحب کے زیر بحث مضمون کی اصلیت نہ ظاہر ہونے پائے۔ مزید کرم یہ کیا کہ میری کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' کا ایک حصہ ''حاصل بحث'' اس کے ساتھ اس طرح جوڑ کر شائع کیا گیا کہ پورا مضمون ہی بے ربط لگے۔ یہ بھی شاید ساختیاتی قرات کا کوئی کمال تھا۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆

خط بنام ایڈیٹر ماہنامہ ''صریر'' کراچی

(یہ خط صریر میں شائع نہیں کیا گیا)

محترم ڈاکٹر فہیم اعظمی صاحب، سلام مسنون

''صریر'' کے مارچ ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں ماہیے کے تعلق سے چھپنے والی تحریروں کی فوٹو کاپی آج ہی ایک دوست کے توسط سے ملی ہے۔ ماہیے کی بحث کے ضمن میں آپ کا نوٹ پڑھ کر خوشی ہوئی چونکہ وقت کے ساتھ عموماً خیالات بھی بدل جاتے ہیں۔ اس لئے سچی بات ہے کہ مجھے آپ کی طرف سے ماہیے کے بارے میں رویہ بہت زیادہ تبدیل ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ آپ کی کرم فرمائی کا شکر گزار ہوں۔ اب ایک وضاحت (+ شکایت) بھی ہو جائے۔

آپ نے میرے دو مضامین کو ایک بنا دیا ہے۔ نیز پہلے مضمون کو جو بشیر سیفی صاحب کے مضمون کے جواب میں تھا، بہت زیادہ سنسر کر دیا ہے۔ بالخصوص ان کے جس غیر تحقیقی رویئے کی میں نے نشاندہی کی تھی آپ نے اسے حذف کر دیا ہے۔ مناسب سمجھیں تو بشیر سیفی صاحب کے جواب والا مضمون دوبارہ پورا چھاپ دیں تاکہ اصل حقائق مسخ نہ ہوں۔ اب آپ نے بشیر سیفی صاحب کا جو موقف شائع کیا ہے اس میں نہ تو کوئی نئی بات ہے نہ کسی غلطی کی نشاندہی۔ ''صریر'' ہی کے صفحات پر آج سے ۴ سال پہلے ایک مضمون (ا) شائع ہوا تھا۔ دونوں مضامین کا موازنہ کر کے فیصلہ کر لیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ مضمون ''ماہیے کی ہئیت اور وزن'' اور ''ماہیے کی ڈیڑھ مصرعے کی ہئیت'' کے مطالعہ سے اصل حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ میرے نزدیک بشیر سیفی صرف اپنے دوستوں کے ثلاثی کو ''ماہیے'' منوانے کی کوشش رائیگاں میں مصروف ہیں وہ صرف روپ بدل کر ثلاثی کو ماہیا منوانا چاہتے ہیں۔

کل تک یہ دعویٰ کیا جاتا رہا ہے کہ تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' کے چار مضمون چھپ چکے ہیں۔ آج یہ حالت ہے کہ درست وزن کو اپنانے والوں کی تعداد ۵۰ سے بھی بڑھ چکی ہے۔ درست وزن کے یہ مجموعے چھپ کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ۱۔ محبت کے پھول (حیدر قریشی)، ۲۔ بادِ سبز (قمر ساحری)، ۳۔ ریگِ رواں (نذیر فتح پوری)، ۴۔ پھول کہانی (ضمیر اظہر)، ۵۔ یادوں کے سفینے (امین خیال)، دو انتخاب ''رم جھم رم جھم'' (مرتب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی) اور ''اردو ماہیے'' (مرتب سعید شباب) چھپ چکے ہیں۔ گوجرانوالہ کے پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' کا اردو ماہیا نمبر شائع ہو چکا ہے۔ میرے خیال میں تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی ''ماہیے'' کے نام سے اب یا تو صرف وہ لوگ پیش کر رہے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے نقادوں کے زور بازو سے انہیں ''ماہیے'' منوا لیں گے یا پھر وہ لوگ جو دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی کا التزام نہیں رکھ سکتے۔ وگرنہ ماہیا نگاروں کی بہت بڑی اکثریت درست وزن میں ماہیا نگاری کی طرف مائل ہے اور یہ رویہ مسلسل فروغ پا رہا ہے۔

ماہیے کے وزن کے تعین کے سلسلہ میں پنجابی دانشوروں میں بھی اختلاف رہا ہے اور وہ خود اپنی تحریروں میں لکھ چکے ہیں کہ شاید کل کلاں کوئی اور صاحب اس معاملے میں بہتر کام کر سکے۔ پتہ نہیں ہم نے بہتر کام کیا ہے یا نہیں لیکن ماہیے کی اصل دھنوں کی بنیاد پر اس کے وزن کی دریافت کا جو اصول ہم نے بیان کیا ہے، وہ اتنا موثر ضرور ہے کہ برادرم بشیر سیفی بھی اس سے انکار نہیں کر سکے۔ ماہیے کی کسی معروف لوک دھن پر اس کے بیان کردہ تمام اوزان کو گنگنا کر با آسانی پرکھا جا سکتا ہے اور اصل وزن کو دریافت کیا جا سکتا ہے...... یار لوگ ابھی تک ماہیے کے وزن کے سلسلے میں کج بحثی کر رہے ہیں جبکہ ماہیے کی بحث اس کے مزاج کے اجزاء تک پہنچ چکی ہے۔ پچھلے دنوں مجھے ڈاکٹر کرسٹینا نے ہائیڈل برگ سے ایک خط لکھا اس میں انہوں نے ماہیے کے بارے میں اب تک کی پیشرفت پر خوشی کے اظہار کے ساتھ ایک ایسا سوال پوچھا ہے جس نے خود مجھے حیران کر دیا کہ یہ ایک اہم نکتہ تھا جس کی طرف ابھی تک کسی کا دھیان ہی نہیں گیا۔ میں ڈاکٹر کرسٹینا کے سوال+ کی بنیاد پر جلد ہی ایک مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس کے نتیجے میں ماہیے

کی تفہیم کا وزن اور مزاج کے بعد ایک اور اہم مرحلہ سامنے آئے گا۔ ادارہ صریر کے لئے نیک تمنائیں۔

والسلام

آپ کا

حیدر قریشی

۱۷۔۵۔۹۷

۱۔ ''ماہیے کی ہئیت اور وزن'' از غزالہ طلعت، مطبوعہ ''صریر'' شمارہ اکتوبر ۱۹۹۳ء

+ ۔ ڈاکٹر کرسٹینا نے بعد میں ایک اور خط میں مزید دو سوال کئے تھے اور ان تینوں سوالوں کے جواب ''ماہیے کی کہانی'' میں اپنی بساط کے مطابق لکھ چکا ہوں۔

اردو ماہیا ۱۹۹۶ء میں

اردو میں ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی کی درست وزن کی ماہیا نگاری کی روشن مثالیں موجود ہونے کے باوجود اسی کی دہائی میں غلط وزن کی ماہیا نگاری ہوتی رہی۔ نوے کی دہائی کے آغاز میں اردو ماہیے کو اصل وزن کے مطابق کرنے کی بحث دیکھتے ہی دیکھتے ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۵ء تک بحث مباحثہ کا ایک دور چلا۔ اب پلٹ کر دیکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ ۱۹۹۶ء کا سال پہلے پانچ برسوں کے مقابلے میں اردو ماہیے کے لئے کئی پہلوؤں سے زیادہ متحرک، فعال اور اہم سال ثابت ہوا ہے۔ ابھی تک ماہیا نگاروں میں امین خیال، ضمیر اظہر، نذیر فتح پوری، رشید اعجاز، شجاعت علی راہی، منزہ اختر شاد، غزالہ طلعت، صدف جعفری، فرحت نواز، انور مینائی، یوسف اختر، افتخار شفیع اور سعید شباب تخلیقی لحاظ سے نسبتاً بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ۱۹۹۶ء میں اس فہرست میں مزید کئی قابل قدر شعراء کا اضافہ ہوا۔ پروین کمار اشک، قاضی اعجاز محور، مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر صابر آفاقی، احمد حسین مجاہد، شوکت مہدی، مشتاق شاد، یونس احمر، ندیم شعیب، طفیل خلش، اجمل پاشا اور آل عمران کے نام اس سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس برس درست وزن کی ماہیا نگاری کے فروغ کے ساتھ ماہیے کے مزاج کا مسئلہ نمایاں ہوا بعض دوستوں نے بجا طور پر اس طرف توجہ مبذول کرائی۔ وزن کے تعلق سے ۱۹۹۵ء کے آخر میں نثار ترابی کا ایک تفصیلی خط ''اوراق'' میں شائع ہوا تھا۔ اس خط میں انہوں نے ماہیے کے لئے دونوں اوزان کو درست قرار دیا تھا۔ ''اوراق'' کے اس سے اگلے شمارے میں جو ۱۹۹۶ء کے شروع میں آیا، میرا طویل خط شائع ہوا جس میں پنجابی ماہیے کے اصل وزن کو دلائل کے ساتھ

واضح کیا گیا اور نثار ترابی سے بحث کو جاری رکھنے کی توقع کی گئی لیکن ''اوراق'' کے اس سے اگلے شمارے میں انہوں نے معنی خیز خاموشی اختیار کر لی۔ ۱۹۹۵ء کے آخر ہی میں حمایت علی شاعر نے ماہیے کا غلط وزن اختیار کرنے والوں پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔ گذشتہ برس ارشد نعیم نے اس پر خلط مبحث کی کوشش کی۔ وہ اپنے دو سال پہلے ریکارڈ پر موجود موقف سے منحرف ہو گئے اس کے باوجود خود درست وزن کے ماہیے لکھتے رہے۔ حمایت علی شاعر کے خط سے شروع ہونے والی بحث گذشتہ برس ''تجدید نو'' میں جاری رہی۔ خلط مبحث کرنے والے کے صریح جھوٹ واضح طور پر نشان زد کئے گئے۔ ایسے مباحث کے نتیجہ میں عارف فرہاد جیسے خوش فکر شاعر درست وزن کی ماہیا نگاری کی طرف آ گئے۔ دیگر شعراء میں مشتاق احمد، ذوالفقار احسن اور شاہدہ ناز قابل ذکر ہیں جو پورے غور وخوض کے بعد درست وزن کی ماہیا نگاری کی طرف مائل ہوئے۔

گذشتہ برس ماہنامہ ''صریر'' کے سالنامہ میں ڈاکٹر بشیر سیفی کا مضمون ''اردو ماہیا تحقیقی مطالعہ'' شائع ہوا۔ اس مضمون میں انہوں نے یہ اصولی موقف تسلیم کر لیا ہے کہ ماہیے کا اصل وزن اس کی دھن میں موجود ہے۔ یہ وہی موقف ہے جس پر ہم شروع سے زور دیتے آ رہے ہیں تاہم ڈاکٹر بشیر سیفی نے اپنے مضمون میں یک رخی تحقیق پیش کی اور تصویر کا دوسرا رخ دیدہ دانستہ چھپانے کی کوشش کی۔ ان کے اس غیر محققانہ طرز عمل کی واضح نشاندہی میں نے اپنے جوابی مضمون ''ماہیے کے حوالے سے چند معروضات'' میں کر دی ہے۔ دیگر مضامین میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا ''حرف اول''، انور مینائی کا ''ماہیے۔ ایک مطالعہ'' اور سعید شباب کا ''اردو ماہیے'' اہمیت کے حامل ہیں ان مضامین میں پنجابی ماہیے کے اصل وزن کو واضح کرنے کے ساتھ اردو میں اسی وزن کی پابندی پر اصرار کیا گیا۔ میرا ایک پرانا مضمون جو پہلے ''صریر'' میں چھپ چکا تھا ''ماہیا اور اس کا دوسرا مصرعہ'' بھارت سے دوبارہ شائع ہوا۔ میرے دو مضامین ''پنجابی لوک گیت۔ ماہیا'' اور ''ماہیے کے وزن کا مسئلہ'' روزنامہ جنگ لندن نے شائع کئے۔ ایک اور مضمون ''اردو ماہیا۔ کل اور آج'' ماہنامہ شاہین (ڈنمارک) میں شائع ہوا جس میں میں نے وزن کے ساتھ ماہیے کے مزاج کے مسئلے پر بھی وضاحت کے ساتھ اپنا موقف بیان کیا۔ ماہیوں کے مجموعہ ''محبت کے پھول''

کا پیش لفظ بھی ماہیے پر میرے مضامین کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ان تمام مباحث کے ساتھ ساتھ گذشتہ برس ماہیا نگاروں کی ایک بڑی تعداد تخلیقی سطح پر عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتی رہی۔

میرے ماہیوں کا مجموعہ ''محبت کے پھول'' ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ یہ پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق اردو میں ماہیوں کا اولین مجموعہ ہے۔اسی برس پروفیسر قمر ساحری کا ''بادِ سبز'' بھی سامنے آیا۔اسے ماہیے کا پہلا دیوان کہنا مناسب ہے کہ قمر ساحری نے الف سے ے تک حروف تہجی کے لحاظ سے ماہیا نگاری میں اپنے فن کا اظہار کیا ہے۔ایک اور کتاب پچھلے سال ''رم جھم رم جھم'' کے نام سے شائع ہوئی۔ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اسے مرتب کیا۔ان کے مبسوط اور تفصیلی دیباچے کے ساتھ اس کتاب میں 11 ماہیا نگاروں کے ماہیوں کا انتخاب شامل کیا گیا۔اس انتخاب کو اردو ماہیے کا عطر کہا جاسکتا ہے۔اس انتخاب میں پاکستان کے چھ ماہیا نگار ضمیر اظہر، امین خیال، عارف فرہاد، یوسف اختر، سعید شباب اور حیدر قریشی اور انڈیا کے پانچ ماہیا نگار پروین کمار اشک، نذیر فتح پوری، انور مینائی، یونس احمر اور مناظر عاشق ہرگانوی شامل ہیں۔

سلطان حیدر علی کی سرزمین کرناٹک کے شہر بنگلور سے شائع ہونے والے اردو کے ممتاز اخبار روزنامہ ''پاسبان'' نے گذشتہ برس اپنی ۴ نومبر کی اشاعت میں ادبی ایڈیشن کو ماہیے کے لئے مخصوص کر دیا۔ اگرچہ اس پر ماہیا نمبر کے الفاظ نہیں لکھے گئے لیکن اسے کسی روزنامہ کے ادبی ایڈیشن کا پہلا ماہیا نمبر کہا جاسکتا ہے۔اس کے ادبی ایڈیشن کے مدیر نے ''کچھ ماہیے کے تعلق سے'' کے زیر عنوان اپنا ادارتی نوٹ لکھا۔سعید شباب، انور مینائی اور حیدر قریشی کے تین مضامین کے ساتھ۔ڈاکٹر فہیم اعظمی، مظہر امام، ڈاکٹر وزیر آغا اور وحید انور کے تاثرات کو ''ماہیا اور مشاہیر ادب کی آراء'' کے تحت شامل کیا گیا۔اس خصوصی اشاعت میں ان ماہیا نگاروں کے درست وزن کے ماہیے شائع کئے گئے ہیں۔امین خیال، ضمیر اظہر، مناظر عاشق ہرگانوی، یوسف اختر، پروین کمار اشک، صدف جعفری، انور مینائی، اجمل پاشا، بسمہ طاہر، غزالہ طلعت، خاور اعجاز، بقا صدیقی، آل عمران، ندیم شعیب، ایم اے تنویر، افتخار شفیع، حسن عباس رضا، ارشد نعیم، شبہ طراز، نذر عباس اور حیدر قریشی۔

ماہنامہ ''صریر'' کے مارچ ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں ڈاکٹر انور سدید کا پچھلے برس کا طویل سالانہ ادبی جائزہ شائع ہوا۔اس میں انہوں نے ماہیے کو ایک الگ شعری صنف کے تحت پیش کیا اور پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق اردو میں ماہیے کہنے کے رجحان کی مقبولیت کا اعتراف کیا۔ گذشتہ برس بعض ادیبوں کے انٹرویوز میں بھی ماہیے کا تذکرہ آتا رہا۔ثریا شہاب نے جنگ لندن میں چھپنے والے ایک انٹرویو میں اردو ماہیا نگاری کا پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق کئے جانے کا سوال اٹھایا، ڈاکٹر وزیر آغا نے ''تجدید نو'' میں چھپنے والے ایک انٹرویو میں وزن کی درستی کی تحریک کی تاریخی حیثیت کا اقرار کرتے ہوئے ماہیے کے مزاج کی طرف توجہ دلائی، بی بی سی لندن کے لئے نعیمہ ضیاء الدین سے عارف وقار نے سویڈن میں ایک انٹرویو لیا جس میں ماہیے کا ذکر خیر آیا، ریڈیو ڈوئچے ویلے، جرمنی سے نشر ہونے والے میرے ایک انٹرویو میں بھی ماہیے کا ذکر ہوا اور بھارتی ٹیلی ویژن بنگلور دوردرشن سے انور مینائی کا ایک انٹرویو ٹیلی کاسٹ ہوا جس میں اردو ماہیے کا تفصیلی تذکرہ ہوا۔

سال گذشتہ میں اردو ماہیے کے فروغ کے سلسلہ میں جن ادبی رسائل اور اخبارات نے اہم کردار ادا کیا، ان کی نامکمل فہرست کچھ یوں ہے۔

ماہنامہ اوراق لاہور، سہ ماہی اقدار کراچی، ماہنامہ تخلیق لاہور، سہ ماہی ارتکاز کراچی، ماہنامہ تجدید نو لاہور، اسلام آباد، ماہنامہ صریر کراچی، دو ماہی گلبن احمد آباد، انڈیا، سہ ماہی تکمیل انڈیا، ماہنامہ عوامی منشور کراچی، ماہنامہ شاہین کوپن ہیگن ڈنمارک، روزنامہ جنگ لندن، روزنامہ پاسبان بنگلور، ویکلی راوی بریڈفورڈ، پاکستان ٹوڈے امریکہ، یہ صرف ان رسائل اور اخبارات کے نام ہیں جو مجھے جرمنی میں دستیاب ہو سکے ہیں۔ یقیناً ان کے علاوہ بھی بعض رسائل اور اخبارات نے ماہیے کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا ہوگا۔ایسے تمام رسائل اور اخبارات بھی لائق تحسین ہیں۔ان کے نام یہاں درج نہ ہونا محض ان تک میری نارسائی ہے۔

اس مختصر سے جائزہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پنجابی لوک گیت ماہیا اردو ادب میں آکر اپنے وزن اور مزاج، جسم اور روح کے ساتھ اردو کی ایک نئی شعری صنف کے طور پر مسلسل مستحکم

ہو رہا ہے۔۱۹۹۶ء میں اس چھوٹے سے پودے نے اپنے تناور درخت بننے کے امکان کو اجاگر کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اردو ماہیا اپنے پنجابی خدوخال اور مزاج کے ساتھ نئے تخلیقی اظہار سے اردو شاعری کے وقار میں اضافے کا موجب بنے گا اور ۱۹۹۷ء کا سال اپنے اختتام پر گواہی دے گا کہ اردو ماہیے نے ۱۹۹۶ء سے بھی آگے کا سفر طے کر لیا ہے۔

سعید شباب کے تازہ مضمون ''اردو ماہیے'' کے آخری الفاظ کو اپنی دعا بناتے ہوئے یہ جائزہ ختم کرتا ہوں۔

''خوشی کی بات ہے کہ ماہیے کے مزاج اور خدوخال کی بحث جیسے جیسے آگے بڑھ رہی ہے، ویسے ویسے شعراء کرام ماہیے کے اصل وزن کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ غلط وزن میں ماہیے کہنے والوں کی تعداد اب گھٹ کر رہ گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے شعراء کرام کے ذریعہ اردو ماہیا دوسری اصناف ادب کے دوش بدوش وقار کے ساتھ اکیسویں صدی میں داخل ہو سکے گا''

(ایں دعا از من و از جملہ جہانِ ادب آمین باد!)

(مطبوعہ۔روزنامہ ''نوائے وقت''، راولپنڈی، شمارہ۔۵ فروری ۱۹۹۷ء)

☆☆☆☆

مدیران ''بھنگڑا'' کے نام

محترم ڈاکٹر کے ایچ شاہین رانا صاحب
محترم امین خیال صاحب اور
محترم غلام مصطفیٰ بسمل صاحب
سلام مسنون

پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' کا اردو ماہیا نمبر ملا۔ دیکھ کر جی خوش ہوا۔ آپ صاحبان نے تاریخی نوعیت کا کام کیا ہے جس کے لئے میری طرف سے پر جوش مبارکباد قبول فرمائیں۔ اردو میں ماہیا نگاری نے درست سمت میں مزید پیش قدمی کی ہے۔ اختلافی ماہیوں کے نمونے ساتھ شامل کر کے جہاں غیر جانبداری کا ثبوت دیا گیا ہے۔ وہیں آنے والے وقت میں محققین کے لئے بہت سا دلچسپ مواد بھی جمع کر دیا گیا ہے۔

غلام مصطفیٰ بسمل صاحب کے اختلافی اداراتی نوٹ کا میں خیر مقدم کرتا ہوں کیونکہ سنجیدہ اختلاف رائے سے جو بحث ہوتی ہے اس سے حقیقت زیادہ نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

غلام مصطفیٰ بسمل میرے بارے میں لکھتے ہیں۔

''پنجابی زبان میں مطالعہ کی کمی کے باعث ان کا نکتہ نظر محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پنجابی زبان میں کوئی ضابطہ یا اصول نہیں، ضرورت شعری کے مطابق اس کے حروف کو کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے۔''

اگرچہ میں نے کسی زمانے میں ایم اے پنجابی کرنے کے لئے سال بھر جم کر تو اس کی کتابیں پڑھی تھیں تاہم مجھے پنجابی زبان ہی میں نہیں اردو زبان میں بھی اپنے مطالعہ کی کمی کا اعتراف ہے۔ البتہ ماہیے کے موضوع پر میں جتنا کچھ سمجھ سکا ہوں اسے قارئین ادب کے سامنے ضرور پیش کر رہا

ہوں۔میں نے یہ نہیں لکھا کہ پنجابی زبان میں کوئی ضابطہ یا اصول نہیں ہے۔میرا خیال ہے یہاں تفہیم میں یا ابلاغ میں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔اصلاً بات ہو رہی تھی اردو زبان میں زحافات کے تعین کی اور زحافات کے حوالے سے میں نے لکھا ہے کہ پنجابی زبان میں (زحافات) ایسا کوئی ضابطہ یا اصول نہیں ہے۔زحافات کا تعین نہ ہونے کے باعث شعری ضرورت کے مطابق بعض حروف کو کھینچ کر لمبا بھی کرلیا جاتا ہے اور گرا کر مختصر بھی کرلیا جاتا ہے۔پھر اس بیان کے ساتھ میں نے بطور مثال چھ ماہیے بھی پیش کئے ہیں۔اردو قواعد کے مطابق ان میں سے پہلے دو ماہیوں کے دوسرے مصرعوں کا وزن فعلن فعلن فع بنتا ہے دوسرے دو ماہیوں کے دوسرے مصرعوں کا وزن فعلن فعلن فعلن بنتا ہے اور تیسرے دو ماہیوں کے دوسرے مصرعوں کا وزن فعلن فعلن فعلن فع بنتا ہے۔اب یا تو یہ کہہ دیا جائے کہ ماہیے کا سرے سے کوئی قاعدہ کلیہ ہی نہیں ہے یا یہ مان لیا جائے کہ ماہیے کا وزن تو مخصوص ہے لیکن زحافات کا تعین نہ ہونے کے باعث پنجابی شاعری میں خاصی لچک کی گنجائش ہے اور اسی وجہ سے یہ تین مختلف وزن دکھائی دیتے ہیں جبکہ ماہیے کی دھن پر پنجابی الفاظ کو گاتے ہوئے کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔میں نے جہاں کہیں قواعد وضوابط کی عدم موجودگی کی بات کی ہے اس سے مراد زحافات کی شعری رعایتیں ہیں۔

غلام مصطفیٰ بسمل صاحب نے آخر میں ماہیے کے دونوں وزن اختیار کر لینے کو مناسب سمجھا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ پھر تینوں ہی وزن کیوں نہ اختیار کر لئے جائیں؟ دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم اور تینوں مصرعے ہم وزن کے ساتھ دوسرے مصرعہ میں ایک سبب زائد بھی روا رکھا جائے۔لیکن کیا اردو میں ایسا کرنا ماہیے کے ساتھ مذاق نہیں بن جائے گا؟ اصل میں لسانی اور عروضی بحث پر میں اب تک کافی وضاحت سے اپنا موقف پیش کر چکا ہوں اور منتظر ہوں کہ کوئی دوست پوائنٹ در پوائنٹ میرے پیش کردہ موقف کے جواب میں مدلل بات کریں۔اسی عرصہ میں اپنی تحقیق وتنقید کی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' مکمل کر چکا ہوں۔امید ہے یہ کتاب اسی برس منظر عام پر آ جائے گی۔مجھے خوشی ہوگی کہ غلام مصطفیٰ بسمل صاحب میرے موقف کو پوری طرح پڑھ کر اپنی مدلل رائے دیں کہ میرے موقف کی بنیاد بہر حال پنجابی ماہیا ہے اور اس کے لئے مجھے

بہر حال پنجابی ادب کے اسکالرز کی رائے زیادہ فائدہ پہنچائے گی۔یہاں یہ بات پھر دہرا دوں کہ پنجابی ماہیا گائے جانے والی چیز ہے اور اس کی اپنی مخصوص دھن ہے۔بسمل صاحب نے اپنے جو ثلاثی ''ماہیے'' کے نام سے پیش کئے ہیں، ان میں سے ایک ''ماہیا'' پیش کرتا ہوں۔

یہ آج تمہارا ہے
کل ہوگا ہمارا بھی
موسم کا اشارا ہے

اگر بسمل صاحب اپنے اس ''ماہیے'' کو پنجابی ماہیے کی کسی معروف دھن میں گنگنانے میں کامیاب ہو جائیں تو میں ان کے موقف کو بخوشی قبول کرلوں گا۔کیا وہ اپنے اس ''ماہیے'' کو پنجابی ماہیے کی دھن میں روانی سے گنگنا سکتے ہیں؟ اس کا فیصلہ بھی انہیں پر چھوڑتا ہوں۔جو مزاجِ یار میں آئے......''بھنگڑا'' کے اس ماہیا نمبر میں محترم ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری صاحب کا لگ بھگ دس سال پرانا مضمون دوبارہ پڑھ کر جی خوش ہوا۔مضمون کا آخری حصہ تو مجھے ان کی پیشین گوئی سا محسوس ہوا۔تنویر بخاری مفعول مفاعیلن کے وزن پر اصرار کر رہے تھے اور جمال ہوشیار پوری کا خیال تھا کہ فعلن فعلن فعلن زیادہ موزوں ہے......ہم نے ماہیے کی دھن پر جب ان اوزان کو آزمایا تو (دوسرے مصرعہ کے فرق کے ساتھ) دونوں اوزان کو درست پایا۔بھنگڑا کے ماہیا نمبر کے صفحہ ۵ کالم ۴ میں میرے مضمون میں دونوں اوزان کی ہم آہنگی کی نشاندہی کی گئی ہے۔

''غور کیا جائے تو ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری کا موقف زیادہ جاندار ہے کیونکہ مفعول مفاعیلن بھی عملی طور پر حقیقتاً فعلن فعلن فعلن کا روپ دھار لیتا ہے......مفعولمفاعیلن''

میں یہاں اپنی خوشی میں آپ سب کو شریک کرنے کے لئے جمال ہوشیار پوری صاحب کے مضمون کا آخری حصہ درج کر رہا ہوں۔

''تنویر بخاری ہوراں نے اٹھویں کلی نوں غلط قرار دے دتا اے پر اوہدا پہلا تے تیجا مصرعہ میرے دسے وزن تے پورا اتریا اے۔خورے کل نوں کوئی ہور بندا کوئی ہور وزن لبھ لوے جیڑا میرے متھے ہوئے وزن تے پوریاں اترن والیاں ساریاں کلیاں تے مصرعیاں تے وی فٹ

آ جاوے تے نال ای ایس کلی دے دوجے مصرعے تے وی فٹ آ جاوے تے انج ایس مضمون دا دوجا حصہ وی لکھیا جاوے جس دے لکھے جان نال پورا ماہیا عروض دے گھیرے وچ آ جاوے تے اسیں کہہ سکیئے کہ ماہیے دا جیہڑا مصرعہ ایس وزن تے پورا نئیں اتر دا اوہ غلط اے۔ پر پتہ نہیں کہ اوہ دوجا حصہ کدے لکھیا وی جاوے گا کہ نہیں تے جے لکھیا جاوے تاں لکھن والا بندہ کون ہووے گا۔ تنویر بخاری یاں میں یاں کوئی ہور؟''

میں نہیں کہہ سکتا کہ جمال ہوشیار پوری کا ''کوئی ہور'' میں ہی ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں نے ماہیے کی عوامی دھن سے ماہیے کے وزن کی دریافت کا جو بنیادی اصول بتایا ہے اس سے نہ صرف اردو ماہیے کا قبلہ درست ہوا ہے بلکہ پنجابی میں بھی ماہیے کے وزن کی تفہیم کا اصل اصول ضرور مل گیا ہے...... یہ ایک علمی بات ہے...... میں نے اپنا موقف دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے اسے ان سے بہتر دلائل کے ساتھ توڑا جا سکتا ہے۔ میں نے کسی سچائی کا بلند بانگ دعویٰ نہیں کیا لیکن اردو والے بعض ''کرم فرماؤں'' نے مجھے جس طرح دھتکارا اور پھٹکارا ہے اس سے مجھے لگتا ہے کہ میرے موقف میں کوئی سچائی ضرور ہوگی۔ مجھے غلام مصطفیٰ بسمل صاحب اور پنجابی کے دیگر اسکالرز سے امید ہے کہ وہ اردو میں پنجابی ماہیے کی بقا اور احیا کے لئے مجھ ایسے کم علم کا ساتھ دیں گے بلکہ میری رہنمائی بھی کریں گے اور مجھے یہ نہیں کہنا پڑے گا

کیا کیا خضر نے سکندر سے　　　　اب کسے رہنما کرے کوئی

''بھنگڑا'' کے اس ماہیا نمبر میں پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق ماہیے لکھنے والوں کی تعداد ۵۳ ہے جبکہ تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی لکھنے والے صرف آٹھ ہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون اس لحاظ سے بے حد اہم ہے کہ ایک بہاری بابو نے پنجابی ماہیے کو اتنی گہری اور علمی نظر سے دیکھا ہے۔ پنجابی زبان سے ان کی اس محبت کو محبت کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ بہر حال اس تاریخی نمبر کی اشاعت پر ایک بار پھر آپ تینوں صاحبان کی خدمت میں مبارکباد اور اظہار تشکر۔ والسلام　　　　نیک تمناؤں کے ساتھ　　　　حیدر قریشی (جرمنی)

(مطبوعہ۔ اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ۔ شمارہ۔ جولائی ۱۹۹۷ء)

ماہیا اور چن ماہی

(بھنگڑا شمارہ جولائی، اگست ۱۹۹۶ء کے حوالے سے)

''بھنگڑا'' کے ماہیا نمبر پر عمومی طور پر پسندیدگی اور خوشی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ صرف ان دوستوں کو اختلاف سوجھ رہا ہے جو اپنے مخصوص تحفظات یا بعض تعصّبات کی وجہ سے اختلاف کرنا لازم سمجھتے ہیں۔

یوسف علی لائق صاحب کو میں اس لحاظ سے ہمیشہ سے لائق تحسین سمجھتا ہوں کہ وہ علم عروض میں خاصی مہارت رکھتے ہیں۔ اتنی اچھی خاصی مہارت کہ جس کے بعد بندہ فکر اور جذبے سے زیادہ عروضی مہارت کا مظاہرہ کرتا رہ جاتا ہے۔ میں عروض کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کرتا لیکن اس میدان میں اپنی کم علمی بلکہ لاعلمی کا اقرار بھی شروع میں ہی کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اس علم میں تھوڑی بہت شد بد صرف ماہیے کی وجہ سے حاصل کرنا پڑی۔ غزلوں اور نظموں کے لئے (اردو ماہیا نگاری کے لئے بھی) میں موزونیٔ طبع سے ہی کام چلا لیتا ہوں۔ ماہیے کے خدوخال کی بحث کے باعث تھوڑا سا فعلن فعلن سیکھ لیا ہے تو اسے بھی غنیمت سمجھتا ہوں۔

یوسف علی لائق صاحب کے برعکس ادب کے تئیں میرا رویہ کچھ اور ہے۔ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان پڑھا تھا ''لفظ کے خادم مت بنو بلکہ روح کے بنو کیونکہ روح زندہ رکھتی ہے اور لفظ مار ڈالتے ہیں۔'' سو میں لائق صاحب کی طرح اپنی عروضی لیاقت تو نہیں دکھا سکتا، ہاں ماہیے کی روح کے حوالے سے بات ضرور کر سکتا ہوں۔ لائق صاحب نے اپنے مضمون ''ماہیا کی بازیافت'' میں جہاں اپنے طور پر زبانوں کی گہرائی میں جا کر تحقیق کے جوہر دکھائے ہیں وہاں اہل علم کے لئے دلچسپی کا مواد فراہم کر دیا ہے لیکن جہاں دوسروں کی تحقیق یا امکانی بیان کو

انہوں نے تنقید بلکہ تضحیک کا نشانہ بنایا ہے وہیں مار کھا گئے ہیں۔ مثلاً میں نے ماہی بمعنی چرواہا بیان کیا ہے تو اس پر مضحکہ خیز قسم کا طنز فرمایا ہے۔ میں ان کے طنزیہ جملوں کا اب کیا جواب دوں۔ وارث شاہ سے بلھے شاہ تک ماہی بمعنی چرواہا کی کتنی ہی مثالیں موجود ہیں۔ یہاں صرف دو مثالیں درج کئے دیتا ہوں۔

مہیں چرن نہ باجھ رنجھیڑے دے
ماہی ہور سبھے جھکھ مار رہے

ماہیاں پچھیا رانجھیاں دس بھائی
تیرے کن پاڑے ہن کس کان میاں

ان دو مثالوں پر غور کرنے کے بعد یوسف علی لائق صاحب لفظ ماہی کے بارے میں میرے بیان پر اپنے عالمانہ طنزیہ الفاظ دوبارہ پڑھیں اور پھر سوچیں کہ وہ اپنی ''تحقیق'' کے ہاتھوں کس حال کو پہنچ گئے ہیں۔ متعدد مقامات پر لائق صاحب کی تحقیق کا انداز ان عالموں جیسا ہے جو گوتم بدھ کی تعلیمات اور کردار کو چھوڑ کر اس بحث میں الجھ گئے تھے کہ گوتم بدھ منگل کے دن پیدا ہوئے تھے یا بدھ کے دن پیدا ہوئے تھے۔ اصل معاملہ جس کی خاطر لائق صاحب نے اتنی مشقت کی ہے صرف یہ ہے کہ ان کے پیارے دوست (جو مجھے بھی بہت عزیز ہیں) پروفیسر قمر ساحری نے چونکہ مفعول مفاعیلن/فعل مفاعیلن/مفعول مفاعیلن کے وزن میں ماہیے لکھے ہیں لہٰذا ماہیے کے لئے صرف یہی وزن قابل قبول ہونا چاہئے باقی کے متبادل اوزان رد کر دیئے ہیں۔ اس لحاظ سے قمر ساحری صاحب زیادہ اچھے رہے کہ انہوں نے اپنے دل کی بات مختصر الفاظ میں صاف صاف کہہ دی ہے۔ اصل میں ماہیے کے اوزان میں فعلات مفاعیلن (علامہ یعقوب انور) مفعول مفاعیلن (شارب اور تنویر بخاری) فعلن فعلن فعلن (جمال ہوشیار پوری، عرش صدیقی) بیان کئے گئے ہیں۔ تسکین اوسط کی کرشمہ سازی اردو میں بھی اس کی گنجائش پیدا کر دیتی ہے تاہم ہمارا بنیادی موقف پہلے دن سے یہی ہے کہ جو ماہیا، ماہیے کی مخصوص دھن پر گایا گنگنایا جا سکتا ہے

وہ ماہیا ہے۔ اس کے لئے یہ سارے اوزان بڑی حد تک ٹھیک رہتے ہیں۔

ڈاکٹر فہیم اعظمی صاحب کا ماہیے کے سلسلے میں خدمات کا ایک سلسلہ رہا ہے۔ مجھ سے ماہیے پر پہلا مضمون انہوں نے ہی لکھوایا تھا۔ ایک عرصہ تک وہ ہمارے موقف کا ہم سے بھی زیادہ پرچار کرتے رہے۔ ۱۹۹۴ء میں نثار ترابی نے ''بارات گلابوں کی'' کا اشتہار ''صریر'' میں اشاعت کے لئے بھیجا تو انہوں نے اشتہار تو چھاپ دیا لیکن اس میں سے ماہیے کے تمام الفاظ حذف کر دیئے۔ اس سے ماہیے کی تحریک سے ان کی وابستگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں ساختیات پس ساختیات کے بارے میں میرے ایک اختلافی مضمون کی اشاعت کے بعد اعظمی صاحب میں یہ پاک تبدیلی آئی کہ انہوں نے (محض میرے سخت الفاظ میں اختلاف کے باعث) ماہیے کے دونوں اوزان کو قبول کر لیا نہ صرف ایسا کیا بلکہ ڈاکٹر بشیر سیفی کے ایک غیر محققانہ مضمون کے جواب میں جب میں نے انہیں مضمون بھیجا تو انہوں نے اپنے اختلافی نوٹ کی حاشیہ آرائی کے ساتھ میرے مضمون میں سے وہ تمام حصے حذف کر دیئے جس میں بشیر سیفی کے غیر محققانہ رویئے کی واضح طور پر نشاندہی کی گئی تھی۔ مزید کرم یہ کیا کہ میرے ایک اور مضمون کو بھی اس کے ساتھ مربوط کر کے سارا مضمون ہی بے ربط کر دیا۔ چونکہ ڈاکٹر فہیم اعظمی کا ردِ عمل علمی نہیں بلکہ ''ذاتیات'' کے پس منظر سے ابھرا ہے اس لئے میں اصل حقیقت بیان کر کے ان کے ساتھ سر دست مزید الجھاؤ نہیں چاہتا۔

ویسے ان کے طرزِ عمل سے ساختیاتی تنقید کا عملی روپ ضرور سامنے آ گیا ہے اور ساختیات پر میرے اعتراضات کی تصدیق ہوئی ہے میں ابتدائی ایام میں ان کے پُرخلوص اور محبت آمیز تعاون پر ان کا شکر گزار رہوں۔ ان کا وہ کردار ماہیے کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

آخر میں یوسف علی لائق صاحب کو سلام کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کو دہرا کر یہ مضمون ختم کرتا ہوں ''لفظ کے خادم مت بنو بلکہ روح کے بنو کیونکہ روح زندہ رکھتی ہے اور لفظ مار ڈالتے ہیں۔''

(مطبوعہ: پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ شمارہ ۱ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

اردو ماہیا ۱۹۹۷ء میں

۱۹۹۷ء کا سال اردو ماہیے کے لئے ادب میں استحکام کا سال ثابت ہوا ہے۔شعراء کرام نے اس نئی شعری صنف کو محبت کی نظر سے دیکھا اور اپنی اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے مطابق اس کے امکانات کو آزمایا۔ تحقیق اور تنقید کے میدان میں اہم اور بنیادی نوعیت کے کام ہوئے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنی تازہ تحقیق سے ثابت کیا کہ ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی سے بھی پہلے ۱۹۳۷ء میں ہمت رائے شرما نے اردو ماہیے کہے جو ۱۹۳۹ء میں ریلیز ہونے والی فلم ''خاموشی'' کے لئے ریکارڈ کئے گئے۔اردو ماہیے کے اس اولین نقش کے چند ماہیے یہاں درج کر دینا مناسب ہوگا۔

اک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

سہمی ہوئی آہوں نے	کچھ کھو کر پائیں ہم
سب کچھ کہہ ڈالا	دور کہیں جا کر
خاموش نگاہوں نے	اک دنیا بسائیں ہم

میری تحقیق و تنقید کی یک موضوعی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' اسی برس شائع ہوئی، تحقیق و تنقید کے ساتھ تخلیقی فعالیت کا بھی بھرپور مظاہرہ ہوا،ضمیر اظہر (مرحوم) کے ماہیے ''پھول کہانی'' کے نام سے شائع ہوئے،نذیر فتح پوری کے ماہیوں کا مجموعہ ''ریگ رواں'' اور امین خیال کے ماہیوں کا مجموعہ ''یادوں کے سفینے'' اس سال منظر عام پر آئے،سعید شباب کا مرتب کردہ ۳۵

ماہیا نگاروں کا انتخاب ''اردو ماہیے'' کے نام سے شائع ہوا۔ان پانچ کتابوں کے علاوہ گوجرانوالہ سے شائع ہونے والے پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' نے اپنی ایک خاص اشاعت اردو ماہیا نمبر کے طور پر پیش کی جس میں مختلف مضامین کے ساتھ ۵۳ ماہیا نگاروں کے ماہیے شامل کئے گئے۔

جن ادبی رسائل اور اخبارات میں ماہیے یا ماہیے پر مضمون یا خطوط شامل ہوئے ان کی ایک نا تمام فہرست یوں ہے۔''اوراق'' لاہور، ''تخلیق'' لاہور، ''صریر'' کراچی، ''ارتکاز'' کراچی، ''الفاظ'' کراچی، ''کوہسار'' بھاگلپور، ''تیر نیم کش'' مراد آباد، ''جدید اسلوب'' سہسرام، ''گلبن'' احمد آباد، ''کتاب نما'' نئی دہلی، ''عوامی منشور'' کراچی، ''اردو ادب'' راولپنڈی، ''شاہین'' کوپن ہیگن، ''اقدار'' کراچی، ''جنگ'' لندن، ''نوائے وقت'' راولپنڈی، ''الاخبار'' راولپنڈی، ''میرٹھ میلہ'' میرٹھ، ''دیش بدیش'' بھاگلپور، ''راوی'' بریڈفورڈ......جن اخبارات و رسائل کے نام اس فہرست میں نہیں آ سکے وہ محض میری ان تک نارسائی کا ثبوت ہے تاہم ماہیے کے فروغ کے سلسلے میں ان کی خدمات قابل تحسین ہیں۔

''اوراق'' نے سال کے آغاز میں میرے ایک مضمون کے ساتھ چار درست وزن والے ماہیا نگاروں کے ماہیے شائع کئے۔ یوں ماہیے کا ایک غیر رسمی چھوٹا سا گوشہ سجایا گیا۔ ''شاہین'' نے بھی ماہیے کے فروغ کے لئے خصوصی کردار ادا کیا۔سہ ماہی ''کوہسار'' کے ایک شمارہ میں بھی ہمت رائے شرما کو اردو ماہیے کا بانی قرار دینے والے تحقیقی مضمون کے ساتھ ۹ ماہیا نگاروں کے ماہیے شامل کئے گئے جبکہ ایک اور شمارہ میں ماہیے پر ایک مباحثہ کراتے ہوئے ۳۳ ماہیا نگاروں کے ماہیے شائع کئے گئے۔

پاکستان اور انڈیا میں پہلے سے جو ماہیا نگار سرگرم عمل ہیں،ان سے ہٹ کر نئے ماہیا نگاروں کی ایک بڑی تعداد اس طرف آئی۔اس برس ماہیا نگاری کی طرف مائل ہونے والے شعراء کرام میں نذیر قیصر، شاہد جمیل، سجاد مرزا، شارق جمال، فرحت قادری، مسعود ہاشمی، یاسمین سحر، شروَن کمار ورما، ناوک حمزہ پوری، علقمہ شبلی، عارف حسن خان، منور احمد منور، عاصی کاشمیری، اشعر اورینوی، نادم بلخی، فیضی سمبلپوری، سلیم احمد سلیم، یاسمین مبارک، نوید امین اعظم، دلشاد علی دلشاد، امجد

حمید محسن، رافق زماں، انور شمیم انور، محی الدین غنی، اسلم حنیف، نسیم عزیزی، کندن لاہوری، شارق عدیل، امان اللہ امان، فراغ روہوی، جوثر ایاغ، عبدالجلیل عباد، نور الحسن میکش، ظفیر الدین ظفر، نیئر حسین نیئر، قمر الزمان قمر اور کوثر بلوچ کے نام شامل ہیں۔ جبکہ پہلے سے ماہیا نگاری کرنے والے شعراء کرام میں سے جن کے نئے ماہیے سامنے آئے اور جو تخلیقی میدان میں فعال رہے ان میں سے قابل ذکر ماہیا نگاروں میں ان ناموں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ امین خیال، عارف فرہاد، مناظر عاشق ہرگانوی، شاہدہ ناز، قاضی اعجاز محور، احمد حسین مجاہد، ڈاکٹر صابر آفاقی، پروفیسر قمر ساحری، خاور اعجاز، طفیل خلش، نذیر فتح پوری، یوسف اختر، انور مینائی، پروین کمار اشک، سعید شباب، ذوالفقار احسن۔ یہ صرف چند فعال ماہیا نگاروں کے نام ہیں وگرنہ مجموعی طور پر یہ فہرست ۱۰۰ ماہیا نگاروں سے زیادہ ہو چکی ہے۔

اس برس ماہیے کے مجموعوں پر تبصروں اور مضامین کے ساتھ ماہیے کی تفہیم کی بحث کا سلسلہ جاری رہا۔ مجموعی طور پر ۲۵ مضامین اور ۴ تبصرے شائع ہوئے۔ ان میں سے سات مضامین میں نے، تین مضامین ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اور دو مضامین سعید شباب نے لکھے۔ دیگر مضمون نگاروں کے نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر انور مینائی، ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری، مشتاق احمد، نصرت یاسمین، اجمل پاشا، عاشق حسین عاشق، طیب احمد اور امین خیال۔ ڈاکٹر بشیر سیفی، یوسف علی لائق اور غلام مصطفیٰ بسمل نے اختلافی زاویئے کو ابھارا جس سے بحث آگے بڑھی اور جواب الجواب کے نتیجہ میں سچائی مزید نکھر کر سامنے آئی۔ تبصرہ نگاروں میں ثریا شہاب، سید ظفر ہاشمی، مقصود الٰہی شیخ اور سید اختر الاسلام کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ اول الذکر دو نے ''محبت کے پھول'' پر اور آخر الذکر دو نے ''رم جھم رم جھم'' پر تبصرے کئے۔

اردو ماہیے کے سلسلے میں انڈیا میں بھاگلپور کے حلقہ ادب کے زیر اہتمام ماہیا مشاعرہ کیا گیا۔ یہ مشاعرہ بہار ایگریکلچر کالج کے آڈیٹوریم میں ہوا جس میں ہندوستان کے متعدد ماہیا نگاروں نے شرکت کی۔ دسمبر ۱۹۹۶ء میں ریلیز ہونے والی انڈین فلم ''اف یہ محبت'' کی خبر مجھ تک ۱۹۹۷ء کے شروع میں پہنچی۔ اس فلم میں وپن ہانڈا نے اردو ماہیے پیش کئے ہیں جبکہ اسی برس ممتاز

پاکستانی شاعر نذیر قیصر نے فلم ''کانٹا'' کے لئے ماہیے لکھے جو ترنم ناز اور حامد علی خان نے گائے ہیں۔

میری چھت پر آیا کرو	آنچل میں ستارے ہیں
جب میں سو جاؤں	جب سے تمہیں دیکھا
میری مکھیاں اڑایا کرو	اس دن سے تمہارے ہیں
(وپن ہانڈا)	(نذیر قیصر)

ادبی رسائل کے خطوط کے صفحات پر بھی ماہیے کے حوالے سے اس برس خاصی گہما گہمی رہی۔ عبدالعزیز خالد اور ڈاکٹر محمد امین کے خطوط میں ''بادِ سبز'' کے ماہیوں کی تعریف کی گئی۔ غلام جیلانی اصغر نے ماہیے کے مزاج کا مسئلہ اپنے مخصوص دلچسپ انداز میں اٹھایا۔ احمد حسین مجاہد نے درست وزن کے مسئلے پر ٹھوس موقف اختیار کیا لیکن سب سے اہم خط پروفیسر آل احمد سرور کا رہا۔ انہوں نے اردو ماہیے میں ہمت رائے شرما کی اولیت کو درست قرار دیا اور چراغ حسن حسرت کے مبینہ ''ماہیوں'' کی بطور ماہیا نفی کی۔ دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد نے اپنی ستمبر اکتوبر کی اشاعت میں اعلان کیا ہے کہ ان کا نئے سال کا پہلا شمارہ ماہیا نمبر ہوگا۔ توقع ہے کہ یہ جائزہ چھپنے تک گلبن کا ضخیم ماہیا نمبر چھپ چکا ہوگا۔

پنجابی ماہیے کے وزن والا ماہیا اب اردو میں نہ صرف ٹھیک طرح پہچانا جا چکا ہے بلکہ تمام تر مخالفتوں کے باوجود شعراء کرام میں مسلسل مقبولیت بھی حاصل کر رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اب ماہیے کی تفہیم اور ترویج کے لئے بات اس کے وزن کی بحث سے آگے بڑھے گی اور ادب میں اس کے ادبی اور ثقافتی کردار کی اہمیت پر غور و فکر کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہمارے ماہیا نگار اور ماہیے کے ناقدین اپنا ادبی فریضہ حسن و خوبی سے ادا کریں گے۔ انشاء اللہ

(مطبوعہ: ۱۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی، شمارہ ۹۸-۲-۳
۲۔ روزنامہ ''جنگ'' لندن، شمارہ ۹۸-۲-۱۹۔
۳۔ سہ ماہی ''کوہسار'' بھاگل پور، شمارہ مئی ۱۹۹۸ء)

ماہیے کی کہانی

ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ (استاد اردو، ہائیڈل برگ یونیورسٹی) نے میرے نام اپنے دو خطوط میں ماہیے کے تعلق سے یہ سوال اٹھائے ہیں۔

ا۔ ماہیا سے پہلے اردو میں ہائیکو، ثلاثی اور بعض دیگر سہ مصرعی اصناف موجود ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے ماہیا کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

۲۔ ماہیا پنجابی لوک گیت ہے جس کا تعلق گائیکی سے ہے۔ اردو کے شعری ادب میں ماہیا کی کیا حیثیت بنے گی۔ ادبی صنف کی یا گیت کی؟

۳۔ ایسے وقت میں جبکہ کمرشل میوزک کا رواج ہے (بلکہ راج ہے) ایک لوک گیت کی اردو میں آ کر موسیقی کے حوالے سے بھی کیا حیثیت بن پائے گی؟

یہ سوال اس لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں کہ اب تک ماہیے کی جو عمومی بحث ہوئی ہے اس سے ہٹ کر کئے گئے ہیں۔ ان سوالات کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار اس مضمون کے آخر میں کروں گا۔ پہلے میں گذشتہ چند برسوں میں اٹھائے گئے اعتراضات اور نکات پر گفتگو کروں گا تاکہ ماہیے کو سمجھنے اور سمجھانے کی اب تک کی مثبت اور منفی دونوں طرح کی کاوشوں کا مجموعی تاثر سامنے آ جائے اور یہ بھی ریکارڈ پر آ جائے کہ ماہیے کی بحث اب تک کیسے کیسے مرحلوں سے گذر کر آئی ہے۔ چونکہ بیشتر اعتراضات کے جواب مضامین کی صورت میں ساتھ ساتھ ہی ہماری طرف سے دیئے جاتے رہے ہیں۔ اس وجہ سے میرے بعض سابقہ مضامین کے خیالات کی اس مضمون میں تکرار کی بھی گنجائش ہے۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ ایسا کم سے کم ہو۔ تاہم اب تک کے تمام اہم سنجیدہ اور علمی نکات اور غیر سنجیدہ اعتراضات کو یک جا کرنا بھی نیا کام ہے۔ یوں

ماہیے کی بحث کی کہانی میں موافقت اور مخالفت کی بیشتر روداد جمع ہو جائے گی۔

ماہیے کے سلسلے میں پنجابی اسکالرز نے مختلف موقف پیش کئے تھے۔ غلام یعقوب انور نے یہ وزن ''فعلات مفاعیلن'' بیان کیا تھا۔ پروفیسر شارب نے اسے ''مفعول مفاعیلن'' بیان کیا۔ تنویر بخاری نے بھی یہی وزن بیان کیا۔ ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری نے ان اوزان کے مقابلے میں ''فعلن فعلن فعلن'' کو موزوں قرار دیا۔ پروفیسر شارب نے عروضی بکھیڑوں سے جھوجھنے کے بعد غیر ارادی طور پر یہ حقیقت بیان کی۔

''سُر ٹھیک لگدی ہووے تاں سبھ ٹھیک اے''...... ماہیا سُر (لَے) میں ہو تو سب ٹھیک ہے۔ سُر کو گاتے وقت دیہاتی لوگ خود ہی ٹھیک رکھتے ہیں کیونکہ وہ نسل در نسل یہ لَے سنتے آئے ہیں اور ان سے زیادہ ماہیے کی لَے کو اور کون جان سکتا ہے؟ (پنجابی سے ترجمہ)

اسی طرح تنویر بخاری بھی اس حقیقت کے قریب سے گذرتے ہیں۔

''ماہیے کے عام ٹکڑوں کو جب ہم اس وزن پر پرکھتے ہیں تو ہمیں ان میں بہت ساری کمی بیشی دکھائی دیتی ہے۔ کئی الفاظ یا حروف کی کمی کو لَے کو زیادہ کر کے پورا کر لیا جاتا ہے۔''

(پنجابی سے ترجمہ)

غلام یعقوب انور پروفیسر شارب اور تنویر بخاری جو اوزان بیان کر رہے تھے ان کا فرق شاید ''تسکین اوسط'' کی کرشمہ سازی تھا۔ سُر ٹھیک لگنے اور الفاظ کی کمی بیشی کو لَے میں پورا کر لینے کا اندازہ ہونے کے باوجود ہمارے پنجابی اسکالرز پنجابی ماہیے کی ساخت کو گہری نظر سے نہ دیکھ پائے اور یہی گمان کرتے رہے کہ ماہیے کے تینوں مصرعے ہم وزن ہیں۔ ان کے برعکس ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری کو کہیں کہیں دوسرے مصرعہ میں الجھاؤ محسوس ہوا تو انہوں نے اپنی تمام تر تحقیق کے باوجود برملا طور پر یہ اقرار کیا۔

''شاید کل کلاں کوئی اور بندہ کوئی اور وزن تلاش کر لے جو میرے بیان کردہ وزن پر پورا اترنے والی ساری کلیوں اور مصرعوں پر بھی فٹ بیٹھے اور ساتھ ہی زیر بحث ماہیا کے دوسرے مصرعہ پر فٹ بیٹھ جائے۔ یوں میرے اس مضمون کا دوسرا حصہ لکھا جا سکے جس کے لکھے جانے سے

پورا ماہیا (تینوں مصرعوں کا پورا ماہیا۔ناقل) عروض کے گھیرے میں آ جائے اور پھر ہم کہہ سکیں کہ ماہیے کا جو مصرعہ اس وزن پر پورا نہیں اترتا وہ غلط ہے لیکن پتہ نہیں کہ وہ دوسرا حصہ کبھی لکھا بھی جائے گا کہ نہیں؟ اگر کبھی لکھا گیا تو لکھنے والا بندہ کون ہوگا؟ تنویر بخاری یا میں، یا کوئی اور؟''

(پنجابی سے ترجمہ)

تنویر بخاری نے اپنے موقف کو پیش کر کے صاف صاف لکھ دیا۔

''یہ درست ہے کہ لوک گیتوں کو عروض کے گھیرے میں لانا، سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی ایک ناکام کوشش ہے لیکن پھر بھی پنجابی زبان کو علمی اور ادبی زبان بنانے کے لئے کچھ سانچے تو گھڑنے ہی پڑیں گے......ہوسکتا ہے کسی دن سچ نکھر کر سامنے آ جائے......میں نے ماہیے اور اس کی بنت کے بارے میں کوئی ''فتویٰ'' نہیں دیا نہ ہی میری بات پتھر پر لکیر ہے، نہ ہی میں خود کو عالموں، فاضلوں اور محققوں میں شمار کرتا ہوں۔ میں تو ادب کا ایک چھوٹا سا طالب علم ہوں، اندھیرے میں تیر چلانے والا۔ مجھے امید ہے کہ میری اس حقیر سی کاوش کے بعد پنجابی زبان کے دانشور اور محقق اس سمت میں مزید پیش قدمی کریں گے'' (پنجابی سے ترجمہ)

مذکورہ پنجابی دانشوروں کی کسر نفسی کے باوجود ماہیے کے وزن کے سلسلے میں ان کی سچی لگن اور جستجو سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کے جلائے ہوئے چراغوں سے مزید چراغ جلے ہیں تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ پنجابی ماہیے میں الفاظ کی کمی بیشی کو جاننے کے باوجود یہ دانشور ماہیے کے وزن کو اردو عروض کے پیمانوں میں تلاش کرتے رہے۔ پنجابی ماہیے میں موجود الفاظ کی کمی بیشی کو لے کے ساتھ پورا کرنے کا ہلکا سا احساس تو انہیں رہا لیکن ان میں سے کسی نے بھی ماہیے کی دھن سے اس کے وزن کو تلاش کرنے کی طرف دھیان نہیں دیا۔ شاید اسی لئے تنویر بخاری متذبذب تھے اور ڈاکٹر جمال ہوشیارپوری اسی لئے کسی اور بندے کے مضمون کے منتظر تھے جس کے بیان سے ماہیے کے وزن کا حتمی فیصلہ ہوسکے۔

ہم کوئی حتمی فیصلہ تو نہیں دے رہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ پنجابی اسکالرز کے کئے ہوئے کام کی روشنی میں ہم نے ماہیے کی عوامی دھن سے اس کے وزن کو دریافت کر کے ایسا اہم کام کیا

ہے جسے اب ہمارے بعض ''کرم فرما'' بھی نہ صرف ماننے لگے ہیں بلکہ اسے اس طرح اپنا موقف بتانے لگے ہیں جیسے یہ ان کا ایجاد کردہ ہو۔

ہماری طرف سے جب یہ وضاحت اصرار کے ساتھ کی گئی کہ ماہیے کے دوسرے مصرعہ کا وزن پہلے اور تیسرے مصرعوں سے ایک ''سبب'' کم ہونا چاہئے، تب تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی ''ماہیے'' کے نام سے لکھنے والوں نے ہماری شدید مذمت کی لیکن جیسے ہی انہیں احساس ہوا کہ ہمارا موقف درست ہے تب انہوں نے مخالفت کرنے کی بجائے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ماہیے کے لئے دونوں وزن ٹھیک ہیں، یعنی

مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

یا

مفعول مفاعیلن
مفعول مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

ذاتی پریشانی سے دوچار ان ماہیا نگاروں سے قطع نظر بعض ناقدین نے سنجیدگی سے ماہیے کے وزن پر غور کیا۔ پروفیسر عرش صدیقی نے بتایا کہ ماہیے کے لئے مفعول مفاعیلن اور فعلن فعلن فعلن والے دونوں وزن ٹھیک ہیں البتہ فعلن والا وزن زیادہ بہتر ہے۔ ماہیے کے دوسرے مصرعہ کے سلسلے میں انہوں نے لکھا کہ یہ وزن میں پہلے اور تیسرے مصرعوں سے ایک ''سبب'' کم بھی ہوسکتا ہے، ہم وزن بھی ہوسکتا ہے اور ایک ''سبب'' زائد بھی ہوسکتا ہے۔ لگ بھگ یہی بات ریاض احمد نے کہی ہے۔ پنجابی زبان میں زحافات کے قواعد کی عدم موجودگی اور لچکیلے پن کو ذہن میں رکھے بغیر مختلف پنجابی ماہیوں کو پرکھا جائے تو اردو عروض کے پیمانوں پر بلا شبہ ایسی ہی صورتحال دکھائی دیتی ہے لیکن ہم نے پنجابی ماہیے کو اردو کے پیمانوں پر آزمانے کی بجائے اس کے وزن کو اس کی دھن سے دریافت کرنے کا جو اصول بتایا ہے اس کے بعد ساری غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔ میں نے اپنے مضمون ''اردو ماہیا۔کل اور آج'' میں ماہیے کی بیان کردہ تینوں صورتوں کو سامنے لا کر ماہیے کی دھن پر آزمانے کی دعوت دی تھی۔ وہ تینوں بیان کردہ صورتیں یہاں پھر درج کئے دیتا ہوں۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع (دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' کم)
فعلن فعلن فعلن

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن (تینوں مصرعے ہم وزن)
فعلن فعلن فعلن

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن فع (دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' زائد)
فعلن فعلن فعلن

ظاہری اور تحریری طور پر دیکھا جائے تو پنجابی ماہیے میں یہ تینوں صورتیں دکھائی دیں گی لیکن اگر فعلن وزن کی ان صورتوں کو ماہیے کی کسی معروف دھن میں گنگنانے کی کوشش کی جائے تو صرف ایک ''سبب'' کم والا وزن سہولت اور روانی سے گنگنایا جاتا ہے باقی دونوں اوزان نہیں، ناصر عباس نیرّ اور بعض دوسرے دوستوں نے پنجابی ماہیے کو تحریری صورت میں دیکھ کر یہ گمان کیا کہ ماہیے کے دونوں وزن ٹھیک ہیں۔ اس مغالطے کا سبب بھی وہی تھا جو ماہیے کے تین اوزان سمجھنے والے مغالطے کا تھا۔ ایسے دوستوں کو جب مدلل جواب دیئے گئے تو بیشتر نے کج بحثی کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کر لی۔

ماہیے کے خدوخال کی شناخت کے سلسلے میں زیادہ زور ماہیے کے دوسرے مصرعہ پر رہا ہے وگرنہ (اردو قواعد کے حوالے سے دیکھا جائے تو) ریاض احمد کی یہ بات درست ہے کہ ظاہری طور پر ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں کے وزن میں بھی ادل بدل ہوتا رہتا ہے لیکن اگر ماہیے کی عوامی دھن کو معیار مان لیا جائے تو پھر نہ پہلے اور تیسرے مصرعوں کے وزن کے سلسلے میں کوئی

الجھن رہتی ہے نہ دوسرے مصرعہ کے وزن کے سلسلے میں کوئی غلط فہمی۔

ماہیے کو عام طور پر تین مصرعوں میں لکھا جاتا ہے۔ بعض پنجابی دانشوروں نے اسے ڈیڑھ مصرعوں میں بھی لکھا ہے۔ اردو میں غزالہ طلعت نے ماہیے کی ان دونوں تحریری شکلوں کو بیان کرنے کے بعد واضح کیا تھا کہ ڈیڑھ مصرعہ میں بھی ماہیے کا مجموعی وزن وہی رہے گا۔ اس شکل کے مطابق ماہیا یوں لکھا جائے گا۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع فعلن فعلن فعلن

ماہیے کی شکل وصورت کے حوالے سے عاشق حسین عاشق نے بالکل انوکھی بات لکھی ہے۔ ان کے مطابق ماہیا صرف ایک مصرعہ پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کا بیان ریکارڈ پر لا رہا ہوں ممکن ہے کوئی صاحب علم اس سے استفادہ کر لے۔ عاشق حسین عاشق کے فرمان کے ساتھ چند ملے جلے دلچسپ اعتراض اور طنز بھی محفوظ کر لینا مناسب ہے۔ فہیم شناس کاظمی ماہیے کے وزن کے سلسلے میں میرے اصرار پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

۱۔ ماہیے کے دونوں وزن رائج ہیں۔
۲۔ آخر اردو ماہیے پر پنجابی ماہیے کے وزن کا اطلاق کیوں کیا جائے؟

اگر موصوف کی پہلی بات درست ہوتی تو انہیں دوسری بات میں ایسا سوال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جہاں ایم اے تنویر، نثار ترابی اور ان کے ساتھی دوسرے شعراء یہ منوانے کے لئے کوشاں ہیں کہ ماہیے کے دونوں وزن ٹھیک ہیں وہیں ایک غیر ماہیا نگار ضیاء شبنمی نے شدید غم وغصے کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ ماہیا صرف تین ہم وزن مصرعوں پر ہی مشتمل ہوتا ہے، ساتھ ہی میرے موقف کو میری ضد قرار دے کر اندازہ لگایا ہے کہ میں ماہیا کا بانی بننے کا منصوبہ بنا رہا ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں۔ اگر ماہیا تین ہم وزن مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے تو وہ سارے شاعر اور ادیب بے وقوف ثابت ہوتے ہیں جو گذشتہ برسوں میں ہمارے ماہیے کو ماہیا ماننے کے ساتھ اپنے ماہیا نما ثلاثی کو بھی ماہیا منوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں تو صاف صاف کہنا چاہیئے تھا کہ ماہیا ہوتا

ہی تین ہم وزن مصرعوں کا ہے باقی سب غلط ہے۔اسے ''مدعی سست گواہ چست'' سے زیادہ پنجابی میں ''چورنالوں پنڈ کالی'' کہنا مناسب لگتا ہے۔ماہیے کا بانی بننے والی بات سے جی خوش تو بہت ہوا ہے لیکن تادمِ تحریر اردو ماہیے کی تحقیق کے مطابق اس کے بانی ہمت رائے شرما ہیں۔ان کے بعد قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے نام آتے ہیں لہٰذا میرے بانی بننے کا کوئی امکان نہیں۔ ''یاروں'' کو خواہ مخواہ دکھی نہیں ہونا چاہئے۔ہاں ماہیے کے خدوخال اور مزاج کی بحث کو نکھارنے اور اردو ماہیے کی ترویج کے سلسلے میں مجھے تھوڑی بہت خدمت کرنے کا موقع ضرور ملا ہے اسے میں اپنے خدا کا خود پر فضل سمجھتا ہوں۔(وماتوفیقی الاباللہ)

یوسف علی لائق نے اپنے مضمون ''ماہیا کی بازیافت'' میں اتنی مضحکہ خیز علمیت بگھاری ہے کہ ان کے بیشتر طنزیہ فرمودات پر ہنسی آتی ہے۔مثلاً ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ماہیا کے لغوی معنی عاشق، محبوب اور شوہر بتائے ہیں۔اسے بنیاد بنا کر طنزیہ اعتراض کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ معنی لغات میں موجود نہیں ہیں۔استناد فرمائیں۔

یوسف علی لائق کی لیاقت کا یہ عالم ہے کہ پنجابی الفاظ کا معنی اردو لغات میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔اگر موصوف نے پنجابی کی کسی مستند روایت سے ان معانی کی تصدیق کی ہوتی تو ان کے طنزیہ جملے ان کے منہ پر نہ آتے۔پروفیسر شارب اپنے مضمون ''کچھ ماہیے بارے'' میں کہتے ہیں۔''ماہیا لفظ ماہی کے ساتھ الف ندائیہ لگا کے ماہیا بنا لیا گیا ہے جو کہ محبوب، ساجن، پیارا، ڈھولا اور معشوق کے معنوں میں آتا ہے۔(پنجابی سے ترجمہ)۔
تقریباً یہی بات تنویر بخاری نے اپنی کتاب ''ماہیا فن تے بنتر'' میں لکھی ہے۔

مناظر عاشق نے لکھا تھا ''ماہیا لکھی جانے والی شاعری سے زیادہ گائی جانے والی شاعری ہے۔'' یوسف علی لائق کو اس بات میں بھی کوئی تک نظر نہیں آتی کہ ماہیا بیک وقت ادب بھی ہے اور موسیقی بھی۔یہاں پھر وہی بات کہ اگر موصوف نے پنجابی ماہیے گانے والوں کی آوازوں میں سن لئے ہوتے اور پنجابی ماہیوں کی مختلف کتابیں پڑھ لی ہوتیں یا کم از کم دیکھ ہی لی ہوتیں تو انہیں مناظر عاشق کے جملہ پر کوئی اعتراض نہ رہتا۔

میں نے لکھا تھا کہ ماہیا کو بگڑو اور ٹپا بھی کہتے ہیں لیکن ماہیا نام زیادہ مقبول ہوا۔لائق صاحب اپنی لیاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹپا اور بگڑو کے ناموں پر بھی بگڑ گئے۔اپنے بے تکے انداز میں طنز بلکہ طعنہ زنی کرنے لگے حالانکہ میں نے جو کچھ لکھا تھا غلط نہیں تھا۔گورے چٹے رنگ کے لئے پنجابی میں بگا بولا جاتا ہے۔اس کی تانیث بگی کو ہمارے ہاں بگڑو کہتے ہیں۔تنویر بخاری کا خیال ہے کہ محبوب کے حسن کی تعریف میں اس کے گورے رنگ کے بار بار تذکرے کی بنیاد پر ماہیے کو بگڑو کہا جانے لگا۔افضل پرویز کے بقول بگڑو نامی ایک طوائف ماہیے بہت عمدہ گاتی تھی اس وجہ سے بعض علاقوں میں ماہیے کا نام بگڑو پڑ گیا۔محمد بشیر ظامی نے بگڑو کو اپنا قدیمی گیت قرار دے کر جو گیت پیش کئے ہیں ان میں سے ایک بگڑو (ماہیا) بطور نمونہ پیش ہے۔

کوٹھے تے کھیس پیا
ہک دم سجناں دا
اووی ٹر پردیس گیا

اسی طرح ماہیے کو ٹپا کہنے کا ذکر کتاب ''ماہیا۔فن تے بنتر'' میں موجود ہے۔پرانے ماہیوں میں ماہیے کا نام ٹپے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ایک مثال۔

تھالی وچ کھنڈ پئی آ
آ وَ سیو ٹپے گائیے
میرے ویرے دی گنڈھ پئی آ

میں نے ماہیا کو لفظ ماہی سے نکلا ہوا لکھا تھا اور ماہی کے معنی بھینس چرانے والا چرواہا بیان کیا تھا۔بعد میں جب مہینوال اور رانجھا جیسے رومانوی کرداروں نے مرحلۂ عشق میں چرواہے کا روپ اختیار کیا تو لفظ ماہی چرواہے کی سطح سے اٹھ کر محبوب کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔یوسف علی لائق نے میری اس بات کا خاصا مضحکہ اڑایا ہے، طنز کئے ہیں اس پر سوائے اس کے اور کیا کہوں۔طنز بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
یہاں چند پرانے اور مستند پنجابی اشعار درج کئے دیتا ہوں جن میں ماہی بہ معنی چرواہا آیا ہے۔

ماہی ڈھونڈ کے بابلا! اساں آندا

صفت ایسد ی کہی نہ جاوندی اے

(میرے بابل میں ایک ایسا چرواہا ڈھونڈ کے لائی ہوں جس کی خوبیاں بیان ہی نہیں کی جاسکتیں)

مہیں چرن نہ باجھ رنجھیڑے دے

ماہی ہور سبھے جھک مار رہے

(رانجھے کے بغیر بھینسیں چرتی نہیں ہیں۔ باقی سارے چرواہے (ماہی) جھک مار کر رہ گئے ہیں۔)

ماہی کی جمع ''ماہیاں'' بنتی ہے۔ دیکھیں باقی سارے چرواہے (ماہی) مل کر رانجھے سے کیا پوچھ رہے ہیں:

ماہیاں پچھیا رانجھیا! دس بھائی!

تیرے کن پاڑے ہن کس کان میاں

پروفیسر شارب نے تو یہاں تک بتایا ہے کہ بیتا چنابی نے فارسی میں جو قصہ ہیر رانجھا لکھا تھا اس کا نام ''قصہ ہیرو ماہی'' رکھا تھا اور اس نے بزبان فارسی بھی ''ماہی'' کو چرواہا اور محبوب دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ یہ قصہ ۱۶۹۸ء میں پیش کیا گیا تھا گویا آج سے ٹھیک تین سو سال پہلے کی بات ہے۔

سب سے زیادہ مضحکہ خیز اعتراض (اور کردار بھی) ارشد نعیم کا ہے۔ موصوف نے ابھی تک جتنے ماہیے لکھے ہیں ہمارے بیان کردہ وزن کے مطابق لکھے ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں ان کے ساتھ ایک مالی معاملہ تھا جس میں یہ دھوکہ دہی اور بددیانتی کے مرتکب ہوئے۔ اس فراڈ میں بدمزہ ہونے کے بعد انہوں نے کئی ماہ تک چپ سادھے رکھی پھر ایک دم اپنے اندر کا سارا بغض نکال کر رکھ دیا۔ ہمارا معاملہ ۱۹۹۴ء میں طے ہوا اور جلد ہی ختم بھی ہو گیا۔ اس سے دو سال پہلے ۱۹۹۲ء میں ماہیے کے تئیں ان کا رویہ کیا تھا؟ اس کا پورا ثبوت ذیل کے دو حوالوں میں مل جاتا ہے۔ ۱۹۹۲ء میں سعید شباب کی طرف سے بعض ادبی رسائل میں یہ اعلان شائع ہوا۔

''ضروری اعلان! پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق جن شعراء نے ماہیے لکھے ہیں توجہ فرمائیں!

میں ایک کتاب ''اردو ماہیے'' مرتب کر رہا ہوں، شعرائے کرام سے گذارش ہے کہ وہ اپنے مطبوعہ/غیر مطبوعہ ماہیے مجھے جلد از جلد بھجوا دیں تا کہ انتخاب کرنے میں آسانی ہو......سعید شباب خانپور''

اس اعلان میں واضح طور پر لکھا گیا تھا کہ ''پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق'' ماہیے بھیجیں۔ اب ارشد نعیم کا خط بنام سعید شباب دیکھیں:۔

''۵ ستمبر ۱۹۹۲ء

جناب سعید شباب صاحب

سلام مسنون

شاہین عباس بڑا تیز نکلا۔ میں نے اس کو ماہیے کی ترغیب دی اور اس نے مجھ سے پہلے ہی ماہیے آپ کے حضور ڈھیر کر دیئے۔ حیدر قریشی صاحب نے اپنے ایک خط میں آپ کا ذکر مبارک فرمایا تھا۔ اب تجدید میں اشتہار بھی آ گیا ہے۔ اس لئے حیدر قریشی صاحب کی تحریک پر لکھے گئے ماہیے حاضر ہیں۔ شیخوپورہ میں اس ''وبا'' کو پھیلانے میں حیدر قریشی صاحب کا زیادہ بلکہ مکمل ہاتھ ہے۔ ہو سکے تو ایف آئی آر درج کروا دیں تا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ امید ہے کہ قلب وقلم کے یہ رشتے دائم وقائم رہیں گے۔

انتظار کروں گا۔ ارشد نعیم۔ شیخوپورہ''

اب موصوف کا فرمان یہ ہے کہ ماہیے کا وزن تو تین ہم وزن مصرعوں پر ہی مشتمل ہوتا ہے لیکن ماہیے کو ثلاثی سے الگ رکھنے کے لئے حیدر قریشی کی بات مان لی جائے۔ بات تو حیدر قریشی کی مان لی جائے لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جائے کہ ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ موصوف کا یہ بھی کہنا ہے کہ ماہیا اَن پڑھ دیہاتیوں کی گھڑت ہے اس لئے اس میں کسی وزن کی تلاش بے سود ہے۔

ارشد نعیم کے رویے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یار لوگ کس طرح ذاتی رنجش میں ادبی سچائی کا بھی انکار کر دیتے ہیں۔ میں نے ارشد نعیم کے بدلتے رویے کی صرف نشاندہی کی ہے

ان کی تحریر اس حوالے سے اتنی پرسنل اور متعفن ہے کہ کسی مہذب ادبی رسالے میں اس کے اقتباس دیتے ہوئے سوچنا پڑے گا۔ میں اس افسوسناک حوالہ کو نظرانداز کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ یہ ماہیے کے سفر کا افسوسناک واقعہ تھا اس لئے ریکارڈ کی تکمیل کے لئے اس کا ذکر کرنا پڑ گیا۔

ماہیے کے وزن کے ساتھ ماہیے کے مزاج کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ پہلے پہل خاور اعجاز نے اس طرف متوجہ کیا۔ بعد میں ناصر عباس نیرؔ اور ڈاکٹر وزیر آغا نے بھی اس بارے میں توجہ دلائی۔ ماہیے کے وزن کا مسئلہ جسم کے مماثل ہے تو مزاج کے لئے روح کا لفظ کہہ سکتے ہیں۔ جسم کے واضح حدود ہیں، روح کا صرف احساس کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے وزن کی طرح مزاج کے بارے میں کوئی دوٹوک بات کہنا مشکل ہے۔ ہر چند پنجابی ماہیے میں محبت سے جڑے ہوئے مختلف موضوعات کے ساتھ مٹی کی خوشبو اور دیہاتی زندگی کی ترجمانی زیادہ ہوئی ہے تاہم پنجابی ماہیے میں دینی ماہیے، احتجاجی ماہیے، زندگی کے دکھوں کے تذکروں والے ماہیے بھی عام ملتے ہیں جو خود ماہیے کے عمومی پنجابی مزاج سے قدرے مختلف ہیں۔ اردو میں ماہیا نگاروں کو ''پل صراط'' پر چلنا پڑ رہا ہے کہ مزاج کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ خود کو تکرار سے بھی بچانا ہے اور ماہیے کے لگے بندھے موضوعات سے آگے کا سفر کر کے اس کے دامن کو وسیع بھی کرنا ہے۔ چند استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر ہمارے ماہیا نگار اس میدان میں کامیاب جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر فہیم اعظمی اور ڈاکٹر بشیر سیفی نے مشترکہ طور پر یہ تجویز پیش کی ہے کہ ماہیے کو تین مصرعوں کی بجائے ڈیڑھ مصرعہ کی صورت میں لکھا جائے تو ماہیا کی پہچان ثلاثی سے الگ طور پر ہو سکے گی نیز یوں تینوں مصرعوں کو ہم وزن کر کے ڈیڑھ مصرعہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر بشیر سیفی اس لحاظ سے بڑے مخلص انسان ہیں کہ اپنے دوست ''ماہیا نگاروں'' کا حق دوستی ادا کرتے ہوئے اپنی علمی حیثیت بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ ان کی یہ تجویز بھی دراصل ماہیا نما ثلاثی نگار دوستوں کے ثلاثی کو ماہیے منوانے ہی کی ایک کاوش ہے لیکن ڈاکٹر فہیم اعظمی نے اپنا موقف کیوں تبدیل کر لیا؟ اس قصے کو بعد میں بیان کروں گا پہلے ان کے مذکورہ موقف کے جواب میں میری گذارش:۔

ماہیے اور ثلاثی یا ہائیکو کا محض ہم شکل ہونا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ رباعی اور قطعہ بظاہر ہم

شکل ہیں لیکن دونوں کا فرق واضح ہے۔ دوہے اور دوپدے میں بسرام کی تفریق دونوں کو ہم صورت ہونے کے باوجود الگ الگ شناخت دیتی ہے۔ دِکھنے میں آزاد نظم اور نثری نظم (نثر لطیف) ایک جیسی ہیں لیکن فرق صاف ظاہر ہے۔ سو ڈاکٹر بشیر سیفی کی تگ و دو تو قابل فہم ہے لیکن صرف ہم شکل ہونے کی بنیاد پر ماہیے کو ڈیڑھ مصرعوں میں لکھ کر تین ہم وزن مصرعوں کو ماہیا مان لینا ڈاکٹر فہیم اعظمی کو نہیں سج رہا۔

یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر فہیم اعظمی کی تحریک پر ہی میں نے اپنا پہلا مضمون لکھا تھا۔ انہوں نے ''صریر'' میں نہ صرف ہم سے بڑھ کر ہمارے موقف کو بیان کیا بلکہ تین ہم وزن مصرعوں کی ثلاثی کو کبھی ماہیا کے طور پر نہیں چھاپا۔ پھر یوں ہوا کہ ساختیات/ پس ساختیات کے مسئلے پر میں نے ایک اختلافی مضمون لکھا۔ اس میں اس ڈسپلن کے منفی پہلوؤں کو کھول کر بیان کیا۔ ساختیاتی غدر کے باعث میرے مضمون کی زبان سخت تھی لیکن مجھے نقاد کی ادب اور ادیب پر بالادستی کے خلاف اپنے موقف پر اب بھی اصرار ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ میرے اٹھائے ہوئے اہم نکات کا ابھی تک کسی ساختیاتی نقاد نے جواب نہیں دیا۔ ہاں ساختیات کا سارا غصہ بے چارے ماہیے پر ضرور اترنے لگا۔ میرے مذکورہ مضمون کی اشاعت کے بعد سے ہی ڈاکٹر فہیم اعظمی ماہیے کے بارے میں اپنے اصولی موقف سے ہٹنے لگے اور تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی کو بھی ماہیا قرار دینے کا رستہ تلاش کرنے لگے۔ ایک طرف ماہیا کے لئے ڈیڑھ مصرعی نظم کی صورت اپنانے کی تجویز پیش کی گئی تو دوسری طرف ڈاکٹر فہیم اعظمی نے یہ موقف اختیار کیا کہ گانے والے تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیوں'' کو بھی گا سکتے ہیں۔ گویا انہیں یہ تو احساس تھا کہ ماہیے کی دھن کی بنیاد پر اس کے وزن کی دریافت کا اصول بالکل درست ہے لہٰذا اب یہ تاثر دیا جانے لگا کہ گلوکار ماہیا گاتے وقت تین ہم وزن مصرعوں کو کوَر کر لیتے ہیں۔

اس حوالے سے یہاں برصغیر کی دو نامور گلوکاراؤں کے گائے ہوئے دو نغمات سے مثالیں پیش کرنا مناسب ہوگا۔ لتا منگیشکر نے فلم ''عاشق'' میں ایک خوبصورت گیت گایا تھا۔

لو آئی ملن کی رات، سہانی رات

اس گیت سے پہلے لتا جی نے سریلے انداز میں یہ شعر گایا ہے۔

نشیلی رات ہے سارے چراغ گل کر دو
خوشی کی رات میں کیا کام ہے جلنے والوں کا

کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں ''ہے'' فالتو ہے؟ بظاہر لتا جی نے گاتے ہوئے اسے کور بھی کرلیا ہے لیکن یہ اضافی لفظ پورے شعر کو مجروح کر گیا ہے۔

نور جہاں نے پاکستانی فلم ''پاکیزہ'' میں ایک خوبصورت گیت گایا تھا۔

لوٹ آؤ میرے پردیسی بہار آئی ہے

اس گیت کا آخری بند یوں ہے

آرزو اجڑی ہوئی مانگ کسی دلہن کی
جستجو سوکھی ہوئی بدلی کوئی ساونوں کی
زندگی درد میں ڈوبی ہوئی شہنائی ہے

پہلے مصرعہ میں ''دلہن'' قافیہ ہے، دوسرے میں ''ساون''۔نور جہاں نے گاتے ہوئے اسے ''ساونوں'' گا دیا۔سارے سرتال کے باوجود گیت کا حسن خراب ہوگیا ہے۔یہ دو مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ کھینچ تان کر گائیکی میں وزن کو سمونا اور چیز ہے اور فطری بہاؤ کے ساتھ الفاظ کا گایا جانا اور چیز ہے۔جو لوگ تین ہم وزن مصرعوں کو کھینچ تان کرلے میں لاتے ہیں ان کی مثال مذکورہ دو گیتوں سے مختلف نہیں ہے۔ماہیا اپنے فطری بہاؤ میں تبھی آتا ہے جب دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' کم ہو۔میرے ناراض دوست اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں۔

لتا اور نور جہاں نے گاتے ہوئے الفاظ میں جو تصرف کرلیا ہے کیا اس کی بنیاد پر اردو غزل اور نظم میں ایسے تصرف کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔تو پھر اردو ماہیے پر ہی ''نظر کرم'' کیوں؟

ایک نکتہ آفرینی یہ کی گئی ہے کہ ماہیے پر غزل کے اثرات ہیں۔پنجابی ماہیے کی روایت

پنجاب سے تعلق رکھنے والے ماہیا نگاروں میں بھی اب نہیں آ سکتی۔وہ پرانے زمانے گذر گئے۔

وضاحتاً عرض ہے کہ میں نے ۱۹۹۳ء میں لکھا تھا کہ ماہیا میں قافیہ ردیف کا التزام اسے غزل کے قریب کرتا ہے۔پھر تین مصرعوں میں بات کو مکمل کرنا، کوزے میں دریا بند کرنے کا غزل کا وصف بھی ماہیے میں موجود ہے۔فی ذاتہ ماہیا ایک چھوٹی سی نظم ہے اور لوک گیت ہونے کی نسبت سے اس کی روایت قدیم ہندی گیت میں بھی تلاش کی جاسکتی ہے۔یوں غزل نظم اور گیت۔برصغیر کی تین اہم ترین شعری روایات ماہیے میں یکجا ہوگئی ہیں۔سو اگر اس نئی صنف کو اردو میں پھلنے پھولنے کا موقع ملا تو اس کے وسیع تر امکانات سامنے آئیں گے۔لہٰذا صرف غزل کے زیرِ اثر کہہ کر گذر جانے سے بات نہیں بنے گی۔رہی یہ بات کہ پنجابی ماہیے کی روایت پنجاب سے تعلق رکھنے والے ماہیا نگاروں میں بھی نہیں آ سکتی تو یہ بات درست نہیں ہے۔میں یہاں خود اپنے چند ماہیے پیش کرتا ہوں۔اس میں معترضین کے مبینہ غزل کے اثرات بھی نہیں اور پنجابی ماہیے کی روایت بھی موجود ہے:

بور آ گیا آموں میں
رونقیں جاگ اٹھیں
دیہات کی شاموں میں

سونے کی انگوٹھی ہے
پیار میں سچی ہے
پر قول کی جھوٹی ہے

یہ دل بھی لگا کھلنے
لہنگا ہرا پہنے
آیا ہے کوئی ملنے

سلور کی وہ تھالی ہے
رنگ کی گوری ہے
پر قسمت کی کالی ہے

چمبیلی کی کلیاں تھیں
اپنی جوانی تھی
اور شہر کی گلیاں تھیں

اک خواب ہے جنڈری کا
رس بھری لڑکی ہے

یا آم ہے سندھڑی کا

جہاں تک ڈاکٹر فہیم اعظمی کی ماہیے کے لئے ابتدائی خدمات کا تعلق ہے وہ ماہیے کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی لیکن ساختیاتی نقاد ہونے کے باوجود انہوں نے ذاتی رنجش کو ایک ادبی سچائی پر فوقیت دے کر اپنے اصولی موقف کو چھوڑ دیا ہے تو یہ بہر حال افسوسناک ہے۔ میرے نزدیک یہ ماہیے کا بھی ناقابل تلافی نقصان ہے کہ وہ ڈاکٹر فہیم اعظمی جیسے دوست کو کھو بیٹھا ہے تاہم ماہیے کی تحریک اب جس طرح رواں دواں ہو چکی ہے، حقائق کو چھپانا اب کسی کے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ صنف اپنے فطری بہاؤ کے ساتھ ماہیا نگاروں کے دلوں میں جگہ بنا چکی ہے اور بناتی جا رہی ہے۔ ہاں اگر اس نئی شعری صنف میں دَم نہ ہوا یا اردو کا ماحول اسے راس نہ آیا تو پھر کسی کی حمایت بھی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکے گی تاہم مجھے یقین ہے کہ یہ صنف اردو ادب میں خوب پھلے پھولے گی اور ایک توانا شعری ذریعہ اظہار بنے گی۔

ابھی تک جو نکات اور اعتراضات زیر بحث رہے ہیں وہ ماہیے کے وزن اور مزاج کے حوالے سے تھے۔ اب میں ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ کے اٹھائے ہوئے سوالات کی طرف آتا ہوں۔ ان کا پہلا سوال یہ ہے کہ ماہیا سے پہلے جب اردو میں بعض شعری اصناف موجود ہیں جیسے ہائیکو اور ثلاثی تو پھر ماہیا کو اپنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

میرے خیال میں کسی ادب صنف کا آغاز کبھی بھی کسی پلاننگ کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔ غزل قصیدے سے الگ کیوں ہوئی؟ برصغیر میں داستانوں کی عظیم روایات کے ہوتے ہوئے ہمیں ناول اور افسانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ایسے سوال تو شاید ہر ادبی صنف کے بارے میں کئے جا سکتے ہیں جبکہ حقیقتاً ہر صنف خودرو پودوں کی طرح اپنی زمین اور اپنی زبان سے خود بخود اگ آتی ہے۔ جو تجربے دوسری زبانوں سے آتے ہیں وہ بھی جب تک نئی زبان اور کلچر کے اندر تک اتر کر اپنی جڑیں مضبوط نہ کر لیں تب تک برگ و بار نہیں لا سکتے۔ اس لئے ماہیے کے بارے میں کسی ”نظریۂ ضرورت“ کی تلاش مناسب نہیں ہے۔ ہاں امکانات پر ضرور غور کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ بھی ایک امکانی بات ہے کہ ہائیکو اور ثلاثی کے تجربات اردو میں کسی سہ مصرعی صنف کی

داخلی جستجو رہے ہوں لیکن ہائیکو اور ثلاثی ثقافتی سطح پر اردو میں جڑ نہیں پا رہے ہوں تب ماہیے نے چپکے سے اپنے ادبی اور ثقافتی وجود کا اظہار کر دیا ہو۔ ممکن ہے پنجابی اور اردو کی لسانی قربت اور برصغیر کے ایک بڑے علاقے میں اپنی ثقافتی جڑیں ہونے کے باعث ماہیا دوسری تمام سہ مصرعی اصناف کے مقابلے میں کہیں زیادہ زرخیز ثابت ہو۔

ڈاکٹر کرسٹینا نے دوسرا سوال یہ اٹھایا ہے کہ چونکہ ماہیا پنجابی لوک گیت ہے، گائی جانے والی شاعری ہے تو اردو کے شعری ادب میں ماہیا کی کیا حیثیت بنے گی۔ ادبی صنف کی یا گیت کی؟

یہ اہم اور دلچسپ سوال ہے جس کی طرف اس سے پہلے میرا دھیان نہیں گیا۔ میں نے اب غور کیا ہے تو مجھے لگتا ہے وقت کے ساتھ اپنی حیثیت کا تعین بھی ماہیا آپ کرے گا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ماہیا گائیکی سے منسلک رہتے ہوئے ایک شعری ادبی صنف کے طور پر پھلے پھولے گا۔ ہندی روایت کے اردو گیت بھی ہمارے شعری ادب میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض گیت گلوکاروں کی آوازوں میں ریکارڈ بھی ہوئے ہیں۔ بہت سارے گیت گائے نہیں گئے لیکن وہ گائے جانے والے گیت تو بہر حال ہیں اور ان کی ادبی قدر و قیمت بھی ہے۔ شاید اسی انداز میں ماہیے کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے۔

تیسرا سوال جو ڈاکٹر کرسٹینا نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ آج کمرشل میوزک کا دور ہے۔ ایسے میں ایک لوک گیت کی اردو میں آ کر موسیقی کے حوالے سے بھی کیا حیثیت بن پائے گی؟

اس سوال نے مجھے ایک وسیع تناظر میں دیکھنے اور سوچنے کا موقع عطا کیا ہے۔ ہم انسانی ترقیات کے سب سے زیادہ حیران کن دور سے گذر رہے ہیں۔ ایجادات و انکشافات میں تیز رفتاری آ گئی ہے۔ سیٹلائٹ کے ذریعے جیسے پوری دنیا ایک ہونے لگی ہے، ایک طرف پوری دنیا کو ایک ملک بنانے کا خواب دیکھا جا رہا ہے، دوسری طرف علاقائی سطح پر ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے۔ (ممکن ہے یہ ٹوٹ پھوٹ کسی نئی اور خوبصورت تعمیر کا پیش خیمہ ثابت ہو) مقامی اور علاقائی ثقافتی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے ساری دنیا کے تہذیبی و ثقافتی رنگوں سے اگر دنیا کو ایک کیا جائے

تو اس پر شاید ہی کسی کو اعتراض ہو لیکن اگر کسی کی شخصیت اور تشخص کو ضائع کر کے اور اپنا ورلڈ آرڈر نافذ کر کے دنیا کو ایک بنانا ہے تو ایسا شاید آسان نہیں ہو گا۔مغربی موسیقی کے نمائندے اگر مائیکل جیکسن اور میڈونا کو مان لیا جائے تو پھر یہ مغربی سے زیادہ امریکی موسیقی کہلائے گی۔امریکہ کی سیٹلائٹ تہذیب سے خوف کا یہ حال ہے کہ فرانس جیسے یورپی ملک کو اپنی ثقافت کے تحفظ کی فکر لاحق ہو گئی ہے اور اسے اس سلسلے میں ضروری اقدامات سوچنے پڑ رہے ہیں۔اس کمرشل میوزک تہذیب نے باقی دنیا کی طرح برصغیر پاک و ہند کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے۔وقتی اثر اور نفوذ کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ برصغیر کی مشرقی موسیقی میں اتنا رس اتنا حسن اور اتنی مٹھاس ہے کہ برصغیر کے عوام اس سے بالکل کٹ کر نہیں رہ سکتے۔مغربی یا امریکی کمرشل میوزک تہذیب کے مقابلے میں مشرقی موسیقی اور ثقافت کے تحفظ کے کئی اقدامات گذشتہ برسوں میں دکھائی دیتے ہیں۔مغربی میوزک کے ایسے اثرات قبول کرنا جو مشرقی موسیقی میں جذب ہو کر اس میں مزید خوبصورتی پیدا کر دیں قابل اعتراض نہیں ہے لیکن اپنی موسیقی کی ساری روایات کو تج کر مغربی موسیقی کو اوڑھ لینا بہر حال قابل اعتراض ہے گذشتہ دس پندرہ برسوں میں مغربی موسیقی کی یلغار اتنی شدید رہی کہ انڈیا اور پاکستان کی فلموں اور ٹیلی ویژنوں کے گیتوں پر اس کے گہرے اثرات چھائے رہے۔اسی دوران پرائیویٹ غزلیں، گانے کا رواج چلا جس میں مہدی حسن، غلام علی، فریدہ خانم، اقبال بانو، جگجیت سنگھ، آشا بھوسلے، پنکج ادھاس اور متعدد دیگر گلوکاروں نے مقبولیت حاصل کی۔یہ سارے گلوکار غیر ارادی طور پر مغربی موسیقی کی یلغار کے سامنے مشرقی موسیقی کے تحفظ کے لئے مزاحمت کر رہے تھے۔پرانے فلمی گیتوں کا نئی آوازوں میں ریکارڈ ہو کر مقبول ہونا بھی مشرقی موسیقی کے احیاء کی ایک صورت ہے۔

انڈین موسیقاروں میں نوشاد جیسے موسیقار سے لے کر خیام، روی، رویندر جین اور کلیان جی، آنند جی تک سارے رسیلے موسیقار بیزار ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے تو لکشمی کانت، پیارے لال اور راجیش روشن جیسے موسیقار مغربی موسیقی سے استفادہ کر کے مشرقی موسیقی کو بچانے میں لگے رہے۔پھر پاکستان میں مہدی حسن کا پاپ میوزک کو شیطانی میوزک کہنا اور نصرت فتح علی

کا مغربی موسیقی کی آمیزش سے مشرقی کلچر کو فروغ دینا، یہ ساری صورتیں ایک ہی جدوجہد کے مختلف رخ ہیں اور یہ جدوجہد تھی مغربی کمرشل میوزک کے مقابلے میں مشرقی موسیقی کی، اس کی ثقافتی روایات کی حفاظت کی۔تہذیبوں کے ٹکراؤ سے کوئی ایک تہذیب کبھی بھی فنا نہیں ہوتی اور کوئی فاتح تہذیب بھی کبھی مکمل غلبہ نہیں پاتی وہ تو تہذیبی اجزاء کے ملنے اور ایک نیا منظر تشکیل دینے کا ایک داخلی نوعیت کا عمل ہوتا ہے، اس میں حملہ آور تہذیب اور مزاحمتی تہذیب کی اپنی اپنی ثقافتی قوت بھی اثر دکھاتی ہے۔سو مغربی کمرشل میوزک کی یلغار کے سامنے وقتی طور پر مغلوب ہو جانے کے بعد اپنی موسیقی کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا ہے۔اس احساس نے پہلے سے متحرک مزاحمتی قوتوں کو تقویت پہنچائی ہے۔اپنی موسیقی کی طرف رجوع کی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی تھی کہ قوالی، عارفانہ کلام، بھجنوں اور لوک گیتوں کو مختلف علاقوں میں پھر سے اہمیت ملنے لگی۔یہاں تک کہ فلمسازوں نے بعض معروف قوالیوں اور عارفانہ کلام سے براہ راست استفادہ کیا اور لوک گیتوں کو بھی فلموں میں نئے الفاظ کے ساتھ پیش کیا جانے لگا۔مثال کے طور پر پنجابی کا مشہور لوک گیت ہے ''کٹ کٹ باجرہ میں کوٹھے اتے پانی آں''اسی دھن کو فلم''بہار آنے تک''میں اس گیت کے روپ میں پیش کیا گیا ہے''کالی تیری چوٹی ہے پراندہ تیرا لال نی''اسی طرح ایک اور مشہور پنجابی لوک گیت ہے''کالا ڈوریا کنڈے نال اڑیا ای اوئے''اسی دھن پر فلم ''پرمپرا'' کا گیت آیا ہے۔''آدھی رات کو تاروں کی چھاؤں میں''اسی طرح متعدد نئے گانے پنجاب اور برصغیر کے دوسرے علاقوں کے لوک گیتوں کی دھنوں پر بنائے جانے لگے ہیں۔چند گیت مزید لکھے دیتا ہو۔

۱۔شاوہ یہ نخرہ گوری کا (فلم سہاگ)

۲۔لال گگری نی تیری لال گگری (فلم انسانیت)

۳۔عشق کا روگ برا اوئے ہوئے (فلم ڈر)

۴۔سارے لڑکے کریں تو کریں شادی (فلم ڈر)

۵۔میری چھت پر آیا کرو (فلم اف یہ محبت)

گویا اپنی موسیقی اور مشرقی کلچر (بمقابلہ مغربی کلچر) کی طرف واپسی کی مختلف صورتوں میں لوک دھنوں کا استعمال بھی شامل ہے۔ صاف دکھائی دیتا ہے کہ عوام میں مشرقی موسیقی کے ساتھ لگاؤ بڑھنے لگا ہے اور تو اور انو ملک جیسے موسیقار نے بھی بالآخر مشرقی انداز میں کمپوزنگ کر کے جہاں اس جدوجہد میں اپنی شرکت کا احساس دلایا ہے وہیں یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ مغربی اثرات سے ہٹ کر موسیقی دیں تو کہیں بہتر موسیقار بن سکتے ہیں۔ سو لوک دھنوں کے ذریعے سے جو مشرقی موسیقی کی طرف واپسی اور اپنی ثقافتی جڑوں سے جڑنے کا رویہ فروغ پانے لگا ہے، ادب کی سطح پر شاید اردو ماہیا بھی اسی عمل کا ایک حصہ ہے کیونکہ ماہیا اپنی دھن کے حوالے سے موسیقی میں بھی اور اپنی شعریت کے حوالے سے ادب میں بھی غیر محسوس طریقے سے اپنی ثقافت کی پہچان بنتا جا رہا ہے۔ اسے کمرشل میوزک کے ذریعے مغربی ثقافتی یلغار کے سامنے چھوٹی سی مزاحمت کا مقامی ثقافتی روپ کہہ لیں جو اپنی مقامیت سے اوپر اٹھ کر سامنے آ رہا ہے۔

ڈاکٹر کرسٹینا نے اپنے اہم سوالات اٹھا کر ماہیے کی تحریک کو مزید آگے کی راہ سجھائی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ ماہیے سے دلچسپی رکھنے والے سنجیدہ ناقدین اور خود ہمارے ماہیا نگار بھی ادب میں ماہیے کے رول پر غور و فکر سے کام لیں گے۔ یوں ماہیے کی بحث وزن اور مزاج کے مدار سے نکل کر ماہیے کے ادبی اور ثقافتی کردار کے مدار میں داخل ہو گی اور اس کے ماہیا نگاری پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے۔

(مطبوعہ: دو ماہی گلبن احمد آباد، ماہیا نمبر، شمارہ جنوری تا اپریل ۱۹۹۸ء)

نوٹ: اس مضمون کا ڈاکٹر کرسٹینا کے سوالات سے متعلق حصہ ''ماہیا کیوں'' کے عنوان سے ادبی جریدہ ''اوراق'' لاہور نے اپنی اشاعت جنوری، فروری ۱۹۹۸ء میں شائع کیا۔

☆☆☆☆

ماہیا پابندِ لَے ہے

ماہیے کے وزن اور مزاج کی بحث میں شامل ہونے کا حق ہر کسی کو حاصل ہے۔ تاہم شامل ہونے والوں کا فرض بنتا ہے کہ اصل موضوع پر بات کرنے سے پہلے بنیادی ہوم ورک ضرور کر لیا کریں۔ یہ گذارش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حال ہی میں بعض ایسے دوستوں کے ماہیے پر افکار سامنے آئے ہیں جو نہ تو اردو رسم الخط والی پنجابی پڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی جنہوں نے پنجابی ماہیے سن رکھے ہیں۔ جب بحث کا موضوع ایک لوک گیت ہو، آپ اس زبان کو اپنے رسم الخط میں بھی نہ پڑھ سکتے ہوں تو اس لوک گیت کو اسی زبان میں سن لینا تو آپ کی تحقیقی ذمہ داری بنتی ہے۔ جب تک ڈور کا سرا ہی آپ کے ہاتھ نہیں آئے گا آپ ڈور کو سلجھانے کے نام پر مزید الجھاتے جائیں گے۔ ایسے ہی ایک دوست جنہوں نے نہ تو پنجابی لوک گیت ماہیا سنا ہے اور نہ ہی پنجابی پڑھ سکتے ہیں۔ پنجابی نہ پڑھ سکنے کا اعتراف کرنے کے باوجود اس لوک گیت کے حوالے سے لکھے گئے پانچ مختلف مضامین سے اپنا چھٹا مضمون تیار کر کے یہ حکم بھی لگا بیٹھے ہیں کہ ماہیے کو موضوع اور ہیئت کے شکنجوں میں مت جکڑو، ورنہ یہ تکنیکی کرتب بازی کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ ماہیے کو اردو میں فروغ دینا ہے تو تین ہم وزن مصرعوں میں کر لو، اس طرح یہ صنف ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنا لے گی۔

اردو میں ماہیے کے اوزان دریافت کرنے کے لئے ایک حد تک تو علم عروض سے استفادہ کرنا پڑے گا لیکن جو لوگ عروض دانی کے شوق میں اس لوک گیت کی اصل کو بگاڑ دینا چاہتے ہیں، درحقیقت تکنیکی بازی گری وہی دکھا رہے ہیں۔ تین ہم وزن مصرعوں کے غلط ''ماہیے'' کہنے کا موجودہ سلسلہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں شروع ہوا تھا اور اصلاح احوال کی تحریک ۱۹۹۰ء میں شروع

ہوئی۔تب سے اب تک غلط وزن کے ''ماہیے'' کے تین شاعروں کے پانچ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔(اب تو یہ سلسلہ بھی رک سا گیا ہے) جبکہ پنجابی ماہیے کی اصل دُھن کے مطابق ماہیے کہنے والوں کے مجموعے مسلسل سامنے آرہے ہیں۔۱۹۹۸ء تک مطبوعہ کتب کی فہرست یوں ہے۔

۱۔محبت کے پھول (حیدر قریشی)،۲۔ بادِ سبز (پروفیسر قمر ساحری)،۳۔ پھول کہانی (ضمیر اظہر)، ۴۔ یادوں کے سفینے (امین خیال)، ۵۔ ریگِ رواں (نذیر فتح پوری)، ۶۔ دل حجرہ (یوسف اختر)، ۷۔ روپ نگر (انور مینائی)۔ ان مجموعوں کے علاوہ پاکستان اور انڈیا میں یہ قابلِ قدر پیشرفت بھی ہو چکی ہے۔۱۔ رم جھم رم جھم (گیارہ ماہیا نگاروں کا مرتب کردہ انتخاب از ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)،۲۔اردو ماہیے (۳۵ ماہیا نگاروں کا مرتب کردہ انتخاب از سعید شباب)، ۳۔روزنامہ پاسبان بنگلور (انڈیا) نے ۹۶۔۱۱۔۴ کی اشاعت میں اپنے پونے دو ادبی صفحات ماہیے کے لئے مختص کئے۔۴۔ پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ نے ۱۹۹۷ء میں ماہیے پر خصوصی نمبر شائع کیا۔۵۔ دو ماہی گلبن احمد آباد نے اپنی اشاعت جنوری تا اپریل ۱۹۹۸ء ضخیم ماہیا نمبر کے طور پر چھاپی ہے۔ اس نمبر کی اہمیت اور حیثیت دستاویزی اور مستقل حوالے کی ہے۔ یہ خاص حوالے تھے جن کی میں نے صرف نشاندہی کی ہے۔ادبی رسائل اور اخبارات سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ پنجابی ماہیے کی اصل بنیاد پر کہا جانے والا اردو ماہیا نہ صرف شعراء کرام کو اپنا گرویدہ بنا چکا ہے بلکہ مسلسل مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

علم عروض کے حوالے سے میرا اعتراف پہلے سے ریکارڈ پر موجود ہے:

''مجھے عروض کا کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔ ماہیے کے وزن کی بحث کے دوران تھوڑی سی شد بد حاصل کرنا پڑی'' (کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' صفحہ ۵۱)

''میں عروض کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کرتا لیکن اس میدان میں اپنی کم علمی بلکہ لاعلمی کا اقرار بھی شروع میں ہی کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اس علم میں تھوڑی بہت شد بد صرف ماہیے کی وجہ سے حاصل کرنا پڑی۔غزلوں اور نظموں کے لئے (اور ماہیا نگاری کے لئے بھی) میں موزونیِ طبع سے ہی کام چلا لیتا ہوں۔ ماہیے کے خدوخال کی بحث کے باعث تھوڑا بہت فعلن

فعلن سیکھ لیا ہے تو اسے بھی غنیمت سمجھتا ہوں۔''

(''ماہیا اور چن ماہی'' مطبوعہ پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' شمارہ اکتوبر ۱۹۹۷ء)

اس اعتراف کے بعد ماہیے کے وزن کے سلسلے میں اپنے موقف کو پھر دہرا رہا ہوں کہ ماہیا پنجابی لوک گیت ہے۔اس کی مخصوص لے ہے اور ماہیا اپنی لے کا پابند ہے۔اگر اس لے کے مطابق کہے گئے ماہیے تحریری صورت میں دیکھ کر کسی کو جھٹکا لگتا ہے یا اس کی ''موزونیِ طبع'' متاثر ہوتی ہے تو صرف اس لئے کہ اس نے ماہیا لوک گیت کے طور پر سنا ہی نہیں ہے۔دوہے میں بسرام کی پابندی، رباعی میں اس کے مخصوص اوزان کی پابندی اور ہائیکو میں ۵۔۷۔۵ کی پابندی بھی ایسے ہی ''موزوں طبع'' افراد پر گراں گزرتی ہے لیکن ظاہر ہے ان کی دل جوئی کے لئے دوہے کو دو پدے میں، رباعی کو قطعہ میں اور ہائیکو کو ثلاثی میں بدل لینے کی سہولت نہیں دی جا سکتی۔ایسے ہی ماہیے کے سلسلے میں بھی کسی ایسی رعایت کا دینا ممکن نہیں جو ماہیے کی اصل صورت ہی کو بدل کر رکھ دے۔ مذکورہ اصناف کے برعکس ماہیے میں تو یہ سہولت ہے کہ جو کوئی بھی اس کی لے کو جان لے گا اسے دوسرے مصرعہ کے اسی مبینہ جھٹکے ہی میں روانی محسوس ہوگی۔

گیتوں کی جوانی ہے
بحر یہی یارو
ماہیے کی نشانی ہے

مٹیار اٹھلاتی ہوئی
دُھن ہے ماہیے کی
ہنستی، بل کھاتی ہوئی (سعید شباب)

اردو میں مفعول مفاعیلن اور فعلن فعلن فعلن کے جو اوزان بتائے گئے ہیں وہ ان دوستوں کے لئے ہیں جو پنجابی ماہیے سے زیادہ آشنا نہیں ہیں وگرنہ ماہیے کے وزن کے سلسلے میں میرا موقف ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جو ماہیا پنجابی لے کے مطابق گایا جا سکتا ہے وہ ماہیا ہے، جسے گاتے ہوئے جھٹکے کا احساس ہوتا ہے وہ ماہیا نہیں ''ثلاثی'' ہے۔ ماہیے کی لے کی بنیاد پر ابھی تک جو اوزان دریافت ہوئے ہیں ان سب کو یہاں یک جا کر دیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے ماہیے کی لے کی بنیاد پر ان کے علاوہ بھی ایسے ہی متبادل اوزان سامنے آئیں چونکہ یہ اوزان ماہیے کی لے پر پورے اترتے ہیں اس لئے کسی عروضی باریک بینی میں گئے بغیر یہ ہمارے لئے قابل قبول ہیں۔

۱۔ مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

۲۔ فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

۳۔ فعلات مفاعیلن
فعل مفاعیلن
فعلات مفاعیلن

۴۔ فعلاتن فعلاتن
فعلاتن فعلن
فعلاتن فعلاتن

۵۔ مفعول مفاعیلن
فعل فعولن فع
مفعول مفاعیلن

یہ سب ممکنہ اوزان ہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وزن نمبر ۱ کے دوسرے مصرعہ میں فعلن فعلن فع یا فعلات فعلن کا وزن بھی آ جائے۔ اس طرح کے بدل پھیر سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ بنیادی طور پر یہ سارے وزن ماہیے کی لَے پر پورے اترتے ہیں اور ہماری بنیاد پنجابی ماہیے کی لَے پر ہے نہ کہ اردو عروض کی کسی خاص بحر پر۔ یوں ماہیے کے اوزان کے سلسلے میں خاصی آزادی مل جاتی ہے لیکن یہ آزادی اس لوک گیت کی پنجابی لَے کے اندر ہی میسر ہے، اس سے باہر نہیں۔

میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ جن دوستوں نے ماہیے کی لَے کی بنیاد پر ماہیے کہے وہ روانی اور بے ساختگی سے ماہیے کہتے چلے گئے اور جنہوں نے عروضی اوزان کو پیش نظر رکھ کر ماہیے کہے، چند مستثنیات کو چھوڑ کر، ان کے ہاں کہیں نہ کہیں گرفت کمزور پڑ جاتی ہے، تاہم مشق سخن سے بہت سارے دوستوں نے ماہیے کے وزن کو عروضی سطح پر بھی بالآخر اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ ان کی کامیابی عروضی حوالے سے ماہیے کے لئے خوش آئند ہے۔

پنجابی ماہیے سے ناآشنا اور سہل پسند ایسے دوست جو تین ہم وزن مصرعوں کے ماہیے پر اصرار کرتے ہیں انہیں سوچنا چاہئے کہ آخر تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' پنجابی ماہیے کی میٹھی

لَے میں کیوں نہیں آتے اور کیا وجہ ہے کہ جب بھی ماہیے کی دھن میں گائے جانے والے اردو ماہیے لکھے گئے وہ ہمارے ہی بیان کردہ وزن کے مطابق نکلے۔ یہاں ایسے ہی چند فلمی ماہیے پیش کئے دیتا ہوں۔

۱۔ سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
پھاگن کی ہوائیں ہیں
(پرانی فلم۔خاموشی، شاعر ہمت رائے شرما)

۲۔ تم روٹھ کے مت جانا
مجھ سے کیا شکوہ
دیوانہ ہے دیوانہ
(فلم پھاگن شاعر۔شاعر قمر جلال آبادی)

۳۔ دل لے کے دغا دیں گے
یار ہیں مطلب کے
یہ دیں گے تو کیا دیں گے
(فلم نیا دور۔شاعر ساحر لدھیانوی)

۴۔ باغوں میں بہار آئی
مہکی ہوئی رت میں
دل لیتا ہے انگڑائی
(پاکستانی فلم۔نام تحقیق طلب ☆ شاعر۔ ؟)

۵۔ میری چھت پر آیا کرو
ٹیچر بن کے تم
مجھے پیار سکھایا کرو
(فلم۔اف یہ محبت۔شاعر ورون ہانڈا)

۶۔ آنچل میں ستارے ہیں
جب سے تمہیں دیکھا
اس دن سے تمہارے ہیں
(پاکستانی فلم۔کانٹا۔شاعر نذیر قیصر)

۷۔ لڑکی سائیکل والی
دے گئی رستے میں
اک پیار بھری گالی (فلم پتی، پتنی اور وہ شاعر۔نام تحقیق طلب)

۱۹۳۶ء سے ۱۹۹۶ء تک ساٹھ سال پر محیط عرصہ کے دوران لکھے گئے ان گائے جانے

والے ماہیوں کا وزن پنجابی ماہیے کی لَے کی مٹھاس کا رس گھولتا ثبوت ہے اور اس سچائی کا اظہار بھی کہ ماہیے کا وزن اس کی لوک لے میں محفوظ ہے۔ اسے کسی تکنیکی کرتب بازی سے مسخ نہیں کیا جاسکتا۔ پنجابی ماہیا اپنی لَے کا پابند ہے اور اس کی لَے کا جادو علم عروض کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

ادبی دنیا میں آٹھ سال کے مختصر عرصہ میں درست وزن میں ماہیے کہنے والے شعرائے کرام کی تعداد ایک سو سے بھی بڑھ جانا اس حقیقت کا اعلان ہے کہ پنجابی ماہیے کی لے کی بنیاد پر لکھا جانے والا اردو ماہیا قبول عام حاصل کر چکا ہے اور اس قبولیت عامہ میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے کیونکہ یہی اصل ماہیا ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ جنگ لندن ۹۸۔۷۔۹)

☆ ماہنامہ تخلیق لاہور نے پہلے یہ وضاحت کی تھی بعد میں سہ ماہی کوہسار بھاگلپور میں قتیل شفائی نے خود وضاحت کی ہے کہ یہ ماہیے فلم ''حسرت'' کے ہیں۔ انہیں سلیم رضا اور زبیدہ خانم نے گایا ہے۔ فلم ۱۹۵۳ء میں بنی تھی۔ ماہیا نگار قتیل شفائی ہیں۔ اب قتیل شفائی نے تازہ اردو ماہیے بھی کہے ہیں۔

☆☆☆☆

حنائیے اور ماہیے

سیدہ حنا سہ ماہی ''ابلاغ'' پشاور/نوشہرہ کی مدیرہ ہیں۔ پاکستان میں جب میرا ان سے اولین رابطہ ہوا تو یہ بے شک ایک لکھاری اور ایک ایڈیٹر کا تعلق تھا لیکن یہ کسی ایسے لکھاری کا تعلق نہیں تھا جو اپنی تحریریں چھپوانے کے لئے رسالہ کے ایڈیٹر کی بے جا تعریف بلکہ خوشامد پر اتر آتا ہے اور نہ ہی یہ ایسی ایڈیٹر کا تعلق تھا جو خوشامد پسندی کے نشے میں سرشار ہر لکھاری سے اپنی تعریف کرانا چاہے۔ وہ میری صاف گوئی سے خوش تھیں اور میں ان کی وسیع القلبی سے۔ جب سیدہ حنا اور حامد سروش سے پشاور میں ملاقات ہوئی تو شاید ہم پل بھر میں ذہنی اور قلبی طور پر بہت قریب آ گئے۔ یہاں تک کہ سیدہ حنا اپنے نام آنے والے بعض ''دلچسپ'' خطوط کا احوال بھی بتانے لگیں۔ ایک ''دلچسپ'' خط کے مندرجات سن کر میں نے انہیں کہا صرف شہر کا نام بتا دیں میں شاعر کا نام بتا دوں گا۔ انہوں نے مجھے بے یقینی سے دیکھا اور کراچی کہہ دیا۔ میں نے فوراً شبنم رومانی کا نام لیا۔ تب سیدہ حنا اور حامد سروش دونوں کے چہروں سے جو حیرت اور مسرت ظاہر ہوئی اس کی معصومانہ چمک آج بھی میرے دل اور دماغ میں محفوظ ہے۔

پھر یوں ہوا کہ ممتاز عارف نے ''اوراق'' کے شمارہ اگست ۱۹۹۰ء میں ماہیے کے درست وزن کی طرف توجہ دلائی۔ میں نے نہ صرف ان کی تائید کی بلکہ مجھ سے درست وزن میں ماہیے بھی ہونے لگے۔ یہ ماہیے میں نے ادب لطیف، تجدید نو اور ابلاغ میں اشاعت کے لئے بھیجے۔ میرا خیال تھا کہ سیدہ حنا اور حامد سروش کی وسیع القلبی اس ادبی مسئلے کو ادبی رنگ میں قبول کرے گی لیکن معاملہ برعکس نکلا۔ ابلاغ کے خطوط کے صفحات پر میرے خلاف شدید ردعمل شائع کیا گیا۔ (قارئین ادب بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے ادبی جرائد کے مدیران کو ان کے کسی خاص

''نظریۂ ضرورت'' کے تحت حسب پسند خطوط آسانی سے مل جاتے ہیں) میں نے ابلاغ کے صفحات پر جواب کا حق استعمال کرتے ہوئے وضاحت کرنا چاہی تو بے جا حاشیہ آرائی کر کے بلکہ میرے خط کے ایک حصہ کو حذف کر کے میرے موقف کو کمزور کرنے کی کوشش کی گئی تب میں نے مناسب سمجھا کہ ماہیے کی ادبی بحث کو ابلاغ سے ہٹ کر پوری ادبی دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ ایسا کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ ماہیے کے خدوخال نکھر کر سامنے آ گئے۔

سیدہ حنا کے ثلاثی کا مجموعہ ''سیدہ حنا کے ماہیے'' کے نام سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ میں اس عرصہ میں جرمنی آ چکا تھا۔ میں نے مذکورہ کتاب حاصل کرنے کے لئے یہاں سے حامد سروش کو خط لکھا۔ ابلاغ کے حصول کے لئے رابطہ کیا لیکن ایک برہم خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔ اب کہ ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو محمود ہاشمی صاحب کی عنایت سے مذکورہ کتاب مجھے ملی ہے تو اس کے صفحہ نمبر ۵ پر لکھی نثر کے جواب میں حقیقت کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ سیدہ حنا لکھتی ہیں۔

☆ ''ماہیا میری پہچان نہیں ہے۔ میں ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے ادبی دنیا میں آئی۔'' مجھے ان کی اس بات سے کسی کمی بیشی کے بغیر مکمل اتفاق ہے۔

☆ ''میرے ماہیوں کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔ بھارت کے معروف شاعر دیپک قمر کو ان ماہیوں سے تحریک ملی اور انہوں نے ہزار ہا ماہیے لکھ ڈالے'' سیدہ حنا سے پہلے علی محمد فرشی اور نصیر احمد ناصر نے تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی کو بطور ماہیا پیش کیا تھا۔ انہیں کی تقلید میں سیدہ حنا نے بھی مساوی الوزن مصرعوں کے ثلاثی ماہیے کے عنوان سے پیش کر دیئے جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے دیپک قمر نے اپنے ''ماہیوں'' کے کسی مجموعے میں سیدہ حنا سے متاثر ہونے کا اعتراف نہیں کیا حالانکہ ان کے مجموعے میں ایسا اعتراف ہونا مناسب ہوتا جبکہ میں نے اپنی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' کے صفحہ نمبر ۴۲ پر برملا طور پر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

''نصیر احمد اور علی محمد فرشی کے مقابلے میں سیدہ حنا کی ''ماہیا نگاری'' زیادہ مقبول ہوئی۔ بھارت کے دیپک قمر براہ راست ان سے متاثر ہوئے۔ وصی محمد وصی نے اثر قبول کیا پھر یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔ یوں علی محمد فرشی کی اولیت کے باوجود غلط وزن کے ماہیوں کو سیدہ حنا کے ذریعے فروغ

حاصل ہوا۔ ماہیوں میں تین یکساں وزن کے مصرعوں کی غلط روش بے خبری کے باعث عام ہوئی۔''

☆ میرے اس آخری جملہ کی تصدیق سیدہ حنا نے بالواسطہ طور پر کر دی ہے۔ لکھتی ہیں: ''میں اس جھگڑے میں کبھی نہیں پڑی کہ ماہیا کیسے لکھا جائے کیونکہ ماہیا نگاری میری شعوری کوشش نہیں تھی یہ جس طرح آئے میں نے اسی طرح لکھا۔ اب اگر کوئی بنیئے کی ترازو لے کر ناپ تول کرتا ہے تو کرتا رہے۔''

سیدہ حنا کے اس اعتراف سے حقیقتاً میرے اس موقف کی توثیق ہوتی ہے کہ ''ماہیوں میں تین یکساں وزن کے مصرعوں کی غلط روش بے خبری کے باعث عام ہوئی۔'' ڈاکٹر انور سدید نے بھی غالباً اس ''شعوری کوشش نہ ہونے'' کو بعض شعراء کی ''بے شعوری'' غلطی قرار دیا ہے۔

(''کچھ وقت ضمیر اظہر کے ماہیے کے ساتھ'' بحوالہ ''پھول کہانی'' ص ۸)

جہاں تک بنیئے کی ترازو لے کر ناپ تول کرنے کے طنز کا تعلق ہے، ہم تو کل بھی ماہیے کی لَے کو بنیاد مانتے تھے اور آج بھی اسی کو ماہیے کی بنیاد مانتے ہیں۔ اس لئے سے جو وزن نکلے ہمیں قبول ہے۔ لیجئے اب تو ترازو وہی آپ کے ہاتھ میں ہے۔

☆ ''جاپانی صنف ہائیکو کو اردو میں جس قدر مسخ کیا گیا اس پر کسی نے واویلا نہیں کیا لیکن ماہیے کے سلسلے میں لوگ ڈانگ سونٹا لے کر کھڑے ہو گئے۔'' سیدہ حنا کی یہ بات درست نہیں ہے۔ جاپانی صنف ہائیکو کو علی محمد فرشی، نصیر احمد ناصر اور سیدہ حنا تین ہم وزن مصرعوں میں لکھ رہے تھے۔ جب ہائیکو کے اس وزن کو غلط قرار دیا جانے لگا تب فرشی صاحب اور ناصر صاحب نے تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' کو سمجھے بغیر تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' لکھنے شروع کئے۔ لہٰذا یہ بات غلط ہے کہ ہائیکو کے سلسلے میں کوئی واویلا نہیں ہوا۔ اسی واویلا کے نتیجہ میں تو آپ لوگوں نے ''ماہیے'' کی طرف توجہ کی تھی۔ ماہیے کے سلسلے میں کسی نے ڈانگ سونٹا نہیں اٹھایا۔ میں نے تو اپنے پہلے خط ہی میں ''ماہیا نگاروں'' کو یہ مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

''ممتاز عارف نے اپنے خط میں ماہیے کے وزن کا مسئلہ اٹھایا ہے جو خاصا وزن رکھتا

ہے۔میرا خیال ہے کہ ہمارے ماہیا نگاروں کو باہم طے کر لینا چاہئے کہ انہیں اردو ماہیے کو اصل پنجابی ماہیے کی طرح رکھنا ہے یا اس کا حشر بھی ہائیکو جیسا کرانا ہے۔'' (اوراق دسمبر ۱۹۹۰ء)......افسوس میرے اس مخلصانہ مشورے پر اس وقت کسی ثلاثی نگار نے دھیان نہیں دیا۔

☆ ''ذاتی سطح پر ادبی غنڈہ گردی کا آغاز گمنام خطوط سے کیا گیا''......سیدہ حنا کا یہ الزام میرے لئے حیران کن ہے۔انہیں وضاحت کرنی چاہئے کہ ادبی غنڈہ گردی والے خطوط ''ماہیے'' کے حوالے سے لکھے گئے یا کسی اور حوالے سے؟......ہم جو کیس ادبی زبان میں وقار کے ساتھ جیت سکتے تھے اس کے لئے نہ تو ہمیں ''غنڈہ گردی'' کی ضرورت تھی نہ گمنام خطوط لکھنے کی۔اس کے باوجود میں یہاں موکد بعذاب قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ میری طرف سے یا میرے اشارے پر کسی اور کی طرف سے کبھی بھی کوئی گمنام خط سیدہ حنا کے لئے یا ادارہ ابلاغ کے لئے نہیں لکھا گیا۔ میں اس بات کی بھی قسم کھاتا ہوں کہ ایسے کسی خط کے بارے میں مجھے معلوم بھی نہیں تھا، پہلی بار سیدہ حنا کی اس تحریر سے اس کا علم ہو رہا ہے اور میں اس گندگی سے اپنی بریت کا اظہار کرتا ہوں ......ویسے یہ تو گمنام خطوط کی بات ہے جبکہ میرے خلاف تو دھونس جمانے والے خطوط ابلاغ میں سرعام چھپے۔ماہیے کی بحث کی آڑ میں تجدید نو نے میرے خلاف ایک نہایت غلیظ خط شائع کیا اور اس کے جواب میں میرے مدلل ادبی موقف والے خط کو شائع نہیں کیا۔سو ہمارے خلاف تو کھلے خطوط میں سرعام غنڈہ گردی ہوئی ہے اس کے باوجود ہم خوش ہیں کہ ہمارا ادبی کیس مضبوط ہے اور ایسی مخالفانہ گالیاں ہمارے لئے ،ماہیے کے لئے ''دیسی کھاد'' کا کام کر گئی ہیں۔

☆ ''سفارتی گماشتے دوڑائے گئے بلکہ ایک صاحب تو بہ نفس نفیس میرے خلاف ''عالمی رائے عامہ'' ہموار کرنے کے لئے بیرون ملک تشریف لے گئے''......اگر یہ میرا ذکر خیر ہے تو میں اس پر افسوس کا اظہار ہی کر سکتا ہوں کیونکہ یہ ''لندن پلان'' جیسے سیاسی شوشے کا سا انداز ہے یا پھر اس معصوم دیہاتی کا سا جس کا کمبل میلے میں کھو گیا تھا۔جرمنی آنے کے بعد ۱۹۹۷ء کے آخر میں صرف ایک دوست سے سیدہ حنا کے بارے میں بات ہوئی ہے۔اس میں بھی میں نے صرف اس دکھ کا اظہار کیا کہ ایک ادبی مسئلے کے باعث دو اچھے دوست گنوا بیٹھا ہوں۔اردو ادب کی کون سی

''عالمی رائے عامہ'' ہے جسے ہموار کرنے کے لئے مجھے یہاں آنا تھا؟ لگتا ہے ''ماہیا نگاری'' کی طرح سیدہ حنا نے یہ الزام لگاتے ہوئے بھی تھوڑا بہت ''شعور'' سے کام لینے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔میرے جرمنی آنے کے بعد بھی ماہیے کی بیشتر بحث تو پاکستان کے ادبی رسائل اور اخبارات کے صفحات پر ہی ہوئی ہے......سفارتی گماشتے دوڑانے والا الزام بھی عجیب ہے۔ ہمارے پاس تو کوئی ادبی رسالہ بھی نہ تھا جس کی کشش سے ہم لوگوں کو اپنا ہمنوا بناتے......ٹھوس دلائل اور واضح موقف کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں تھا۔البتہ فریق ثانی نے اس انداز کی چال ضرور چلی ہے......صرف ایک مثال......راولپنڈی کے خوش فکر اور نوجوان شاعر عارف فرہاد پہلے تین ہم وزن مصرعوں کے ''ماہیے'' کہتے رہے جب انہیں دھن کی بنیاد پر ماہیے کے وزن کا اصول سمجھ میں آ گیا تو انہوں نے درست وزن کو اپنا لیا۔تب فریق ثانی کے دوستوں کا ایک گروپ انہیں سمجھانے بجھانے کے لئے آیا۔جب عارف فرہاد نے موقع پر گنگنا کر ماہیے کے وزن کو واضح کیا تو دلیل کا جواب دینے کی بجائے مذکورہ دوست خفا ہو کر چلے گئے۔سو گماشتے دوڑانے کا الزام بھی فریق ثانی پر ثابت ہوتا ہے۔

سیدہ حنا کو محسوس ہوا کہ ان کے ''ماہیوں'' کے مصرعے کے مصرعے دوسروں کے ہاں آنے لگے ہیں۔پنجابی میں ایسا ہے کہ پہلا مصرعہ بار بار دہرایا جاتا ہے اور ماہیے گانے میں سوال و جواب اور بیت بازی کا سا سماں بندھ جاتا ہے۔سو اگر پہلے مصرعہ کی تکرار ہوئی ہے تو یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ویسے میری رائے یہی ہے کہ ہمارے ماہیا نگاروں کو ایسی تکرار سے بھی بچنا چاہئے لیکن اگر ان کے ''ماہیوں'' کے خیال دوسروں کے ہاں در آئے ہیں تو وہ ان کی واضح نشاندہی کریں۔میں خود ایک مضمون لکھ دوں گا 'حنائیے کے اثرات ماہیے پر'۔سیدہ حنا آج بھی درست وزن کو اپنا لیں تو آنے والے ادبی مورخ ان کی عالی ظرفی کی مثال دیں گے۔اردو ماہیے میں وہ ایک محترم نام ہوں گی بصورت دیگر میں ان کے ثلاثی کو ماہیے سے قریبی مماثلت کے باعث اور ان کی قابل ذکر تخلیق کاری کے باعث حنائیے کا نام دیتا ہوں۔یوں وہ ثلاثی نگار جو سیدہ حنا کی خدمات کو دھندلا کر اس انداز کے ثلاثی میں خود ہی مقام اولیت حاصل کر بیٹھے ہیں۔ان کی بھی

تردید ہو جائے گی اور سیدہ حنا کی اس ضمن میں خدمات کے اعتراف کے ساتھ حنائیے کا نام ماہیے سے قربت کا احساس بھی دلاتا رہے گا۔

(مطبوعہ: ویکلی ''ہوٹل ٹائمز'' اسلام آباد، اشاعت ۸ مئی ۱۹۹۸ء)

خط بنام ایڈیٹر اوراق لاہور

برائے ''آپس کی باتیں''

''اوراق'' کے شمارہ جنوری فروری ۱۹۹۸ء میں ظہیر غازی پوری صاحب کا مضمون میں نے توجہ سے پڑھا ہے۔ ظہیر صاحب داد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے برملا طور پر اقرار کیا ہے کہ وہ اردو رسم الخط میں لکھی پنجابی پڑھ نہیں سکتے اور پنجابی ماہیے کی لَے سے ویسے بھی آشنا نہیں ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے بڑی دلیری سے اور جرات سے تحکمانہ فیصلے بھی صادر کر دیئے ہیں۔ ایں سعادت بزور بازو است۔ اگر اس مضمون کی غلطیوں یا غلط بیانیوں کی نشاندہی کی جائے تو موصوف کے مضمون سے دگنا مضمون بن جائے گا۔ یہاں میں ان کی چند اہم اغلاط کی نشاندہی کیئے دیتا ہوں۔

☆ میں نے اپنے اولین مضمون (صریر دسمبر ۹۲ء) میں فلم پھاگن کے ماہیا نگار کا نام قمر جلال آبادی کی جگہ بے خیالی میں قمر جلالوی لکھا تھا۔ بعد میں سعید شباب نے اپنے ایک مضمون (صریر سالنامہ ۹۳ء) میں اصل نام کی تصحیح کر دی تھی تب سے اب تک پھر کسی نے قمر جلالوی کا نام نہیں لیا لیکن ظہیر صاحب، مناظر عاشق پر چوٹ کرنے کی دھن میں قمر جلالوی کو ماہیا نگار قرار دے کر غلطی کا شکار ہوئے ہیں۔

☆ ص ۲۷۰ پر انہوں نے مجھ سے یہ بات منسوب کی ہے کہ میں نے ''تم روٹھ کے مت جانا'' کے دو وزن دریافت کیئے ہیں۔ خود ہی ایک جھوٹ مجھ سے منسوب کر کے پھر اس پر حیرت کا اظہار کرنے کے ساتھ اپنی عروض دانی کا سکہ بھی جمایا ہے...... جبکہ میں نے مذکورہ ماہیوں کا ایک ہی وزن بیان کیا ہے۔ فعلن والا، ہاں پنجابی ماہیے کے (تب تک) لَے کی بنیاد پر دو اوزان ضرور

بیان کئے تھے جواب تک پانچ ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے تازہ مضمون ''ماہیا پابندِ لَے ہے'' میں ان متبادل اوزان کو بھی پیش کیا ہے۔

☆ میں نے مذکورہ ماہیے کا وزن فعلن فعلن فعلن فعلن ہی بیان کیا تھا لیکن ظہیر صاحب نے از خود اسے مفعول مفاعیلن قرار دے کر میری تضحیک کرنے کی کوشش کی ہے۔خود ہی ایک وزن غلط طور پر مجھ سے منسوب کر کے تنقید کر دینا صریحاً بد دیانتی ہے۔

☆ ساحر لدھیانوی کے معاملے میں ہمارے مخالفین کا رویہ عجیب رہا ہے۔ پہلے پہل بڑے زور کے ساتھ دعویٰ کیا گیا کہ ساحر نے تین ہم وزن مصرعوں کے ماہیے کہے ہیں اور اسے سند کے طور پر پیش کیا گیا۔ جب ہم نے وضاحت کی کہ یہ ماہیے تو ہمارے موقف کی تصدیق کرتے ہیں تب یار لوگ ساحر پر برس پڑے اور طنزاً کہا گیا کہ پنجابی ادب میں ساحر کی حیثیت ہی کیا ہے اور اب کہ ظہیر صاحب کو ڈوبتے کو تنکے کے سہارے کی طرح ان کے ایک ماہیے سے عروضی کاری گری دکھانے کا موقع ملا ہے تو ان کا جوش و خروش دیدنی ہے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ ساحر کے دونوں ماہیے زحافات کی رعایت کے ساتھ ماہیے کے دونوں اوزان میں آئے ہیں۔ پہلے ماہیے کا وزن مفعول مفاعیلن ۔فعل مفاعیلن ۔مفعول مفاعیلن اور دوسرے ماہیے کا وزن فعلن فعلن فعلن ۔ فعلن فعلن فع ۔فعلن فعلن فعلن ہے۔

☆ ظہیر صاحب نے ص ۲۷۳ پر ہمت رائے شرما جی کے ماہیوں کو ''ماہیا نما گیت'' لکھا ہے جو بد دیانتی ہے کیونکہ انہوں نے تو ماہیے کی موجودہ بحث سے چھ دہائیاں پہلے درست وزن کے ماہیے پیش کئے تھے۔ ''ماہیا نما گیت'' یا ''ماہیا نما ثلاثی'' تو وہ لوگ کہہ رہے ہیں جنہوں نے بے خیالی میں تین ہم وزن مصرعوں کو اپنایا تھا اور اب اپنی غلطی کو حق بجانب ثابت کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔

☆ اولین ماہیا نگار کے طور پر ہمت رائے شرما جی کی دریافت ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ مناظر عاشق کی تحقیق پر یقیناً مزید کام کرنے کی گنجائش ہے۔ ہمارے مخالفین میں یہ خبر نہایت رنج و غم سے پڑھی جائے گی لیکن اہل ادب کے لئے عمومی طور پر دلچسپی کا

باعث بنے گی کہ میں نے اب تک جو ٹھوس شواہد جمع کر لئے ہیں ان سے ثابت ہو گیا ہے کہ ہمت رائے شرما نے ۱۹۳۶ء میں ماہیے لکھے تھے۔

ظہیر صاحب نے ماہیے کے مجموعوں میں دیپک قمر، سیدہ حنا اور نثار ترابی کی کتابوں کے ساتھ از راہ شفقت میرے مجموعے کا بھی ذکر کیا ہے لیکن وہ درست وزن کے ماہیوں کے باقی مجموعوں کے نام چھپا گئے ہیں۔درست وزن کے ماہیوں کے اب تک یہ مجموعے چھپ چکے ہیں۔ محبت کے پھول (حیدر قریشی)، بادِ سبز (قمری ساحری)، پھول کہانی (ضمیر اظہر)، ریگ رواں (نذیر فتح پوری)، یادوں کے سفینے (امین خیال)......ان کے علاوہ ''رم جھم رم جھم'' مناظر عاشق کا مرتب کردہ انتخاب...... ''اردو ماہیے'' سعید شباب کا مرتب کردہ انتخاب، پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ کا اردو ماہیا نمبر اور سب سے بڑھ کر دو ماہی گلبن احمد آباد کا تاریخی اور دستاویزی حیثیت کا حامل ماہیا نمبر (گلبن کا ماہیا نمبر اس سال آیا ہے) اس برس ''دل حجرہ'' (یوسف اختر) اور ''روپ نگر'' (انور مینائی) کی اشاعت کی خبر بھی آ چکی ہے......ظہیر صاحب کے بقول ہندوستان میں قابل ذکر ماہیا نگار ناوک حمزہ پوری، نذیر فتح پوری، پروین کمار اشک اور انور مینائی وغیرہ ہیں......تو صاحب! یہ سارے ماہیا نگار تو ہماری تصدیق کرنے والے ہیں۔ یہ سب ماہیے کے دوسرے مصرعے میں ایک سبب کم رکھنے والے ماہیا نگار ہیں۔ان قابل ذکر ماہیا نگاروں میں کوئی بھی ماہیا نما ثلاثی نگار نہیں ہے۔

ظہیر صاحب کی مار دھاڑ کے بعد ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ ماہیے سے وزن اور مزاج کی پابندیاں ختم کر دی جائیں جہاں تک وزن کی پابندی کا تعلق ہے، ماہیے کا وزن اس کی لَے سے مشروط ہے اور ماہیا اسی وقت لَے میں آئے گا جب اس کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی ہوگی۔ ہمت رائے شرما، قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے ماہیے تو اوراق کے گذشتہ شمارہ میں بھی آ چکے ہیں اور بیشتر قارئین ان سے آگاہ ہیں۔ یہاں چند مزید ماہیا نگاروں کے ماہیے بھی بطور ثبوت حاضر ہیں جو لَے کی بنیاد پر لکھے گئے اور جو ہمارے موقف کی تصدیق کرتے ہیں۔

باغوں میں بہار آئی
مہکی ہوئی رت میں
دل لیتا ہے انگڑائی

پھولوں پہ نکھار آیا
چوم کے ذات تری
مرے دل کو قرار آیا

یہ ماہیے کسی پرانی پاکستانی فلم کے ہیں۔فلم اور شاعر کے نام تحقیق طلب ☆ ہیں۔ یہ گانا غالباً صبیحہ اور سنتوش پر فلمایا گیا تھا۔

میری چھت پر آیا کرو
ٹیچر بن کے تم
مجھے پیار سکھایا کرو
(فلم۔اف یہ محبت
شاعر۔وپن ہانڈا)

آنچل میں ستارے ہیں
جب سے تمہیں دیکھا
اس دن سے تمہارے ہیں
(پاکستانی فلم۔کانٹا
شاعر۔نذیر قیصر)

لڑکی سائیکل والی
دے گئی رستے میں
اک پیار بھری گالی

(فلم پتی،پتنی اور وہ ......شاعر۔؟)

گویا اس وقت تک کم از کم سات ماہیا گت سامنے آچکے ہیں جو ماہیے کی لَے پر گائے گئے اور جو ہمارے موقف کی تصدیق کرتے ہیں۔ اسی لئے ماہیے پر اس کی لَے کی پابندی کی صورت میں وزن کی پابندی بے حد ضروری ہے۔کسی غزل کے لئے ایک ہی بحر اور قافیہ ردیف کی پابندی ضروری ہوتی ہے جو یہ پابندی نہیں کر سکتے۔نظم سے نثری نظم تک ان کے لئے اظہار کی کئی اصناف موجود ہیں۔اسی طرح جو لوگ ماہیے کی لَے کے مطابق وزن کی پابندی نہیں کر سکتے وہ کسی اور سہ مصرعی صنف میں ''مشق ناز'' کر سکتے ہیں۔

ظہیر صاحب کا پیش کردہ مزاج کے سلسلے میں میرا اقتباس سیاق وسباق سے الگ ہو گیا ہے (اوراق ص ۲۷۷) میں مزاج کے سلسلے میں مکمل چھوٹ کا حامی نہیں ہوں۔ نئے تجربات میں

تھوڑی بہت آزادی کی گنجائش ہے تاہم اس کے لئے میں نے بعض تجربات کے ''کچے'' رہ جانے کی بات بھی کی تھی۔یہ لفظ توجہ طلب ہے۔ماہیے کے موضوع (مزاج) اور ہیئت (وزن) سے اس کی شناخت بنتی ہے۔اسے شکنجہ کہنا فن کی سطح پر اپنی بے بسی کا اقرار کرنا ہے...... جہاں تک ''خاص و عام کو گرویدہ بنا لینے'' کی بات کا تعلق ہے، پنجابی ماہیے کی لَے والا اردو ماہیا تو ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بناتا جا رہا ہے۔میں نے اوپر جن کتابوں اور ماہیا نمبروں کا ذکر کیا ہے وہی اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ درست وزن کا ماہیا قبول عام حاصل کر گیا ہے۔تین ہم وزن مصرعوں کو ''ماہیے'' کے نام سے پیش کرنے والے تو اب قابل رحم حالت میں ہیں۔

(مطبوعہ :اوراق لاہور،شمارہ جولائی اگست ۱۹۹۸ء)

☆فلم حسرت،شاعر قتیل شفائی

☆☆☆☆☆

اردو ماہیے کی تحریک

۱۹۹۰ء میں پنجابی ماہیے کے وزن کی بنیاد پر اردو میں ماہیے کے وزن کی طرف توجہ دلائی گئی۔۱۹۹۲ء میں اس مسئلے پر مضامین کی صورت میں بحث شروع ہوئی اور پھر تین چار برسوں کے اندر ہی ماہیے کے درست وزن کو اپنانے کا رویہ تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ ماہیے کی ہیئت اور مزاج کے موضوعات پر کھل کر بحث ہوئی۔ اختلافی نکات پر ہماری طرف سے اپنے موقف کو مدلل طور پر پیش کیا گیا۔ ایسا بھی ہوا کہ ہمارے مدلل موقف کے جواب میں فریق ثانی نے خاموشی اختیار کر لی۔ مثلاً

o ایم اے تنویر کے مضمون ''اردو ماہیے پر اوزان کی پابندی'' (''صریر'' کراچی، جون، جولائی ۱۹۹۳ء) کے جواب میں ''صریر'' (نومبر ۱۹۹۳ء) ہی میں وحید انور کا موقف شائع ہوا۔ میں نے بھی اپنے ایک دو مضامین اور ایک آدھ خط میں اس مضمون کے نفس مضمون کا تجزیہ کیا تھا۔

o ''اوراق'' شمارہ اگست ستمبر ۱۹۹۵ء میں نثار ترابی کا ماہیے کے مسئلے پر تفصیلی خط شائع ہوا۔ اس کے جواب میں ''اوراق'' شمارہ جنوری، فروری ۱۹۹۶ء میں میرا مدلل جواب شائع کیا گیا۔

o ڈاکٹر بشیر سیفی کا مضمون ''اردو ماہیا۔ تحقیقی مطالعہ ''صریر'' شمارہ جون جولائی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ اس کے جواب میں میرے مضمون ''ماہیے کے حوالے سے چند معروضات'' کو ایڈیٹر ''صریر'' نے تو دیدہ دانستہ مسخ کر کے شائع کیا، تاہم یہ جواب درست طور پر روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی کی اشاعت ۹۷۔۴۔۲۲ میں ادبی صفحہ پر شائع ہوا۔

o پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ کے ماہیا ایڈیشن (اپریل ۱۹۹۷ء) میں غلام مصطفیٰ بسمل کا اختلافی نوٹ شائع ہوا۔ اس کے نتیجہ میں ''بھنگڑا'' اخبار کے جولائی کے شمارہ میں میرا

وضاحتی اور مدلل جواب شائع ہوا۔

یہ صرف چار موٹی موٹی مثالیں ہیں کہ ہمارے مضبوط موقف کے سامنے فریق ثانی کو پھر کوئی مدلل بات کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ بعض اوقات یوں بھی ہوا ہے کہ کسی رسالے میں زیر بحث نکات کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور کسی اور صاحب کے ذریعے اسی رسالے میں یا کسی اور رسالے میں کسی اور نکتے کو اشو بنا لیا گیا، جب اس کا مدلل جواب دیا گیا تو پھر بات آگے بڑھانے کی بجائے کسی اور نکتے کو ایشو بنا لیا گیا۔ اختلاف رائے جرم نہیں ہے، خود ہمارے اپنے ہم خیال دوستوں میں بھی بعض نکات پر الگ الگ رائے پائی جاتی ہے لیکن یہ اختلاف رائے نیک نیتی اور مخلصانہ جستجو کا مظہر ہے جبکہ ہمارے بعض ''کرم فرماؤں'' نے محض خلط مبحث کر کے شوشے چھوڑے اور وقتی جملہ بازی سے ماہیے کی نمایاں ہوتی ہوئی تحریک کو دھندلانے کی کوشش کی۔ ایسے ''مہربانوں'' سے قطع نظر بعض ادباء نے پورے خلوص سے اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کی اور نیک نیتی سے اپنا اختلافی موقف پیش کیا۔ ایسے ادباء کا ماہیے کی تحریک کو آگے بڑھانے میں اہم کردار رہا ہے۔

ماہیے کی ہیئت کی بحث کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ ماہیے کے وزن سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ ماہیے کو تحریری صورت میں پیش کرنے کا ہے......فریق ثانی کی طرف سے عام طور پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ پنجابی میں دونوں طرح کے ماہیے ملتے ہیں یعنی دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' کم وزن والے بھی اور تینوں مصرعے مساوی الوزن والے بھی۔ لہٰذا اردو میں دونوں طرح کے ماہیے جائز ہیں۔ یہ موقف درست نہیں ہے کیونکہ اردو کے عروضی نظام کی رو سے تو پنجابی ماہیے کا دوسرا مصرعہ مساوی الوزن ہونے کی بجائے ایک سبب زائد بھی ہو جاتا ہے۔ ماہیے کا دوسرا مصرعہ صرف ایک سبب کم یا زیادہ نہیں ہوتا بعض اوقات ایک سبب سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تنویر بخاری کی کتاب ''ماہیا۔ فن تے بنتر'' کے صفحہ نمبر ۲۲۲ سے ایک ماہیا دیکھیں۔

چاہ پیتی پوستیاں
مطلب کڈھے

ہور نہ رہ گئیاں دوستیاں

پنجاب الفاظ کو اردو کے عروضی حساب سے پرکھیں تو دوسرے مصرعہ کا وزن ''فعلن فعلن'' سے زیادہ نہیں ہوتا۔لہٰذا یہاں دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم رکھنے اور تینوں مصرعوں کو مساوی الوزن کہنے کے دونوں موقف اردو کے عروضی حساب سے بے معنی ہو جاتے ہیں۔اب ایسے ماہیے دیکھیں جن کے دوسرے مصرعے پہلے اور تیسرے مصرعوں سے مساوی الوزن ہونے کی بجائے ایک سبب زائد ہونے سے بھی زیادہ بڑے ہوئے جارہے ہیں۔

انگریز یزید ہوئے   کوئی خیر دی خبر آوے
قصہ خوانی دی گولی وچ   ترکی داغازی ساڈا
کتنے بچڑے شہید ہوئے   انگریزاں تے فتح پاوے

(بحوالہ انگریزی اخبار روزنامہ ''ڈان'' لاہور، ۹۵۔۴۔۱۹ ''پنجابی بکس'' ماہیاان پنجابی، اردو اینڈ انگلش۔از شفقت تنویر مرزا)

ان مثالوں اور سابقہ مضامین کے حوالوں کے بعد ماہیے کے وزن کے سلسلے میں یہ صورتحال سامنے آتی ہے کہ اگر پنجابی ماہیے کے حروف کو اردو عروض کے ضابطوں سے پرکھنے کی کوشش کریں تو دوسرے مصرعوں میں اس قسم کے متضاد وزن ملیں گے۔

(۱) دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعوں کے وزن سے دو حروف کم ہوگا۔(۲) چار حروف کم ہوگا (۳) مساوی الوزن ہوگا (۴) دو حروف زیادہ ہوگا (۵) چار حروف زیادہ ہوگا۔

یہ صرف دوسرے مصرعہ کی صورتحال ہے۔ریاض احمد نے نشاندہی کی تھی کہ ماہیے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں کا وزن بھی اسی طرح کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔سو بظاہر ایسی الجھی ہوئی صورتحال میں محض یہ کہہ دینا مناسب نہیں ہے کہ پنجابی ماہیے میں چونکہ دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' کم وزن والے ماہیے بھی ملتے ہیں اور مساوی الوزن بھی۔لہٰذا اردو میں دونوں طرح کے ماہیے جائز ہیں کیونکہ پنجابی حروف کو اردو عروض کے گھیرے میں لینا مناسب نہیں وگرنہ پھر مذکورہ بالا پانچوں قسم کے ماہیے جائز قرار دینا پڑیں گے اور یہ ماہیے کے ساتھ سنگین مذاق ہوگا۔ماہیے کے

وزن کے سلسلے میں جتنا الجھاؤ ہے وہ اس وقت ایک دم ختم ہو جاتا ہے جب ہم ماہیے کو اس کی لے سے سمجھتے ہیں۔پنجابی ماہیے کی لے کو آسانی سے اردو عروض کے گھیرے میں لیا جاسکتا ہے اور اس لے کی رو سے ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ تو مساوی الوزن ہوتے ہیں جبکہ دوسرے مصرعہ کا وزن ایک سبب کم ہوتا ہے۔

ماہیے کی ہیئت کی بحث کا دوسرا حصہ اس کی تحریری صورت سے متعلق ہے۔ابھی تک میرے ذہن میں ماہیے کی دو تحریری صورتیں تھیں۔

۱۔ کوٹھے اتوں اڈ کانواں
سد پٹواری نوں
جند ماہیے دے ناں لانواں

۲۔ کوٹھے اتوں اڈ کانواں
سد پٹواری نوں جند ماہیے دے ناں لانواں

تھوڑا عرصہ پہلے عاشق حسین عاشق نے اپنے ایک مضمون میں ماہیے کو ''ایک مصرعی'' قرار دیا تھا تو مجھے خاصی حیرت ہوئی تھی۔اب امین خیال نے بھی اپنے مضمون ''پنجابی ماہیا'' میں ذکر کیا ہے کہ پورے ماہیا کو ایک ہی سطر میں یوں لکھا جا تا رہا ہے۔

کوٹھے اتوں اڈ کانواں۔سد پٹواری نوں جند ماہیے دے ناں لانواں

ایک سطری ہیئت تو اب صرف مضامین میں تذکرے کی حد تک رہ گئی ہے۔ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں بھی یہ بہت کم لکھا گیا ہے۔خود پنجابی ماہیوں کی بیشتر کتب سہ مصرعی روپ میں ہیں تاہم پنجابی ماہیے کا بطور لوک گیت مجموعی وزن یہی بنتا ہے۔

فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

(دوسرے متبادل اوزان میں بھی اسی طرح ایک سبب کی کمی رہے گی) اب اسے چاہے ایک مصرعہ بنا کر لکھ لیں، ڈیڑھ مصرعے بنا کر لکھ لیں یا تین مصرعوں کی مقبول صورت کو اپنا لیں، ماہیے کا مجموعی وزن بہرحال وہی رہے گا جو ماہیے کی لے کے مطابق ہے۔ مجھے ڈیڑھ مصرعی ہیئت پر کوئی اعتراض نہیں ہے تاہم اب بصری لحاظ سے سہ مصرعی ماہیا زیادہ اچھا لگتا ہے......ایک دفعہ توتا اور طوطا کے درست املا کی بحث چل نکلی تھی۔ محققین نے ''ت'' سے توتا ثابت کر دیا، تب ایک ادیب نے یہ مزے کی بات لکھی کہ قدیم اردو میں توتا بے شک ''ت'' سے ہی ہو لیکن ''ط'' سے لکھا ہوا طوطا زیادہ ہرا ہرا لگتا ہے......سو اب ماہیے کی تحریک جس مقام پر آ گئی ہے، یہاں ڈیڑھ مصرعی ہیئت کو غلط کہے بغیر میں یہ ضرور کہوں گا کہ سہ مصرعی صورت میں ماہیا زیادہ ہرا بھرا لگتا ہے۔

ماہیے کے مزاج کے سلسلے میں مختلف خیالات سامنے آئے ہیں۔ اس مسئلے پر ابھی مزید غور و خوض کی ضرورت ہے۔ بعض ثلاثی نگار جب ماہیے کے وزن کے مسئلے سے جان چھڑانے کے لئے مزاج کی اہمیت پر زور دینے لگتے ہیں تو وہ دراصل ماہیے کے وزن کی بحث میں اپنے کمزور موقف کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ ان سے قطع نظر بعض دیگر اہلِ ادب نے بھی ماہیے کے پنجابی مزاج کو برقرار رکھنے پر زور دیا ہے۔ ماہیے کا مزاج اصلاً ان بنیادی موضوعات سے مرتب ہوتا ہے جو عشق و محبت سے متعلق مختلف مضامین (محبوب کے حسن کی تعریف، بے وفائی، گلے شکوے، جدائی، وصال کی آس، ظالم سماج، وصال وغیرہ) اور دھرتی سے وابستگی پر مبنی ہیں۔ پنجابی ماہیے سے ناآشنا اردو کے ماہیا نگار اگر ایسے موضوعات کے دائرے میں اعلیٰ تخلیقی کارکردگی دکھاتے ہیں تو بڑی حد تک وہ پنجابی ماہیے کے مزاج کے قریب ہی ہوتے ہیں۔ تاہم ادب کی سطح پر آنے کے بعد ماہیے کو محض چند موضوعات تک محدود رکھنا بھی مناسب نہیں ہے۔ خود پنجابی ماہیے کو تفصیل سے دیکھا جائے تو یہ پنجابی معاشرے کے تمام مسائل اور معاملات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اپنے مخصوص موضوعات کو اپنی پہچان بنانے کے باوجود زندگی کے بیشتر پہلوؤں کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ انگریزی اخبار ''ڈان'' میں شفقت تنویر مرزا کے درج کردہ دو ماہیے جو میں اس مضمون میں پیش کر چکا ہوں، بذاتِ خود اس حقیقت کا اظہار ہیں کہ ماہیے میں زندگی سے متعلق سارے

موضوعات سموئے جا سکتے ہیں......سو ماہیے کے داخلی رس اور مٹھاس کو برقرار رکھتے ہوئے یا اسے برقرار رکھنے کی ممکنہ حد تک کوشش کرتے ہوئے، نئے موضوعات کا اردو ماہیے میں لایا جانا عیب نہیں ہوگا۔ ایسے ہو سکتا ہے کہ ایسے موضوعاتی تجربات میں سے بعض آگے چل کر کامیاب ہوں اور ماہیے کے مزاج کا حصہ بن جائیں اور بعض تجربات ناکام رہیں۔ میرے خیال میں اس ابتدائی دور میں اردو ماہیے کے مزاج کی اہمیت تو واضح کرنی چاہئے لیکن نئے موضوعات پر پابندی نہیں لگانی چاہئے۔ ماہیے کے مزاج کے سلسلے میں سنجیدہ ادبائے کرام کا موقف تب بہتر طور پر واضح ہو سکے گا جب وہ خود ماہیے کی عملی تنقید کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اب کہ ماہیا نگاری اردو شاعری کا ایک معتبر حصہ بنتی جا رہی ہے۔ ماہیا نگاروں کی ایک بڑی تعداد درست وزن کو سمجھنے کے بعد تخلیق کاری میں مگن ہے......مناسب ہوگا کہ ان کے ماہیوں کے حوالے سے ماہیے کے مزاج کی بحث کو آگے بڑھایا جائے۔ اس سے ماہیے کے مزاج کی احسن طور پر نشاندہی بھی ہو سکے گی اور اس کے موضوعات میں متوازن وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔

گذشتہ چند برسوں میں تمام تر بحث کے ساتھ اردو ماہیے نے نہ صرف اپنے خدوخال کو واضح کیا ہے بلکہ شعرائے کرام میں ایسی مقبولیت حاصل کی ہے جو حیرت انگیز ہے۔ ماہیے کی اسی مقبولیت نے اسے ایک تحریک بنا دیا ہے۔ اس مقبولیت کا بالکل سرسری سا جائزہ بھی لیا جائے تو خوش کن حقائق سامنے آتے ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں میرے ماہیوں کا مجموعہ ''محبت کے پھول'' شائع ہوا۔ اسی برس پروفیسر قمر ساحری کے ماہیوں کا دیوان ''بادِ سبز'' شائع ہوا۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی مرتب کردہ کتاب ''رِم جھم رِم جھم'' بھی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ گیارہ ماہیا نگاروں کا ایک نمائندہ انتخاب ہے۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۶ء تک اس بحث سے متعلق ۱۹ مضامین شائع ہوئے۔ مضمون نگاروں میں مجھ سمیت افتخار احمد، عرش صدیقی، خاور اعجاز، زاہد عباس، ناصر عباس نیرّ، سعید شباب، ایم اے تنویر، غزالہ طلعت، ریاض احمد، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر بشیر سیفی اور ڈاکٹر انور مینائی کے نام شامل ہیں۔ جبکہ ۱۹۹۷ء میں ماہیے کی بحث کے ضمن میں ۱۲ مضامین اور ماہیے کے مختلف مجموعوں پر ۱۵ مضامین/تبصرے......گویا ۲۷ مضامین صرف ایک برس میں شائع

ہوئے۔اس برس کے مضمون نگاروں میں ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، مشتاق احمد، نصرت یاسمین، یوسف علی لائق، عاشق حسین عاشق، طیب احمد، ارشد محمود ناشاد، سید ظفر ہاشمی، سعید شباب، مقصود الٰہی شیخ، ثریا شہاب، اجمل پاشا، ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری (پرانا پنجابی مضمون قندِ مکرر کے طور پر شائع ہوا)، محمد وسیم انجم اور حیدر قریشی کے نام شامل ہیں۔تخلیقی سطح پر اس برس ضمیر اظہر کے ماہیوں کا مختصر سا مجموعہ ''پھول کہانی'' شائع ہوا۔نذیر فتح پوری کے ماہیوں کا مجموعہ ''ریگ رواں'' منظر عام پر آیا، امین خیال کے ماہیوں کا مجموعہ ''یادوں کے سفینے'' شائع ہوا۔اس برس سعید شباب کا مرتب کردہ ایک انتخاب ''اردو ماہیے'' شائع ہوا جس میں ۳۵ ماہیا نگاروں کو شامل کیا گیا۔۱۹۹۷ء میں گوجرانوالہ کے پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' نے اردو ماہیا ایڈیشن شائع کیا اور اسی برس میری یک موضوعی تحقیق وتنقید کی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' بھی منظر عام پر آئی۔۱۹۹۷ء میں جہاں ایک طرف بحث چیخ رہی تھی اور ماہیے کے خدوخال واضح ہو گئے تھے، دوسری طرف تخلیق کاروں کی ایک بڑی تعداد ماہیا نگاری کی طرف مائل ہو گئی تھی، تیسری طرف تحقیق کے میدان میں بھی پیشرفت ہوئی۔ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے انکشاف کیا کہ آج سے لگ بھگ ساٹھ سال پہلے ہمت رائے شرما نے سب سے پہلے درست وزن میں اردو ماہیے کہے تھے جو فلم ''خاموشی'' کے لئے ریکارڈ کئے گئے تھے۔اس انکشاف سے اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما قرار پائے ہیں (میں نے اپنی تحقیق سے ہمت رائے شرما کے اردو ماہیے کہنے کا سال ۱۹۳۶ء ثابت کیا ہے۔)

اور اب کہ ۱۹۹۸ء کی پہلی ششماہی مکمل ہو چکی ہے اس مختصر مدت میں بھی ماہیے کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔یوسف اختر کے ماہیوں کا مجموعہ ''دل حجرہ'' شائع ہو گیا ہے۔انور مینائی کے مجموعہ ''روپ نگر'' اور اشعر اورینوی کے ماہیوں کے مجموعوں کے جلد ہی شائع ہونے کی خبریں بھی ملی ہیں۔اس سال کی پہلی ششماہی میں فریق ثانی کے بے جا اعتراضات کا بروقت تعاقب کر کے جواب دینے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، عارف فرہاد اور پروین کمار اشک خاصے فعال دکھائی دیئے ہیں۔اس سلسلہ میں مجھے بھی تھوڑا بہت کام کرنے کا موقع ملا ہے۔فریق ثانی کے اعتراضات ''صریر'' کراچی، ''عوامی منشور'' کراچی، ''تخلیق لاہور'' اور ادبی صفحہ روزنامہ

''نوائے وقت'' راولپنڈی میں شائع ہوئے اور وہیں ان کے جواب دیئے گئے۔

اس برس کی پہلی سہ ماہی اور ماہیے کی تاریخ کا اب تک کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہوا ہے کہ ادبی جریدہ دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد (انڈیا) نے نئے سال کا پہلا شمارہ (جنوری تا اپریل ۱۹۹۸ء) ماہیا نمبر شائع کیا ہے۔اس ادبی رسالہ کے مدیران سید ظفر ہاشمی اور ثریا ہاشمی ہیں۔گذشتہ ۲۰ برسوں سے یہ ادبی رسالہ کسی سرکاری امداد کے بغیر اپنے محدود دائرے میں اردو زبان اور ادب کی خدمت کر رہا ہے۔اپنی اشاعت کے اکیسویں برس کا پہلا شمارہ ماہیا نمبر لا کر اس ادبی رسالہ نے ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔اس نمبر کی ترتیب کے سلسلے میں پاکستان سے امین خیال، انڈیا سے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اور جرمنی سے میں نے ممکنہ حد تک کام کیا ہے۔''گلبن'' کے ماہیا نمبر میں ۹۵ ماہیا نگاروں کے تازہ ماہیے شامل ہیں۔ہر ماہیا نگار کے ماہیوں کے ساتھ اس کے مختصر سوانحی اور ادبی کوائف بھی شائع کئے گئے ہیں۔ان ۹۵ ماہیا نگاروں میں انڈیا سے ۴۷، پاکستان سے ۳۷، جرمنی سے ۶، انگلینڈ سے ۲ اور امریکہ اور جاپان سے ایک ایک ماہیا نگار شامل ہیں۔

پہلے سے ماہیا نگاری میں فعال تخلیق کاروں میں احمد حسین مجاہد، امین خیال، عارف فرہاد، انور مینائی، پروین کمار اشک، مناظر عاشق ہرگانوی، سعید شباب، سجاد مرزا، صابر آفاقی، ذوالفقار احسن، شاہدہ ناز، قاضی اعجاز محور، طفیل خلش، مشتاق احمد، نذیر فتح پوری، خاور اعجاز، یوسف اختر اور یونس احمر کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ان ناموں کے ساتھ اس بار کئی اہم شعراء نے پہلی بار اردو ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھا ہے اور عمدہ ماہیے کہہ کر ماہیے کو مزید وقار اور اعتبار عطا کیا ہے۔ ایسے شعراء میں اعزاز احمد آذر، سلطان سکون، شاہد جمیل، شرون کمار ورما، شوکت ہاشمی، سلیم انصاری، زہیر کنجاہی، امداد نظامی، حسن عسکری کاظمی، شباب للت اور احمد رئیس شامل ہیں۔پھر ناوک حمزہ پوری، شارق جمال، اجمل جنڈیالوی، علقمہ شبلی، محی الدین غنی، مقیم فتح پوری اور نادم بلخی جیسے کہنہ مشق شعراء کی ماہیے کی طرف آمد خود ماہیے کے لئے تبرک ہے تو عذرا اصغر، ثریا شہاب، سلطانہ مہر، شبہ طراز، یاسمین سحر، اختر بانو ناز، پرزرق صنم اور کوثر بلوچ کی ماہیا نگاری ہوا کے خوشبودار جھونکوں کا احساس دلاتی ہے۔کلیم شہزاد، عاصی کاشمیری، سلیم احمد سلیم، انور شمیم فیروز آبادی، نیاز

احمد صوفی، نیاز بلوچ، ہارون الرشید، ایم این اے ریحان، نوید اعظم، محمد وسیم عالم، فرحت قادری، محمد ارباب بزمی، جوثر ایاغ، ڈاکٹر امریندر، عارف حسن خان، رمیش کنول، زبیر الحسن غافل، شاداب رضی، محمد ضیاء الاسلام رضوی اور محمد ظفیر الدین ظفر کے ہاں تازہ کاری کے امکانات نمایاں ہوئے ہیں جبکہ اسلم حنیف، اشراق عالم، اشعر اورینوی، امتیاز شاہین، انوار فیروز، امان اللہ امان، اجمل پاشا، تنویر خیال، جاوید خان، بشارت احمد بشارت، نیرؔ حسن نیرؔ، رافق زمان، رؤف خیر، ساحر شیوی، سلطان کھاروی، شارق عدیل، شمیم یوسفی، ضمیر یوسف، ظفر ہاشمی، فراغ روہوی، فیض الرحمٰن فیض، فیض سمبلپوری، قربان آتش، قمر الزمان قمر، محمد وسیم انجم، محسن باعش حسرت، نسیم عزیزی اور نور الحسن میکش کے ماہیوں میں ان کے انفرادی تخلیقی اوصاف کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی کے فلم ''خاموشی'' والے دس ماہیوں کے ساتھ قمر جلال آبادی کے فلم ''پھاگن'' والے اور ساحر لدھیانوی کے فلم ''نیا دور'' والے ماہیے ''اردو ماہیے کے ابتدائی نقوش'' کے زیرعنوان الگ سے شائع کئے گئے ہیں۔ سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی کے تازہ ماہیے بھی اس ماہیا نمبر کی زینت بنے ہیں جو اس نمبر کے لئے تبرک اور اردو ماہیے کے لئے نایاب تحفہ ہیں۔

مطبوعہ ماہیوں سے ایک مختصر سا انتخاب بھی گلبن کے ماہیا نمبر میں شائع کیا گیا ہے۔ اس میں ضمیر اظہر مرحوم اور رشید اعجاز مرحوم کی ماہیے کے لئے خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے پندرہ پندرہ ماہیے دیئے گئے ہیں۔ نذیر قیصر، فرحت نواز، غزالہ طلعت، مخلص وجدانی اور قمر ساحری کے تازہ ماہیے دستیاب نہ ہونے کے باعث ان کے پانچ پانچ مطبوعہ ماہیے شامل کئے گئے ہیں...... افتخار شفیع، منزہ اختر شاد، صدف جعفری، ارشد نعیم، وپن ہانڈا، نوید رضا، مشتاق شاد، بسمہ طاہر، غلام شبیر رانا، شجاعت علی راہی، آل عمران، تنویر نوازش اور عبدالجلیل عباد کے تازہ ماہیے نہ ملنے کی وجہ سے ان کے دو دو مطبوعہ ماہیے شامل کئے گئے ہیں۔ ندیم شعیب، کندن لاہوری، طاہر مجید، نذر عباس، وقیع منظر، بقا صدیقی نیاز احمد مجاز اور یاسمین مبارک کا صرف ایک ایک ماہیا نمونے کے طور پر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بعض ایسے شعراء کو بھی شامل کیا گیا ہے جو

غالباً باقاعدہ ماہیے نہیں لکھتے یا بعض ایسے ثلاثی نگار بھی شامل ہیں جن سے اتفاقاً ایک دو ماہیے درست وزن میں سرزد ہوگئے ہیں۔ ایسے شعراء میں ایم اے تنویر، حسن عباس رضا (دو ماہیے) جان کاشمیری، محمد اقبال نجمی، بشیر عابد، نازیہ رحمٰن، سیما شکیب، رستم نامی، منظر نقوی، امجد حمید حسن اور دلشاد علی (ایک ایک ماہیا) شامل ہیں۔ یوں اس ماہیا نمبر میں تمام ماہیا نگاروں کے ساتھ ان ثلاثی نگاروں کو بھی شامل کیا گیا ہے جو کبھی بے خیالی میں درست وزن کے ایک دو ماہیے بھی لکھ گئے ہیں۔ اتنی احتیاط اور اتنے اہتمام کے باوجود چند اہم ماہیا نگاروں کی اس نمبر میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ ان اہم ماہیا نگاروں میں منور احمد منور، ناصر نظامی، مسعود ہاشمی، اختر رضا کیکوٹی، مطلوب بی بی شامل ہیں۔

مضامین کے حصہ میں تیرہ مضامین شامل ہیں۔ ان میں سے پانچ مضامین انفرادی تجزیئے کے زمرے میں آتے ہیں۔ میری ماہیا نگاری کے بارے میں اکبر حمیدی اور مناظر عاشق کے دو مضامین، اشعر اورینوی کی ماہیا نگاری پر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون...... پروین کمار اشک کا ''رم جھم رم جھم'' کے بارے میں مطالعاتی اور تنقیدی مضمون اور ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی ماہیا نگاری پر میرا ایک مضمون...... یہ پانچ مضامین انفرادی طور پر کسی کتاب یا ماہیا نگار کے فن کے تجزیہ پر مبنی ہیں۔ میری رائے تھی کہ اس نمبر میں اس نوعیت کے مضامین شامل نہ کئے جائیں لیکن دوسرے احباب بالخصوص سید ظفر ہاشمی کا خیال تھا کہ ان مضامین کو بھی شامل کیا جانا چاہئے۔ سو یہ مضامین بھی اس نمبر میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ یہ آٹھ مضامین ''گلبن'' کے ماہیا نمبر میں شائع ہوئے ہیں۔ ''اردو ماہیے کا ارتقائی جائزہ'' از ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ''پنجابی ماہیا'' از امین خیال ''ماہیے کی کہانی'' از حیدر قریشی ''ماہیا اور اس کے وزن کا تعین'' از ''شارق جمال'' ''اردو ماہیے میں موضوعات کا تنوع'' از ناصر عباس نیرؔ۔ ''ماہیا ایک مطالعہ'' از گوہر شیخپوری۔ ''ماہیے کی تحریک کی قابل قدر پیشرفت'' از سید اقبال حیدر اور ''ماہیے کی بحث کا منظر نامہ'' از شاہدہ ناز...... ان میں سے شاہدہ ناز نے ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۷ء تک ماہیے کی بحث کے سلسلے میں شائع ہونے والے اور ماہیے کے مجموعوں پر شائع ہونے والے مضامین کی فہرست پورے حوالوں کے

ساتھ تیار کر دی ہے۔ یہ حوالہ جاتی نوعیت کا ایک مفید مضمون ہے۔اس میں ایک سہو کی نشاندہی ضروری ہے۔فہرست میں شامل سب سے آخری مضمون جو اجمل پاشا صاحب کا ہے، ماہنامہ ''عبادت'' کے نومبر کے شمارہ میں نہیں بلکہ پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ کے نومبر ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔اسی طرح محمد وسیم انجم کا تحریر کردہ مضمون ''حیدر قریشی کی اردو میں ماہیا نگاری'' جو میری تحقیق و تنقید کی کتاب کا تجزیہ ہے، ماہنامہ ''نیرنگ خیال'' راولپنڈی کے شمارہ نومبر ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون اس فہرست میں مذکور نہیں ہے۔سید اقبال حیدر نے اپنے مضمون میں ۱۹۹۷ء تک شائع ہونے والے ماہیے کے مجموعوں کا، ماہیوں کے انتخاب پر مبنی کتب کا اور ماہیا سے متعلق شائع ہونے والی کتب اور ماہیا ایڈیشنوں کا اختصار کے ساتھ مگر عمدہ تعارف کرایا ہے۔ناصر عباس نیئر نے اپنے خاص انداز نظر سے ماہیے کے موضوعات پر ایک عالمانہ مضمون پیش کیا ہے۔بعض جہات سے یہ مضمون ماہیا نگاروں کی رہنمائی کرتا ہے۔امین خیال نے پنجابی ماہیے کا اس کے ثقافتی پس منظر سمیت عمدگی سے اور تفصیل سے اپنے مضمون میں تعارف کرایا ہے اور معترضین کے بعض اعتراضات کے جواب پنجابی شاعری کے مستند حوالوں سے دیئے ہیں۔گوہر شیخپوری نے اپنے مضمون میں بعض دلچسپ نکات پیش کئے ہیں۔ ماہیے کی تفہیم میں ان کے بعض نکات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ ''اگر حضرت شیرانی کی تحقیق حرف آخر کے طور پر تسلیم کی جا سکے تو اردو کی ولادت باسعادت کا شرف بھی پنجاب کو حاصل ہوتا ہے اس لئے کہنا چاہئے کہ ماہیا تو اردو کی اپنی میراث ہے۔''

۲۔ ''اردو میں ماہیے کو پنپانا اور جمانا ہے تو اسے اصل پنجابی آہنگ کے مطابق رکھنا چاہئے......عروضی زبان میں خواہ آپ کوئی بحر استعمال کریں، یا جی چاہے تو مخلوط بحر بھی استعمال کریں لیکن خیال رکھنا چاہئے کہ......مصرعوں کی روانی مجروح نہ ہو۔روانی کی بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ صرف اوزان یا ماتراؤں کی گنتی کی پیروی سے بات نہیں بنتی اگر زبان کا فطری بہاؤ مجروح ہوتا ہو تو ماہیے اپنا اثر چھوڑنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔''

جناب گوہر شیخ پوری کے برعکس شارق جمال اپنے مضمون میں تمام تر اخلاص کے باوجود ماہیے کے فطری بہاؤ کو سمجھنے کی بجائے عروضی زبان میں الجھ گئے ہیں۔میں علم عروض میں ان کی مہارت کا معترف بھی ہوں اور قدر دان بھی......اور اس وجہ سے بھی ان سے محبت رکھتا ہوں کہ انہوں نے ماہیے کے غلط وزن کو ترک کر کے، درست وزن کو اپنا کر عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے تاہم اپنے مضمون میں انہوں نے عروضی قاعدے کی بنیاد پر ماہیے کا جو وزن تجویز کیا ہے وہ ماہیے کے فطری بہاؤ میں نہیں آ رہا۔

مفعول مفاعیلن — یہ خوب ہے افسانہ
مفعول فعولن — وہ کہتے نہیں ہیں
مفعول مفاعیلن — دیوانے کو دیوانہ

جناب شارق جمال کے پیش کردہ اس ماہیے کے دوسرے مصرعہ کو اگر ''کہتے نہیں ہیں وہ'' کر دیا جائے تو یہ پنجابی ماہیے کی فطری روانی میں آ جائے گا۔مزے کی بات یہ ہے کہ جناب گوہر شیخ پوری نے اپنے مضمون میں (صفحہ نمبر ۷۶ پر) ایسی ہی ایک مثال دے کر ماہیے کے فطری بہاؤ کو واضح کیا ہے۔ بہرحال شارق جمال صاحب کی تجویز ماہیے کے سلسلے میں ان کے اخلاص کی مظہر ہے اور یہ بڑی بات ہے کہ گلبن کے ماہیا نمبر میں بحیثیت ماہیا نگار انہوں نے جو ماہیے دیئے ہیں وہ پنجابی لَے کے مطابق ہیں۔

شارق جمال صاحب اور دیگر تمام دوست بھی جو ماہیے کو عروضی گھیرے میں لانے کے لئے مخلصانہ تگ و دو کر رہے ہیں ان کی کاوشوں سے مجھے مولانا جلال الدین رومی کی ایک مشہور مثال یاد آ گئی۔انہوں نے لکھا تھا کہ شکاری ایک وقت تک تو ہرن کے نقوش پا سے اس کا تعاقب کرتا ہے لیکن پھر مشک نافہ اس کی رہبر بن جاتی ہے، نقوش پا کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ماہیے کی بحث اس مثال سے کافی مماثلت رکھتی ہے۔ ماہیے کو عروضی گھیرے میں لینے کی کاوش عروضی قواعد کو مدنظر رکھ کر نہیں بلکہ ماہیے کی لَے کی بنیاد پر ہونی چاہئے پھر چاہے بقول گوہر شیخپوری مخلوط اوزان بھی اس روانی پر پورے اتریں تو انہیں بھی قبول کر لینا چاہئے تاہم یہ عروضی ''نقوش پا'' تو

ایک حدتک کام آ سکتے ہیں۔ اصلاً تو ماہیے کی لَے کی خوشبو ہی تخلیق کار کی رہنمائی کرے گی تب ہی وہ ماہیے تک صحیح معنوں میں پہنچ پائے گا۔ چنانچہ یہ سامنے کی بات ہے کہ جن ماہیا نگاروں کو ماہیے کی دھن کا علم تھا اور انہوں نے اسے ذہن نشین رکھا، ان کے ہاں ماہیے بے ساختگی سے ہوتے گئے، وزن کا کوئی مسئلہ ہی نہیں پیدا ہوا۔ اس کے برعکس جن ماہیا نگاروں نے عروضی اوزان (نقوش پا) کو مدنظر رکھا وہ کہیں نہ کہیں لڑکھڑا ضرور جاتے ہیں۔ ایسے ماہیا نگار بہت کم ہیں جو عروضی اوزان میں ہی ماہیے کی لَے تک پہنچ کر دونوں حساب سے پورے بھی اترتے ہیں اور کھرے بھی۔

گلبن کے ماہیا نمبر کا ایک اہم مضمون ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا تحریر کردہ ہے۔ ''اردو ماہیے کا ارتقائی جائزہ'' اس مضمون میں ماہیے سے اپنی محبت کی دھن میں مناظر عاشق نے چند نئے اوزان متعارف کرائے ہیں۔ انہوں نے ان اوزان میں یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر وزن کے دوسرے مصرعہ میں ایک ''سبب'' کم رہے تاہم جو اوزان انہوں نے تجویز کئے ہیں وہ ماہیے کی پنجابی لَے سے میل نہیں کھاتے اسی لئے انہیں بطور ماہیا قبول نہیں کیا جا سکتا۔

نئے اوزان کی تجاویز سے ہٹ کر...... ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اردو ماہیے کا ارتقائی جائزہ عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ساختیات/ مابعد ساختیات کے دو مختلف نظریات میں ساسیئر کلام یا تقریر کو اہمیت دیتا ہے جبکہ دریدا کتاب یا تحریر کو اہمیت دیتا ہے۔ ماہیا...... اس لحاظ سے اہم شعری صنف ہے جو کلام یا تقریر (گائی جانے والی شاعری) بھی ہے اور (لکھی جانے والی) ادبی تحریر بھی۔ دوسرے لوک گیتوں کے تھوڑے بہت تجربے تو اردو میں ضرور ہوئے لیکن تا حال مقبولیت صرف اور صرف ماہیے کو نصیب ہوئی ہے۔ ماہیے اور ڈھولنے کے سلسلے میں ڈاکٹر فہیم اعظمی نے ساختیاتی حوالے سے صحت مند امید جتائی ہے۔ ڈھولنے کو تو ابھی بالکل ہی ابتدائی تجربہ کہنا چاہئے البتہ ماہیے کے بارے میں اعتماد کے ساتھ بات کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق نے ڈاکٹر فہیم اعظمی سے اتفاق کرتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ ''اردو ماہیے نے اسے ثابت بھی کر دیا ہے اور نئی پیشرفت کے امکانات روشن کئے ہیں۔'' ڈاکٹر مناظر نے حسرت اور اختر شیرانی کے گیتوں سے لے کر آج کے ثلاثی نگاروں تک کے حوالے دے کر ثلاثی

اور ماہیے کے فرق کو واضح کیا ہے۔ ہمت رائے شرما جی سے لے کر آج کے ماہیا نگاروں تک...... اردو ماہیے کے مختلف نمونے پیش کئے ہیں اور اب تک کی پیشرفت کا شاندار خلاصہ کیا ہے۔

ان مضامین کے علاوہ اس بار گلبن نے مضامین کے آخر میں بچ رہنے والی جگہ کو ماہیے کے بارے میں دیگر دانشوروں کے مطبوعہ مضامین کے بعض اہم اقتباسات سے آراستہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں مظہر امام، انور سدید، ریاض احمد، ناصر عباس نیرّ اور سعید شباب کے قیمتی خیالات کو منتخب کیا گیا ہے۔ اس ماہیا نمبر میں تازہ اور غیر مطبوعہ ماہیوں کی تعداد گیارہ سو سے کچھ زیادہ ہے۔ عام طور پر ہر شاعر کے بارہ بارہ ماہیے شامل کئے گئے ہیں جبکہ مطبوعہ ماہیوں سے جو انتخاب شامل کیا گیا ہے ان کی تعداد ایک سو سے کچھ زیادہ ہے۔ یوں اس نمبر میں ۱۲۰۰ سے زائد ماہیے شامل ہیں۔ ۲۵، ۳۰ کے لگ بھگ ایسے ماہیے موجود ہیں جن میں ماہیا نگار وزن کے معاملے میں لڑکھڑا گئے ہیں۔ وہی عروضی چکر میں الجھ جانے والی بات...... لیکن ظاہر ہے جن لوگوں نے ماہیے سنے نہیں ہیں ان کے لئے عروضی نظام سے استفادہ کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مسلسل ریاضت سے ان کے ہاں وزن پر گرفت مضبوط ہو جانے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اردو ماہیے کی تحریک گلبن کے ماہیا نمبر کی صورت میں ایک نئے موڑ تک آ گئی ہے۔ فریق ثانی کے تمام اعتراضات کے مدلل جواب دیئے جا چکے ہیں اور ہمارے دلائل کے جواب میں ان کے پاس اب صرف بہتان طرازی، ذاتی حملے اور گالی کی زبان رہ گئی ہے۔ یہ بہتان طرازی، ذاتی حملے اور گالی کی زبان کے الفاظ میں نے تحریر کی روانی میں نہیں لکھے۔ واقعتاً اب فریق ثانی اس سطح پر اتر آیا ہے لیکن یہ رویہ بجائے خود مخالفین کی بوکھلاہٹ اور علمی بے بسی کا ثبوت ہے۔ بعض ''اہل ایمان'' نے تو اردو ماہیے کی تحریک کو کفر اور اسلام کا مسئلہ تک بنا دیا ہے۔ میرے لئے مخالفین کا یہ تازہ ترین رویہ اس لحاظ سے خوش کن ہے کہ یہ برملا طور پر علمی میدان میں ان کا اعتراف شکست ہے لیکن ادب کے لئے یہ رویہ، یہ طرز عمل کس حد تک مفید ہے؟ اہل ادب کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ''سخنور'' کراچی، شمارہ: نومبر ۱۹۹۸ء)

ایڈیٹر ماہنامہ ''ایوان اردو'' (دہلی) کے نام

آپ نے ''ایوان اردو'' کے شمارہ جولائی ۱۹۹۸ء میں جناب ناوک حمزہ پوری کا مضمون ''ماہیا اور اس کے اوزان'' شائع کیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ناوک حمزہ پوری صاحب نے نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ ماہیے کی عروضی جستجو کی ہے۔ انہوں نے بحیثیت لوک گیت پنجابی ماہیے کی لَے (آہنگ) کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے کہ ''عروض'' کو آہنگ کا تابع ہونا چاہئے نہ کہ آہنگ ہی کو عروض کا غلام بنا دیا جائے۔''

میں چند چھوٹی چھوٹی لیکن ضروری وضاحتیں کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) جناب شرون کمار ورما کے اس بیان پر ناوک صاحب نے انحصار کیا ہے کہ ''پنجابی میں ماہیے لکھنے کا رواج نہیں ہے۔ میں نے پنجابی کے کسی رسالے میں ماہیے نہیں دیکھے۔'' چنانچہ پھر انہوں نے لکھ دیا کہ ''ماہیا ابھی پنجابی ادب کا بھی حصہ نہیں۔'' یہ دونوں بیانات لاعلمی کا نتیجہ ہیں۔ پنجابی میں ماہیوں کے کم از کم تین انتخاب تو میرے علم میں ہیں۔ پاکستان کے بیشتر پنجابی اخبارات و رسائل میں نئے پنجابی شعراء کے ماہیے چھپتے رہتے ہیں۔ اردو کے دو ادبی رسائل ''تخلیق'' لاہور اور ''تجدید نو'' اسلام آباد میں کبھی کبھار پنجابی ماہیے چھپ جاتے ہیں۔ پنجابی میں ایم اے کرنے کے لئے دیگر لوک گیتوں کے ساتھ ماہیے کا مطالعہ ضروری ہے۔ ماہیا پنجابی ادب کا بھی حصہ ہے اور شاید اس لحاظ سے واحد صنف ہے جو پورے پنجابی معاشرے کی ترجمان ہے۔

(۲) ناوک صاحب نے لکھا ہے ''عام روایت کے مطابق حسرت اولین ماہیا نگار ہیں۔'' اس سلسلے میں پہلی وضاحت یہ ہے کہ اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی ہیں جنہوں نے ۱۹۳۶ء میں فلم ''خاموشی'' کے لئے اردو ماہیے لکھے تھے۔ دوسری وضاحت یہ کہ تین ہم وزن

مصرعوں کے مبینہ ماہیے جو چراغ حسن حسرت سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۳۷ء کی تخلیق ہیں۔ فلم ''باغباں'' میں استاد برکت علی خان نے اس گیت کو کلاسیکل انداز میں گایا تھا نہ کہ پنجابی ماہیے کے انداز میں۔ حسرت کے نام کے ساتھ یہ بہ عنوان ''ایک گیت'' ہفت روزہ ''شیرازہ'' میں شائع ہوئے تھے لیکن ادھر ممتاز موسیقار نوشاد صاحب نے ماہنامہ ''شمع'' نئی دہلی شمارہ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں لکھا تھا کہ ''باغباں'' میں نو گیت تھے جو سارے مرزا اشرف نے لکھے تھے، انہیں ان گیتوں کا معاوضہ نوے روپے ملا تھا۔ یوں حسرت سے منسوب مذکورہ ثلاثی کا معاملہ ہی مشکوک ہوا جاتا ہے۔

(۳) ماہیے کی جو اجمالی تصویر ناوک صاحب نے پیش کی ہے وہ بھی مزید وضاحت چاہتی ہے۔ دسمبر ۱۹۹۷ء تک کم از کم ۴۵ مضامین اور تبصرے چھپ چکے تھے اور صرف ۱۹۹۸ء میں آج کی تاریخ تک مزید ۳۲ مضامین چھپ چکے ہیں۔ ۱۰ وضاحتی خطوط اور ۸ تبصرے ان کے علاوہ ہیں۔ قمر ساحری، امین خیال، ضمیر اظہر، نذیر فتح پوری اور حیدر قریشی کے ماہیوں کے مجموعوں کے علاوہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مرتب کردہ ماہیوں کا ایک اہم انتخاب اور سعید شباب کا مرتب کردہ ایک انتخاب بھی پچھلے برسوں میں شائع ہوئے تھے۔ میری تحقیق و تنقید کی یک موضوعی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' گذشتہ برس شائع ہوئی۔ ۱۹۹۸ء کے دامن میں یوسف اختر اور انور مینائی کے ماہیوں کے مجموعوں کے ساتھ میرے مضامین کا مجموعہ ''اردو ماہیے کی تحریک'' ☆ بھی موجود ہے اور بعض دیگر مجموعوں کی اشاعت بھی متوقع ہے۔

میں جناب ناوک حمزہ پوری کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں، کہیں کہیں انہوں نے بعض جملوں میں چٹکیاں لی ہیں تو میں نے انہیں ناوک صاحب کی بزرگانہ شوخیوں میں شمار کر کے ان کا مزہ لیا ہے۔ میرا ایک ماہیا ہے

چڑھتے ہوئے جامن پر
داغ لگا بیٹھے
ترے پیار کے دامن پر

اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ناوک صاحب نے لکھا ہے ''جب ماہیے کے پیر دستگیر ہی جاٗمن اور داٗمن کا قافیہ لا سکتے ہیں تو عاشقان ماہیا کی کیا بساط۔'' میں نے اس طنز ملیح کا لطف اٹھایا ہے۔ وضاحتاً اتنی عرض ہے کہ میں نے اپنے ماہیوں میں پنجابی الفاظ کا کہیں کہیں تڑکا لگایا ہے۔ ویسے ہمارے یہاں تو اردو میں بھی جاٗمن ہی مستعمل ہے۔ جامع فیروز اللغات (پروناؤنسنگ ڈکشنری) جسے ''انجم بکڈپو، جامع مسجد'' نے دہلی سے شائع کیا ہے، اس کے صفحہ نمبر ۴۴۳ پر (ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۸۷ء) جاٗمن، میم پر واضح زبر کے ساتھ چھپا ہوا موجود ہے۔ آگے

؎ جو مزاج یار میں آئے۔

اب میں اصل مسئلے کی طرف آتا ہوں۔ جناب شارق جمال نے ماہیے کے لئے عروضی حوالے سے دو متبادل اوزان پیش کئے تھے۔

(۱) مفعول مفاعیلن
فاع مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

(۲) مفعول مفاعیلن
مفعول فعولن
مفعول مفاعیلن

جناب ناوک حمزہ پوری نے ماہیے کے آہنگ سے مطابقت کی بناء پر پہلے وزن کو قبول کیا ہے اور دوسرے وزن کو ماہیے کے آہنگ سے مطابقت نہ ہونے کی بنا پر یہ کہہ کر قبول نہیں کیا ''ایسا کرنا میرے خیال میں آہنگ کو عروض کا غلام بنانا ہے جو میری نگاہ میں مستحسن نہیں۔'' میں بھی ماہیے کی لَے کے اصول کی بنا پر شارق جمال صاحب کے بیان کردہ پہلے وزن سے متفق ہوں لیکن دوسرا وزن چونکہ لَے میں نہیں آ رہا اس لئے اسے ماہیے کا وزن کہنا ممکن نہیں ہے۔ ویسے میں شارق جمال صاحب کے ماہیے کے سلسلے میں خلوص کا معترف ہوں اور مجھے یقین ہے کہ شارق صاحب اور ناوک صاحب دونوں بزرگ اردو میں ماہیے کے عروضی خدوخال کو واضح کرنے کے لئے محبت کے ساتھ جستجو کر رہے ہیں۔ جناب ناوک حمزہ پوری نے اردو کے عروضی نظام کے حوالے سے جو دو متبادل اوزان پیش کئے ہیں وہ بھی ماہیے کی لوک لَے کے عین مطابق ہیں۔

(۱) فعلن فعلن فعلن/مفتعلن فعلن/فعلن فعلن فعلن

(۲) مفعولن مفعولن/مفعولن فعلن/مفعولن مفعولن

مجموعی طور پر اب تک آٹھ متبادل اوزان سامنے آ چکے ہیں۔ کسی عروضی بکھیڑے میں پڑے بغیر میرے لئے یہ سب کے سب اس لئے قابل قبول ہیں کہ یہ ماہیے کی پنجابی لَے میں فطری بہاؤ کے ساتھ گنگنائے جا سکتے ہیں۔ ابھی تک کے دریافت شدہ آٹھ اوزان یہ بنتے ہیں۔

(۱) مفعول مفاعیلن
فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

(۲) فعلن فعلن فعلن
فعلن فعلن فع
فعلن فعلن فعلن

(۳) فعلات مفاعیلن
فعل مفاعیلن
فعلات مفاعیلن

(۴) فعلاتن فعلاتن
فعلاتن فعلن
فعلاتن فعلاتن

(۵) مفعول مفاعیلن
فعل فعولن فع
مفعول مفاعیلن

(۶) مفعول مفاعیلن
فاع مفاعیلن
مفعول مفاعیلن

(۷) فعلن فعلن فعلن
مفتعلن فعلن
فعلن فعلن فعلن

(۸) مفعولن مفعولن
مفعولن فعلن
مفعولن مفعولن

پنجابی سے ناآشنا اردو والے دوستوں کی آسانی کیلئے فلم پھاگن میں محمد رفیع اور آشا بھوسلے کے گائے ہوئے مکالماتی ماہیوں کا حوالہ دے رہا ہوں۔

تم روٹھ کے مت جانا/ مجھ سے کیا شکوہ/ دیوانہ ہے دیوانہ۔

اس دوگانے کی دھن کو معیار بنالیں اور پھر مذکورہ بالا آٹھوں اوزان کو اس دھن پر گنگنا کر چیک کرلیں۔ یہ سارے اوزان اس دھن پر پورے اترتے ہیں۔ پنجاب سے تعلق رکھنے والے شعرا یا پنجابی سے آشنا اردو شعراء کو اردو میں ماہیے کہتے وقت کسی عروضی حساب کتاب کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو ماہیے کی لَے کے بہاؤ میں روانی سے ماہیے کہتے جاتے ہیں۔ یہ جو تھوڑا بہت عروضی تفہیم کا سلسلہ چلا ہے تو ان دوستوں کی سہولت کے لئے جو پنجابی ماہیے سے آشنا نہیں ہیں۔ ممکن ہے ان آٹھ اوزان کے علاوہ بھی مزید متبادل اوزان تلاش کر لئے جائیں۔ یوں ماہیے میں عروضی لحاظ سے خاصی آزادی مل جائے گی لیکن یہ ساری آزادی ماہیے کی لَے کے اندر ہی میسر ہوگی۔ جن دوستوں کو اردو کے عروضی قواعد سے ہٹنا اچھا نہیں لگتا وہ آخرالذکر تین اوزان کو آسانی سے اپنا سکتے ہیں۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''ایوان اردو'' دہلی ستمبر ۱۹۹۸ء)

☆ایک اہم وضاحت: میری کتاب ''اردو ماہیے کی تحریک'' ستمبر ۱۹۹۸ء تک چھپ کر ریلیز ہو جانا تھی لیکن محکمہ ڈاک کی خرابی کے باعث کمپوزنگ کی پروف ریڈنگ کیا ہوا سارا میٹر ناشر تک نہیں پہنچ پایا۔ تلاش اور انتظار کے بعد آخرنئی ڈمی نکلوائی گئی۔ اسی دوران کتاب کے مندرجات میں خط بنام ایڈیٹر ''ایوان اردو'' ''اردو ماہیا ۱۹۹۸ء میں'' اور پنجابی لوک گیت۔ ماہیے کی تحریری ہیئت'' کا بھی اضافہ کر دیا گیا۔ یوں کتاب قدرے تاخیر سے چھپ رہی ہے تاہم اس میں یہ تین تحریریں بھی شامل ہوگئی ہیں۔

☆☆☆☆

اردو ماہیا ۱۹۹۸ء میں

۱۹۹۸ء کا سال اردو ماہیے کے فروغ کے سلسلے میں گذشتہ تمام برسوں سے زیادہ اہم سال ثابت ہوا ہے۔ اردو دنیا میں ماہیے کو وسیع پیمانے پر پذیرائی ملی۔ تخلیقی، تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی ہر اعتبار سے ماہیے کو وسعت نصیب ہوئی۔ اس مختصر سے جائزہ میں سارے ماہیا نگاروں، مضمون نگاروں اور تبصرہ نگاروں کے نام شمار کرنے اور سارے اخبارات و رسائل کی فہرست تیار کرنے سے بھی مضمون بے حد طویل ہو جانے کا خدشہ ہے۔ اس لئے اردو ماہیے کی پیشرفت کو اجمالی طور پر ہی پیش کروں گا۔ ۱۹۹۷ء تک ماہیا نگاروں کی تعداد ایک سو تک پہنچی تھی، اس برس اس تعداد میں تقریباً دوگنا اضافہ ہوا ہے۔ ماہیا نگاری کی طرف متوجہ ہونے والے شعراء میں اعزاز احمد آذر، انوار فیروز، عذرا اصغر، بخش لائل پوری، سیما شکیب، نزہت سمن، ناصر نظامی، سرفراز تبسم، رؤف خیر، شباب للت، پرکاش تیواری، سلطان سکون، شبہ طراز، امداد نظامی، حسن عسکری کاظمی، سلیم انصاری، شوکت ہاشمی، کلیم شہزاد، نیاز احمد صوفی اور ایسے ہی متعدد دیگر ناموں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس ادبی معیار کے شعراء ماہیے کی طرف آ رہے ہیں۔ پہلے سے متحرک اور فعال ماہیا نگاروں میں امین خیال، احمد حسین مجاہد، عارف فرہاد، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، سلطانہ مہر، ثریا شہاب، شاہدہ ناز، یاسمین سحر، مسعود ہاشمی، انور مینائی، نذیر فتح پوری، شاہد جمیل، شرون کمار ورما، ذوالفقار احسن، خاور اعجاز، سجاد مرزا، اسلم حنیف، یوسف اختر، ڈاکٹر صابر آفاقی، سعید شباب، قاضی اعجاز محور اور متعدد دیگر ماہیا نگار اس برس بھی تخلیقی لحاظ سے متحرک اور فعال رہے۔

۱۹۹۲ء سے گذشتہ برس تک ماہیے کے حوالے سے مجموعی طور پر ۴۵ مضامین اور تبصرے شائع ہوئے تھے جبکہ صرف ۱۹۹۸ء میں ۶۰ سے زائد مضامین اور تبصرے شائع ہوئے ہیں۔ اہم

مضامین میں ''اردو ماہیے کا ارتقائی جائزہ'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی) ''پنجابی ماہیا'' (امین خیال)، ''اردو ماہیے میں موضوعات کا تنوع'' (ناصر عباس نیّر) ''اردو ماہیا۔عروضی تناظر میں'' (احمد حسین مجاہد) ''ماہیا ایک مطالعہ'' (گوہر شیخپوری) ''ماہیا اور اس کے اوزان'' (ناوک حمزہ پوری) ''اردو ماہیا بحث در بحث'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی) ان مضامین کی بنیادی نوعیت کی اہمیت بنتی ہے۔ان کے علاوہ اسلم حنیف، سلیم انصاری، رؤف خیر، محمد وسیم انجم، اختر رضا کیکوٹی، شارق جمال، عارف فرہاد، اجمل جنڈیالوی، ذوالفقار احسن، انوار فیروز، اکبر حمیدی، کلیم شہزاد، سلیم احمد سلیم، ناصر احمد اور ڈاکٹر انور مینائی کے مضامین اور تبصرے بھی کسی نہ کسی زاویے سے اپنی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔اس برس امین خیال، نذیر فتح پوری، مناظر عاشق ہرگانوی، زہیر کنجاہی، مسعود ہاشمی، قمر ساحری اور یوسف اختر کی ماہیا نگاری کے انفرادی تجزیئے کئے گئے۔

حلقہ ادب بھاگلپور کے زیر اہتمام گذشتہ برس اردو ماہیا کا پہلا مشاعرہ بہار ایگری کلچر کالج سبور میں ہوا تھا۔اس برس ماہیا مشاعرے کی روایت مزید پروان چڑھی۔انڈیا میں ناگپور اور کلکتہ میں ماہیا مشاعرے ہوئے۔کلکتہ کے انڈین پریس کلب میں ہونے والے ماہیا مشاعرہ کی صدارت عبدالرزاق ملیح آبادی اور قیصر شمیم نے کی۔پاکستان میں ایک ماہیا مشاعرہ سرگودھا میں ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر وزیر آغا نے کی۔سیکرٹری کے فرائض ذوالفقار احسن نے ادا کئے۔دوسرا مشاعرہ گوجرانوالہ میں ہوا۔اس ماہیا مشاعرہ کی صدارت اردو اور پنجابی کے ممتاز شاعر اور اردو ماہیے کی تحریک کے روح رواں امین خیال جی نے کی۔مہمان خصوصی لاہور کے خوبصورت شاعر نیاز احمد صوفی تھے اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض گوجرانوالہ کے معروف شاعر جان کاشمیری نے ادا کئے۔توقع کی جاسکتی ہے کہ ایسے مشاعروں سے ماہیا فہمی میں آسانی ہوگی۔اردو ماہیے کو ادبی اور عوامی دونوں سطح پر مقبولیت حاصل ہوگی۔

اردو کے سب سے پہلے ماہیا نگار کی حیثیت سے ہمت رائے شرما کی اولیت کا دعویٰ اس برس مزید دلائل کے ساتھ مستحکم ہوا۔ابھی تک اردو ماہیے کے پیش رووں میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے نام آتے تھے اس برس پرانی پاکستانی فلم ''حسرت'' کے ماہیوں کے شاعر کی

حیثیت سے مقبول، ممتاز اور معتبر شاعر قتیل شفائی کا نام سامنے آیا۔یوں ماہیے کے پیش رووں میں ایک اور باوقار ماہیا نگار کے نام کا اضافہ ہوا۔اردو ماہیے کی تحریک کو مزید تقویت ملی۔رستم نامی جو اوائل میں چند ماہیے کہہ کر غائب ہوگئے تھے اس برس پوری توانائی کے ساتھ ماہیے کے افق پر نمودار ہوئے۔☆

ماہیے کی مخالفت کے لحاظ سے بھی یہ سال خاصا اہم رہا۔مخالفین نے بہتان طرازی سے لے کر کردار کشی تک کے سارے حربے آزمالئے۔ہماری طرف سے جب بعض بہتانوں کے جواب میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہہ کر اپنی صفائی دی گئی اور مخالفین کو دعوت دی گئی کہ وہ بھی اسی طرح قرآنی الفاظ پڑھ کر اپنا بیان دہرائیں تو مخالفین اس کی جرات نہ کرسکے۔کبھی نام بدل کر اور کبھی اعتراضات تبدیل کر کے مخالفت کا سلسلہ جاری رہا۔ماہیے کی سہ مصرعی اور ڈیڑھ مصرعی ہیئت کا تنازعہ کھڑا کیا گیا لیکن سہ مصرعی ہیئت پر اعتراض کرنے والے مغلوب الغضب مخالفین کے تیروں کا رخ صرف ہماری طرف رہا۔مساوی الوزن مصرعوں کے ثلاثی بطور ماہیا پیش کرنے والوں کو کسی نے میلی نظر سے بھی نہیں دیکھا۔اس مخالفت کے نتیجہ میں مجھے دو مختلف سطحوں پر کام کرنے کی توفیق ملی۔پنجابی میں سہ مصرعی ماہیے کی روایت کی تلاش میں مجھے ساٹھ کی دہائی میں ڈاکٹر روشن لال آہوجہ سے لے کر فارغ بخاری، تنویر بخاری، ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری، علامہ یعقوب انور اور امین خیال تک پنجابی دانشوروں کی آراء سے پنجابی لوک گیت ماہیے کی ہیئت کو سمجھنے میں مدد ملی۔علمی سطح پر اپنا مضمون ''پنجابی لوک گیت ماہیے کی تحریری ہیئت'' مکمل کر چکا ہوں اسے جلد ہی کسی اچھے ادبی رسالے میں اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں۔دوسری سطح پر تمام مغلوب الغضب مخالفین کی ساری مخالفت کو تاریخی ریکارڈ کے طور پر اپنی نئی کتاب ''ماہیا۔علمی بحث سے غوغائے رقیباں تک'' میں یکجا کر رہا ہوں۔یہ کتاب اسی برس میں دو تہائی مکمل کر چکا ہوں۔اس کا سارا کریڈٹ ماہیے کے مخالفین کو جاتا ہے۔ایک کرم فرما میری شدید مذمت کرتے ہوئے ڈیڑھ مصرعی ماہیے کہنے لگے اور وزن مکمل طور پر وہی اختیار کیا جس کے لئے ہم گذشتہ آٹھ برسوں سے ثلاثی نگاروں سے اختلاف کر رہے ہیں۔اسی کرم فرمانے میری مذمت کے ساتھ سیما شکیب کے

ثلاثی کا بھی بالواسطہ طور پر دفاع کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اسی برس موصوف کے ساتھ یہ تماشہ ہوگیا کہ سیما شکیب نے نہ صرف درست وزن میں ماہیے کہہ ڈالے بلکہ انہیں سہ مصرعی ہیئت میں شائع بھی کرا دیا۔ ماہیے کے مخالفین کے سارے بیانات چونکہ مکمل حوالوں کے ساتھ اپنی کتاب میں دے رہا ہوں اس لئے یہاں ان کے نام دینے کی بجائے صرف ان کے طرزِ عمل کی نشاندہی کر دی ہے۔ صحت مند اور مہذب اختلاف رائے کی ایک مثال احمد صغیر صدیقی نے قائم کی۔ ان کے بعض اعتراضات پر جب انہیں جواب دیا گیا تو انہوں نے مغلوب الغضب ہو جانے کی بجائے مہذب رویہ ظاہر کیا۔ انڈیا میں بھی ایک اختلافی رو چلی ہے لیکن وہاں مسئلہ یہ ہے کہ ماہیے کو اردو کے عروضی پیمانے کے مطابق کیسے ڈھالا جائے۔ اس سلسلے میں ناوک حمزہ پوری، شارق جمال، اسلم حنیف اور دیگر احباب اپنی اپنی سوچ کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

ریڈیو پاکستان، راولپنڈی، آکاش وانی بھاگلپور، ریڈیو ڈوچے ویلے اور اوفنر کنال ٹی وی چینل جرمنی پر اس برس اردو ماہیے کا تھوڑا بہت چرچا رہا۔ راولپنڈی ریڈیو سے عارف فرہاد اور مسعود ہاشمی متحرک رہے۔ راشد حمید کے ایک ریڈیائی انٹرویو میں بھی ماہیے کا ذکر آیا۔ زی ٹی وی کے مقبول ترین ڈرامہ ''امانت'' کی سال بھر کی ساری قسطوں میں ماہیے کی خوبصورت دھن سنائی دیتی رہی۔ گذشتہ برس پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ نے ماہیا ایڈیشن شائع کیا تھا۔ اس برس دو ماہی گلبن احمد آباد نے ضخیم ماہیا نمبر شائع کیا۔ اس نمبر کے علاوہ اس برس یوسف اختر کا ماہیوں کا مجموعہ شائع ہوا۔ ''دل حجرہ'' کے نام سے چھپنے والے اس مجموعہ کا پیش لفظ رشید نثار کا تحریر کردہ ہے جبکہ امین خیال کے تاثرات فلیپ پر درج ہیں۔ ڈاکٹر انور مینائی کا ماہیوں کا مجموعہ ''روپ نگر'' بھی اسی برس شائع ہوا۔ اس کے فلیپ پر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی رائے درج ہے۔

جب کسی صنف میں شعرائے کرام کی بہت بڑی تعداد دلچسپی لیتی ہے تو اس کے معیار میں نشیب و فراز کے منظر بھی دکھائی دیتے ہیں۔ غزل اور نظم کی طرح ماہیے میں بھی ایسا منظر دکھائی دینے لگا ہے تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ماہیے کے سلسلے میں بعض دلچسپ اور نئے تجربے بھی کئے جانے لگے ہیں۔ اس برس اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی نے سات زبانوں میں ماہیے

کہے۔ اردو، ہندی، پنجابی، بنگالی، گجراتی، مراٹھی اور فارسی کے ماہیوں میں سے اردو، بنگالی اور فارسی کے ماہیے یہاں پیش کئے دیتا ہوں:-

کچھ کر کے دکھاتی ہے
رحمت مولا کی
جب جوش میں آتی ہے

ایکھن ای جا چھی نہ
بندھوا یشے چھے
ای دانڑاں تے پا چھی نہ

ایں محفل یاراں است
گلبن گل مے کند
چہ فصل بہاراں است

اسلم حنیف نے تضمینی ماہیے کہے ہیں اور اس میں بعض عمدہ ماہیے نکالے ہیں:-

کر میری بھی غم خواری
ساجن ہوں تیرا
''اے بت کی پجن ہاری''

آکاش میں کیسے اڑوں
غم سے رہا کر دے
''مجھ دل کے کبوتر کوں''

ابھی تک اردو ماہیے میں غزل کا ذکر تو آ رہا تھا لیکن اس برس رؤف خیر کی ایک غزل میں پہلی بار ماہیے کا ذکر آیا ہے۔

رؤف خیر روایت عزیز ہے جن کو
ترائیلے سے ہوئے خوش نہ ماہیے سے مرے

بیرون برصغیر مغربی ممالک میں بھی ماہیے کو مسلسل مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ امریکہ کی سلطانہ مہر، انگلینڈ کے بخش لائل پوری، ساحر شیوی اور عاصی کاشمیری، ہالینڈ کے ناصر نظامی، اٹلی کے ارشد اقبال آرش کے علاوہ جرمنی کے جاوید خاں، ثریا شہاب، طفیل خلش، اجمل پاشا، ارشاد ہاشمی اور بعض دیگر شعراء نے ماہیا نگاری کی طرف خصوصی توجہ کی ہے۔ ''گلبن'' کے ماہیا نمبر کے سلسلے میں ایک خصوصی تقریب ہائیڈل برگ میں ہوئی اس کی صدارت ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں اردو کی استاد ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ نے کی، مہمان خصوصی پروفیسر ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی تھے۔ گلبن

کے ماہیا نمبر کے سلسلے میں ہی ایک تقریب بھاگلپور میں بھی ہوئی۔

پرانے رسائل وجرائد میں سے تخلیق لاہور، اسباق پونہ، ادب لطیف لاہور، عوامی منشور کراچی، سخنور کراچی، جنگ لندن، نوائے وقت راولپنڈی، ہوٹل ٹائمز اسلام آباد، وادی پاکستان گوجرانوالہ، ویکلی راوی بریڈفورڈ اور ماہنامہ صریر کراچی کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

اس برس ان رسائل اور اخبارات میں اردو ماہیا پہلی بار سامنے آیا۔ ماہنامہ کتاب نما دہلی، ماہنامہ شاعر بمبئی، ماہنامہ ایوان اردو دہلی، دو ماہی پرواز ادب پٹیالہ، روزنامہ پاکستان لندن، احساس نولاہور، پاکستان لنک امریکہ۔

دو ماہی گلبن احمد آباد کے ماہیا نمبر کو ڈاکٹر وزیر آغا نے ایک ''تاریخی قدم'' قرار دیا تو شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا کہ ''ماہیا نمبر تو واقعی تاریخی حیثیت کا حامل ہو جانے کا امکان رکھتا ہے۔'' سہ ماہی ''کوہسار جرنل'' کے ہر شمارہ میں یوں تو بیشتر نئی اصناف کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے لیکن ماہیا کے فروغ کے سلسلے میں ''کوہسار'' کی خدمات کی خصوصی اہمیت بنتی ہے۔ ادبی مجلّہ ''اوراق'' سے ماہیے کی تحریک کی ابتداء ہوئی تھی۔ ''اوراق'' ماہیے کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں آج بھی پیش پیش ہے۔ ماہیے کی بحث کو شخصیات کے خلاف زہر آلود کرنے کی بجائے ''اوراق'' نے بحث کو علمی رنگ میں بڑھانے پر زور دیا۔ شخصیات زیر بحث تو آتی ہیں لیکن ان کے افکار سے بحث کی جاتی ہے ان کے کردار پر، ان کی ذاتی زندگی پر بہتان طرازی کا گند نہیں پھینکا جاتا۔

کلکتہ کے پروفیسر مشتاق اعظمی ماہیے کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے پراجیکٹ پر پہلے سے کام کر رہے ہیں۔ اب ویکلی ''میرٹھ میلہ'' کی اطلاع کے مطابق راجستھان یونیورسٹی کی ڈاکٹر جمیلہ عرشی نے ڈی لٹ کے پراجیکٹ پر کام شروع کر دیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ماہیے کو تخلیق کاروں میں اور تنقید نگاروں میں مقبولیت ملنے کے ساتھ اعلیٰ علمی سطح پر بھی سنجیدگی سے لیا جانے لگا ہے۔ ماہیے کو اکیڈمک لیول پر اتنی اہمیت ملنے سے ماہیے کے تمام بہی خواہوں کو خوشی ہوگی۔

آخر میں ایک دلچسپ انکشاف۔ ہمت رائے شرما جی کو ماہیے کے بانی کی حیثیت سے

دریافت کرنے والے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے لکھا ہے کہ ماہیے کے نام پر ثلاثی لکھنے کی موجودہ روش کا تعلق اسی کی دہائی سے نہیں بلکہ ستر کی دہائی سے ہے۔ تب فراز حامدی نے اس انداز کے ''ماہیے'' کہے تھے۔

طوفاں سے نہ ڈر پیارے
مرنا ہی اگر ٹھہرا
گھٹ گھٹ کے نہ مر پیارے

اور اب ڈاکٹر فراز حامدی ماہیے کے درست وزن کو اختیار کر کے پنجابی لے کے مطابق ماہیے کہنے لگے ہیں۔ ڈاکٹر جمیلہ عرشی کے ماہیے پر ڈی لٹ کے پراجیکٹ کے نگران ڈاکٹر فراز حامدی ہیں۔ ان خوش کن خبروں کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں ماہیے کی پیشرفت کا یہ جائزہ مکمل کرتا ہوں۔

...... و من شر حاسد اذا حسدo

مطبوعہ: (۱) روزنامہ ''منصف'' حیدر آباد (انڈیا) ۹۹-۱-۱۰
(۲) روزنامہ ''جنگ لندن'' ۹۹-۲-۱۸
(۳) سہ ماہی ''کوہسار'' بھاگل پور، شمارہ مارچ ۱۹۹۹ء
(۴) روزنامہ ''نوائے وقت'' اسلام آباد ۹۹-۴-۱۳

☆ معلوم ہوا ہے کہ احمد حسین مجاہد کے تحریک دلانے پر رستم نامی دوبارہ ماہیا نگاری میں تخلیقی لحاظ سے متحرک ہوئے ہیں۔

اضافی نوٹ

مشتاق اعظمی نے پی ایچ ڈی کر لی تھی۔ جمیلہ عرشی کا ڈی لٹ کا پراجیکٹ مکمل نہیں ہو

سکا۔ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کی ڈی لٹ کے لیے فراز حامدی کی نگرانی والی اطلاع غلط طور پر دی گئی تھی، ایسا کچھ نہیں تھا۔اسی طرح فراز حامدی کے ستر کی دہائی میں مساوی الوزن ماہیے کہنے کا کوئی پکا ثبوت فراہم نہیں کیا گیا۔ مجھے کہا گیا تھا کہ ریکارڈ میں مل جائے گا، بس ذرا ڈھونڈنا ہوگا۔لیکن پھر ایسا کوئی ریکارڈ سامنے نہیں لایا گیا۔اس حساب سے اگر زبانی جمع خرچ پر ہی انحصار کیا جائے تو ڈاکٹر صابر آفاقی نے مجھے ۱۹۹۲ء میں ایبٹ آباد میں ہونے والی ایک ملاقات میں بتایا تھا کہ انہوں پچاس کی دَہائی میں ایسے ماہیے کہے تھے۔موجودہ ادیبوں میں جو باتیں محض زبانی دعوے پر مبنی ہیں، اگر وہ درست بھی ہوں تو ان پر اس وقت تک انحصار نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کے ثبوت نہ مہیا کر دیئے جائیں۔

حیدرقریشی

پنجابی لوک گیت ۔ ماہیے کی تحریری ہیئت؟

حال ہی میں ماہیے کی تحریری ہیئت کے سلسلے میں بعض حلقوں کی طرف سے ڈیڑھ مصرعی ہیئت کا مسئلہ سامنے آیا ہے۔ایک حلقے کی طرف سے ڈیڑھ مصرعی ہیئت کی تجویز اس جذبے کے ساتھ پیش کی گئی ہے کہ اس طرح ماہیا دوسری سہ مصرعی اصناف سے الگ طور پر پہچانا جا سکے گا۔ دوسرے حلقے کی طرف سے شدید برہمی کے ساتھ حکماً بتایا گیا ہے کہ ماہیا ہوتا ہی ڈیڑھ مصرعے کا ہے جبکہ ایک تیسرے حلقے کی طرف سے، جس نے اچانک ماہیے میں گہری دلچسپی لینی شروع کی ہے، دوسرے حلقے سے بھی زیادہ برہمی کے ساتھ حکم صادر کیا گیا ہے کہ ماہیا ڈیڑھ مصرعی ہیئت ہی میں لکھا جاتا ہے اور اگر ماہیے کو ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں لکھا جائے تو ماہیے کے وزن کے سلسلے میں سارے الجھاؤ از خود ختم ہو جاتے ہیں۔

ان تینوں حلقوں کی طرف سے اس موقف کو اختیار کرنے کے اصل محرکات کیا ہیں اور پس منظر میں کیا کچھ کارفرما ہے؟ اس کی تفصیل ماہیے کی تاریخ میں محفوظ رکھنے کے لئے میں الگ کتاب لکھ رہا ہوں۔ یہاں مذکورہ حلقوں کی ''ذاتیات'' سے ہٹ کر صرف ادبی مسئلے کے طور پر پنجابی لوک گیت ماہیے کی تحریری ہیئت پر اپنے موقف کی وضاحت کروں گا۔ میرا یہ موقف پنجابی دانشوروں کی آراء کی روشنی میں پنجابی ماہیے کی اصل بنیادوں پر استوار ہے۔ڈیڑھ مصرعی ہیئت کی تجویز پیش کرنے والے پہلے حلقے کا خیال ہے کہ ڈیڑھ مصرعی ہیئت کے باعث ماہیا دوسری سہ مصرعی اصناف سے الگ پہچانا جا سکے گا۔اس سلسلے میں قبل ازیں میں وضاحت سے جواب دے چکا ہوں۔اسی جواب کا ایک حصہ یہاں دہرا دینا ہی کافی ہے۔

''ماہیے اور ثلاثی یا ہائیکو کا محض ہم شکل ہونا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ رباعی اور قطعہ بظاہر

ہمشکل ہیں لیکن دونوں کا فرق واضح ہے۔ دوہے اور دوپدے میں بسرام کی تفریق دونوں کو ہم صورت ہونے کے باوجود الگ الگ شناخت دیتی ہے۔ دِکھنے میں آزاد نظم اور نثری نظم (نثر لطیف) ایک جیسی ہیں لیکن فرق صاف ظاہر ہے'' (''ماہیے کی کہانی'' از حیدر قریشی مطبوعہ دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد ماہیا نمبر جنوری ۱۹۹۸ء صفحہ ۴۶، ۴۷)

سو ماہیے کی اصل پہچان پنجابی لوک لَے ہے جو ماہیے کے علاوہ کسی دوسری سہ مصرعی صنف میں موجود نہیں ہوتی۔

دوسرے اور تیسرے حلقوں نے شدید برہمی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ ماہیا صرف ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں ہوتا ہے۔ اگر پنجابی لوک گیت کی تحریری ہیئت واقعتاً ڈیڑھ مصرعی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں تو ہمیں یقیناً ڈیڑھ مصرعی ہیئت پر اصرار کرنا چاہئے لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو پھر منفی رویے کو ترک کر دینا چاہئے۔ بے جا ضد کے ساتھ تحکمانہ انداز ترک کر دینا چاہئے اور اصل سچائی کو مان لینا چاہئے۔ تو آیئے دیکھتے ہیں کہ پنجابی کا لوک گیت ماہیا کس ہیئت کا حامل ہے؟............

اصل موضوع پر بات شروع کرنے سے پہلے یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ماہیے کے وزن، ماہیے کی تحریری ہیئت اور ماہیے کے معیار کے مسئلوں کو آپس میں گڈمڈ نہیں کرنا چاہئے۔ تینوں مسئلے الگ الگ طور پر غور طلب ہیں۔ ہاں جب ان کی تفہیم ہو جائے تو پھر انہیں مربوط کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر شروع میں ہی ان تینوں مسئلوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے تو اس سے بحث کو خلط ملط تو کیا جا سکتا ہے لیکن نیک نیتی سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچا جا سکتا۔

پنجابی لوک گیت ماہیا صدیوں سے پنجاب کے عوام کے جذبوں، امنگوں، حسرتوں، کامیابیوں، ناکامیوں، خوشیوں اور دکھوں کی کیفیات کا ترجمان رہا ہے۔ عوام کی زندگی کا تقریباً ہر پہلو ماہیے میں سمایا ہوا ہے۔ یہ لوک گیت صدیوں سے سینہ بہ سینہ عوام کے ذریعے سفر کرتا رہا ہے۔ انہیں تحریری طور پر پیش کرنے کا چلن بہت بعد کی بات ہے۔ وہ دیہاتی پنجابی معاشرہ جو ماہیے تخلیق کر رہا تھا اس کے پیش نظر اس کی لَے ہی اس کی اصل پہچان تھی۔ پروفیسر شارب اپنے مضمون ''کجھ ماہیے بارے'' میں لوک گیتوں کی صدیوں پرانی روایات کے حوالے دینے کے بعد لکھتے

ہیں: ''نہ تو ان لوک گیتوں کو جمع کیا گیا اور نہ ہی یہاں کے عالموں نے ان کے بارے میں کوئی تحریری نوعیت کا کام کیا'' (پنجابی سے ترجمہ) سو صدیوں سے رائج لوک گیت ماہیا اگر کسی تحریری ہیئت کے بغیر ہی اپنی لَے کی بنیاد پر زندہ موجود تھا تو اس کی تحریری ہیئت کے بارے میں ڈیڑھ مصرعی ہیئت کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ پنجابی دیہاتیوں کی ماہیے کی لَے کے حوالے سے پروفیسر شارب لکھتے ہیں:-

''ان سیدھے سادے اور اپنے کام سے غرض رکھنے والے دیہاتیوں کے مدنظر تو یہ ہے کہ ماہیا سُر اور لَے میں ہو تو سب ٹھیک ہے۔ سُر (لَے) کو گاتے وقت وہ خود ہی ٹھیک رکھتے ہیں کیونکہ وہ نسل در نسل اسے سنتے آئے ہیں اور ان سے زیادہ سُر کی روایت کو کون جان سکتا ہے''

(پنجابی سے ترجمہ)

اور اس سے تھوڑا آگے چل کر پروفیسر شارب لکھتے ہیں کہ یہ عوامی ماہیے ''کسی کتاب کی بجائے سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچے ہیں'' (مضمون ''کجھ ماہیے بارے'')

لہٰذا پنجابی لوک گیت ماہیے کی ہیئت کے بارے میں ہمیں پہلے سے موجود ساری تحریری روایات پر غور کر لینا چاہئے۔ تنویر بخاری نے اپنی کتاب ''ماہیا فن تے بنتر'' کے صفحہ نمبر ۲۷ پر ماہیے کی دو ہیئتیں بطور نمونہ پیش کی ہیں۔ وہ دونوں ہیئتیں یہ ہیں:-

(۱) کوٹھے تے راہ کوئی نہیں

ملاں قاضی مسئلہ کیتا یاری لاؤنا گناہ کوئی نہیں

(۲) دو پتر اناراں نے ساڈے بنے آ بیٹھے کلبوتر یاراں نے

(کتاب ''ماہیا۔ فن تے بنتر'' مطبوعہ ۱۹۸۸ء)

امین خیال نے اپنے مضمون ''پنجابی ماہیا میں بھی ماہیے کو صرف ایک ہی مصرعہ یا ایک ہی سطر میں لکھنے کی روایت کا ذکر کیا ہے۔ (بحوالہ دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد ماہیا نمبر۔ صفحہ نمبر ۳۴)

......اور ماہیے کو بطور نمونہ یوں پیش کیا ہے:-

تھالی وچ کھنڈ ماہیا کنڈ دے کے لنگھنا ایں تیری کنڈ دی وی ٹھنڈ ماہیا

اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ پنجابی لوک گیت ماہیا جو صدیوں سے رائج ہے لیکن صدیوں سے ہی جس کی کوئی تحریری ہیئت نہیں تھی، جب ان ماہیوں کو جمع کرنے کا کام شروع کیا گیا تو اسے تین تحریری ہیئتوں میں لکھا گیا۔ پہلی ہیئت ایک مصرعہ میں پورا ماہیا لکھنے کی۔ دوسری ہیئت ڈیڑھ مصرعی اور تیسری ہیئت سہ مصرعی۔ بظاہر ان تینوں ہیئتوں میں سے کوئی ہیئت بھی پنجاب کے دیہاتی عوام کی ایجاد نہیں ہے کیونکہ وہ ماہیئے لکھتے ہی نہیں تھے۔ وہ تو صرف انہیں گاتے تھے۔ میرے خیال میں جب ماہیے جمع کرنے کا کام شروع ہوا تو جمع کرنے والوں نے شاید کاغذ کی بچت کے خیال سے اسے ایک ہی سطر میں لکھنا شروع کیا۔ پھر کہیں احساس ہوا کہ الگ الگ ماہیے کی شناخت نہیں ہو پاتی تو جمع کرنے والوں نے ڈیڑھ مصرعی صورت میں اسے لکھنا شروع کر دیا لیکن جب ماہیے کے تین الگ الگ مصرعوں کی پہچان ہوئی تو اسے سہ مصرعی صورت میں لکھا جانے لگا۔ ماہیے کے تین مصرعوں کی یہ الگ پہچان ماہیے کی لَے سے مخصوص ہے۔ ماہیے کی کسی بھی مقبول دھن پر غور کر کے دیکھ لیں، اس کی لَے میں تین بار اتار چڑھاؤ کی کیفیت ملتی ہے۔ سو یوں ماہیے نے تدریجاً اپنی تحریری ہیئت کا تعین کرا لیا کیونکہ اس وقت سہ مصرعی ہیئت ہی ماہیے کی مقبول ترین ہیئت ہے۔ اردو میں بھی اور پنجابی میں بھی۔ مزید آگے بڑھنے سے پہلے پنجابی دانشوروں کے موقف پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ ماہیے کے تین مصرعوں کے سلسلے میں ان کے موقف کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ا۔ ڈاکٹر روشن لال اہوجا

''ایہد یاں (ماہیے دیاں) تن تکاں ہوندیاں نیں''

(''لہندے دے لوک گیت''، مطبوعہ ماہنامہ ''کوتا'' امرتسر جون ۱۹۶۵ء)

ڈاکٹر روشن لال اہوجا نے اپنے اسی مضمون میں یہ ماہیا بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

کوٹھے تے وان پیا
نکیاں نکیاں کنیاں
ڈھولا چادر تان پیا

۲۔ علامہ غلام یعقوب

تنویر بخاری نے اپنی کتاب ''ماہیا فن تے بنتر'' کے صفحہ نمبر ۲۸ پر یہ روایت درج کی ہے کہ ''۱۹۶۵ سے بھی پہلے کی بات ہے، میں نے ایک بار اپنے دوست اور بزرگ حضرت علامہ غلام یعقوب انور (ایڈووکیٹ) کے ساتھ ماہیے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ لوگ اسے ڈیڑھ مصرعے کا کہتے ہیں جبکہ یہ پورے تین مصرعوں کا ہے۔ وہ میرے ساتھ بالکل متفق تھے''
(پنجابی سے ترجمہ)

۳۔ فارغ بخاری

فارغ بخاری نے اپنی کتاب ''سرحد کے لوک گیت'' میں جو ماہیے درج کئے ہیں وہ سہ مصرعی ہیئت میں ہیں۔

۴۔ پروفیسر شارب

پروفیسر شارب نے اگرچہ اپنے جمع کردہ ماہیے ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں شائع کئے ہیں لیکن انہوں نے دوسرے مصرعے کو دو الگ الگ یونٹ بنا کر پیش کیا ہے اور یہ اقرار بھی کیا ہے کہ ماہیے کے تین یونٹ ہوتے ہیں۔

۵۔ اسلم جدون

اسلم جدون کے جمع کردہ تمام ماہیے سہ مصرعی ہیئت میں ہیں۔ مجھے ان ماہیوں کے معیار پر اعتراض ہے لیکن ظاہر ہے یہ ایک الگ موضوع ہے جہاں تک ہیئت کا تعلق ہے اسلم جدون کی کتاب ''ماہیے'' سہ مصرعی ہیئت کا اثبات کرتی ہے۔

۶۔ ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری

ممتاز پنجابی دانشور ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری نے ماہیے پر جتنی بحث کی ہے اس کی سہ مصرعی ہیئت کو مدنظر رکھ کر کی ہے۔ انہوں نے ڈیڑھ مصرعی ہیئت کو سرے سے اہمیت ہی نہیں دی۔

۷۔ شفقت تنویر مرزا

پروفیسر شارب کی کتاب ''ماہیا'' پر تبصرہ کرتے ہوئے شفقت تنویر مرزا نے روزنامہ

''ڈان'' لاہور کی ۱۹ اپریل ۱۹۹۵ء کی اشاعت میں سہ مصرعی ماہیوں کی دو مثالیں پیش کی ہیں اور انہیں قابلِ اعتراض نہیں گردانا۔

۸۔تنویر بخاری

افضل پرویز، عبدالغفور قریشی، مقصود ناصر چوہدری، کرم حیدری اور محمد بشیر احمد ظامی کی ڈیڑھ مصرعی ہیئت کے ماہیے کے بیانات درج کرنے کے بعد تنویر بخاری لکھتے ہیں:

''مرتب (تنویر بخاری) اوپر درج کئے گئے کسی بیان سے بھی متفق نہیں۔ یہ سارے بزرگ لائق احترام ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی گہرائی میں جانے کی زحمت نہیں کی۔ان سب کے بیانات میں مشابہت ہے اور ایسے لگتا ہے جیسے ان سب نے کسی کتابی بیان کی نقل کی ہے اور اپنے طور پر کچھ غور نہیں کیا۔'' (پنجابی سے ترجمہ)

۹۔امین خیال

اردو اور پنجابی کے معروف شاعر امین خیال اپنے مضمون ''پنجابی ماہیا'' میں لکھتے ہیں۔

''ماہیا اپنی ہیئت کے اعتبار سے تین حصوں، تین ٹکڑوں، تین کلیوں، تین مکھڑوں، تین پتیوں پر ہی مشتمل ہے کیونکہ لمبے یا بڑے مصرعے کا وسرام اسے دو حصوں میں بانٹ دیتا ہے اور گاتے وقت بھی یہ تینوں برگ واضح ہو جاتے ہیں۔''

(دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد۔ماہیا نمبر۔جنوری ۱۹۹۸ء)

پنجابی ادب سے متعلق اور بالخصوص پنجابی لوک گیت ماہیے سے منسلک ان ادبی شخصیات کے سہ مصرعی ہیئت کے مضبوط موقف کے ہوتے ہوئے ڈیڑھ مصرعی ہیئت کا حکم لگانا بے حد بچکانہ سی بات ہو جاتی ہے۔اس مسئلے پر مزید گفتگو آخر میں ہوگی۔ یہاں اب مخالفت کرنے والے تیسرے حلقے کے اس موقف کا جائزہ بھی لے لیا جائے کہ ''اگر پنجابی کی طرح اردو میں بھی ماہیا ڈیڑھ مصرعہ میں لکھا جائے تو اس کے وزن کی بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔'' یہ انتہائی گمراہ کن موقف ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈیڑھ مصرعی ہیئت کا شور صرف اس لئے مچایا گیا ہے کہ مساوی الوزن مصرعوں کے ثلاثی لکھنے والوں کو ''ماہیا نگار'' منوالیا جائے۔ سیما شکیب پہلے غلط

وزن کے ''ماہیے'' لکھتی رہی ہیں حال ہی میں ان کے درست وزن کے چند ماہیے شائع ہوئے ہیں۔ میں ان کی دو مثالوں سے ثابت کرتا ہوں کہ محض ڈیڑھ مصرعی ہیئت اپنانے سے کوئی چیز ماہیا نہیں ہو جائے گی اور لے کے مطابق لکھا جانے والا ماہیا کسی ہیئت میں بھی لکھیں ماہیا ہی رہے گا۔

غلط وزن سہ مصرعی ہیئت میں	درست وزن سہ مصرعی ہیئت میں
آنکھوں میں بھری ہے ریت	دن رات کا جلنا ہے
طوفان کے ہاتھوں سے	تیرے بنا جینا
پامال ہوئے مرے کھیت	تلوار پہ چلنا ہے

غلط وزن ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں	درست وزن ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں
آنکھوں میں بھری ہے ریت	دن رات کا جلنا ہے
طوفان کے ہاتھوں سے پامال ہوئے مرے کھیت	تیرے بنا جینا تلوار پہ چلنا ہے
(سیما شکیب)	(سیما شکیب)

سیما شکیب کا درست وزن کو اختیار کر لینا خوش آئند ہے۔ یہاں درست اور غلط وزن کے چند ''ماہیوں'' کی مزید مثالیں پیش کرنا بھی مناسب ہوگا۔

غلط وزن سہ مصرعی ہیئت میں	درست وزن سہ مصرعی ہیئت میں
اگر چہ اب قفس میں بھی نہیں ہوں	دل اپنے کشادہ تھے
میں نیلے پانیوں پر کیا اڑوں گا	اس لئے رونا پڑا
کہ اپنی دسترس میں بھی نہیں ہوں	ہم ہنستے زیادہ تھے
(حسن عباس رضا)	(حسن عباس رضا)

غلط وزن ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں

اگر چہ اب قفس میں بھی نہیں ہوں
میں نیلے پانیوں پر کیا اڑوں گا کہ اپنی دسترس میں بھی نہیں ہوں
(حسن عباس رضا)

درست وزن ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں

دل اپنے کشادہ تھے
اس لئے رونا پڑا ہم ہنستے زیادہ تھے
(حسن عباس رضا)

غلط وزن سہ مصرعی ہیئت میں

دیمک لگی الماری
اب اس میں رکھا کیا ہے
بیمار ہے بے چاری

درست وزن سہ مصرعی ہیئت میں

گندم کا ہے اک دانہ
وصل کا موسم ہے
دل توڑ کے مت جانا

غلط وزن ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں

دیمک لگی الماری
اب اس میں رکھا کیا ہے بیمار ہے بے چاری
(سیدہ حنا)

درست وزن ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں

گندم کا ہے اک دانہ
وصل کا موسم ہے دل توڑ کے مت جانا
(کوثر بلوچ)

ان تینوں مثالوں سے ہی ظاہر ہو جاتا ہے کہ غلط وزن کو ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں لکھ لینے سے درست وزن کا ماہیا نہیں کہا جا سکتا۔ ماہیے کی لوک لے کی بنیاد پر ماہیے کے وزن کی تلاش کا اصول آج پنجابی میں بھی اور اردو میں بھی ماہیے کی بنیادی شناخت بن چکا ہے۔لہٰذا وزن کی بحث میں ایمانداری سے بنیادی سچائی کا اعتراف کر لینا ہی مناسب ہے۔اسے بے سروپا بحث قرار دینے سے اس بحث کی علمی و ادبی قدر و قیمت کم نہیں ہو جائے گی کیونکہ اس بحث کو پرکھنے کا اصل معیار تو علمی، ادبی سطح ہی ہے۔

جس طرح ماہیے کا وزن اس کی لے میں محفوظ ہے ویسے ہی ماہیے کی لے سے اس کی تحریری ہیئت کے تعین میں مدد لی جا سکتی ہے۔ڈاکٹر روشن لال آہوجا، علامہ غلام یعقوب انور، فارغ بخاری، پروفیسر شارب، اسلم جدون، ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری، شفقت تنویر مرزا، تنویر بخاری اور امین خیال کے موقف اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ پنجابی ادبی بورڈ اور لوک ورثہ کے قومی ادارہ کا موقف بھی ایک طرح سے سہ مصرعی ہیئت کے حق میں ہے۔امین خیال کے اس موقف میں بڑی جان ہے کہ گاتے وقت بھی ماہیے کے تینوں حصے واضح ہو جاتے ہیں۔اختلاف رکھنے والے دوستوں کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ماہیے کی تحریری ہیئت کے حوالے سے میں اپنے مضمون ''اردو ماہیے کی تحریک'' میں یہ لکھ چکا ہوں۔

''پنجابی ماہیے کا بطور لوک گیت مجموعی وزن یہی بنتا ہے۔فعلن فعلن فعلن/فعلن فعلن فع/فعلن فعلن فعلن (دوسرے متبادل اوزان میں بھی اسی طرح ایک سبب کی کمی رہے گی) اب اسے چاہے ایک مصرعہ بنا کر لکھ لیں، ڈیڑھ مصرعہ بنا کر لکھ لیں یا تین مصرعوں کی مقبول صورت کو اپنا لیں، ماہیے کا مجموعی وزن بہر حال وہی رہے گا جو ماہیے کی لے کے مطابق ہے۔ مجھے ڈیڑھ مصرعی ہیئت پر کوئی اعتراض نہیں ہے تاہم اب بصری لحاظ سے سہ مصرعی ماہیا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ایک دفعہ توتا اور طوطا کے درست املا کی بحث چل نکلی تھی۔محققین نے ''ت'' سے توتا ثابت کر دیا، تب ایک ادیب نے یہ مزے کی بات لکھی کہ قدیم اردو میں توتا بے شک ''ت'' سے ہی ہو لیکن ''ط'' سے لکھا ہوا طوطا زیادہ ہرا ہرا لگتا ہے۔سو اب ماہیے کی تحریک جس مقام پر آ گئی ہے، یہاں ڈیڑھ

مصرعی ہیئت کو غلط کہے بغیر میں یہ ضرور کہوں گا کہ سہ مصرعی صورت میں ماہیا زیادہ ہرا بھرا لگتا ہے۔''(مطبوعہ ''سخنور'' کراچی نومبر ۱۹۹۸ء)

میں اپنے اسی بیان پر قائم ہوں۔ پنجابی لوک گیت ماہیا صدیوں سے سینہ بہ سینہ رائج چلا آ رہا تھا۔اسے لکھنے کی کوئی روایت تھی ہی نہیں۔تحریری طور پر جب لوک سرمائے کو جمع کرنے کا خیال آیا تب اسے تحریری ہیئت دی گئی۔ یک مصرعی، ڈیڑھ مصرعی اور سہ مصرعی تینوں ہیئتیں مختلف اوقات میں اپنائی گئیں اس لئے کسی ایک کو قبول کر کے باقیوں کو رد کرنے کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔سہ مصرعی تحریری ہیئت کے بارے میں یہ ضرور کہوں گا کہ اب ماہیے کی لَے سے اس کے اتار چڑھاؤ کی تین حالتوں کی نشاندہی کے بعد شواہد اس ہیئت کے حق میں زیادہ ہو گئے ہیں۔گویا (۱) لَے کی تین حالتوں کی بنیاد پر، (۲) سہ مصرعی ہیئت میں زیادہ ہرا بھرا دِکھنے کی بنیاد پر (۳) پنجابی میں سہ مصرعی ہیئت کے بیشتر نمونوں کی بنیاد پر اور (۴) اردو میں مقبولیت کی بنیاد پر ماہیے کی سہ مصرعی تحریری ہیئت ہی مروج ہیئت بنتی ہے۔اس کے باوجود اگر کوئی ماہیا نگار اصل وزن کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہیے کو ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں لکھے، چاہے ایک ہی لمبے مصرعہ کی ہیئت میں لکھے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ماہیا نے جس طرح اپنی لَے کے ذریعے اپنے وزن کا تعین خود کیا ہے ویسے ہی اس کی تحریری ہیئت بھی اس کی لَے کے ذریعے سے خود بخود رائج ہوتی جائے گی جو ہیئت اسے مناسب نہیں لگے گی از خود قصہء پارینہ بن جائے گی۔

ڈیڑھ مصرعی ہیئت پر بے جا اصرار کرنے والوں کو بھی اس کا یقین ہونا چاہئے۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ''سخنور'' کراچی، شمارہ اپریل ۱۹۹۹ء)

☆☆☆☆☆☆

جب ''عصر'' اشارا ہوا
سود میں ڈھلنے لگا
جتنا بھی خسارا ہوا

اردو ماہیے کے بانی

ہمت رائے شرما

(تحقیق و تنقید)

حیدر قریشی

(معیار پبلی کیشنز دہلی کی جانب سے ۱۹۹۹ء میں شائع کی گئی)

مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہو ولیوں کی

انتساب

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے نام

جنہوں نے اردو ماہیے کے بانی
ہمّت رائے شرما جی کو پہلی بار دریافت کیا

ملنا ہو تو ملتے ہیں
پھول محبت کے
پت جھڑ میں بھی کھلتے ہیں

پیش لفظ

اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما جی کی چار کتابوں پر میں نے تعارفی نوعیت کے مضامین لکھے ہیں۔''شہاب ثاقب'' (شاعری)، ''میاں آزاد کا سفر نامہ'' (پیروڈی)، ''ہندو مسلمان'' (کہانیاں)،اور نکاتِ زباندانی''۔ان کتابوں پر لکھے ہوئے میرے مضامین برصغیر کے مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔تاہم میں نے شرما جی کے بارے میں سب سے پہلے جو مضمون لکھا تھا وہ تعارفی سے زیادہ تحقیقی نوعیت کا تھا۔'اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما' کےعنوان سے لکھے گئے اپنے اولین مضمون کے بعد مجھے اسی تحقیقی حوالے سے پھر ایک اور مضمون بھی لکھنے کا موقعہ ملا جو اس عنوان سے شائع ہو چکا ہے''اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما،فلم ''خاموشی'' کے گیت اور تحقیق مزید''۔

اردو ماہیے کی تحریک ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے۔کل تک ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ صرف فلم ''پھاگن'' اور ''نیا دور'' میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی نے اردو ماہیے لکھے تھے لیکن اب تک یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ ان سے پہلے ہمّت رائے شرما اور قتیل شفائی نے فلم ''خاموشی'' اور فلم ''حسرت'' (پاکستان) میں اردو ماہیے پیش کئے تھے۔اب تک سات فلموں میں گائے گئے اردو ماہیے دریافت ہو چکے ہیں اور لوک فنکار عطاء اللہ خاں نیازی عیسیٰ خیلوی کے (پرائیویٹ) گائے ہوئے اردو ماہیے بھی سامنے آچکے ہیں۔

میں نے ہمّت رائے شرما جی کے بارے میں اپنے پہلے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ ہمّت رائے شرما جی نے درست وزن کے اردو ماہیے سب سے پہلے ۱۹۳۶ء میں کہے تھے اس لئے انہیں

ابھی تک کے ماہیے کے بانی قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی پر اولیت حاصل ہے۔اسی طرح میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ ''تحقیقی اور تاریخی لحاظ سے انہیں چراغ حسن حسرت کے ثلاثی گیت پر بھی اولیت اور فوقیت حاصل ہے''۔اس سلسلے میں میرے پیش نظر دو اہم باتیں تھیں۔

۱۔ چراغ حسن حسرت کے ثلاثی قسم کے ''ماہیے'' پیش کرنے والوں نے ان کا سال اشاعت ۱۹۳۷ء بتایا تھا جو ۱۹۳۶ء کے بعد آتا ہے۔

۲۔ پروفیسر آل احمد سرور نے ''کوہسار جرنل'' کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۷ء میں حسرت کے مبینہ ماہیوں کو نظم قرار دیتے ہوئے حمید نسیم کی خودنوشت ''ناممکن کی جستجو'' کا حوالہ دیا تھا۔چونکہ مجھے جرمنی میں حمید نسیم کی کتاب دستیاب نہ تھی اس لیے میں نے پروفیسر آل احمد سرور کے بیان پر انحصار کر لیا۔لیکن مضمون کی اشاعت کے بعد اب مجھے ''ناممکن کی جستجو'' کے متعلقہ صفحات ملے ہیں تو اندازہ ہو کہ آل احمد سرور صاحب کو سہو ہوا تھا۔کیونکہ حمید نسیم نے اس میں ''حسرت'' کے ثلاثی قسم کے گیت کو ماہیا ہی لکھا ہے۔مزید یہ کہ حمید نسیم کی یادداشت کے مطابق حسرت نے جنوری ۱۹۳۶ء میں مذکورہ 'ماہیے' ایک مشاعرہ میں سنائے تھے۔

تحقیقی معاملات میں حقائق مقدس ہوتے ہیں۔اس لیے انہیں ماہیے سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے سامنے لا رہا ہوں۔حمید نسیم، ڈاکٹر تاثیر اور چراغ حسن حسرت تینوں ہی میرے نزدیک محترم ہیں۔اول الذکر دو نے اگر ''باغباں'' والے گیت کو 'ماہیا'' لکھا ہے تو ماہیے کی بحث کے حوالے سے مجھے احمد حسین مجاہد کے ایک جوابی مضمون کا اقتباس یاد آگیا ہے۔وہ اقتباس یہاں درج کر رہا ہوں:

''علامہ اقبالؔ نے اپنے چند قطعات کو رباعی کہا ہے تو کیا علامہ اقبالؔ کے کہنے سے قطعات، رباعی ہو گئے ہیں......غالبؔ جیسا بڑا شاعر بھی رباعی کہتے ہوئے بحر سے باہر ہو گیا تھا۔کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ غالبؔ سے غلطی سرزد نہیں ہوئی''۔

(مضمون ''اردو ماہیے کا وزن'' از احمد حسین مجاہد،
مطبوعہ ادبی صفحہ روزنامہ ''نوائے وقت'' اسلام آباد، مورخہ ۹۸۔۵۔۱۹)

سو حمید نسیم اور ڈاکٹر تاثیر کے الفاظ کو بھی غالبؔ اور اقبالؔ اور رباعی اور قطعہ کے حقائق کے تناظر میں دیکھنا چاہئے۔

جہاں تک حمید نسیم کے اس بیان کا تعلق ہے کہ ڈاکٹر تاثیر جنوری ۱۹۳۶ء میں امرتسر کالج کے پرنسپل بن کر آئے اور انہوں نے آتے ہی مشاعرہ کرایا۔ابھی تحقیق طلب ہے۔شرون کمار ورما نے اس سلسلے میں امرتسر سے ریکارڈ تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں سے کوئی ریکارڈ نہیں مل سکا۔البتہ لاہور سے حاصل کردہ معلومات کی بنیاد پر عارف فرہاد نے پورے اعتماد کے ساتھ ڈاکٹر تاثیر کی بحیثیت پرنسپل ایم اے او کالج امرتسر میں تقرری کی تاریخ ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء بیان کی ہے۔سو اس معاملے میں مزید تحقیق کی جاسکتی ہے۔تاہم یہ دو حقائق بہرصورت اپنی جگہ موجود ہیں کہ:

۱۔اگر چراغ حسن حسرت نے جنوری ۱۹۳۶ء میں اپنے مبینہ ''ماہیے'' سنائے تھے۔ تب بھی حسرت کے ثلاثی اور ہمّت رائے شرما کے ماہیوں کی تخلیق کا وقت تقریباً ایک سا ہی بنتا ہے۔شرما جی کے ماہیے مئی ۱۹۳۶ء میں چھپے تھے۔ان کے لکھے جانے، قبول کئے جانے، بک لٹ میں شامل کئے جانے اور پھر بک لٹ کے شائع ہونے تک کے دورانیہ کا قیاس کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حسرت اور شرما جی نے تقریباً ایک ہی وقت میں الگ الگ مقامات پر اپنی زیر بحث تخلیقات لکھی تھیں۔

۲۔قمر جلال آبادی نے حسرت سے لگ بھگ ۲۰ سال کے بعد درست وزن کے ماہیے لکھے تھے۔میں نے تب بھی واضح الفاظ میں لکھا تھا کہ:

''حسرتؔ پنجابی ماہیے کے وزن کی نزاکت کا خیال نہیں رکھ سکے......اس لحاظ سے قمر جلال آبادی اردو کے سب سے پہلے ماہیا نگار قرار پاتے ہیں''

(کتاب ''اردو ماہیا نگاری'' ص۲۱،۲۲)۔

سو اب قمر جلال آبادی کی جگہ ہمّت رائے شرما جی ہی اردو ماہیے کے بانی ہیں، کسی بھی دوسری ''سہ مصرعی صنف'' کے مصنف کو اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما جی کی جگہ نہیں دی جا سکتی۔اس کے باوجود فلم ''خاموشی'' کے لئے لکھے گئے اردو ماہیوں اور فلم ''باغباں'' کے لئے لکھے

گئے ثلاثی قسم کے گیت کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمّت رائے شرما جی کو زمانی لحاظ سے بھی چراغ حسن حسرت پر تقدم حاصل ہے۔

یہ وضاحتیں اس لئے کر دی ہیں کہ میں نے اپنے دونوں تحقیقی مضامین کو کسی تبدیلی کے بغیر اس کتاب میں شامل کیا ہے۔اردو ماہیے کے آنے والے زمانے میں یہ سارے تدریجی مراحل ماہیے کے سفر کی داستان سناتے رہیں گے۔

ہمّت رائے شرما جی کے بارے میں لکھے گئے میرے سارے مضامین ان رسائل اور اخبارات میں چھپ چکے ہیں۔''اوراق'' لاہور ''انشاء'' کلکتہ۔''جدید ادب'' جرمنی۔''شعروسخن'' مانسہرہ۔''گل کدہ'' سہسوان۔روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد اور ویکلی ''صدائے پوٹھوہار'' راولپنڈی۔فلم ''خاموشی'' کے ماہیوں کے بعد ہمّت رائے شرما جی نے مزید ماہیے بھی کہے ہیں۔انکی طویل عمر اور علالت کے باعث ان کے بعض ماہیے خارج ازلحن ہوئے تو میں نے انہیں اس طرف توجہ دلائی۔مجھے خوشی ہے کہ میری درخواست پر انہوں نے ایسے سارے ''ماہیوں'' پر نظر ثانی کی اور مجھے لکھ کر بھیجے۔سو ان کے اب تک کے سارے ماہیے اپنی اس کتاب میں یکجا کر رہا ہوں۔ان ماہیوں کے ساتھ ہمّت رائے شرما جی کا خط بھی شائع کر رہا ہوں۔

شرما جی کے فن کے حوالے سے یہ کتاب میری حقیری سی کاوش ہے۔مجھے امید ہے کہ جیسے جیسے اردو ماہیے کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا ویسے ویسے ہمّت رائے شرما جی کے فن پر مزید کام ہوگا۔

میں برادرم شاہد ماہلی کا خاص شکر گزار ہوں جن کی خصوصی توجہ اور محبت کے باعث یہ کتاب شائع ہو رہی ہے۔

حیدر قریشی

مورخہ ۳۰/جون ۱۹۹۹ء

اردو ماہیے کے بانی: ہمّت رائے شرما

ابھی تک کی تحقیق کے مطابق قمر جلال آبادی اردو ماہیے کے بانی تھے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تازہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ہمت رائے شرما جی اردو ماہیے کے بانی ہیں۔ سہ ماہی ''کوہسار جرنل'' بھاگل پور کے شمارہ اگست ۱۹۹۷ء میں انہوں نے اپنی تحقیقی کاوش ''اردو ماہیا کی روایت سے متعلق ہمت رائے شرما کی وضاحت'' کے زیر عنوان پیش کی ہے۔ یہی تحریر ماہنامہ ''صریر'' کے شمارہ جون جولائی ۹۷ء میں بھی چھپی ہے لیکن ''صریر'' میرے پاس نہیں آتا (چونکہ مطلوبہ مضمون کوہسار ہی میں مل گیا تھا اس لئے ''صریر'' کا تراشہ منگانے کی ضرورت نہیں سمجھی) ایک تقریب جس میں ڈاکٹر مناظر شریک تھے، وہاں ایک گیت کے بول سن کر وہ چونکے۔

اک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

یہ تو ماہیا ہے......بس یہیں سے انہوں نے ان ماہیوں کے بارے میں اتہ پتہ معلوم کرنا شروع کیا اور ہمت رائے شرما جی تک جا پہنچے۔ ان سے خط و کتابت ہوئی اور وہ خط و کتابت انہوں نے یکجا کر دی۔ ڈاکٹر مناظر نے تحقیق کا بنیادی نوعیت کا کام تو کر دیا ہے لیکن اس پر ابھی مزید کام کرنے کی خاصی گنجائش ہے لیکن ''طے شدہ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے والے'' محققین (معترضین) نے اسے علمی انداز میں لینے کی بجائے مناظرانہ رنگ میں پیش کر کے اعتراضات کرنا شروع کر دیئے۔ میں یہاں ہمت رائے شرما جی کی اولیت پر ہونے والے اعتراضات کے جواب بھی دوں گا اور اردو ماہیے کے بانی کے سلسلے میں تازہ تحقیق کی روشنی میں اپنا موقف بھی واضح کروں گا۔

یہاں یہ ضروری وضاحت بھی کرتا چلوں کہ ہمت رائے شرما جی ممتاز فلم میکر کیدار شرما کے چھوٹے بھائی ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے کتنے ہی مقبول فنکاروں اور ممتاز ٹیکنیشنز کو متعارف کرایا۔ ہمت رائے شرما جی بھی فلمی دنیا سے وابستہ رہے۔ نغمہ نگار، کہانی کار، آرٹ ڈائریکٹر اور ڈائریکٹر تک ان کا اپنا طویل فلمی کیریئر ہے...... ان کی پیدائش ۱۹۱۹ء میں ہوئی۔ ۱۹۹۰ء میں ان پر لقوہ اور فالج کا حملہ ہوا۔ جان بچ گئی مگر ابھی تک چل پھر نہیں سکتے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحقیق چھپتے ہی دو طرح کے ردعمل سامنے آئے۔

۱۔ پروفیسر آل احمد سرور نے کوہسار کے شمارہ دسمبر ۹۷ء میں اپنے خط میں چراغ حسن حسرت کی بطور ماہیا نگار نفی کی اور ان کے مبینہ ''ماہیوں'' کو ایک نظم قرار دیا۔ انہوں نے اپنے بیان کو حمید نسیم کی خودنوشت ''ناممکن کی جستجو'' سے اثبات فراہم کیا کہ اس میں حمید نسیم نے اسے نظم قرار دیا ہے اور پوری نظم درج کر دی ہے۔

۲۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے کوہسار کے اسی شمارہ میں ''اردو ماہیا کی روایت سے متعلق ہمت رائے شرما کی وضاحت'' کو حاصل مطالعہ قرار دیا۔

۳۔ میں نے کوہسار کے مذکورہ شمارہ میں ہمت رائے شرما کی اولیت پر خوشی کا اظہار کیا جبکہ دوسری طرف مخالفین نے اس طرح کے اعتراض کئے۔

۱۔ ڈاکٹر مناظر نے اردو ماہیے کے بنیاد گزاروں میں قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے ساتھ چراغ حسن حسرت کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔

۲۔ اولیت کا سہرا پھر بھی حسرت کے سر بندھتا ہے کیونکہ شرما جی کہتے ہیں فلم خاموشی ۱۹۳۹ء میں آئی جبکہ فلم ''باغباں'' میں حسرت کے ''ماہیے'' ۱۹۳۷ء میں آ گئے تھے۔

پہلے اعتراض کی بنیاد مناظر عاشق کے ان الفاظ پر ہے۔ ''اردو ماہیا کے بنیاد گذاروں میں ابھی تک کی تحقیق کے مطابق چراغ حسن حسرت، ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی کے نام آتے ہیں لیکن میری حالیہ تحقیق یہ ہے کہ اولیت کا سہرا ہمت رائے شرما کے سر ہے۔ (کوہسار

اگست ۱۹۹۷ء)اس سلسلے میں بحث کے دوسرے منسلکہ پہلوؤں پر غور کر لینا بھی مناسب ہوگا۔علی محمد فرشی،نصیر احمد ناصر،سیدہ حنا اور دیپک قمر نے ماہیے کی موجودہ تحریک سے پہلے جو ثلاثی ''ماہیے'' کے عنوان سے پیش کئے تھے وہ بھی حسرت ہی کی طرح تھے۔میرے نزدیک حسرت کی طرح علی محمد فرشی،نصیر احمد ناصر،سیدہ حنا اور دیپک قمر بھی ماہیے کی موجودہ تحریک کے بنیاد گزاروں میں شامل ہیں۔ان کی بنیادی خدمات کی نفی نہیں کی جاسکتی۔انہوں نے ابتدا نہ کی ہوتی تو شاید ماہیے کی موجودہ تحریک کا وجود ہی نہ ہوتا کیونکہ اصلاح احوال کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔تاہم حسرت سے لے کر دیپک قمر تک ان سارے ''بنیاد گزاروں'' کا ماہیے کے لئے اتنا ہی کردار ہے کہ انہوں نے ماہیا نما ثلاثی لکھ کر اصل ماہیے کے لئے راہ ہموار کر دی۔بعینہ جیسے سرسید احمد خان سے لے کر علی اکبر قاصد تک ادیبوں نے انشائیہ کے لئے راہ ہموار کی لیکن انہوں نے جو مضامین لکھے ان میں کوئی بھی مکمل انشائیہ نہیں مانا جاتا......یہی حقیقت ڈاکٹر مناظر عاشق کے پیش نظر تھی وگرنہ وہ اس سے پہلے وضاحت سے لکھ چکے تھے۔

''ماہیا کہنے والوں نے بقول سعید شباب نئے تجربے کو آزمانے سے پہلے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینے کی بجائے اور ساحر لدھیانوی اور قمر جلال آبادی کے مثالی نمونوں سے استفادہ کرنے کی بجائے،حسرت والی غلطی دہرائی یعنی تین ہم وزن مصرعوں میں ماہیے کہنے شروع کر دیئے۔''

(حرف اول۔کتاب ''رم جھم رم جھم'' ص۱۸۔مطبوعہ ۱۹۹۶ء ناشر معیار پبلی کیشنز۔دہلی)

لہٰذا ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے مضمون میں محض ''بنیاد گزاروں'' کے الفاظ سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونا مناسب نہیں کیونکہ اصل حقائق تو اپنی جگہ پر موجود ہیں۔

ہمت رائے شرما جی کے جو خطوط ''کوہسار'' میں شائع ہوئے ہیں ان کی روشنی میں مزید تحقیق کر کے اصل حقیقت تک تو پہنچا جاسکتا ہے لیکن ان پر مکمل انحصار نہیں کیا جاسکتا۔وجہ یہ ہے کہ ہمت رائے شرما جی گذشتہ آٹھ برسوں سے لقوہ اور فالج کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ویسے تو طویل عمر کے بعد پچاس ساٹھ برس پہلے کی باتیں پوری طرح یاد نہیں رہ پاتیں۔ان کا ایک تاثر سا باقی رہتا

ہے جبکہ فالج تو ایسی بیماری ہے جو یادداشت کو متاثر کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فلم ''خاموشی'' کے ماہیے لکھنے کا سن کبھی ۱۹۳۹ء بتایا ہے کبھی ۱۹۳۶ء اور کبھی اسے پچاس ساٹھ سال کے اندازے سے ظاہر کیا ہے۔ان تاریخوں میں جو تضاد ہے اس کا سبب صرف بیماری کی وجہ سے یادداشت کا متاثر ہونا ہے۔وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمت رائے شرما جی نے فلم ''خاموشی'' کے لئے اردو ماہیے ۱۹۳۶ء میں لکھے تھے۔اس حقیقت کی تصدیق دو شواہد سے ہوتی ہے...... یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ماہیے کی موجودہ تحریک کا نکتہ آغاز تو بے شک ۱۹۹۰ء تھا لیکن اس کا باقاعدہ آغاز ۱۹۹۲ء میں ہوا۔تب بھی یہ ایک دبی دبی سی آواز تھی......اب ۱۹۹۲ء سے پہلے کے دو ادبی ثبوت دیکھیں۔

۱۔ ہمت رائے شرما ۱۹۱۹ء میں پنجاب کے مردم خیز ضلع سیالکوٹ کے مشہور قصبے نارووال میں ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے......صرف ۱۷ سال کی عمر میں ''خاموشی'' نامی فلم کے گیت لکھ ڈالے (مضمون۔''ہمت رائے شرما اور ان کی تین کتابوں کا خصوصی تعارف،مضمون نگار۔رئیس الدین فریدی۔مدیر'روزنامہ ہند' کلکتہ۔مطبوعہ ماہنامہ 'انشاء' کلکتہ شمارہ۔اکتوبر،نومبر ۱۹۹۱ء)

۲۔ ۱۹۸۴ء میں ہمت رائے شرما جی کا شعری سرمایہ ''شہاب ثاقب'' کے نام سے شائع ہوا۔کتاب کے فلیپ پر ''شرما جی کا تعارف'' اور ان کی شاعری پر فراق گورکھپوری کی رائے درج ہے۔شرما جی کے تعارف میں یہ الفاظ ہماری تحقیق کے لئے اہمیت کے حامل ہیں۔

''ہمت رائے شرما ایک باکمال فنکار ہیں......۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو شرما صاحب نارووال ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے......۱۷ سال کی عمر میں فلم ''خاموشی'' کے گیت لکھے''......

اس کتاب کی اشاعت کی وقت ہمت رائے شرما جی ۶۵ سال کے تھے۔بیمار نہیں تھے۔اس لئے اس وقت ان کے تعارف میں جو سن لکھے گئے وہ زیادہ مستند اور اہم ہیں۔خصوصاً اس لئے بھی کہ ۱۹۸۴ء میں نہ تو ان کے تعارف نگار کو اور نہ ہی خود انہیں کوئی ایسی غرض لاحق تھی کہ ماہیے کی تاریخ میں اولیت کا اعزاز حاصل کرنا ہے۔

ان دونوں شواہد کی روشنی میں جو خود ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں،۱۹۱۹ء میں ۱۷

سال جمع کئے جائیں تو فلم ''خاموشی'' کے ماہیے لکھنے کا سال ۱۹۳۶ء بنتا ہے۔ جب تک کوئی نیا تحقیقی ثبوت نہیں ملتا تب تک فلم ''خاموشی'' کے لئے شرما جی کے اردو ماہیے لکھنے کا سال ۱۹۳۶ء ثابت ہے۔

ہمت رائے شرما جی نے فلم ''باغباں'' میں چراغ حسن حسرت کے مبینہ ماہیوں کا اپنے خطوط میں تذکرہ کیا ہے تو یار لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ شرما جی نے حسرت کے ماہیوں سے متاثر ہو کر ماہیے لکھے تھے۔ شرما جی کی اولیت تو ویسے بھی ثابت ہو چکی ہے تاہم شدید علالت کے گہرے اثرات کے باوجود ان کے کسی خط سے حسرت کے ماہیوں سے متاثر ہونے کا تاثر نہیں ملتا۔ سہ ماہی کوہسار کے اگست ۹۷ء کے یہ دو حوالے پہلے دیکھ لیں۔

o ''ہماری فلم خاموشی ۱۹۳۹ء میں تیار ہوئی تھی اور فوراً ہی ریلیز ہو گئی تھی۔ باغباں بھی اسی وقت دیکھی تھی......عبدالرشید کاردار کا باغباں اس کے بعد (فلم ''ہیر سیال'' کے بعد......ناقل) ریلیز ہوا۔ ''خاموشی'' بھی اسی زمانے میں ریلیز ہوئی تھی'' (ص ۱۷)

o ''۱۹۳۹ء میں میں نے پہلی بار اردو ماہیا پر فلم خاموشی میں گانا لکھا۔ اس وقت میری عمر کوئی سولہ سترہ برس کی ہوگی۔ خاموشی کے مکالمہ نگار اور کہانی کار امتیاز علی تاج صاحب تھے۔ باغباں بھی ان ہی دنوں ریلیز ہوئی تھی۔ پہلے کون سی فلم ریلیز ہوئی یہ یاد نہیں'' (ص ۱۸)

ان دونوں حوالوں سے شرما جی کی سادگی اور نیک نیتی تو ظاہر ہے لیکن کہیں یہ شائبہ تک نہیں ہے کہ انہوں نے حسرت کے مبینہ ماہیوں سے متاثر ہو کر ماہیے لکھے تھے۔ اب ایک اور حوالہ دیکھیں۔ شرما جی لکھتے ہیں۔

''ایک دن خان صاحب برکت علی خان جو مشہور گلوکار خاں صاحب بڑے غلام علی صاحب کے چھوٹے بھائی خان صاحب برکت علی خان صاحب کے نام سے پہچانے جاتے تھے، ان سے سنا تھا۔

ساون کا مہینہ ہے
ساجن سے جدا رہ کر

جینا کوئی جینا ہے

اب اور نہ تڑپاؤ
ہم کو بلا بھیجو
یا آپ چلے آؤ

یہ ٹھمری نما پہاڑی (راگ) بہت ہی سر میں گاتے تھے کوئی بھی آج تک ان کی نقل نہیں کر سکا۔'' ص (۱۸۔۱۷)

اس میں جو تعریف کی گئی ہے وہ حسرت کے مبینہ ماہیوں کی نہیں بلکہ خان صاحب برکت علی خان صاحب کی کلاسیکل گائیکی کی تعریف ہے۔ اس کی مزید تصدیق میرے نام لکھے گئے شرما جی کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے۔ ۱۸ فروری ۱۹۹۸ء کے تحریر کردہ اس خط کا حوالہ ذرا آگے چل کر پیش کروں گا۔ ہمت رائے شرما جی کے کوہسار میں مطبوعہ ایک خط میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔ ''میاں کاردار کی فلم باغباں کا ایک گانا بھی اردو ماہیے میں تھا۔ اس کے بول بھی ساتھ ہی ارسال کر رہا ہوں۔'' (ص ۱۵) شرما جی کے بیان کردہ حسرت کے وہ بول یوں ہیں۔

باغوں میں پڑے جھولے
تم بھول گئے ہم کو
ہم تم کو نہیں بھولے

ساون کا مہینہ ہے
تم سے جدا ہو کر
جینا کوئی جینا ہے

اب اور نہ تڑپاؤ
ہم کو بلا بھیجو
یا آپ چلے آؤ

اس حوالے کو بنیاد بنا کر تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی کو ماہیا منوانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں میری پہلی گذارش یہ ہے کہ اگرچہ شرما جی مذکورہ گیت کو ماہیے سمجھنے کے مغالطے میں مبتلا ہوئے لیکن ماہیے کے سلسلے میں اصلی وزن ان کے شعور میں موجود تھا جو لاشعوری طور پر

آخری دو ماہیوں میں آ گیا ہے۔ایسا نہ ہوتا تب بھی محض شرما جی کے مغالطے کو بنیاد بنا کر ثلاثی کو ماہیا نہیں قرار دیا جا سکتا۔دوسری گذارش یہ ہے کہ حسرت کے ثلاثی کو پروفیسر آل احمد سرور نظم بیان کرتے ہیں۔خود حسرت اسے ''ایک گیت'' لکھتے ہیں۔ڈاکٹر مناظر عاشق بھی اسے گیت قرار دیتے ہیں تو پھر خود اصل شاعر کی بات مان کر اسے صرف ایک فلمی گیت ہی کیوں نہیں مان لیا جائے؟ تیسری عرض یہ ہے کہ میں نے اپنے مضمون مطبوعہ ''صریر'' دسمبر ۹۲ء میں قمر جلالوی کو ماہیا نگار لکھا تھا۔اب ایک کرم فرما نے اوراق جنوری فروری ۹۸ء صفحہ ۲۷۲ پر اصرار کے ساتھ قمر جلالوی کو ماہیا نگار قرار دیا ہے حالانکہ مجھے بھی مغالطہ ہوا تھا اور مذکورہ کرم فرما کو بھی مغالطہ ہوا ہے تو کیا محض اس بنیاد پر کہ حیدر قریشی نے بھی اور اس کے مخالفین نے بھی قمر جلالوی کو ماہیا نگار تسلیم کیا ہے ۔قمر جلالوی کو ماہیا نگار مان لیا جائے گا؟ ظاہر ہے ہرگز نہیں۔چوتھی گذارش یہ ہے کہ ماہنامہ ''تجدید نو'' لاہور کے ہائیکو نمبر میں منظر نقوی کے جو ہائیکو شائع ہوئے تھے ان میں ہائیکو تو ایک بھی نہیں تھا البتہ دو ماہیے ان میں ضرور موجود تھے۔

تصویریں بناتا ہوں
رنگ نہیں ملتے
خوں اپنا بہاتا ہوں

جو درد کے مارے ہیں
نام انہیں کیا دیں
ٹوٹے ہوئے تارے ہیں

بظاہر یہ ماہیے، ماہیے کے طور پر نہیں، ہائیکو کے زیر عنوان چھپے ہیں لیکن جب یہ حقیقتاً ماہیے ہیں تو ماہیے ہیں۔میں نے یہ دونوں ماہیے اپنی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' میں بطور حوالہ درج کئے ہیں۔سیدھی سی اور سادہ سی بات ہے جو ماہیا سہولت کے ساتھ اپنے فطری بہاؤ میں ماہیے کی پنجابی دھنوں پر گایا، گنگنایا جا سکتا ہے وہ ماہیا ہے جو اس معیار پر پورا نہیں اترتا وہ کلاسیکل موسیقی کا شاہکار ہو سکتا ہے۔اعلیٰ ادبی فن پارہ ہو سکتا ہے لیکن ماہیا نہیں ہو سکتا۔پانچویں اور آخری گذارش یہ ہے کہ تین ہم وزن مصرعوں میں احباب نے من چاہی بحریں ایجاد کر لی تھیں۔اس کی چند مثالیں ''اردو میں ماہیا نگاری'' کے صفحہ نمبر ۲۵ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔اسی طرح ڈاکٹر مناظر نے بھی اوراق جنوری، فروری ۹۸ء میں ''تجرباتی ماہیے'' پیش کئے ہیں۔اگرچہ ان پر تجرباتی کا لفظ لکھا

ہوا موجود ہے تاہم ظاہر ہے یہ ماہیے نہیں ہیں۔اب اگر کوئی دوست اصرار کریں کہ چونکہ مناظر صاحب نے اس بحر میں ماہیے ہیں لہٰذا یہ ماہیے ہیں تو یہ بات غلط ہوگی۔سو ہمت رائے شرما جی نے اگر حسرت کے ثلاثی کو ماہیے لکھ دیا ہے (بلکہ ماہیے کر بھی دیا ہے) تو اس سے وہ ماہیے نہیں ہو جائیں گے۔

فلم باغباں اور چراغ حسن حسرت کے ''ماہیوں'' کا ذکر چل نکلا ہے تو یہاں ممتاز موسیقار نوشاد کی یادداشتوں سے ایک حوالہ پیش کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔نوشاد صاحب لکھتے ہیں۔

''انہوں نے (مشہور اداکار اشرف خان نے۔ناقل) فلم باغباں میں اپنی رسیلی آواز میں ایک گیت گایا تھا جو فلم میں بھی ان ہی پر فلمایا گیا تھا۔اس گیت کی طرز مشتاق حسین صاحب نے بنائی تھی اور ان دنوں میں مشتاق صاحب کے ساتھ ہارمونیم بجایا کرتا تھا۔اس گیت کے بول تھے۔

رو رو نین گنواؤں
سجنوا آن ملو

یہ گیت بلکہ باغبان کے تمام نو گیت اپنے وقت کے کامیاب کامیڈین مرزا اشرف نے پنجاب کے لوک گیتوں کی بنیاد پر لکھے تھے اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان نو گیتوں کا معاوضہ مرزا صاحب کو صرف نوے روپے دیا گیا تھا یعنی دس روپے فی گیت۔''
(نوشاد کی کہانی۔مطبوعہ ماہنامہ شمع نئی دہلی۔شمارہ اکتوبر ۱۹۸۹ء ص ۳۳)

اگر باغباں کے سارے گیت مرزا اشرف نے لکھے تھے تو چراغ حسن حسرت کے مبینہ ''ماہیوں'' کی گیت کاری کا معاملہ ہی گڑ بڑ ہو جاتا ہے۔اس کے باوجود میرے نزدیک حسرت کے مقام و مرتبے پر کوئی حرف نہیں آنا چاہئے۔اسے زیادہ سے زیادہ نوشاد صاحب کا مغالطہ سمجھا جا سکتا ہے۔سو مغالطہ ہمت رائے شرما جی کا ہو یا نوشاد صاحب کا، کسی مغالطہ کی بنیاد پر حقائق کو مسخ کرنے کی کاوش نہیں ہونی چاہئے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحقیق سامنے آنے کے بعد میں نے ہمت رائے شرما جی سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ان سے تھوڑی بہت خط و کتابت بھی ہے۔دو بار میں نے ان سے ٹیلیفون پر بات کی ہے۔ان کی آواز میں لقوہ کے حملہ کا واضح اثر ہے تاہم ہماری محبت کے کسی انجانے جذبے نے ان کی گویائی کی قوت بڑھا دی......انہوں نے فون پر بتایا کہ میں پنجابی ہوں، پنجابی ماہیا (اور بولیاں بھی) میرے اندر بسے ہوئے ہیں۔ابھی میں کم عمر تھا،امرتسر میں گرمیوں کے ایام تھے رات کے وقت میں گھر کی چھت پر چار پائی پر لیٹا ہوا تھا کہ ایک درد بھری آواز سنائی دی۔یہ ہمارے گھر سے کچھ دور رہنے والے ایک نوجوان کی آواز تھی جو اپنے درد میں مگن پنجابی ماہیا گا رہا تھا۔(بعد میں پتہ چلا تھا کہ وہ نوجوان اپنی محبت میں ناکام ہو چکا تھا)۔گرمیوں کی رات، کھلی چھت اور گہری خاموشی سے ابھرتی ہوئی ماہیا گانے کی درد بھری آواز......مجھ پر سحر طاری ہوگیا۔یہی سحر تھا جس نے بعد میں مجھ سے فلم خاموشی کے ماہیے لکھوائے۔

یہ باتیں ہمت رائے شرما جی نے مجھے ٹیلیفون پر بتائی تھیں۔ان سے بھی ظاہر ہے کہ پنجابی ماہیا براہ راست ان کے اندر اترا ہوا تھا۔اگر ان پر کسی کا اثر تھا تو وہ امرتسر کا وہ ناکامِ محبت نامعلوم شخص تھا جس کے درد کی سچائی نے پنجابی ماہیے کو دوآتشہ کر کے ہمت رائے شرما جی کو باندھ لیا تھا۔فلم ''خاموشی'' میں ہمت رائے شرما جی کے تمام ماہیے یہاں درج کر دینا مناسب ہے۔

۱۔ اک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

۲۔ سہمی ہوئی آہوں نے
سب کچھ کہہ ڈالا
خاموش نگاہوں نے

۳۔ کچھ کھو کر پائیں ہم
دور کہیں جا کر
اک دنیا بسائیں ہم

۴۔ یہ طرز بیاں سمجھو
کیف میں ڈوبی ہوئی
آنکھوں کی زباں سمجھو

۵۔ تارے گنواتے ہو
بن کر چاند کبھی
جب سامنے آتے ہو

۶۔ سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
پھاگن کی ہوائیں ہیں

۷۔ اشکوں میں روانی ہے
آنسو پی پی کر
مدہوش جوانی ہے

۸۔ کچھ کھو کر پاتے ہیں
یاد میں ساجن کی
یوں جی بہلاتے ہیں

۹۔ کیا اشک ہمارے ہیں
آنسو مت سمجھو
ٹوٹے ہوئے تارے ہیں

۱۰۔ دو نین چھلکتے ہیں
ساجن آ جاؤ
ارمان مچلتے ہیں

یہ ماہیے ہمت رائے شرما جی نے خود گائے تھے۔شاید یہ برصغیر کی فلمی تاریخ کا ریکارڈ بھی تھا کہ کسی گیت کار نے اپنا لکھا ہوا ماہیا گیت آپ گایا تھا۔گلوکار کے طور پر ان کا نام ہمت رائے دیا گیا تھا۔شرما جی نے اپنے گائے ہوئے ماہیے خود پہلی بار کیسے سنے......اس سلسلے میں انہوں نے میرے نام اپنے خط محررہ ۱۸۔۲۔۹۸ میں یہ دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔

''مجھے یاد ہے جب میں اپنی سگائی کے سلسلے میں امرتسر گیا تو ہال بازار میں گراموفون ریکارڈ ڈیلر کی دکان کے آگے کچھ آدمیوں کو کھڑے دیکھا۔اس وقت جب کوئی نیا ریکارڈ بازار میں آتا تھا تو لوگ اسے سننے کے لئے دکان کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔میں بھی تانگے سے اتر کر وہیں جا کھڑا ہوا اور پھر غور سے جو سنا تو حیران رہ گیا۔وہ میری ہی آواز میں گا رہا تھا۔مجھے اپنی آواز بڑی عجیب سی لگی۔گانا بہت سر میں گایا تھا لیکن مجھے اپنی آواز بالکل پسند نہیں آئی۔میری آواز مائیکروفون کے لئے بالکل ناموزوں ہے''......اس واقعہ کی دلچسپی اپنی جگہ......تاہم اپنی آواز کے بارے میں شرما جی کے احساس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک سترہ سالہ لڑکے کی آواز کے مقابلے میں انہیں

استاد برکت علی خاں جیسے پختہ گائیک کا فلم باغباں کے لئے گایا ہوا کلاسیکی طرز کا گیت کیوں اچھا لگا ہوگا۔

ان تمام شواہد اور حقائق کی بنیاد پر یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی سے بھی پہلے اردو ماہیے کے درست وزن کا اولین اظہار ہمت رائے شرما جی نے ۱۹۳۶ء میں کیا تھا۔تحقیقی اور تاریخی لحاظ سے انہیں چراغ حسن حسرت کے ثلاثی گیت پر بھی اولیت اور فوقیت حاصل ہے۔سو بلا شک وشبہ ہمت رائے شرما جی اردو ماہیے کے بانی ہیں۔
ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اس انکشاف اور دریافت پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مطبوعہ: O ماہنامہ انشاء کلکتہ شمارہ ستمبر،اکتوبر ۱۹۹۸ء
O ''اوراق'' لاہور شمارہ جنوری،فروری ۱۹۹۹ء

☆☆☆☆

اردو ماہیے کے بانی......ہمّت رائے شرما

فلم ''خاموشی'' اور تحقیق مزید

اپنے مضمون ''اردو ماہیے کے بانی۔ہمّت رائے شرما'' میں 1984ء اور 1991ء کے دو ادبی شواہد کی بنیاد پر فلم ''خاموشی'' کے ماہیے لکھنے کا سال 1936ء ظاہر کرنے کے ساتھ میں نے لکھا تھا:

''جب تک کوئی نیا تحقیقی ثبوت نہیں ملتا تب تک فلم ''خاموشی'' کے لئے شرما جی کے اردو ماہیے لکھنے کا سال 1936ء ثابت ہے''۔

اس بیان کی رو سے کسی نئے تحقیقی ثبوت کی گنجائش موجود تھی جس سے اس تحقیق کی تصدیق بھی ہوسکتی تھی اور تردید بھی ہوسکتی تھی۔اب ایک ایسا ٹھوس ثبوت سامنے آگیا ہے جس کے بعد ہم اعتماد کے ساتھ ہی نہیں تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ہمّت رائے شرما جی نے 1936ء میں فلم ''خاموشی'' کے لئے اولین ماہیے پیش کئے تھے۔

نیا دستیاب ہونے ولا فیصلہ کن ثبوت پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت کردوں کہ میں نے فلم ''خاموشی'' بننے کا سال معلوم کرنے کے لئے ممتاز موسیقار نوشاد سے استفسار کیا تو انہوں نے نے مجھے لکھا:

''جہاں تک فلم خاموشی کا تعلق ہے اس کے موسیقار چشتی صاحب ہی ہیں۔وہ بفضل خدا حیات ہیں۔آپ ان سے معلوم کرسکتے ہیں۔موسیقار خیّام ان کے اسسٹنٹ تھے، وہ بھی اس معاملے میں زیادہ بہتر اور باوثوق اطلاع فراہم کرسکتے ہیں''۔

(اس خط پر نوشاد صاحب نے تاریخ درج نہیں کی لیکن لفافے پر باندرہ پوسٹ آفس کی

مہر پر 7/اپریل 1998ء کی تاریخ آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے)۔نوشاد صاحب کے مشورہ کے مطابق میں نے خیام صاحب کو دو تین خطوط لکھے۔ جب میں نے ہمّت رائے شرما کو آگاہ کیا کہ تب چشتی صاحب کے اسسٹنٹ خیّام صاحب سے بھی فلم ''خاموشی'' کے سال کے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں لگا ہوا ہوں، تو اس پر شرما جی نے اپنے ایک خط میں لکھا:

''آپ نے مجھے لکھا ہے کہ آپ نے خیّام سے فلم ''خاموشی'' کے بارے میں معلومات مانگی ہیں۔ یہ پڑھ کر حیرت ہوئی بھلا خیّام کا ''خاموشی'' سے کیا تعلق؟ ان کے قریبی رشتے دار غلام احمد چشتی صاحب البتہ فلم ''خاموشی'' کے موسیقار تھے۔ ہم لوگ ایک ساتھ ایک جگہ رہتے تھے۔ چشتی صاحب کے اسسٹنٹ کا نام تھا کالے خاں''

(مکتوب ہمّت رائے شرما بنام حیدر قریشی، مورخہ 98-10-20)

ہمّت رائے شرما جی کی بات درست تھی شاید اسی وجہ سے خیّام صاحب نے میرے بار بار لکھے گئے خطوط کے جواب ہی نہیں دیئے۔ ظاہر ہے جس بات کا انہیں علم ہی نہیں تھا وہ مجھے کیسے بتاتے۔ تاہم میں نے فلمی دنیا سے مزید شواہد تلاش کرنے کی جدوجہد جاری رکھی۔ اس تلاش میں اس لئے بھی مشکلات پیش آ رہی تھیں کہ فلم ''خاموشی'' کلکتہ میں بنی تھی۔ تب فلموں کا گڑھ کلکتہ ہوا کرتا تھا۔ بمبئی میں فلمسازی کے ابتدائی تجربے ضرور ہونے لگے تھے۔ برادرم ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے بھی اپنے طور پر کوشش کی، تاہم ہمّت رائے شرما جی کی ہمّت سے ہی آخر کار ہمیں فیصلہ کن ثبوت مل گیا ہے۔ وہ ثبوت مجھے بھیجتے ہوئے 21/دسمبر 1998ء کے اپنے تحریر کردہ خط میں ہمّت رائے شرما جی لکھتے ہیں:

''آج سے ساٹھ باسٹھ سال پرانی فلم ''خاموشی'' کی Booklet جو پرانے گودام کے ایک اسٹور سے پھٹی پرانی حالت میں مل گئی ہے یہ اسی رنگدار سرِ ورق کی فوٹو کاپی ہے۔ اس میں وہ سب کچھ درج ہے جس کی تلاش تھی۔ یہ فوٹو کاپی بے حد اہم اور نایاب ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے بہت محنت کرنا پڑی۔ کافی رقم خرچ ہوئی کیونکہ اسے حاصل کرنے کے لئے خاص آدمی کو کلکتے بھیجنا پڑا''۔

سرِ ورق پر ہیروئن رمولا کی تصویر ہے۔ دائیں طرف اوپر انگریزی میں، درمیان میں ہندی میں اور نیچے اردو میں فلم کا نام ''خاموشی'' لکھا ہوا ہے اور آخر میں صرف انگریزی میں ڈائریکٹر آر۔سی۔تلوار کا نام لکھا ہے۔ سرِ ورق کے اندر کی طرف فلم پروڈیوسر، ڈائریکٹر، کاسٹ اور اہم ٹیکنیشینز وغیرہ کے نام درج ہیں۔ یہ سارے نام انگریزی میں لکھے ہیں۔ پروڈیوسر ایل۔آر۔ پرشر ہیں (ایل آر=لاہوری) ''پروڈیوسر انڈر دی بینر آف تلوار پروڈکشنز (انڈر نیو مینجمنٹ) مئی 1936ء'' درج ہے۔ انگریزی کے اصل الفاظ ہی یہاں پر درج کر دیتا ہوں:

Producer under the banner of....TALWAR PRODUCTIONS(Under new managment) may,1936

فلم ''خاموشی'' کی بک لیٹ پر مئی 1936ء کا اندراج یہ ثابت کر دیتا ہے کہ ہمّت رائے شرما جی نے 1936ء میں پہلی بار اس فلم کے لئے اردو ماہیے لکھے۔ ''مئی 1936ء'' سے ہمّت رائے شرما جی کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے:

''میں نے پہلی بار اردو ماہیے پر فلم ''خاموشی'' میں گانا لکھا۔ اس وقت میری عمر سولہ سترہ برس کی ہوگی''

شرما جی 23/نومبر 1919ء کو پیدا ہوئے تھے، 23/نومبر 1935ء کو وہ سولہ برس کے ہو گئے تھے اور 23/نومبر 1936ء تک وہ ماہیے لکھ چکے تھے۔ تب ان کی عمر ساڑھے سولہ سال بنتی ہے جو سولہ اور سترہ کا درمیان ہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔

مئی 1936ء میں بک لیٹ چھپی ہے تو اس کے گیت اس سے بھی پہلے لکھے گئے ہوں گے۔ اس سے ان تمام معترضین کے منہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتے ہیں جو ہمّت رائے شرما جی کو اردو ماہیے کا بانی تسلیم کرنے کی بجائے حیلے بہانے سے ان کی خدمات کو دھندلانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہمّت رائے شرما جی نے بغیر تاریخ درج کئے مجھے ایک خط لکھا تھا۔ یہ خط مجھے سات اپریل 1998ء کو موصول ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے اس خط کے اوپر یہ الفاظ لکھ کر اپنے دستخط کر دیئے تھے۔ ''یہ خط سات اپریل ۱۹۹۸ء کو موصول ہوا'' میں اپنے مضمون ''اردو ماہیے کے بانی۔ ہمّت

رائے شرما‘‘ میں بھی اس خط کا ایک اہم حصہ شامل کرنا چاہتا تھا چونکہ شرما جی کی یادداشت پر مکمل بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے میں تذبذب کی حالت میں رہا اور اپنے پہلے مضمون میں شرما جی کا ایک خاص بیان شامل نہیں کیا، لیکن اب مئی 1936ء کا ثبوت مل جانے کے بعد پورے اعتماد کے ساتھ ان کا بیان شائع کر رہا ہوں۔ شرما جی میرے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

’’ایک اور عجیب بات سنئے۔ ’’خاموشی‘‘ کی Booklet جب میں گھر لایا تو اس وقت کاردار صاحب ہمارے ڈرائنگ روم میں آرام فرما رہے تھے۔ دیوکی بوس کے اسسٹنٹ نند کشور مہرہ اور میرے بھائی صاحب (کیدار ناتھ شرما جی۔ ناقل) بھی وہیں موجود تھے۔ میاں کاردار نے میرے ہاتھ سے خاموشی کی Booklet لے لی اور پڑھنے لگے۔ پڑھتے پڑھتے مجھ سے کہا اوئے کاکا ایہہ تے ماہیئے جاپدے نے۔ اے ماہیئے لکھے ای۔ میں نے جواب دیا جی ہاں۔ وہ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے کئی بار یہ ماہیئے پڑھے۔ غالباً ان سے متاثر ہو کر انہوں نے چراغ حسن صاحب سے ماہیے ثلاثی ’’باغبان‘‘ فلم کے لئے لکھوائے ہوں گے‘‘

اسی خط میں ہمّت رائے شرما جی نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے:

’’استاد برکت علی خاں نے ’’باغباں‘‘ میں جو گیت گایا تھا وہ پنجابی ماہیا سے بالکل میل نہیں کھاتا تھا بلکہ بالکل کلاسیکی گانا تھا جسے ’جھنجھوٹی‘‘ کہا جاتا ہے۔ یہ گانا بہت مشکل ہوتا ہے‘‘۔

فلم ’’خاموشی‘‘ کی Booklet میں درج کوائف کے مطابق اسکرین پلے اور ڈائیلاگ امتیاز علی تاج۔ گیت کار ہمّت رائے۔ موسیقار جی۔ اے۔ چشتی، آرٹ ڈائرکٹر ہمّت رائے۔ اور اداکاروں کی لسٹ میں یہ نام شامل ہیں رمولا (ہیروئن) گیانی، رام دلاری، شیام (ہیرو) سندر سنگھ، گاما، لیلیٰ مشرا، امرناتھ پاسان، منورما، آنند کشور، ہمّت رائے وغیرہ وغیرہ تھے۔

خاموشی کی Booklet میں درج گیتوں کے مکھڑے یہاں درج کر دینا مناسب لگتا ہے۔ گیت نمبر 1: دوگانا ہے اور ایک شہزادے اور شہزادی کی کہانی کو گا کر بیان کیا ہے۔

ایک شہزادی کہ تھی بے حد حسیں
خوبرو، نازک بدن، خندہ جبیں

گیت نمبر 2:

نین ہمارے باورے من کی ایک نہ مانیں
پریت کئے کیا ہوت ہے یہ پگلے کیا جانیں

اسی مکھڑے سے شروع ہونے ولا ایک گیت شرما جی کے مجموعہ کلام ’’شہاب ثاقب‘‘ کے صفحہ نمبر 103 پر درج ہے لیکن مکھڑے کے بعد مجموعہ میں شامل گیت فلمی گیت سے بالکل مختلف ہے۔ غالباً اپنے فلمی گیت کے مکھڑے سے شرما جی نے نیا گیت تخلیق کیا ہے۔

گیت نمبر 3:

جھولا ڈالیں ڈار پر توڑیں جا کر آم
چلو چمیلی باغ میں کہے دیالو رام
چل چل چل چل۔ چل چل چمیلی باغ میں جھولا جھلائیں گے

فلم ’’خاموشی‘‘ میں ہیرو ڈاکٹر پرکاش کے ایک دوست کا نام دیالو ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ فلمی سچویشن کے مطابق یہ گیت ہیرو کے دوست دیالو رام پر پکچرائز کیا گیا ہوگا۔ چل چل چمیلی باغ میں جھولا جھلائیں گے۔ یہاں سے شروع ہونے والا گیت تو پتہ نہیں کب اور کیسے ہمارے بچپن میں شامل ہو گیا تھا۔ میں نے یہی گمان کیا کہ شاید یہ گیت میں نے اپنی امی اور خالہ سے سنا ہو۔ جب میں نے ہمّت رائے شرما جی کو اس سلسلے میں لکھا کہ یہ گیت تو ہم بچپن میں گایا کرتے تھے، مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ آپ کی تخلیق ہوگی۔ تب شرما جی نے بڑی صاف گوئی سے مجھے لکھا:

’’فلم ’’خاموشی‘‘ کا گانا چل چل چمیلی باغ میں میوہ کھلائیں گے، دراصل یہ بہت ہی پرانا لوک گیت ہے جسے ساٹھ ستر سال پہلے ہم لوگ بھی بچپن میں گایا کرتے تھے۔ اس کا پہلا مصرع وہی ہے جو پہلے سے تھا۔ البتہ اس کے بعد کے سب بول میرے لکھے ہوئے ہیں‘‘

گیت نمبر 4:

گھبراتا ہے دل، لہراتا ہے دل، جب یاد کسی کی آتی ہے
روتی ہے گھٹا، جب پی کی صدا، ٹوٹی ہوئی لے بن جاتی ہے

بقول ہمّت رائے شرما یہ گیت دراصل پنجابی ''گِدا'' کی اردو شکل ہے۔ ''شہاب ثاقب'' کے صفحہ نمبر 101 پر یہ پورا گیت شامل ہے۔

گیت نمبر 5:

نین تورے متوالے سجنیاں۔ نین تورے متوالے۔ ہیں مدھ کے پیالے

یہ گیت دوگانا ہے۔ لڑکا اور لڑکی مل کر گاتے ہیں۔

گیت نمبر 6: چاندنی ہے موسمِ برسات ہے۔ آ وَ ڈیئر کیا سہانی رات ہے

یہ بھی دوگانا ہے۔

گیت نمبر 7:

سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
پھاگن کی ہوائیں ہیں

یہ گیت ان تاریخی ماہیوں پر مبنی ہے جو اردو ماہیے کی بنیاد بن چکے ہیں۔ Booklet میں 6 ماہیے گیت نمبر 7 کے طور پر درج ہیں غالباً Booklet چھپنے تک صرف 6 ماہیے ہی لکھے گئے تھے جبکہ ''شہاب ثاقب'' میں 10 ماہیے شامل ہیں گویا باقی ماہیے Booklet کے دوران ہی لکھ لئے گئے تھے اور انہیں فلم میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ''شہاب ثاقب'' میں شامل پہلے پانچ ماہیے خاموشی کی Booklet میں شامل نہیں ہیں۔ وہ ماہیے یہاں دہرا دینا ضروری ہیں۔

ا۔

ایک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

۲۔

سہمی ہوئی آہوں نے
سب کچھ کہہ ڈالا
خاموش نگاہوں نے

۳۔

کچھ کھو کر پائیں ہم
دور کہیں جا کر
اک دنیا بسائیں ہم

۴۔

یہ طرزِ بیاں سمجھو
کیف میں ڈوبی ہوئی
آنکھوں کی زباں سمجھو

۵۔

تارے گنواتے ہو
بن کر چاند کبھی
جب سامنے آتے ہوئے

ہمّت رائے شرما جی نے میرے نام اپنے خط محررہ 18 فروری 1998ء میں صراحت کے ساتھ لکھا تھا:

''یہ سبھی ماہیے فلم ''خاموشی'' کے لئے ہی لکھے گئے تھے اور یہ سب کے سب میری کتاب ''شہاب ثاقب'' کے صفحہ نمبر 85 اور 86 پر درج ہیں''۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنے تحقیقی سرمایہ ''اردو ماہیا کی روایت سے متعلق ہمّت رائے شرما کی وضاحت'' مطبوعہ سہ ماہی ''کوہسار'' اگست 1997ء میں لکھا ہے: ''ایک

تقریب میں درج ذیل بول میری سماعت سے ٹکرائے تو تجسس پیدا ہوا:

اک بار تو مل ساجن
آ کر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن''

کسی تقریب میں گائے گئے جو بول سن کر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ہمّت رائے شرما جی کو دریافت کیا تھا وہ بظاہر ''خاموشی'' کی Booklet میں شامل نہیں ہیں لیکن مناظر صاحب نے اسی لے کو سن کر اپنی تحقیق کا آغاز کیا۔ گویا شرما جی کی یہ بات درست ہے کہ یہ سارے ماہیے گائے گئے تھے۔ Booklet میں شامل 6 ماہیے درج ذیل ہیں:

۱۔
سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
پھاگن کی ہوائیں ہیں

۲۔
اشکوں میں روانی ہے
آنسو پی پی کر
مدہوش جوانی ہے

۳۔
کچھ کھو کر پاتے ہیں
یاد میں ساجن کی
یوں دل بہلاتے ہیں

۴۔
بھیگی ہوئی راتوں میں

ہم تم کھو جائیں
پھر پریم کی باتوں میں

۵۔
کیا اشک ہمارے ہیں
آنسو مت سمجھو
ٹوٹے ہوئے تارے ہیں

۶۔
دو نین چھلکتے ہیں
ساجن آ جاؤ
ارمان مچلتے ہیں

ان ماہیوں کے سلسلے میں تین ضروری وضاحتیں کر دوں:

۱۔ Booklet کے ماہیا نمبر 3 کا تیسرا مصرع ''یوں دِل بہلاتے ہیں''۔ ''شہاب ثاقب'' میں ''یوں جی بہلاتے ہیں'' درج ہے۔

۲۔ ''شہاب ثاقب'' میں دس ماہیے شامل ہیں۔ پہلے پانچ وہی ہیں جو Booklet میں شامل نہیں، لیکن گائے گئے تھے۔ بقیہ پانچ ماہیوں میں Booklet کے ماہیا نمبر 4 کو چھوڑ کر باقی سارے Booklet والے ماہیے ہیں اور اسی ترتیب کے ساتھ ہیں۔

۳۔ فلم ''خاموشی'' کے لئے گائے گئے ہمّت رائے شرما جی کے اولین ماہیوں کی تعداد ابھی تک دس سمجھی جا رہی تھی لیکن Booklet کے ماہیا نمبر 4 سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ماہیا سہواً ''شہاب ثاقب'' میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔ سو اب یہ گمشدہ ماہیا بھی دریافت ہو گیا ہے:

بھیگی ہوئی راتوں میں
ہم تم کھو جائیں
پھر پریم کی باتوں میں

اور اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمّت رائے شرما جی نے فلم ''خاموشی'' کے لئے جو ماہیے لکھے تھے ان کی تعداد دس نہیں بلکہ گیارہ تھی۔ یہی ماہیے اردو ماہیے کا اولین نقش اور اردو ماہیے کی بنیاد ہیں۔

گیت نمبر 8:

جب سے نین پیا سنگ لاگے۔ جاگے ہمرے بھاگ

یہ گیت ''شہاب ثاقب'' کے صفحہ 102 پر درج ہے۔

گیت نمبر 9:

من کو کیسے بہلائیں ہم۔ یہ بپتا کسے سنائیں ہم

گیت نمبر 10:

سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
ساون کی ہوائیں ہیں

گیت نمبر 10 کے طور پر صرف دو ماہیے دیئے گئے ہیں۔ دوسرا ماہیا گیارہواں گمشدہ ماہیا ہے جو اب Booklet کے ذریعہ دریافت ہوا ہے۔ ممکن ہے یہاں صرف دو ماہیے درج کرنے کا مطلب یہ ہو کہ آخری مرحلے تک اس گیت کے لکھے جانے اور اس کے شامل کئے جانے کا انتظار ہو۔

''فلم خاموشی'' کی Booklet سامنے آنے کے بعد اردو ماہیے کے بانی ہمّت رائے شرما جی کی ماہیا نگاری کا سال 1936ء ثابت ہونے کی مزید تصدیق ہوگئی ہے اور ماہیے لکھے جانے کا مہینہ بھی کم از کم مئی (1936) تو ظاہر ہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ تحقیقی مواد آنے والے وقت میں ماہیے پر سنجیدگی سے کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

مطبوعہ اوراق لاہور

مل مہکی فضاؤں سے
یار نکل باہر
اندر کے خلاؤں سے

اردو ماہیا

(ماہیے کی کتابوں کیلئے لکھے گئے
پیش لفظ، مضامین اور تاثرات)

حیدر قریشی

تھے دیس میں پردیسی
آ کے ولایت میں
اب ہو گئے ہیں دیسی

انتساب

عارف فرہاد، محمد وسیم انجم
اور اختر رضا سلیمی کے نام

تھے اپنی ہی لہروں میں
عمر گزاری جو
پنجاب کے شہروں میں

پانی کی کہانی

’’یادوں کے سفینے‘‘ امین خیال کے ماہیوں کا پہلا مجموعہ تھا۔ایسا مجموعہ جس میں پنجابی روایت کے گہرے اثرات اردو ماہیے میں منتقل ہوئے۔اب اسی تسلسل میں امین خیال کے ماہیوں کا دوسرا مجموعہ شائع ہونے جا رہا ہے۔بظاہر ایسا لگتا ہے کہ امین خیال کے ماہیا نگاری کے سفر میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی۔اس مجموعہ میں بھی وہی اسلوب ہے، وہی انداز ہے، وہی ملی جلی اردو، پنجابی لفظیات ہے۔لیکن میرا خیال ہے کہ امین خیال کے ماہیوں میں ایک غیر محسوس اور آہستہ رو ارتقائی تبدیلی موجود ہے۔اس تبدیلی کو لفظوں پر گرفت کے حوالے سے نسبتاً آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلا مجموعہ ’’یادوں کے سفینے‘‘ تھا ایسے لگتا ہے کہ ان سفینوں پر ایک عرصہ تک سفر کرنے کے بعد انہوں نے اپنے اندر اور باہر کے پانی کو دیکھا۔پانی کی کہانی کو سنا اور پھر اس کہانی کو اپنے سفر کے حاصل کے طور پر بیان کر دیا۔گویا پانی کی کہانی، یادوں کے سفینوں پر کیے گئے اسفار کا حاصل ہے۔تو کتاب کا نام ہی ایک پیش رفت کا احساس دلاتا ہے۔

پانی کی کہانی میں ایک دو جگہ ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی ٹیچر کی طرح سمجھانے لگے ہیں۔لیکن پھر اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی بات کی بنیاد استوار کرنے کے لیے ایسے ماہیے کہے ہیں۔

پانی کی کہانی ہے
خشکی اک حصہ
تن حصے پانی ہے

پانی اک نعمت ہے
جتنا زیادہ ہے
اتنی ہی ضرورت ہے

مٹی تو نمانی ہے
آپ ہی آگ، ہوا
اور آپ ہی پانی ہے

سو امین خیال اپنے ٹیچر ہونے کے زمانہ میں بچوں کو پڑھانے کی طرح نہ تو کوئی فارمولا بتانے لگے ہیں، نہ ہی پانی کو فلسفیانہ انداز سے دیکھ رہے ہیں۔ایسا کچھ نہیں ہے۔انہوں نے نہ کوئی فلسفہ بگھارا ہے اور نہ ہی سائنس پڑھانے بیٹھے ہیں۔وہ تو بس ماہیے کی روانی میں، یادوں کی جوانی میں، ایک سفینے سے دوسرے سفینے تک جاتے آتے پانی کو دیکھتے ہیں، سنتے ہیں، جتنا سمجھ میں آتا ہے سمجھتے ہیں اور پھر اپنی واردات کو سادگی سے بیان کر دیتے ہیں۔اسی لیے مذکورہ بالا تین ماہیوں میں سے تیسرے ماہیے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ پانی کی کہانی میں کئی اور کہانیاں سنانے جا رہے ہیں۔

پانی کی گاگر ہے
میں اک قطرہ ہوں
تو پیار کا ساگر ہے

کیا درد کا لہرا ہے
سات سمندر سے
بڑھ کر دل گہرا ہے

دل بحر کو چھل دی ہے
یار نے تو دل کی
دنیا ہی بدل دی ہے

شروع میں دیئے گئے تین ماہیوں میں سے ’’مٹی نمانی‘‘ والے ماہیے سے ہمہ اوست والا معروف صوفیانہ تصور ابھرتا ہے جوان تین ماہیوں (پانی کی گاگر، درد کا لہرا اور دل بحر) کے ذریعے واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔پہلے تو سب کچھ وہ ’’آپ‘‘ ہے۔۔۔۔پھر ’’وہ‘‘ ساگر ہے اور ’’میں‘‘ ایک قطرہ ہے۔اس ’’میں‘‘ کو جب درد کی دولت ملتی ہے تو سات سمندروں سے بھی بڑھ کر گہرا ہو جاتا ہے۔قطرے کی سمندر میں تبدیلی اُس یار کی طرف سے ہے جس نے اپنی ایک لہر کے ذریعے اسے کیا سے کیا کر دیا۔اس سب کچھ کے باوجود بات تصوف کی دنیا میں گم نہیں ہوتی۔صوفیانہ رمزوں سے گزرتے ہوئے، امین خیال زندگی کے لیے بہتے ہوئے پانی کے معروف تصور کو بیان کرتے ہوئے، اسے عمر کے مختلف حصوں میں دیکھتے ہیں۔عمرِ گزشتہ کے لیے یادوں کے سفینے میں بیٹھتے ہیں، بچپن تک واپس جاتے ہیں تو بچپن کی مناسبت سے پانی کو نہر کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

بچپن ہے، جوانی ہے
زندگی تو جیسے
بہتا ہوا پانی ہے

بیٹھا ہوں سفینے میں
یاد تری آئی
چیتر کے مہینے میں

یادوں کے سہارے پر
بچپن بھول آیا
میں نہر کنارے پر

پھر جب وہ اپنی عمرِ گزشتہ سے، موجودہ عمر کو دیکھتے ہیں تو انہیں لگتا ہے کہ پانی کا بہاؤ

اس کے زندگی بخش شور میں بچپن، لڑکپن، جوانی ہر اک کو بہائے لیے چلے جا رہا ہے۔

ہر شے کو بہاتا ہے
شور مچاتا ہے
اور بہتا جاتا ہے

پانی کی روانی ہے
جو چاہو کرلو
زوروں پہ جوانی ہے

اپنی گزرتی عمر کے ساتھ انہیں زمانے کے بدلنے کا ادراک ہوتا ہے۔انہیں لگتا ہے کہ دنیا سے رشتوں کی اہمیت کا احساس ختم ہوتا جا رہا ہے۔یوں پانی کے ذریعے وہ دنیا کے منفی رویوں کی نشاندہی کرتے جاتے ہیں۔

حق، سچ کی کہانی ہے
جھوٹ وسیلہ تو
ٹھہرا ہوا پانی ہے

تالاب کا پانی ہے
آج انسانوں کے
خوں کی ارزانی ہیں

یہ پانی کھاری ہیں
اب تو سب رشتے
احساس سے عاری ہیں

ٹھہرے ہوئے پانی جیسی کیفیت کو بیان کر کے امین خیال اس المیہ کا دکھ اپنے سینے میں بلونے لگتے ہیں۔

دردوں کا ذخیرہ ہے
دکھ کے سمندر میں
اک یاد جزیرہ ہے

دریاؤں میں پانی ہے
دکھ کی جہاں بھر میں
بس ایک کہانی ہے

اس پانی گدلے کا
تم ہی کہو لوگو
کب موسم بدلے گا

چھانے ہیں پانی کو
سنتا نہیں کوئی
مری درد کہانی کو

دے پانی باغوں کو
چہروں سے دھو دے
موسم کے داغوں کو

پانی کی لو بوندیں
عیبوں کو دھو دیں
اشکوں کی دو بوندیں

مایوس کن حالات میں بھی امین خیال نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔انہیں امید ہے کہ جب ہم لوگ اپنی غلطیوں کا ادراک کر کے ان پر ندامت محسوس کرنے لگیں گے، ہمارے گناہ اور عیب معاف ہو جائیں گے اور بگڑا ہوا معاشرہ پھر سے اچھا معاشرہ بن جائے گا۔

امین خیال کے ماہیوں کے مجموعہ ’’پانی کی کہانی‘‘ کے نام کے حوالے سے بات کافی طویل ہو گئی ہے۔ان ماہیوں میں تو پانی کی کہانی براہِ راست آئی ہے۔امین خیال کے دوسرے ماہیے جن میں پانی کا براہِ راست کوئی ذکر نہیں ہے وہ بھی دراصل اس رواں دواں زندگی کے پانی ہی کی مختلف کیفیات ہیں۔امین خیال کی ماہیا نگاری پر باتیں ختم نہیں ہوئیں۔ان کے اس مجموعے کے چند منتخب لیکن ملے جلے ماہیے دیکھیے اور امین خیال کے ماہیوں کے عمومی انداز کا اندازہ کیجیے۔

دکھ کس نے نہیں پالے
تم ہی نہیں بے کل
ہیں اور بھی دل والے

کیا قسمت پائی ہے
درد کی نگری میں
اک عمر بتائی ہے

شبنم کیوں روتی ہے
پھول کی پینٹنگ میں
خوشبو کب ہوتی ہے

باغوں میں ہوا ماہیا
پھول تو کھل گئے ہیں
اب تو بھی آ ماہیا

کھل جائیں گلاب ایسے
بڑھ کر دل اپنے
ہو جائیں چناب ایسے

اب ڈال نہ چھن ماہیا
مل لے آج گلے
ہے عید کا دن ماہیا

پڑھ اللہ ہو سائیں
لا، سے نہیں ہوں میں
ہے تُو ہی تُو سائیں

ظلمت کی بلا ٹالی
کملی والےؐ نے
دنیا ہی بدل ڈالی

جز فرقت سہتا ہے
گُل سے ملنے کو
بے چین سا رہتا ہے

پاکستان کی سیاسی صورتحال پر اور اہلِ سیاست پر امین خیال کے بے لاگ ماہیے ہر دُکھی پاکستانی کے دل کی آواز ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔کہیں کہیں مجھے پرانے ماہیے بھی اس مجموعہ میں شامل دکھائی دیئے ہیں۔امین خیال نے پنجابی الفاظ اور تلفظ کو پہلے کی طرح بے تکلفی کے ساتھ اردو میں پیش کیا ہے۔اس تجربے کو آزمانے کا خطرہ مول لینے والوں میں، اور یہ خطرناک اجتہاد کر گزرنے والوں میں امین خیال اہم ماہیا نگار ہیں۔مجھے یقین ہے کہ ’’پانی کی کہانی‘‘ کو ان کے پہلے مجموعہ سے زیادہ پسند کیا جائے گا۔میں تہہ دل سے ’’پانی کی کہانی‘‘ کا استقبال کرتا ہوں!

خاور اعجاز کے ماہیے

اردو ماہیے کے مباحث میں اس کے اوزان سے لے کر اس کے مزاج تک کئی امور زیرِ بحث آئے۔ان مباحث کا سیلابی دور گزر چکا ہے۔مجموعی طور پر تین سو سے زیادہ شعراء نے اپنی تخلیقی حیثیت کو اس صنف میں آزمایا۔ان میں کئی بھرتی کے لکھنے والے تھے تو کئی تخلیقی لحاظ سے زرخیز ذہن بھی شامل تھے۔ایک وقت تک تو تعداد میں اضافہ کا مزہ آتا رہا لیکن ساتھ ہی ماہیے کے معیار کی فکر بھی دامنگیر رہی۔معیار کے مسئلہ پر مخالفین تو محض اعتراض کی خاطر طنز کرتے رہے لیکن ماہیے کے بہی خواہوں کی ایک بڑی تعداد خود بھی ماہیے کے مستقبل کے حوالے سے اس کے معیار کے سلسلہ میں فکر مند رہی۔پھر ایک مرحلہ آیا جب لگا کہ ماہیے کو ہمارے مخالفین نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا ہمارے اپنے ''نادان دوستوں'' نے نقصان پہنچا دیا ہے۔اس نقصان میں بیزار کر دینے کی حد تک تکرار جیسے انداز کے مضامین، بے وزن ماہیوں کے مجموعوں کی اشاعت سے لے کر ایسے مجموعوں پر داد و تحسین کی کتابوں کی اشاعت تک کے المیے شامل ہیں۔تاہم مجھے اتنا اطمینان رہا کہ علمی لحاظ سے ماہیے پر جتنا کام کر دیا گیا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ جب بھی آگے چل کر ماہیے میں دلچسپی کی کوئی نئی لہر آئی تو نئے تخلیق کاروں کو اس کے جملہ مباحث کے سلسلہ میں کوئی ابہام محسوس نہیں ہوگا اور وہ اپنے تخلیقی کھلے پن کے ساتھ اپنا اظہار کر پائیں گے۔

خاور اعجاز ماہیے کے ہمارے ابتدائی ساتھیوں میں سے ہیں۔براہِ راست کسی رابطہ کے بغیر ہم ماہیے کی تفہیم اور ترویج کے لیے کام کرتے رہے۔ایک دوسرے سے اختلاف بھی کرتے رہے اور ایک دوسرے کو تقویت بھی دیتے رہے۔خاور اعجاز غالباً پہلے ادیب تھے جنہوں نے ماہیے کے وزن کی بحث کی گرما گرمی میں وزن سے ہٹ کر اس کے مزاج کا سوال اُٹھایا تھا۔اب ایسے لمحے میں جب میں سچ مچ بھرتی کے ماہیا نگاروں کی ماہیا نگاری سے تشویش میں مبتلا ہونے لگا تھا، گنتی

کے چند اچھے ماہیا نگاروں کے نئے آنے والے مجموعوں کی خبر سننے میں آئی تو مجھے کچھ اطمینان سا ہوا۔اطمینان کی اسی لہر میں مجھے خاور اعجاز کی طرف سے ان کے ماہیوں کے مجموعہ کی متوقع اشاعت کی خوشکن خبر ملی ہے تو میرے اطمینان میں اضافہ ہوا ہے۔خاور اعجاز کے ماہیے ایسے ہیں کہ انہیں ماہیا کے معیار کے حوالے سے بطور ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔سو اس لحاظ سے ان کے ماہیوں کے مجموعے کی اشاعت کی خبر اردو ماہیا کے لیے ایک اچھی خبر ہے۔

خاور اعجاز نے ابتدا میں اس انداز کے ماہیے کہہ کر ماہیے کے مزاج کے حوالے سے اپنے موقف کو عملی طور پر ظاہر کیا تھا۔

موسم کی سحر خیزی
کب میرا رہتا
اس کو تھی بہت تیزی

ہر بات بنا لے گا
اس کا زمانہ ہے
جو رنگ جما لے گا

برفی میں پستہ ہے
بخش خطا میری
جو نادانستہ ہے

شہروں کی کہانی ہے
لڑکا پنڈی کا
لڑکی ملتانی ہے

یہ آخری ماہیا درج کرتے ہوئے میں خاور اعجاز کے وجدان پر مسکرا رہا ہوں، جب یہ ماہیا کہا گیا تھا تب وہ راولپنڈی میں پوری طرح سیٹ تھے۔اور کئی برس کے بعد اب یہ ماہیا تب سامنے آیا ہے جب خاور اعجاز راولپنڈی سے ملتان جا چکے ہیں۔شہروں کی کہانی واقعی دلچسپ ہے۔اس کہانی کے ذکر سے قطع نظر خاور اعجاز کے شعری لب ولہجہ میں جو دھیما پن اور توازن ہے وہ ان کے ماہیوں میں بھی صاف جھلکتا ہے۔

اک حد پر رہنا ہے
لیکن دریا میں
مِل کر ہی بہنا ہے

چائے ہے پیالی میں
ہو گئے قیدی ہم
آزاد خیالی میں

تصویر تپائی پر
کچھ پڑھ کر پھونکو
گھر کی تنہائی پر

پھر چاہے مَر جائیں
ہم سچ کہنے کا
آغاز تو کر جائیں

کچھ دُور ہی چلنا تھا
اُس بے مہر نے پھر
رستہ تو بدلنا تھا

اندر ہی سسکنا ہے
لیکن کاغذ پر
کچھ بھی نہیں لکھنا ہے

ان ماہیوں میں پنجابی ماہیے والا مزاج بھی ہے اور اس سے آگے کی طرف پیشقدمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ چونکہ خاور اعجاز ہائیکو بھی کہتے رہے ہیں اس لیے ان کے ایک دو ماہیوں کے مصرعوں کی ترتیب میں مجھے ایسا لگا کہ یہاں ہائیکو نگار اپنا کام کر گیا ہے۔

کٹیا میں فقیروں کی
آ گئی شہزادی
ہے بات لکیروں کی

مضمون کو بیان کرنے کا یہ انداز ہائیکو کا ہے۔ اگر اس ترتیب کی بجائے تیسرا مصرعہ پہلے اور پہلا مصرعہ تیسرے نمبر پر لے آئیں تو ماہیا، ہائیکو کے اثر سے بالکل الگ ہو جاتا ہے بلکہ اس ماہیے کی شان ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ پہلی ترتیب میں بات تھوڑے توقف کے بعد دل تک پہنچتی ہے جبکہ اس ترتیب سے جیسے ماہیا سیدھا دل میں اتر جاتا ہے۔

ہے بات لکیروں کی
آ گئی شہزادی
کٹیا میں فقیروں کی

اس قسم کی اکا دکا مثالوں سے قطع نظر اور ایسے ماہیوں کی ترتیب میں ہلکی سی کمی کے باوجود یقینی طور پر یہ عمدہ ماہیے ہیں۔

خاور اعجاز کے ماہیوں میں ایسے ماہیے بھی ملتے ہیں جن کے تینوں مصرعے ایک مفہوم میں پروئے ہوئے ہیں، ایسے ماہیے بھی ملتے ہیں جن میں پنجابی ماہیے کی عام روایت کے مطابق پہلا مصرعہ برائے بیت ہوتا ہے۔ تاہم برائے بیت والے ماہیوں میں ان کا ماہیا پنجابی ماہیے کے مزاج کو پوری طرح اجاگر کرتا ہے۔

پیڑا ہے آٹے کا
ظالم سے یاری
سودا ہے گھاٹے کا

اس ماہیے میں بھی پنجابی زبان کا تڑکا لگا ہوا ہے، لیکن جہاں انہوں نے تینوں مصرعوں کو با معنی کر کے ان میں کہیں کہیں پنجابی کا تڑکا لگایا ہے وہاں ان کے ماہیوں میں انوکھی چمک پیدا ہو گئی ہے۔

وعدے نہ دلاسے پر
ہم مَر مٹتے ہیں
سجنی ترے ہاسے پر

شِیرا ہے جلیبی کا
کوئی بھروسہ نہیں
اس جیسے فریبی کا

گاؤں میں اٹکے ہیں
لیکن کچھ شہری
ہم سے بھی جٹکے ہیں

ہر سمت دھماکے ہیں
کچھ دنیا اتھری
کچھ لوگ لڑاکے ہیں

دل ڈوبا جاتا ہے
ڈھولا تیرے بن
پہلا جگراتا ہے

ترے گال پہ تِل ماہیا
رکھے پھرتے ہیں
ہم ہاتھ پہ دل ماہیا

خاور اعجاز کے ماہیوں میں جا بجا خوابوں کا ذکر ملتا ہے۔ یوں تو شاعری کا ایک بڑا حصہ خواب گری اور خواب شکنی پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ پھر پنجابی میں ''خوابے وچ آیا کرو'' اور ''خوابے

وچ آندے او‘ جیسے مصرعوں سے آرزوؤں کے کتنے ہی خواب بسے ہوئے ہیں۔خاور اعجاز نے اس روایت کو اپنے ذاتی اور شعری تجربوں سے آگے بڑھایا ہے۔ان کے ہاں خواب کی لفظی صورت سے ان کے خوابوں کی نوعیت کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آنکھیں سرہانے پر
کھولیں گے اِن کو
لیکن ترے آنے پر

ہم خواب اگر ہوتے
تیری پلکوں کے
سائے میں پڑے ہوتے

مہتاب نکل آیا
رات کے ملنے سے
مِرا خواب نکل آیا

تعبیر کے رستے پر
پتھر آن گرا
خوابوں کے بستے پر

پھر چاہے سو جائیں
تیری آنکھوں میں
کچھ خواب پرو جائیں

بے تاب نہیں ہوتے
بچپن سے آگے
پھر خواب نہیں ہوتے

چلنے میں گھاٹا ہے
خوابوں سے آگے
بالکل سنّاٹا ہے

یہاں خواب اور نیند کے تعلق سے سکون بخش امید اور آس بھی ملتی ہے، جو زندہ رہنے کا جواز فراہم کرتی ہے۔پھر خوابوں اور تعبیروں کی کشمکش، حقائق کی سنگ زنی کو آشکار کرتی ہے۔لیکن حقائق کی سختی سے قطع نظر جب خوابوں کی ایک حد سے آگے بالکل سناٹے کا ادراک ہوتا ہے تب ہی جیسے سارے خواب بچپن کے خواب معلوم ہونے لگتے ہیں۔اس کے باوجود خوابوں کی دنیا میں جتنا عرصہ بھی رہا جائے کچھ نہ کچھ سکون نصیب ہوتا رہتا ہے اور کون جانے کب کسی اچھے خواب کی

تعبیر آ ہی جائے۔

مرد،عورت کے تعلق کے حوالے سے پنجابی ماہیے میں رمزیہ انداز سے بھی بہت کچھ کہا گیا ہے اور کھل کر بھی کئی ماہیے کہے گئے ہیں۔اردو ماہیے میں کئی ماہیا نگاروں نے اس روایت کو اپنے اپنے ڈھب سے آگے بڑھایا ہے۔خاور اعجاز کے ہاں پوری احتیاط کے ساتھ اس بے احتیاطی کا ذکر اور اس کی لذت کا احساس ملتا ہے۔پہلے انہیں اس لغزش کا امکان بے حد روشن دکھائی دینے لگتا ہے۔

وہ حد بھی آنی ہے
جس پر اک لغزش
بے حد امکانی ہے

اور پھر کشتی کے روشن استعارے کو استعمال کرتے ہوئے وہ اپنے جنسی تجربے کو جیسے اس کے پورے بہاؤ میں بیان کر دیتے ہیں۔

کشتی کے چاؤ میں
بہہ نکلے ہم بھی
دریا کے بہاؤ میں

اور اس کے بعد شاعر کی وہی معمول کی زندگی ہے اور وہی دکھ اور سکھ ہیں۔

غم کا انبار لگا
خُوشیوں کا میلہ
بس دن دو چار لگا

شاہوں نہ غریبوں سے
سکھ والا لمحہ
ملتا ہے نصیبوں سے

سونا چاندی گھر میں
جذبے رکھے ہیں
سجنی نے لاکر میں

ابھی تک میں نے خاور اعجاز کے جتنے ماہیے جن حوالوں سے بھی پیش کیے ہیں، وہ سب کے سب کسی نہ کسی رنگ میں ماہیے کی پنجابی روایت سے منسلک اور اسی روایت میں مزید آگے کی طرف جانے کا منظر دکھاتے ہیں۔تاہم ان کے ہاں شعوری اور لاشعوری طور پر پنجابی روایت سے منسلک رہنے کے باوجود ماہیے کا ایسا انداز تدریجاً نمایاں ہو رہا ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا

ہے کہ ماہیے کے مستقبل کے امکانات لیے ہوئے ہے۔ان ماہیوں کے بارے میں کسی نوعیت کا وضاحتی یا تشریحی نوٹ دینا مناسب نہیں لیکن مجھے لگتا ہے اردو ماہیا کا یہ انداز اپنے بہت سارے ممکنات اپنے ساتھ لا رہا ہے۔

دل کے دروازے سے　　وعدے پیمانوں کی　　بجھ جائے گی پیاس آؤ
اُس نے جھانکا ہے　　کھل گئی رستے میں　　صحرا کہتا ہے
کتنے اندازے سے　　گٹھڑی امکانوں کی　　اک دن مرے پاس آؤ

منظر ڈھہ جاتا ہے　　رستے ہیں خلاؤں میں
لیکن ایک دیا　　مٹی ہے سر
جلتا رہ جاتا ہے　　اور پاؤں خلاؤں میں

دریا کے نیچے سے　　اک شکل دکھاتا ہے
صحرا نکلا ہے　　پھر آئینے میں
پانی کے دریچے سے　　بس دُکھ رہ جاتا ہے

خاور اعجاز کے ماہیوں کا مجموعہ چھپنے کی خبر میرے لیے ایک اہم ادبی خبر ہے۔ماہیے کے معیار کے سلسلے میں جو تشویش مجھے دل ہی دل میں لاحق تھی وہ نہ صرف کم ہونے لگی ہے بلکہ امید ہے کہ ان جیسے دوسرے اچھے ماہیا نگاروں کے ماہیوں کے مجموعے بھی جلد شائع ہو کر اردو ماہیے کی عزت میں مزید اضافہ اور وقار کا موجب بنیں گے اور ماہیے کے ''نادان دوستوں'' کی نادانیوں کی تلافی کر سکیں گے۔اسی احساس میں گھرا ہوا، میں خاور اعجاز کے ماہیوں کے مجموعہ کا ذہنی سکون اور دلی مسرت کے ساتھ استقبال کرتا ہوں!

(خاور اعجاز کے ماہیوں کے مجموعہ ''ساجن'' کا پیش لفظ)

یادوں کی بارش

چند مہینے پہلے کی بات ہے۔ایک صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ ہالینڈ سے ایک دوست آئے ہوئے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔اگر آپ فرینکفرٹ آ سکیں تو ہم ایک گھنٹے تک فرینکفرٹ کے مین ریلوے اسٹیشن پر پہنچ رہے ہیں۔رات کے آٹھ بج رہے تھے۔یورپ کی کڑکڑاتی سردی تھی۔لیکن میں نے کہہ دیا کہ شاید آدھ گھنٹہ آپ لوگوں سے لیٹ پہنچوں لیکن میں آ رہا ہوں۔رات ساڑھے نو بجے اس دوست سے ملاقات ہوئی۔میں نے اپنی دستیاب کتب میں ''محبت کے پھول'' اور ''اردو میں ماہیا نگاری'' تحفۃً پیش کیں۔اس دوست کو تو ان کتابوں سے کچھ ایسی دلچسپی نہیں تھی لیکن ان کتابوں کو درست کے ہاتھوں تک پہنچنا تھا، سو پہنچیں۔۔۔۔۔

اس دوست کے ذریعے میری یہ کتابیں ہالینڈ میں ناصر نظامی کی نظر سے گزریں تو انہوں نے فوری طور پر مجھ سے رابطہ کیا۔ٹیلی فون پر رسمی باتوں کے بعد پتہ چلا کہ وہ شاعری کے گائیکی والے پہلو پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ان کی شاعری متعدد گلوکار گا چکے ہیں۔ان گلوکاروں میں ابھرتے ہوئے گلوکار بھی شامل ہیں اور نصرت فتح علی خان اور مہدی حسن جیسے عہد ساز گائیک بھی شامل ہیں۔ناصر نظامی خود موسیقی کی تھوڑی بہت تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔فیصل آباد میں نصرت فتح علی خان کے ماموں پیارے علی خان کا میوزک سکول ہوا کرتا تھا۔غالباً ۱۹۶۸ء میں ناصر نظامی نے ان سے موسیقی کی ابتدائی تعلیم لی۔انہیں ستار کا شوق تھا لیکن ان کے استاد نے انہیں آسان ساز بینجو کی طرف متوجہ کیا۔سو تب سے لگ بھگ تیس برسوں سے ناصر نظامی اپنے ذاتی شوق کے طور پر بینجو بجا رہے ہیں اور ماہیے کی دھن پر بھی بینجو میں مہارت حاصل کر چکے ہیں۔

ہم اس کے خوگر ہیں
گیتوں کی بندش
کے۔گُن کے خوگر ہیں

دھن کاری کرتے ہیں
سُر کی لہروں میں
لفظوں کو بھرتے ہیں

ہم لکھتے لکھاتے ہیں
گاہے گاہے مگر
ہم خود بھی گاتے ہیں

موسیقی سے مَس ہے
اپنی صدا میں بھی
تھوڑا سا تو رَس ہے

ناصر نظامی کی ذاتی کہانی کے یہ ماہیے تو بعد کی بات ہیں۔۔۔جب مجھے ناصر نظامی کے اِن گُنوں کا علم ہوا۔ساتھ ہی انہوں نے میری مذکورہ بالا دونوں کتابوں پر اپنی پسندیدگی کا بہت زیادہ اظہار کیا تو میں نے دبے دبے لفظوں میں کہا کہ پھر آپ بھی ماہیے کہئے ناں! آپ تو ماہیے کی لے کو مجھ سے کہیں زیادہ بہتر جانتے ہیں۔۔۔۔

ماہیے کہنے کی تحریک کرنے پر پتہ چلا کہ میری کتابوں کے مطالعہ کے بعد وہ ازخود اس طرف مائل ہو چکے ہیں اور ۲۰۰ کے لگ بھگ ماہیے کہہ چکے ہیں۔اس انکشاف نے مجھے مسرت آمیز حیرت سے دوچار کر دیا۔پھر چند ہفتوں کے اندر ہی اندر انہوں نے ماہیوں کے انبار لگا دیئے تو اس کے اندر کے پُر گو شاعر کا کچھ کچھ اندازہ ہوا۔جو لوگ کم لکھتے ہیں وہ عموماً پُر گو شاعروں کے معیار پر طنز کیا کرتے ہیں۔بات جزوی طور پر درست بھی ہو سکتی ہے لیکن اس کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن پر غور کیا جانا چاہئے۔مثلاً ایک اچھا ادیب بہت زیادہ لکھتا ہے تو اس میں بھی اس کا ایک کم از کم معیار بہر حال قائم رہتا ہے۔اس کے برعکس کم لکھنے والا غیر معیاری ادیب کم لکھ کر بھی غیر معیاری ہی رہے گا۔اگر کوئی کم لکھنے والا ادیب سال بھر میں دو تین اچھے فن پارے پیش کرتا ہے اور زود گو ادیب دس فن پارے پیش کرتا ہے جن میں سے پانچ بے حد عمدہ ہوتے ہیں تو وہ یقیناً کم لکھنے والے اچھے ادیب سے کوالٹی کے لحاظ سے بھی آگے ہے اور تعداد کے لحاظ سے بھی آگے ہے۔
ناصر نظامی کے ماہیے پڑھتے ہوئے ان کی پُر گوئی کے اثرات تو محسوس ہوتے ہیں لیکن وہ اپنا ایک

کم از کم معیار بہر حال برقرار رکھتے ہیں۔جہاں وہ اپنے کم از کم معیار سے اوپر اٹھتے ہیں وہاں تو ان کے ماہیوں کی آن بان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔بے شک ان کے ہاں متعلقہ موضوع کے روایتی مضامین بھی کثرت سے آتے ہیں لیکن جہاں کہیں وہ اپنے عمومی معیار سے اوپر اٹھتے ہیں وہیں ان کے ماہیے کا نفسِ مضمون چمکنے لگتا ہے۔مثال کے طور پر عارفانہ ماہیوں کی یہ جھلکیاں دیکھیں۔

خود کرتا دھرتا ہے
سامنے دنیا کے
کسی اور کو کرتا ہے

آدم کا بہانہ تھا
اپنی محبت کا
اظہار جتانا تھا

☆ ☆

آدم کی خطا کیا تھی
سامنے کیوں رکھی
جو چیز روا، ناں تھی

کبھی ہم بھی تھے عرشوں پر
ایک ہی غلطی سے
آ پہنچے ہیں فرشوں پر

☆ ☆

ہے جس کی نظر جتنی
اس کو نظر آئے
بس اس کی جھلک اتنی

ہر دم میں ہُو ہُو ہُو
میں جب ہوں ہی نہیں
کیسے کہوں تُو تُو تُو

گناہ اور ثواب، شر اور خیر کے گیان کا یہ مرحلہ دیکھیں

یہ شر اور خیر ہے کیا
آخر دونوں کا
آپس میں بَیر ہے کیا

اک دوجے کی قوت ہیں
سادہ لفظوں میں
منفی اور مثبت ہیں

رشتوں ناطوں کے بیان میں ناصر نظامی بے حد جذباتی ہو جاتے ہیں۔والدہ، والد، دادا، نانا، بہنوں، کزنز، دونوں بیویوں، بیٹوں، بیٹیوں اور متعدد دیگر عزیز و اقارب ہی کو نہیں، اپنے دوست

احباب کو بھی جذباتی ہو کر یاد کرتے ہیں اور ان پر اپنے خلوص کو نچھاور کرتے ہیں۔ ایسے ڈھیر سارے ماہیوں میں سے گنتی کے یہ چند ماہیے دیکھیں۔

تری ممتا روٹھ گئی
جنت کی کنجی
ہاتھوں سے چھوٹ گئی

حالات نے مار دیا
ہم کو غریبی کی
بہتان نے مار دیا

☆ ☆

تقدیر کی کٹھنائی
میں نے بھائی کی
دولت ہی نہیں پائی

گھر واپس مڑنے میں
دیر تو لگتی ہے
دل ٹوٹ کے جڑنے میں

ایسے ماہیوں سے ہٹ کر ناصر نظامی نے جو کمال دکھایا ہے وہ بیشتر ماہیا نگاروں اور بعض دوسرے شعراء کے بارے میں ان کے خاکہ نما ماہیے ہیں۔ ایسے ماہیے نذیر فتح پوری اور امین خیال پہلے سے کہہ چکے ہیں۔ بعض دیگر ماہیا نگاروں نے بھی خاکہ نما ماہیے کہے ہیں لیکن ناصر نظامی نے اتنی کثیر تعداد میں شخصی ماہیے کہے ہیں کہ اگر صرف انہی ماہیوں کو الگ سے چھپوایا جاتا تو ایک چھوٹی سی کتاب بن جاتی اور شخصی ماہیوں میں بعض ماہیا نگاروں کے بارے میں سچ مچ دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ تین مصرعوں میں متعلقہ شخصیت کے نمایاں ترین اوصاف کو بیان کر دیا گیا ہے۔

ارض وطن سے ناصر نظامی کو محبت ہے لیکن وہاں نافذ ظلم اور جبر کے نظام پر انہیں سخت دکھ ہے۔ اس ایک ماہیے میں اس نظام کی اصلیت اور وطن عزیز میں جاری اقتدار کی میوزیکل چیئر گیم کی حقیقت بڑی حد تک سامنے آ جاتی ہے۔

ان قرضہ خوروں کو
چور بھلا کیسے
پکڑے گا چوروں کو

ادیبوں کی ''انجمن ستائش باہمی'' کے حوالے سے انہوں نے جو ماہیے کہے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان میں ادبی برادری کے بعض ''۔۔۔ چہرے'' اپنے آپ کو اور اپنے اصل ادبی قد کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

انصاف شعار ہو!
اپنی دلیلوں پر
وہ خود ہی نثار ہو!

کوئی جب نہ جواب آیا
میرے خلاف کئی
فتوے وہ لکھا لایا

ناصر نظامی کے ماہیوں میں اپنے اندر کی غواصی کے صوفیانہ قسم کے تجربے بھی ملتے ہیں۔ ایسے ماہیوں میں ان کا لب ولہجہ باطن سے ہمکلامی کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے یا اپنی ہی عرفان کی منزلیں طے کرتا ہوا لگتا ہے۔

کبھی رنگ کبھی سنگ ہوا
اپنی طبیعت پر
پھر آپ ہی دنگ ہوا

پڑھ دل کی کتاب کبھی
اپنے عملوں کا
کر خود ہی حساب کبھی

اَن بوجھی کہانی ہے
دل کے سمندر کی
تہہ کس نے جانی ہے

اک گہرا سمندر ہے
میں دل کے اندر
دل میرے اندر ہے

محبوب کے وعدوں کا پورا نہ ہونا، پھر ان وعدوں کو چادر سے تشبیہہ دے کر، آنکھوں اور آنسوؤں کا ذکر کئے بغیر یادوں کی برسات سے پیار کے وعدوں کی چادر کو بھگو دینا۔ ناصر نظامی کے ہاں استعاراتی سطح پر آنے کی عمدہ کاوش ہے۔

بارش ہوئی یادوں کی
چادر بھیگ گئی
ترے پیار کے وعدوں کی

تاہم چونکہ ماہیا اپنے عمومی مزاج اور اجتماعی کردار کے باعث بہت زیادہ داخلی اور علامتی نہیں ہوسکتا اسی لئے ناصر نظامی زیادہ تر رمز و کنایہ سے کام لیتے ہیں۔

جنت کے درختوں کا
یاد کرو قصہ
گزرے ہوئے وقتوں کا

شہروں میں رہتے ہیں
اپنے لگائے ہوئے
پہروں میں رہتے ہیں

☆ ☆

کسی طور نہیں جھکتا
گھڑیاں رُک جائیں
پر وقت نہیں رُکتا

لی درد نے انگڑائی
دل کے گلے لگ کے
روتی رہی تنہائی

ناصر نظامی کے ماہیوں میں کہیں بعض معروف اشعار، بعض ماہیوں اور بعض گیتوں کی گونج بھی سنائی دیتی ہے۔ اس کمزوری کو اس بنیاد پر برداشت کیا جاسکتا ہے کہ جن اشعار، ماہیوں یا فلمی گیتوں سے وہ متاثر ہیں وہ لاشعوری طور پر ان کے ماہیوں میں آتے گئے ہیں پھر چند ہفتوں، مہینوں کے اندر اتنے سارے ماہیے کہے جائیں گے تو ان میں ایسی تھوڑی بہت کمزوریاں تو کہیں نہ کہیں مل ہی جائیں گی۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ناصر نظامی کے یہ ماہیے اندر کی کسی لہر کے نتیجہ میں مسلسل ہوتے چلے گئے ہیں۔ اس اظہار کے بعد انہیں جو آسودگی محسوس ہوئی ہوگی اس کا ایک ہلکا سا اندازہ ان ماہیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔۔ ایسے ماہیے ان کی ماہیا نگاری کے انداز کی بھرپور ترجمانی بھی کرتے ہیں۔

ململ کا سوٹ لیا
پہلی نظر میں
تم نے مجھے لوٹ لیا

روحوں کا ملن ہوگا
من اور من کا وزن
بس ایک ہی من ہوگا

☆ ☆

پانی کی روانی کے
لے لو مزے دو دن
دو دن کی جوانی کے

دکھ ہم نے جھیلا ہے
خوشیوں سے لیکن
کوئی دوسرا کھیلا ہے

☆ ☆

غم کس لئے کرتا ہے
جتنا دامن ہو
اتنا ہی بھرتا ہے

شیشے کی عمارت ہے
چاہت تو یارو
زخموں کی تجارت ہے

☆ ☆

جب تُو مجھے تکتا ہے
بجلی کا دل کو
جھٹکا سا لگتا ہے

جنموں سے جیتے ہیں
دورِ تغیر کے
ہم پر کئی بیتے ہیں

☆ ☆

سرہانے سر رکھ کر
آدم حوا ہنسے
ممنوعہ شجر چکھ کر

ہم پیاس بجھالیں گے
پیار کے ساون کی
بارش میں نہالیں گے

☆ ☆

ہیں دودھ کی دو نہریں
جوبن پر آئیں
جوبن کی حسیں لہریں

قد سرو کا بوٹا ہے
اور اس قامت نے
مرے دل کو لوٹا ہے

ناصر نظامی نے اردو ماہیوں کے ساتھ تھوڑے سے پنجابی ماہیے بھی کہے ہیں۔ اردو دنیا کے لئے ناصر نظامی کی پنجابی شاعری شاید ویسے زیادہ دلچسپی کا باعث نہ ہو لیکن یہ ایک اہم خبر ہے کہ ناصر نظامی ایک عرصہ سے پنجابی شاعری بھی کر رہے ہیں۔ ان کی پنجابی شاعری پنجابی کے

متعدد رسائل اور اخبارات میں چھپتی رہتی ہے۔اس خبر کی اصل اہمیت یہ ہے کہ پنجابی شاعری کرنے والا ایک شاعر جو ماہیے کی پنجابی روایت، اس کے مزاج اور اس کی دُھن سے نہ صرف بخوبی واقف ہے بلکہ موسیقی کے علم کی سطح پر بھی ماہیے کو بہتر طور پر سمجھتا ہے۔اس نے اردو ماہیے کے اصل وزن، مزاج اور دیگر اوصاف کو تخلیقی سطح پر قائم رکھا ہے۔یوں ان کی ماہیا نگاری بہت سارے ناواقف اور نوآموز ماہیا نگاروں کی بہتر طور پر رہنمائی بھی کر سکتی ہے۔

ناصر نظامی کے ماہیوں کا مجموعہ ''یادوں کی بارش'' چھپنے جا رہا ہے تو میری دعا ہے کہ یہ مجموعہ اردو ماہیے کی تحریک کے لئے باران رحمت ثابت ہو۔

(ناصر نظامی کے ماہیوں کے مجموعہ ''یادوں کی بارش'' میں شامل)

اعزاز احمد آذر کے ماہیے

اعزاز احمد آذر اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے معروف اور ممتاز شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔پنجابی لوک گیت ماہیا ان کے اندر رچا بسا ہوا ہے۔حالیہ چند برسوں میں پنجابی ماہیے کی لَے کی بنیاد پر اس کے خدوخال کو قائم رکھتے ہوئے اردو زبان میں ماہیے کو جو پذیرائی ملی ہے اعزاز احمد آذر اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے ہیں کیونکہ اردو اور ماہیا دونوں سے ہی ان کا گہرا رشتہ ہے۔پھر خوشی کی کسی لہر میں وہ خود بھی اردو ماہیے کہنے لگے اور اب یہ خوش کن خبر ملی ہے کہ ان کے ماہیوں کا مجموعہ زیر اشاعت ہے۔

میرے سامنے اعزاز احمد آذر کا مکمل مسودہ تو نہیں ہے تاہم ان کے جو چند ماہیے مجھے ملے ہیں اور جو چند ماہیے پاکستان اور انڈیا کے بعض ادبی رسائل کے ذریعے میرے پاس موجود ہیں انہیں پیش نظر رکھ کر ہی میں ان کے ماہیوں کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ رہا ہوں۔ان ماہیوں کی پہلی خوبی اور شناخت پنجابی مزاج کی آمیزش ہے۔یہاں میں نے پنجابی الفاظ کی جگہ پنجابی مزاج لکھا ہے۔دراصل پنجابی الفاظ کا استعمال بعض اوقات غیر موزوں بھی ہو جاتا ہے جبکہ لفظ پنجابی کا آئے یا نہ آئے لیکن مزاج پنجابی آ جائے تو ایسے اردو ماہیوں میں انوکھی سی لذت پیدا ہو جاتی ہے۔

لگی بھیڑ ہے میلے میں
دفع کر بھابی کو
چلی آ تُو اکیلے میں

☆

آ پاس اے بے دردا
ہم ترے محرم ہیں
ہم سے تو نہ کر پردا

☆

سرزانو پہ دھرنے دے
دیکھ میرے بابو
مجھے چین سے مرنے دے

اک کرم کما ماہی
میں مرجاؤں گی
پردیس نہ جا ماہی

☆ ☆

سب ونجلی کا ہے میلہ
رانجھے سے پہلے بھی
موجود تو تھا بیلہ

کچھ تُو ہی بتا جوگی
شامِ جُدائی کی
کب صبح ملن ہوگی

یوں تو غزل اور نظم میں اعزاز احمد آذر کو اظہار کی یکساں قدرت حاصل ہے تاہم اُن کے اردو ماہیوں پر پنجابی اثرات کے بعد ان کی نظمیہ شاعری جیسا انداز مجھے محسوس ہوا ہے۔جن قارئین نے اعزاز احمد آذر کی نظموں کو توجہ سے پڑھ رکھا ہے وہ اس انداز کے ماہیوں کو پڑھتے ہوئے شاید مجھ سے اتفاق کریں۔

ہم آپ کے اپنے ہیں
دِل میں سنبھال رکھو
یہ کانچ کے سپنے ہیں

رنگ شوق کی بھرتی ہے
رات کی تنہائی
ترے ساتھ گزرتی ہے

☆ ☆

دو پل کے لئے آجا
پیاس کا صحرا ہوں
ساون کی طرح چھا جا

یہ خواب ہمارے ہیں
رات کے دامن میں
کچھ پھول ہیں تارے ہیں

ہلکے سے نظمیہ اثرات نے ایسے ماہیوں میں جیسے ادبی شان پیدا کر دی ہے۔ ماہیے کی لوک روایت میں جنگل کی خود روئیدگی جیسی خوبصورتی ہے بلکہ ادبی روایت میں گلستان جیسا حسن ہے۔ باغ کو مسلسل تراش خراش کے عمل سے گزار کر اپنا حسن برقرار رکھنا ہوتا ہے جبکہ جنگل کسی میک اپ کے بغیر اپنی خوبصورتی ظاہر کرتا ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اعزاز احمد آذر کے ماہیوں

میں جنگل کی خوبصورتی بھی ہے کیونکہ ان کے بہت سارے ماہیوں میں ماہیے کا پنجابی مزاج موجود ہے اور جہاں اُن کی نظمیہ شاعری کے ہلکے سے اثرات کی آمیزش نے ان کے ماہیوں میں ادبی رنگ پیدا کر دیا ہے وہاں کسی باغ کے حسن کا احساس ہوتا ہے۔۔۔۔۔لیکن صرف جنگل اور باغ تک ہی نہیں۔۔۔۔اعزاز احمد آذر کی ماہیا نگاری اپنی دھرتی سے جڑ کر، دھرتی کے جملہ مظاہر کے ساتھ اپنی رونق لگائے ہوئے ہے۔

انمول گہر کہیے
میری دھرتی کو
فردوس نظر کہیے

کچھ موتی ہیں شبنم کے
جب جب تُو گزرے
چلے پُروا تھم تھم کے

☆ ☆

رُت کھلنا ہی بھولے گی
تم جو نہیں آئے
سرسوں بھی نہ پھولے گی

پھولوں پہ اُڑے تتلی
ختم کہاں ہوگی
اب بات ہے چل نکلی

اعزاز احمد آذر کے دو ماہیے مجھے ذاتی طور پر بہت ہی اچھے لگتے ہیں۔ یہ ماہیے اپنے موڈ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔لیکن ماہیے کے حسن اور رس کے لحاظ سے دونوں ہی بہت عمدہ ہیں۔

ہر پونی ہے مار گئی
عمر کا یہ چرخا
میں کت کت ہار گئی

اس میں بھی ہیں راز کئی
لڑکی وکیلوں کی
دے گئی تاریخ نئی

پہلے ماہیے میں ’’زندگی‘‘ دنیا کے دکھوں کو چرخہ کات کر پونیاں بنانے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتی ہے کہ میں اپنی (مقررہ) عمر کا چرخہ کاتتے کاتتے تھک ہار کر رہ گئی ہوں کیونکہ اس چرخے کی ہر پونی کو تیار کرنا ایک جان لیوا عمل ہے۔اور میں مسلسل دکھوں کے، مشقت کے، اس عمل میں مبتلا ہوں۔۔۔۔

دوسرے ماہیے میں ماہیا نگار کی محبوبہ کسی وکیل کی بیٹی ہے جو اپنے شاعر کو ٹالنے کے لئے یا پھر کسی اور سبب سے ملنے کی نئی تاریخ دے گئی ہے۔عدالتی پیشیوں میں ملنے والی تاریخیں ذہن میں ہوں تو اس سادہ سے ماہیے میں معانی کے کئی پرت نکل آتے ہیں۔مثلاً عدالتی سسٹم کی طرح محبوبہ بھی تاریخ پر تاریخ۔۔۔پیشی پر پیشی ہی دیئے جا رہی ہے۔یوں ایک طرف اپنے عدالتی نظام کی بعض خامیوں کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے اور محبوبہ کے غیر منصفانہ رویئے کو بھی ظاہر کر دیا ہے۔۔۔ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ محبوبہ وکیل کی بیٹی ہے، باپ پر گئی ہے۔سچی بات نہیں کرتی بس ٹالتی رہتی ہے۔۔۔چونکہ ''راز کئی'' ہیں لہٰذا یہ راز بھی تو ہو سکتا ہے کہ جو نئی تاریخ ملی ہے، اس میں محبوبہ کے گھر والے کہیں جا رہے ہوں اور اس نے اپنے شاعر سے وعدی ایفا کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔۔۔تاہم مذکورہ دونوں ماہیوں کا اصل لطف ان کی تشریح میں نہیں، انہیں پڑھنے میں ہے، گنگنانے میں ہے۔یہاں اعزاز احمد آذر کے چند اور خوبصورت ماہیے بھی پیش کر دیتا ہوں۔

یہ رُت ہے گلابوں کی
چڑھے ہے سوالوں کی
اور ضد ہے جوابوں کی

چوری کی ہے رُشنائی
چاندا کیلا ہے
یہ اُس نے سزا پائی

☆ ☆

جگ سے ٹکراتا ہے
حُسن بہانہ ہے
رنگ عشق جماتا ہے

آنکھوں میں ہے نیر آ جا
خواب ترے دیکھوں
بن کے تعبیر آ جا

☆ ☆

ہاتھوں میں ہیں دو پکھیاں
ہم تو ہیں پردیسی
ہم سے نہ لگا اکھیاں

آ لگ جا گلے میرے
بھول جا سب شکوے
ساہ روٹھ چلے میرے

☆ ☆

اس دُکھ کی دوا دے جا
حبس کا موسم ہے
آنچل کی ہوا دے جا

یہ رسم نبھائیں گے
تُو چاہے یاد نہ کر
ہم بھول نہ پائیں گے

☆ ☆

رکھ دیپ یہاں لا کر
رہ میں اندھیرا ہے
آنکھوں کا اُجالا کر

اے یار دَیا کرنا
پیار کے پھولوں سے
اس جھولی کو تم بھرنا

جس طرح اُردو کے بعض اہل زبان ایک عرصہ کے بعد صرف ''اہل زبان'' ہونے پر ہی ناز کرنے لگے اور ان کے مقابلے میں پنجاب اور دوسرے علاقوں کے شاعر اور ادیب تخلیقی لحاظ سے کہیں آگے نکل گئے (مستثنیات دونوں طرف موجود ہیں)۔ویسے ہی مجھے اب ماہیے کے حوالے سے تشویش ہونے لگی تھی۔ماہیا اصلاً پنجاب کا لوک گیت ہے۔اہل پنجاب سے بہتر اسے کون سمجھ سکتا ہے لیکن جب پنجاب کا یہ لوک گیت اردو میں ایک باقاعدہ شعری صنف بننے لگا تب بعض احباب اپنے پنجابی ''اہل زبان'' ہونے کے زعم میں مبتلا ہو گئے۔اردو ماہیے کو ایک طرف ہزارہ، کشمیر، کراچی اور سرائیکی علاقوں میں مقبولیت حاصل ہو رہی تھی تو دوسری طرف انڈیا کے بہار، راجستھان، مہاراشٹر، یوپی، آندھرا پردیش (سابق ریاست حیدرآباد دکن) اور بنگال جیسے صوبوں میں ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔پھر انگلینڈ، ہالینڈ، جرمنی، اٹلی، جاپان کے اردو شاعروں نے ماہیے کی طرف خصوصی توجہ کی۔اس فضا میں مخالفین اور حاسدوں نے تو عناد اور حسد کا اظہار کرنا ہی تھا بعض اچھے بھلے پنجابی بھی ماہیے کے سلسلے میں کوئی اہم اور مثبت کام کرنے کی بجائے اپنے پنجابی ''اہل زبان'' ہونے کی خوش فہمی میں گھر کر رہ گئے۔یوں مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ اردو ماہیا شاید دوسرے علاقوں میں استحکام حاصل کر لے گا اور خود پنجاب اپنے ہی گھر کی دولت گنوا بیٹھے گا۔لیکن جہاں امین خیال جی نے ماہیے کے فروغ میں اپنا فعال تخلیقی کردار ادا کیا ہے اور راولپنڈی، جہلم، لاہور، بورے والا جیسے علاقوں سے متعدد نو جوان شعراء سامنے آئے ہیں

وہیں لاہور سے اعزاز احمد آذر کے ماہیوں کے مجموعہ کا شائع ہونا اس حقیقت کا اظہار ہے کہ وہ بحیثیت پنجابی شاعر بھی اور بحیثیت اردو شاعر بھی اپنے فرض سے غافل نہیں ہیں۔ نہ وہ کسی زعم میں مبتلا ہیں نہ کسی خوش فہمی میں۔۔۔۔ وہ تو بس ماہیے کے فروغ میں اپنا تخلیقی کردار ادا کر رہے ہیں اور اسی لگن میں مگن ہیں۔

اعزاز احمد آذر کے ماہیوں کا یہ خوبصورت مجموعہ نہ صرف ماہیے کی تحریک میں ایک قیمتی اضافہ ہے بلکہ اس کے ذریعے سے وہ تمام شعراء ماہیے کے پنجابی مزاج کو بخوبی سمجھ سکیں گے جو پنجابی زبان سے واقف نہیں ہیں اردو ماہیا نگاروں میں اعزاز احمد آذر صفِ اول کے ماہیا نگار ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کے مجموعہ کی اشاعت کے بعد اس تاثر کو تقویت ملے گی۔

میں ان کے مجموعہ ''کب صبح ملن ہوگی'' کا کھلے دل اور بازوؤں سے استقبال کرتا ہوں۔

(اعزاز احمد آذر کے ماہیوں کے مجموعہ ''کب صبح ملن ہوگی'' میں شامل)

وہ چاند گواہ میرا

۱۹۹۸ء کے آغاز میں مجھے کلیم شہزاد کا ایک خط ملا جس کے ساتھ ان کے ۲۰ ماہیے بھی منسلک تھے۔ اپنے خط میں انہوں نے پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ کے ماہیا نمبر اور بالخصوص اس میں شامل میرے مضمون کے حوالے سے، ماہیے کے وزن کے سلسلے میں میرے موقف سے مکمل اتفاق کیا تھا اور اسے اصولی موقف قرار دیا تھا۔ خط اتنی محبت سے لکھا گیا تھا کہ میں حیران رہ گیا۔ جہاں ایک طرف مجھ جیسے گناہگار پر مخالفوں، حاسدوں اور بدخواہوں کی یلغار ہے وہاں صرف چند دوستوں کا پیار ہے جو مجھے حوصلہ دیئے رکھتا ہے۔ لیکن کلیم شہزاد سے نہ تو میرا پہلے سے کوئی رابطہ تھا نہ تعلق۔ پھر میں نہ کسی ادبی ادارے کا سربراہ نہ کسی ادبی رسالے کا ایڈیٹر۔۔۔۔ سو بورے والا کے رہنے والے کلیم شہزاد اگر ماہیے کے مسئلے پر غیر جانب داری سے غور کرتے ہیں اور پھر اس تخلیقی حوالے سے ہمارا محبت کا تعلق قائم ہوتا ہے تو یہ خدا کا فضل و کرم بھی ہے اور ماہیے کے مسئلے پر ہمارے مضبوط اور درست موقف کی سچائی بھی ہے۔ کلیم شہزاد سے خط و کتابت ہوئی تو پتہ چلا کہ ''بھنگڑا'' کے ماہیا نمبر کے بعد سے اب تک وہ ۵۰۰ کے لگ بھگ اردو ماہیے کہہ چکے ہیں۔ گویا ابھی تک اردو ماہیے کے جتنے مجموعے چھپے ہیں تعداد کے لحاظ سے ان میں سے کسی بھی مجموعے سے ان کے ماہیے کہیں زیادہ ہیں اور اب انہوں نے اپنے ماہیوں کے مجموعہ ''وہ چاند گواہ میرا'' کا مسودہ مجھے بھیجا ہے تو ان کے ماہیوں کے کئی اور منفرد اوصاف بھی سامنے آئے ہیں۔

کلیم شہزاد نے ماہیے کے بنیادی وزن کو پوری طرح قائم رکھتے ہوئے اس کی ظاہری ہیئت میں دو طرح کے دلچسپ تجربے کئے ہیں۔ ماہیا گائیکی میں دہرایا بھی جاتا ہے۔ ابھی تک کے پنجابی اور اردو ماہیوں کی مثالوں سے دہرانے کی جو روایت ملتی ہے اس کے مطابق پہلے مصرعے کو

شروع میں دوبارہ گایا جاتا ہے اوراس کے بعد دوسرے اور تیسرے مصرعوں کوایک ساتھ دہرا کر گایا جاتا ہے۔دہرانے کی مثال ان دو ماہیوں کے مصرعوں کے نقشہ سے سمجھی جا سکتی ہے۔

پنجابی ماہیا	اردو ماہیا
چٹا ککڑ بنیرے تے	تم روٹھ کے مت جانا
چٹا ککڑ بنیرے تے	تم روٹھ کے مت جانا
کاسنی دپٹے والیے	مجھ سے کیا شکوہ
منڈا صدقے تیرے تے	دیوانہ ہے دیوانہ
کاسنی دپٹے والیے	مجھ سے کیا شکوہ
منڈا صدقے تیرے تے	دیوانہ ہے دیوانہ

یوں تین مصرعوں کا ماہیا گائیکی کے حساب سے دہراتے ہوئے چھ مصرعوں میں لکھا جا سکتا ہے مگر ظاہر ہے گائے جانے کی بات اور ہے، لکھے جانے میں ماہیا تین مصرعوں میں ہی مناسب لگتا ہے۔اب کلیم شہزاد نے ماہیے کی ظاہری ہیئت میں یہ انوکھا تجربہ کیا ہے کہ پہلے مصرعہ کو تیسرے مصرعے کے بعد پھر دہرا دیا ہے۔بات صرف مصرعے کو دہرانے کی حد تک ہوتی تو اسے کلیم شہزاد کی منفرد دِکھنے کی کاوش سمجھا جا سکتا تھا لیکن معاملہ صرف اتنا نہیں ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کلیم شہزاد کے اس پہلے مصرعہ کا چوتھی لائن میں دہرایا جانا معنوی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے کسی داخلی حوالے تک بھی لے جاتا ہے۔ان کے یہ ماہیے دیکھیں اوران کے مصرعوں کے ربط باہم سے پیدا ہونے والے معنوی تسلسل پر غور کریں۔

سب کچھ تھا اشاروں پر	پانی تو بھرنا ہے
جیون پیاسا تھا	میرا دلبر تو
دریا کے کناروں پر	اک پیار کا جھرنا ہے
سب کچھ تھا اشاروں پر	پانی تو بھرنا ہے

جیون یہ بنا روگی	تتلی پر پہرے تھے
دکھ زنجیریں ہیں	زنگ آلود ہوئے
خوشیوں نے سزا بھوگی	جو رنگ سنہرے تھے
جیون یہ بنا روگی	تتلی پر پہرے تھے
☆	☆

ان ماہیوں میں پہلا مصرعہ چوتھی لائن میں آ کر پورے ماہیے کے معنوی ربط میں ایک نئے بُعد کا اضافہ کر رہا ہے پھر تیسرے اور چوتھے مصرعوں کے معانی کی الگ سے کونپل پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔تاہم اس تجربے میں تین مصرعوں کے ماہیے کا اصل اور بنیادی وزن برقرار رہتا ہے۔ماہیے کی ظاہری ہیئت میں دوسرا تجربہ کلیم شہزاد نے شروع میں ''میرے اے ماہی!'' کے الفاظ کی اضافی سطر کا کیا ہے۔اس خطابیہ سطر میں دراصل پنجابی کے لوک گیتوں کے ایک خطابیہ ''میریا وے ماہیا'' کا سیدھا سادھا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔اس تجربے کے ماہیے بہت کم ہیں۔تاہم ان سے کلیم شہزاد کی ذہنی اپج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

میرے اے ماہی !	میرے اے ماہی!
فصلیں پک گئی ہیں	اک جنگل بیلہ ہے
کب تُو آئے گا	گھر کو واپس آ
اب آنکھیں تھک گئی ہیں	اب شام کا ویلا ہے

ان دو تجربوں کے علاوہ کلیم شہزاد نے اپنے پرانے پنجابی ماہیوں کو اردو روپ دیا ہے اور ایسے ماہیوں کو ڈیڑھ مصرعی صورت میں پیش کیا ہے۔

کوئی چاند کے ٹوٹے تھے	اک ریل کی سیٹی ہے
پارس کر چھوڑے، دمڑی سے کھوٹے تھے	میری جانب سے، اکھ جان کے میٹی ہے

☆

اک جیکٹ کالی ہے

اس کو دو تاریں، جاں جانے والی ہے

☆

خوشیاں سی چھا گئی ہیں

کل وہ آئے گا، اب خبریں آ گئی ہیں

کلیم شہزاد کے ڈیڑھ مصرعی ہیئت کے ماہیے ان ''کرم فرماؤں'' کو ماہیے کے وزن کے سلسلے میں تخلیقی رنگ میں عمدہ جواب ہیں جو ڈیڑھ مصرعی ہیئت کی آڑ لے کر تین مساوی الوزن مصرعوں کے ثلاثی نگاروں کو ''ماہیا نگار'' منوانے کی کوشش ناکام میں لگے ہوئے ہیں۔کلیم شہزاد نے اپنے ڈیڑھ مصرعی ماہیوں میں ماہیے کے وزن کو پوری طرح اجاگر کر کے کج بحثی کرنے والوں کے لئے جائے فرار بھی نہیں رہنے دی۔

''وہ چاند گواہ میرا'' کے ماہیوں کے یہ تجرباتی ماہیے اور ڈیڑھ مصرعی ماہیے پڑھتے وقت مجھے ذاتی طور پر ایک انوکھا سا احساس ہوا۔ مجھے ایسا لگا جیسے پنجاب کی جٹی لڑکپن سے جوانی میں داخل ہو رہی ہے۔اسے اپنے جسم سے روح تک انوکھی تبدیلیاں محسوس ہو رہی ہیں۔لڑکپن کا بالا پن جیسے ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں ظاہر ہوتا ہے۔تبدیلیوں کا احساس، کچھ سمجھ میں آنا، کچھ سمجھ میں نہ آنا۔نئی جوانی کا خمار، الہڑ پن اور سادگی۔۔۔۔اس سادگی اور معصومیت میں وہ جٹی کبھی آئینے کے روبرو ہو کر سرخی پاؤڈر لگاتی ہے۔آنکھوں میں کاجل کے لمبے ڈورے کھینچتی ہے ''میرے اے ماہی'' کا ٹیکا اپنے ماتھے پر سجاتی ہے اور پھر کبھی گوٹہ کناری والی قمیص کے ساتھ پہنی ہوئی سلوار کے اوپر ہی بڑا سا چولستانی گھاگھرا پہن لیتی ہے۔۔۔آنکھ سے باہر تک نکلی ہوئی کاجل کی لکیر، بے جوڑ سرخی اور تھوپے ہوئے پاؤڈر پر کسی کو ہنسی بھی آ سکتی ہے اور سلوار کے اوپر گھاگھرا پہننے کا مذاق بھی اڑایا جا سکتا ہے۔لیکن اس سارے عمل کے دوران اس الہڑ مٹیار کے جذبوں میں جو حلاوت ہے اور اس کی تبدیل ہوتی ہوئی شخصیت میں جو سادگی اور معصومیت ہے، ان سب کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔کلیم شہزاد کے ماہیے ایسے ہی جذبوں کی حلاوت اور شخصیت کی سادگی سے عبارت ہیں۔

جب دودھ بلوتی ہوں

یاد تری آوے

چھپ چھپ کے روتی ہوں

جب دودھ بلوتی ہوں

مت دینا کبھی جھڑکی

چاند کو تکتی ہوں

میں کھول کے دل کھڑکی

مت دینا کبھی جھڑکی

☆

میرے اے ماہی!

جاں سولی پہ تل جاوے

تجھ کو جب سوچوں

ایک مینڈھی کھُل جاوے

☆

گڑیا کو لگا گوٹے

جان نمانی کو، کر چھوڑا ہے کیوں ٹوٹے

پنجابی ماہیوں کی طرح کلیم شہزاد کے ماہیوں میں کہیں عورت بولتی سنائی دیتی ہے تو کہیں مرد کی آواز میں بات کی گئی ہے۔چونکہ یہ دونوں روایتیں پنجابی ماہیے میں موجود ہیں اس لئے اردو میں ان دونوں کے برتاؤ میں کوئی حرج نہیں۔اردو ماہیے میں پنجابی روایت کے زیر اثر ماہیا اور ڈھولا کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔کلیم شہزاد کے ہاں ''میرے اے ماہی'' والی اضافی سطر کے ماہیوں کے علاوہ اکا دکا مثالوں میں یہ الفاظ ملیں گے۔انہوں نے محبوب کے لئے ان تمام مروج الفاظ کی جگہ سانول اور ساجن کے الفاظ کو زیادہ استعمال کیا ہے۔اس سے یہ تاثر لیا جا سکتا ہے کہ کلیم شہزاد نے شاید شعوری طور پر پنجابی روایت سے انحراف کیا ہے لیکن یہ تاثر اس لئے درست نہیں کہ ان کے ماہیے تو پنجابی ماہیے کے لوک رس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں سانول یار کا حوالہ سرائیکی روایت سے آیا ہے۔حضرت خواجہ غلام فریدؒ چاچڑاں شریف والوں کی کافیوں میں سانول یار کا خوبصورت انداز میں ذکر ہوا ہے۔ مجھے کلیم شہزاد کے ہاں اسی کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ایسا ہے تو تب بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ماہیے لوک رس کے مختلف ذائقوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

''وہ چاند گواہ میرا'' میں موضوعات کے تحت ماہیے کہنے کی روایت تھوڑی سی مزید مستحکم ہوئی

ہے۔سب سے پہلے ’’محبت کے پھول‘‘میں ایسے ماہیے سامنے آئے تھے۔اب کلیم شہزاد نے حمد، نعت، کربلا، وطن سے محبت اور کشمیر کے موضوعات پر متعدد ماہیے کہہ کر اس میدان میں پیش قدمی کی ہے۔اس مجموعہ کے ماہیوں میں پنجابی الفاظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔کلیم شہزاد نے اپنے پنجابی ماہیوں کا جو اردو ترجمہ کیا ہے اگر اس میں سے بعض کو اردو ماہیوں کا پنجابی ترجمہ کہہ دیا جائے تو یہ بات بھی مانی جا سکتی ہے مثلاً

کوئی چلتی گاڑی ہے
ہجر و چھوڑے نے، رَت جسم کی ساڑی ہے

رُوڑی پر کچرا تھا
میں انھول بڑی، وہ دل کا کھچر اتھا

☆ ☆

چرخے کی لٹھ ہووے
ہولے چل ماہی، مجھ سے نہ نٹھ ہووے

سنیارے ’’ہس‘‘ گھڑیا
جانے کیا غلطی، وہ پھرتا ہے کیوں لڑیا

پاکستان اور ہندوستانی پنجاب میں تو ایسے اردو ماہیے بخوبی سمجھے جاتے ہیں لیکن اردو دنیا کی ایک بڑی آبادی کے لئے ان کی تفہیم میں دقت ضرور پیش آئے گی۔ان ترجمہ کردہ ماہیوں کے علاوہ کلیم شہزاد کے باقی ماہیوں میں بھی پنجابی الفاظ بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔مثال کے طور پر۔

ہجراں کا روگی ہے
خیر زیارت کی
در آیا جوگی ہے

پیغام گھلا دینا
بازی میں ہاری
تم سکھیو بتا دینا

☆ ☆

گاڑی کی سیٹی ہے
ڈھونڈوں ساجن کو
سر پیار کی ’’میٹی‘‘، ہے

کانٹا سا کھُب جاوے
درد کی لہر اٹھے
دل غم میں ڈُب جاوے

ان ماہیوں میں پہلے ماہیے میں خیر کا لفظ خیرات مانگنے کے معنی میں آیا ہے۔دوسرے

ماہیے میں گھلا دینا کا مطلب ہے بھجوا دینا، تیسرے ماہیے میں آنکھ مچولی کا کھیل، پنجابی متبادل لُکن میٹی مذکور ہے۔جب ایک ڈھونڈنے والا دوسرے کو ڈھونڈنے لگتا ہے تو پھر پہلا چھُپتا ہے اور دوسرا اسے ڈھونڈتا ہے، یوں باری (میٹی) بدلتی رہتی ہے۔چوتھے ماہیے میں کھُب کا لفظ چبھنے کے معنی ہیں اردو میں بھی مستعمل ہے، البتہ ڈُب بمعنی ڈوب آیا ہے۔ان وضاحتوں کے باوجود پنجابی سے بالکل ناواقف احباب کے لئے شاید ان ماہیوں سے صحیح طور پر لطف اندوز ہونا مشکل ہے لیکن پنجابی زبان سے آشنا قارئین کو ان ماہیوں سے اور ایسے ہی دیگر ماہیوں سے جو سرور حاصل ہوگا اسے وہی بخوبی جان سکتے ہیں۔لیکن ایسے ماہیوں میں پنجابی الفاظ کے بکثرت استعمال اور ان کے تئیں اجنبیت کے احساس کی شکایت کسی نہ کسی کونے سے آ تو سکتی ہے۔میرا خیال ہے اردو زبان کا وہ سرمایہ جو بہت زیادہ فارسی آمیز ہے اور وہ سرمایہ جو ہندی آمیز ہے اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ماہیے کے ذریعے اگر پنجابی الفاظ اردو زبان کا حصہ بنتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ جو پنجابی الفاظ اردو زبان کو راس نہیں آئیں گے وہ رائج نہیں ہو پائیں گے لیکن جو الفاظ اردو زبان میں رائج ہوں گے وہ یقیناً اس میں اضافہ کا موجب بنیں گے۔سو کلیم شہزاد کے اس تجربے کی میں تائید کرتا ہوں۔۔۔ہاں ایک الجھن ہے جو بعض ایسے الفاظ کے تلفظ کے بارے میں ہے جو اردو پنجابی کے مشترکہ الفاظ ہیں مثلاً ’’معاف‘‘ کو پنجابی میں لکھا تو معاف ہی جاتا ہے لیکن بولا ’’ماف‘‘ جاتا ہے۔ایسے ہی تسبیح، روح اور نہ کو لکھا تو ایسے جاتا ہے لیکن پڑھنے میں تسبی، رُو اور ناں پڑھتے ہیں۔کلیم شہزاد نے بعض جگہ اس قسم کے الفاظ کو پنجابی تلفظ کے مطابق برتا ہے جبکہ اردو میں انہیں عیب سمجھا جاتا ہے۔اس الجھن کا فیصلہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ ہوتا جائے گا یا تو اردو زبان مشترکہ الفاظ کے پنجابی لہجے کو قبول کر لے گی، یا ہمارے ماہیا نگار خود ہی احتیاط کرنے لگیں گے۔فی الوقت کلیم شہزاد اور ایسے ہی دیگر ماہیا نگاروں کی یہی بڑی خوبی ہے کہ تخلیقی سطح پر الفاظ کے برتاؤ کے نئے تجربے کر رہے ہیں۔

یوں تو کلیم شہزاد کے ماہیوں میں حمدیہ، نعتیہ اور کربلائی رنگ کی اپنی ایک شان ہے۔ سلگتے ہوئے سیاسی و سماجی مسائل پر ان کے افکار انہیں ایک محبِ وطن اور دردمند انسان ثابت

کرتے ہیں۔عشق سے جڑے ہوئے مختلف مضامین کا اپنا رنگ ڈھنگ ہے۔تاہم ان کے اُن ماہیوں میں ایک انوکھی لذت پیدا ہوگئی ہے جولوک رَس اور نئے طرزِ احساس سے مل کر تخلیق ہوئے ہیں۔ایسے چند ماہیے دیکھیں۔میں نے اپنے طور پر ان ماہیوں کا سرخی، پوڈر، کاجل اور اضافی گھاگھرا وغیرہ خود ہی ہٹا دیئے ہیں تا کہ یہ ماہیے اپنے اوریجنل روپ میں زیادہ واضح ہو کر محسوس ہوں۔

بس اللہ والی ہے
جیون گاڑی تو
اب چلنے والی ہے

☆

یہ ناانصافی ہے
بھوک ہے برسوں کی
روٹی نا کافی ہے

☆

آبادر ہیں ڈیرے
کاسے نینوں کے
کیوں خالی رہیں میرے

☆

نیندوں کو سجا جانا
نین ادا سے ہیں
سپنوں میں چلے آنا

☆

مت چھیڑ فقیروں کو
جان سے پیاری ہے
یہ قید اسیروں کو

☆

دھارے سے بہتے ہیں
نیند بھلا کیسی
دُکھ جاگتے رہتے ہیں

☆

کھلتے ہیں خوابوں میں
پھول ہیں یادوں کے
ان سانس کتابوں میں

☆

پانی وہ چلی بھرنے
دید پیاسی تھی
آنکھوں سے بہے جھرنے

☆

اظہار پہ سختی ہے
دل دروازے پر
اک نام کی تختی ہے

☆

روحیں کیوں روتی ہیں
پلکوں کے آنچل
اشکوں سے بھگوتی ہیں

☆

کیوں ہاتھ ترا چھوٹا
نیند نہیں آئی
بے چین بدن ٹُوٹا

☆

آنسو کب ٹانکے تھے
رات نے پلکوں سے
کچھ موتی مانگے تھے

☆

اتنی مثالوں پر ہی بس کرتا ہوں کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ میں ساری مثالیں پیش کرنے بیٹھا تو آدھے سے زیادہ مجموعے کے ماہیے درج کرنے پڑ جائیں گے۔اردو ماہیے کے اس ابتدائی دور میں ماہیا نگاروں کی جو دوسری بڑی کھیپ سامنے آئی ہے کلیم شہزاد اس میں اپنی ذہن اپج اور تخلیقی فعالیت کے باعث ابھی سے الگ سے پہچانے جانے لگے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اردو ماہیے کی تحریک میں ان کی بے لوث تخلیقی شرکت ان کے لئے بھی اور اردو ماہیے کے لئے بھی بابرکت ثابت ہو!

(کلیم شہزاد کے ماہیوں کے مجموعہ ''وہ چاند گواہ میرا'' میں شامل)

افضل چوہان کی ماہیا نگاری

مظفر گڑھ کے باسی افضل چوہان سے حال ہی میں رابطہ ہوا اور ان کے ماہیے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ان کے کے ماہیے پڑھتے ہوئے مجھے سب سے پہلے اس بات نے چونکایا کہ ان میں مندر کے حوالے سے اور ہندوستانی فضا کے حوالے سے بہت سی باتیں کی گئی تھیں ۔مسجد اور مندر کے تعلق سے ہماری فارسی ،اردو اور پنجابی کی شعری روایات میں پہلے سے بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔تاہم اردو ماہیا میں مندر کی فضا بہت کم آئی ہے۔ پروین کمار اشک، کرشن کمار طور اور سنجئے گوڑ بولے کے ماہیوں میں ایسا تھوڑا بہت ذکر ملتا ہے،لیکن یہ بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مذکورہ بالا ماہیا نگاروں کے ہاں اگر ایسا ذکر کثرت سے بھی ملتا تو قابلِ فہم ہوتا۔افضل چوہان کے ہاں ایسا ذکر جاننے کے لیے پہلے چند ماہیے دیکھئے:

نہروں میں نہاتے تھے
پاس کے مندر سے
پرشاد چراتے تھے

بہتی ہوئی نیّا ہے
ڈانگ سے مت مارو
پنڈت کی گیّا ہے

بستی کے دامن میں
بچپن گزرا ہے
مندر کے آنگن میں

مندر کے دیپ جلے
سورج ڈھلتے ہم
تری بستی چھوڑ چلے

بھگوان اکتارے میں
ساز سا بجتا ہے
جمنا کے دھارے میں

مندر میں ہیں تالے
کرنی بھگتوں کی
بھگوان ہی اب ٹالے

ان ماہیوں میں براہِ راست مندر اور اس کے دھارمک حوالہ جات ملتے ہیں،جبکہ کئی ماہیوں میں براہِ راست حوالہ نہ ہونے کے باوجود اُس ماحول کے ثقافتی اثرات کی خوشبو نمایاں ہے۔

خوشبو لی مٹّی سے
جھونگا لیتے تھے
آنند کی ہٹّی سے

ترے ہاتھ میں چھتری ہے
گھورتا رہتا ہے
گاؤں کا جو کھتری ہے

پنڈت کا چھورا ہے
نین شرابی ہیں
ظالم بڑا گورا ہے

جے پور مجھے جانا ہے
دیکھنا ہے تجھ کو
اسکول بہانہ ہے

جمنا کا کنارا ہے
لوگ بھی پیارے ہیں
اور گاؤں بھی پیارا ہے

ہم لوگ بریلی میں
چھوڑ آئے سب کچھ
دادا کی حویلی میں

افضل چوہان کے ماہیوں میں یہ ہندوستانی حوالے جیسے ایک طرف قدیم ہندوستانی کلچر سے ان کی وابستگی کا مظہر ہیں تو دوسری طرف خود ان کے اندر ان کے آبا ؤ اجداد کے ننھیالی اور ددھیالی عادات و اعمال کی جھلک کا احساس دلاتے ہیں۔یوں افضل چوہان نے ایک جنم میں جیسے کئی جنم جی لیے ہیں۔جس طرح جدید نظم میں میرا جی کے ہاں قدیم ہندوستان کی روح ملتی ہے، اس سطح پر تو نہیں لیکن اسی انداز میں افضل چوہان کے ایسے ماہیوں میں بھی قدیم ہندوستان کی روح کا احساس ہوتا ہے۔یوں اردو ماہیے میں یہ اپنی نوعیت کا انوکھا تجربہ ہے۔

ماضی کی کسی گونج سے قطع نظر پاکستان کے مقامی رنگ اور لہجے کو بھی افضل چوہان کے ہاں اتنی ہی وابستگی کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ان کے ماہیوں میں نہ صرف اپنے شہروں کا ذکر ملتا ہے بلکہ پنجابی زبان کے الفاظ بھی اردو میں بے ساختگی کے ساتھ استعمال کرنے کا رویہ ملتا ہے۔ذیل کے ماہیوں میں سے پہلے ماہیے میں اپنے شہر مظفر گڑھ کے ساتھ جھنگ شہر کا ذکر کر کے ایک نئے قصہ ہیر رانجھا کا اشارا دیا گیا ہے،جبکہ دوسرے ماہیے میں ضرورت کے لیے''لوڑ''اور بات چیت کے لیے''گل'' کے پنجابی الفاظ کا استعمال بے ساختہ طور پر ہوا ہے۔

تتلی کے ہیں رنگ ماہیا
ہم ہیں مظفر گڑھ
تو رہتا ہے جھنگ ماہیا

ساڑھی ہے بنارس کی
ہمت تو ہے بہت
بس لوڑ ہے ڈھارس کی

تجھ سے کوئی گل ہووے
اپنے جیون میں
ایسا بھی پل ہووے

افضل چوہان کے ماہیوں کا عمومی رنگ پنجابی روایت سے منسلک رہتے ہوئے ان کی مختلف النوع سماجی واردات اور قلبی کیفیات کو اجاگر کرتا ہے۔

موروں کے پر ماہیا
پیار کی دنیا ہے
دُنیا سے نہ ڈر ماہیا

بہتا ہے تو بہنے دے
رنج کے دریا کو
مت آنکھ میں رہنے دے

کچھ کر کے دکھا ماہیا
گم ہے جو مدت سے
جا ڈھونڈ کے لا ماہیا

قسمت بھی عجب پھوٹی
ٹوٹ گیا خود تو
پر آس نہیں ٹوٹی

میٹھے نہیں پھل سارے
ہوتے نہیں جاناں
اک جیسے تھل سارے

بارش جب ہوتی ہے
لگتا ایسے ہے
برہن کوئی روتی ہے

مایوس نہ ہو ماہیا
آنکھیں نعمت ہیں
اتنا بھی نہ رو ماہیا

پتھر کو لگی جونکیں
توڑتی رہتی ہیں
غیروں کی ہمیں ٹوکیں

دکھ ہے ترے جانے کا
کوئی بہانہ ہو
آنسو کے بہانے کا

بیلوں کی نئی جوڑی
ڈور تعلق کی
ہم نے تو نہیں توڑی

تتلی کو پکڑ لینا
خواب میں آئے تو
بانہوں میں جکڑ لینا

راوی کا ہے پُل ماہیا
لوگ لگاتے ہیں
مٹی کا بھی مُل ماہیا

مجھے امید ہے کہ افضل چوہان کی ماہیا نگاری اپنے سارے منفرد اور عمومی رنگوں کے ساتھ اردو ماہیے میں خوبصورت اضافہ کرے گی۔ان کی ماہیے میں دلچسپی اردو ماہیے کے لیے نیک فال ثابت ہوگی۔میں ان کے ماہیوں کے مجموعہ ''خاموش نہ ہو ماہیا'' کی اشاعت پر انہیں مبارک باد پیش کرتا ہوا اور اس مجموعے کا دلی مسرت کے ساتھ استقبال کرتا ہوں!

(افضل چوہان کے ماہیوں کے مجموعہ ''خاموش نہ ہو ماہیا'' کے لیے لکھا گیا)

''سوچ سمندر'' کے ماہیے

بخش لائل پوری ،لندن کے ممتاز ترقی پسند شاعر ہیں۔اب تک ان کے پانچ شعری مجموعے''لہو کا خراج''،''زندانِ شہر''،''بادِ شمال''،''ابھی موسم نہیں بدلا''۔۔۔شائع ہو چکے ہیں۔ان کی شاعری اور ان کے ترقی پسند جذبات واحساسات کو ادبی دنیا میں بڑے بڑے ادیبوں نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ان کی شاعری کو قبولیت کی سند دینے والے ادیبوں اور دانشوروں میں فیض احمد فیض، ڈاکٹر محمد حسن، جمیل ملک، منیر نیازی، رئیس امروہوی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر انور سدید، فارغ بخاری، محمود ہاشمی، ساقی فاروقی اور ایسے ہی متعدد دوسرے لوگ شامل ہیں۔ان چند ناموں سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بخش لائل پوری کی عوامی شاعری کو عوام کے ساتھ اعلیٰ ادب پسند کرنے والے ادیبوں نے بھی پسند کیا ہے۔

انگلینڈ میں آنے والے اور یہیں آباد ہو جانے کے باوجود بخش لائل پوری اپنی ثقافتی جڑوں سے پوری طرح جڑے رہے ہیں۔پنجاب کے مانچسٹر لائل پور شہر کو کبھی کا فیصل آباد کا نام مل چکا ہے لیکن بخش لائل پوری نے اپنے نام کا وہی حوالہ قائم رکھا ہے جو دراصل ان کی ثقافتی پہچان کا حوالہ ہے۔پنجابی شاعری اور گیتوں نے انہیں بچپن ہی سے اپنے سحر میں لے لیا تھا۔پنجاب کے دیہاتوں اور شہروں میں یکساں مقبول منظوم قصے کہانیوں نے ان کے اندر کے شاعر کی تربیت کی اور رفتہ رفتہ انہیں شعر گوئی کا شعور عطا کیا۔شعر گوئی کے شعور اور ترقی پسند شعور نے مل کر ان کی شاعری کو دو آتشہ کر دیا۔اپنے ارد گرد کے ماحول سے لے کر بین الاقوامی صورت حال تک بخش لائل پوری کی بصیرت اور بصارت نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اس کا برملا اظہار کر دیا۔وہ مظلوم

طبقوں کے لئے دردمند دل رکھنے کے ساتھ استحصالی قوتوں کے کڑے نقاد بھی ہیں۔ترقی پسند تحریک کے سارے اثرات ان کی شاعری میں فنکارانہ طور پر آئے ہیں۔فیض احمد فیض کی اس رائے میں بخش لائل پوری کی شاعری کے پس منظر اور پیش منظر کو بڑی ہی جامعیت کے ساتھ نشان زد کیا گیا ہے کہ

''یہ ایک حساس دل کی سچی آواز ہے جس کا نواسنج نہ صرف عصری تقاضوں سے بہرہ ور ہے بلکہ اپنی پرخلوص فکر اور جذبہ کے اظہار کو بھی مقدم سمجھتا ہے۔بخش نے اردو شاعری کی مروجہ ادبی زبان استعمال کی ہے اور ان کے کلام کا مزاج عوامی شاعری کا ہے۔سادگی، بے باکی، صداقت اور بے ساختگی جو اس نوع کی شاعری کا خاصہ ہے بخش کے کلام میں آپ کو ملے گی اور لطف دے گی''۔

فیض کی بیان کردہ خوبیوں نے بخش لائل پوری کو موجودہ ترقی پسند شاعروں میں صف اول کا شاعر بنادیا ہے۔

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھنے والوں نے اپنی تحریروں میں مصنوعی بین الاقوامیت پیدا کرنے کی بجائے ہمیشہ اپنے اردگرد کے ماحول کو اولین اہمیت دی ہے۔عوام کے مزاج، جذبات و احساسات کو عوام ہی کی زبان میں لیکن ادبی سلیقے سے بیان کیا ہے۔یوں ترقی پسند تحریک کے کامیاب تخلیق کاروں نے اپنی مقامیت سے ہی اپنے فن پاروں کو بین الاقوامیت عطا کی ہے۔ بخش لائل پوری نے بھی اپنی اوریجنلٹی کو قائم رکھتے ہوئے اپنی مقامیت سے ہی اپنی شاعری کی بنیاد اٹھائی ہے۔ماہیے سے ان کی دلچسپی اور وابستگی ان کے اسی رویے کی وجہ سے ہے۔پنجابی شاعری اور لوک گیت بچپن سے ان کے اندر رچے ہوئے ہیں۔اب پنجابی ماہیے نے اردو میں آکر ایک ادبی صنف کے طور پر خود کو نمایاں کیا ہے تو بخش لائل پوری نے اس نوخیز صنف میں اپنا ثقافتی حوالہ محسوس کیا ہے۔اس ثقافتی حوالے سے اپنی ترقی پسند آن بان کے ساتھ انہوں نے ماہیا نگاری بھی کی ہے اور اردو ماہیے کو ترقی پسند افکار سے بھر دیا ہے۔

یوں تو امین خیال، مناظر عاشق ہرگانوی، نذیر فتح پوری، انور مینائی اور متعدد دوسرے

ماہیا نگاروں کے ہاں عصری مسائل پر کھل کر جذبات کا اظہار کیا گیا ہے۔لیکن ان سب کے ہاں یہ انداز جزوی طور پر آیا ہے جبکہ بخش لائل پوری کے ہاں یہ رویہ اتنا مضبوط، توانا اور عمومی تاثر کا حامل ہے کہ یہی ان کی ماہیا نگاری کی اصل پہچان بن گیا ہے۔پہلے سے جزوی طور پر اس انداز کے ماہیے موجود ہونے کے باوجود بخش لائل پوری کے ماہیوں کا یہ مجموعہ اس لحاظ سے ترقی پسند رویے کا پہلا مجموعہ ہے جو ترقی پسند سوچ کے بیشتر پہلوؤں کی ترجمانی کرتا ہے۔ماہیے کی پنجابی روایت میں اپنی بات ہمیشہ ایسے سیدھے سادے انداز میں کہی جاتی ہے جو قابل فہم بھی ہو اور پُرتاثیر بھی۔ ترقی پسند شاعری میں بھی مجموعی طور پر یہی انداز مقبول رہا ہے سو بخش لائل پوری کی پنجابیت اور ترقی پسندی۔۔۔دونوں کو ماہیے کی فضا راس آئی اور ان کی پنجابیت اور ترقی پسندی نے مل کر اردو ماہیے کو اس انداز کے ماہیوں کا پہلا بھرپور مجموعہ عطا کر دیا ہے اور انہوں نے اردو غزل اور نظم کی طرح ماہیے میں بھی اپنی تازہ کاری کے جوہر دکھائے ہیں۔

اس مجموعے کا نام ''سوچ سمندر'' ہے۔اس نام سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بخش لائل پوری کی شاعری میں سوچ کا غلبہ ہے۔ان کی سوچ، ان کی فکر نے ترقی پسندی کے جذبات کے ساتھ گُندھ کر ان کی شاعری میں ظہور کیا ہے۔اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی فکر اور جذبہ دونوں میں گہری ہم آہنگی ہے۔

میں نے تھوڑا پہلے اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ بخش لائل پوری کے ماہیے ترقی پسند سوچ کے بیشتر پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔اس حوالے سے بخش لائل پوری کے ماہیوں کے مختلف موضوعاتی رنگ ایک نظر دیکھ لئے جائیں تو مناسب ہوگا۔اہل سیاست جو درحقیقت اقتدار کی میوزیکل چیئر گیم کھیلتے رہتے ہیں۔بخش لائل پوری ان اہل سیاست کے بارے میں کہتے ہیں:

گمراہ قیادت کی	افتاد نے گھیرا ہے
نور پرستوں سے	اہلِ گلستاں کو
کر بات نہ ظلمت کی	صیّاد نے گھیرا ہے

☆ ☆

اس قوم پہ لعنت ہے
اپنی سیاست میں
چوری ہے خیانت ہے

حاصل ہے کہانی کا
داغ نہیں جاتا
صدیوں کی غلامی کا

☆

بے سمت غبارا ہے
نوک پہ جوتے کی
آئین کو مارا ہے

بندوق ہے شانوں پر
حکم اڑانوں کا
اور تیر کمانوں پر

ان چند ماہیوں سے ارض وطن کی گزشتہ نصف صدی کی تصویر کا ایک واضح خاکہ ابھر آتا ہے۔ آئین کو جوتے کی نوک پر مارنے کی بات کرنے والے اور بندوق کے زور پر حکومت کرنے والے عہد کا ذکر آئے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مذہب کی آڑ لے کر ظلم و تشدد کرنے والوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ بخش لائل پوری ایسے مذہبی لیڈروں اور ان کی حقیقت کو یوں ظاہر کرتے ہیں:

ہے ان کی حقیقت کیا؟
شہر کا ملّا کیا؟
یہ پیرِ طریقت کیا؟

اوہام کے غاروں میں
بند ہیں مولانا
ماضی کے مزاروں میں

لیکن اہل مذہب اور مذہبی قیادتوں کے منفی کردار کے باعث بخش لائل پوری جیسے مذہب ہی سے بیزار ہونے لگتے ہیں۔ یہ مذہبی بیزاری ترقی پسند تحریک کے زیر اثر بھی ہو سکتی ہے ۔تاہم اس رویے کے پنپنے میں بہر حال اہلِ مذہب کا عموماً اور مذہبی قیادتوں کا خصوصاً اہم کردار رہا ہے۔ یہ سب اپنے قول و فعل میں تضاد کے باعث منافقت کو فروغ دے رہے ہیں۔ محبت کے بلند بانگ دعوے کرنے اور عملاً نفرت کے بیج بونے، ظاہری طور پر آزادی اور رواداری کی باتیں کرنی اور حقیقتاً جبر و تشدد اور بلیک میلنگ کو فروغ دینا، عوام کو قناعت کا درس دینا اور خود جاگیریں، جائیدادیں اور کمپنیوں میں حصے بناتے چلے جانا۔۔۔ ایسے ہی بے شمار منافقانہ رویوں کے باعث بخش لائل پوری مذہب ہی سے متنفر ہونے لگتے ہیں اور اس تنفر میں طنزیہ انداز ابھر آتا ہے۔

معبد ہیں، کلیسے ہیں
کہنہ عقائد ہیں
صدیوں کے کلیشے ہیں

مذہب وہ کانٹا ہے
جس نے فرقوں میں
انسان کو بانٹا ہے

☆

مذہب کی پناہوں سے
مجھ کو ثواب الٹا
ملتا ہے گناہوں سے

رہتے ہیں سرابوں میں
حال مقدر کا
پڑھتے ہیں کتابوں میں

مذہب کے نام پر جبر و تشدد کرنے والوں کے برعکس بخش لائل پوری اس کے صوفیانہ رواداری والے عمل پر یقین رکھتے ہیں اور ان کے نزدیک عملی رواداری اور انسانیت کو اس وقت تک فروغ نہیں ملے گا جب تک دل کو صاف نہیں کیا جائے گا۔ اسی لئے وہ مذہب کی ظاہری صورت کو رد کرنے کے باوجود قلبی طہارت پر زور دیتے ہیں اور نفرت سے زخمی ہونے والوں کے داغ اپنے سینے پر سجاتے ہیں۔

کاشی ہو مدینہ ہو
سجدے لاحاصل
جب پاک نہ سینہ ہو

اخلاص کی مورت کو
صاف کرو پیارے
اب دل سے کدورت کو

☆

یہ بخش قلندر ہے
دل میں مسجد ہے
آنکھوں میں مندر ہے

آنکھوں کے ستارے ہیں
زخمی چہروں کے
سب داغ ہمارے ہیں

دنیا میں جو سماجی اور اقتصادی اونچ نیچ اور ناانصافی رائج ہے بخش لائل پوری اس سے بے حد دکھی ہیں۔ غریب عوام، محنت کش مزدور اور کسان ان سب سے ان کی محبت اور وابستگی مذکورہ ناانصافیوں کے باعث مزید گہری ہوتی ہے۔

جینے کے قرینے سے
سانس معطر ہیں
محنت کے پسینے سے

جتنے بھی وڈیرے ہیں
قوم کے ڈاکو ہیں
یا بینک لٹیرے ہیں

تقدیر کے بیٹے ہیں
جبر شکنجوں میں
دھرتی کے بیٹے ہیں

☆

محنت کی کمائی ہے
روزِ روشن میں
آجر نے اُڑائی ہے

☆

ظلم، جبر اور ناانصافیوں کے خلاف بخش لائل پوری کہیں امید کے دیئے جلاتے ہیں تو کہیں غریبوں کو عزم وعمل کے لئے آمادہ کرتے ہی، جدوجہد کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور کہیں جرات رندانہ دکھاتے ہی۔اس نوعیت کے چند ماہیے دیکھیں۔

قسمت کے سکندر ہیں
جیل کے باہر ہیں
یا جیل کے اندر ہیں

☆

لب اپنے کھول کبھی
توڑ یہ خاموشی
سناٹے میں بول کبھی

☆

بدلی ہے ہوا سائیں
ظالم کے آگے
مت سر کو جھکا سائیں

☆

پُر مغز مقالوں سے
وقت کو بدلیں گے
ہم تازہ خیالوں سے

☆

سُولی پہ اذاں دیں گے
اندھوں کو آنکھیں
گونگوں کو زباں دیں گے

گردن کو اُٹھا کے چل
ظلم کی بستی میں
مت سر کو جھکا کے چل

بخش لائل پوری کے اب تک کے ماہیوں سے جو مجموعی تاثر بنتا ہے وہی ان کی اصل پہچان ہے لیکن ان کے ہاں جمالیاتی ذوق کی تسکین کرنے والے ماہیے بھی ملتے ہیں اور محبت کے مضمون سے متعلق بعض دلچسپ کیفیتیں بھی ملتی ہیں۔

پہلے عہد پیری کے ہاتھوں ہونے والے محبت کے یہ ماہیے دیکھیں۔ ہر محبت کرنے والا آخر کار ایسی ہی کیفیتوں سے دوچار ہوتا ہے۔

دریا کی روانی کو
عمر کے گھوڑے نے
ٹپّا ہے جوانی کو

☆

ہے جوش سمندر میں
پتھر مت پھینکو
خاموش سمندر میں

☆

حالات بھی یخ بستہ
جسم بھی ٹھنڈے ہیں
جذبات بھی یخ بستہ

رنگین کہانی کا
بھول گیا مجھ کو
اب دور جوانی کا

اب بڑھاپے کے ستم سے ہٹ کر ایسے ماہیے دیکھیں جن میں جمالیاتی عنصر نمایاں ہے۔

آنکھوں کے نگینے سے
ایک اشارہ کر
لگ جائیں گے سینے سے

☆

آنکھوں نے اتاری ہے
دل کی چوکھٹ میں
تصویر تمہاری ہے

☆

ہونٹوں کی حلاوت سے
سانس پگھلتے ہیں
بوسوں کی حرارت سے

☆

کیا پھول ہیں سرسوں کے
ٹوٹ گئے پل میں
یارانے برسوں کے

☆

موجوں کی روانی کا
سیل نہیں تھمتا
منہ زور جوانی کا

شعروں میں سمایا ہے
درد پرائے کو
سینے سے لگایا ہے

☆

خوش رنگ نظاروں کا
رات کے چہرے پر
گونگھٹ ہے ستاروں کا

☆

یہ رات، یہ تنہائی
دل بہلانے کو
چپکے سے چلی آئی

☆

مجبور سے آئے ہیں
حسن کی بھکشا دو
ہم دور سے آئے ہیں

☆

تفسیر بتا کوئی
درد کے سپنوں کی
تعبیر بتا کوئی

☆

ہم دل بہلاتے ہیں
جھوٹے سپنوں کو
آنکھوں میں سجاتے ہیں

☆

سونے کا بدن تیرا
وسدا رہے ہر دم
یہ حسن چمن تیرا

ایسے ماہیوں سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بخش لائل پوری کو اس انداز کے ماہیے کہنے میں بھی قدرت حاصل ہے لیکن ایسے ماہیے غالباً انہوں نے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے کہہ دیئے ہیں۔ ان کی اصل وابستگی ترقی پسند خیالات اور جذبات سے ہے۔ انہوں نے اپنی انسان دوستی والی سوچ کا جو شہر بسایا ہے ''سوچ سمندر'' کے ماہیے ہمیں اسی شہر کی سیر کراتے ہیں۔ اس مجموعے میں گنتی کے چند ثلاثی اور قطعات بھی شامل ہیں تاہم بخش لائل پوری نے انہیں ماہیے سے واضح طور پر الگ کر دیا ہے۔ ''سوچ سمندر'' کے ماہیوں کی اہمیت کئی حوالوں سے بنتی ہے لیکن میرے لئے اس مجموعے

کے دو حوالے بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ ایک حوالہ یہ کہ بخش لائل پوری جیسے لندن کے معتبر شاعر نے اس نوخیز اردو صنف میں اپنی تخلیقی بصیرت کا اظہار کر کے اس صنف کو مزید وقار اور اعتبار عطا کیا ہے اور دوسرا حوالہ یہ ہے کہ یہ مجموعہ اردو ماہیے میں ترقی پسند فکر کی بھرپور نمائندگی کرنے والا پہلا مجموعہ ہے۔ میں اردو ماہیے میں اس نئے اور اہم اضافہ کرنے والے مجموعہ ''سوچ سمندر'' کا محبت کے ساتھ استقبال کرتا ہوں!

(بخش لائل پوری کے ماہیوں کے مجموعہ ''سوچ سمندر'' کا پیش لفظ)

محمد وسیم عالم کے ماہیے

اُردو ماہیے کو حالیہ برسوں میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ شعرائے کرام کے کسی خاص طبقے تک محدود نہیں ہے۔ پنجاب کی مٹی سے جڑے ہوئے شعراء نے بھی اسے اپنایا ہے تو مہاراشٹر، بہار، راجستھان اور یو پی کے علاقوں میں بھی اسے پذیرائی ملی ہے۔نو جوان شعراء نے اس میں دلچسپی لی ہے تو بزرگ شعراء نے بھی ماہیے کو محبت کی نظر سے دیکھا ہے۔ بالکل نو آموز شاعروں نے ماہیے میں طبع آزمائی کی ہے تو کہنہ مشق شاعروں نے بھی ماہیے میں اپنی فنی مشاقی دکھائی ہے۔یوں ماہیا نگاری میں رنگارنگی کی کیفیت دیکھی جا سکتی ہے۔بعض ماہیوں کے رنگ شوخ اور تیکھے ہیں تو بعض پھیکے بھی ہیں۔بعض ماہیے بہت عمدہ اور معیاری ہیں تو بعض بہت کمزور بھی ہیں۔ یوں شاعری کی کسی صنف کو دیکھ لیں اس میں معیاری مواد کے ساتھ ڈھیروں ڈھیر بھرتی کا مواد بھی ملے گا۔اردو ماہیے میں فی الوقت جو لوگ کسی زاویے سے کمزور ماہیے کہہ رہے ہیں ان کی باقی شعری اصناف کے مقابلہ میں الگ سے ایک حیثیت بنتی ہے۔جس طرح حضرت امیر خسرو سے لے کر ولی دکنی تک جن لوگوں نے درمیانی عرصہ میں غزلیں کہیں، بھلا وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ رہی ہوں اور غزل کی تاریخ میں ان سارے غزل گوؤں کے نام محفوظ ہیں، اسی طرح آج ماہیے کے اس ابتدائی دور میں جب اسے باقاعدہ طور پر اردو میں ایک شعری صنف کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے جو ماہیا نگار بھی ماہیے کہہ رہے ہیں، ان کی ماہیے کے لئے خدمات ماہیے کی تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہیں گی۔

محمد وسیم عالم کے ماہیے پڑھتے ہوئے دو تین باتوں کا مجھے فوری طور پر احساس ہوا ہے۔
ایک تو یہ کہ ان کے ماہیے پنجابی کی اس روایت سے متاثر ہیں جو اردو میں امین خیال کے ماہیوں کی

صورت میں نمایاں ہوئی ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ماہیے کے موضوعات عمومی طور پر وہی ہیں جو پنجابی ماہیے کے ہیں۔مثلاً حمد، نعت، طبقاتی اونچ نیچ، دنیا والوں کی دنیاوی، سیاسی اور سماجی صورت حال۔۔۔۔ان سارے موضوعات پر انہوں نے اپنے تاثرات کو سیدھے سادے الفاظ میں یوں سچائی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔چند مثالیں دیکھ لیں:

چاہے تو عزت دے
رب کے ہاتھ میں ہے
چاہے تو ذلّت دے

☆

اک نام محمدؐ کا
سب سے اعلیٰ ہے
پیغام محمدؐ کا

☆

کیا کھیل لکیروں کا
کھال غریبوں کی
اور مال امیروں کا

☆

ایوان سجاتے ہیں
سب ہی مطلب کے
قانون بناتے ہیں

☆

پولیس بھی ہوتی ہے
چوری کرنے کی
کچھ فیس بھی ہوتی ہے

☆

ہر گھر کو جلا دے گی
نفرت کی یہ ہوا
شعلے بھڑکا دے گی

☆

ہم سب ہیں تماشائی
ساتھ نہیں دیتا
مشکل میں سگا بھائی

کوے ہیں منڈیروں کے
کام کے لوگ سبھی
ڈیروں پہ وڈیروں کے

انہی موضوعات کو جب محمد وسیم عالم تھوڑے سے رمزیہ انداز میں بیان کرتے ہیں تو ان کے ماہیے اپنی سادگی کے ساتھ معنی میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں پھر وہ متعلقہ موضوع سے منسلک ہو کر ایک نئے معنی کا احساس دلاتے ہیں۔یہ احساس ان کے ایسے ماہیوں کو ادبی شان عطا کرتا ہے

۔ایسے ماہیوں کی چند مثالیں بھی دیکھ لیں۔

ہاتھوں سے جو دی تھیں
وہ گرہیں اس نے
دانتوں سے کھولی تھیں

بجلی کے تاروں سے
بچ کے رہنا اب
مطلب کے یاروں سے

☆ ☆

ہر شاخ ہری دیکھی
ہم نے خوابوں میں
اک دنیا بھلی دیکھی

تیور تیرے دیکھے
یا چاروں موسم
پل پل بدلے دیکھے

☆ ☆

لاشے تو گرنے تھے
تتلی کے دشمن
جب باغ میں پھرنے تھے

اک سُونی بیٹھک ہیں
تیری سب باتیں
کہنے کی حد تک ہیں

محمد وسیم عالم کے ماہیوں میں تیسری بات مجھے یہ محسوس ہوئی ہے کہ انہوں نے پیار، محبت کے موضوع سے متعلقہ موضوعات کو اگرچہ روایتی انداز میں بیان کیا ہے لیکن ان ماہیوں سے غیر ارادی طور پر محبت کی ایک کہانی بنتی چلی گئی ہے۔محبوب کے حسن کی تعریف، اس کے بغیر زندہ نہ رہ جانے کا جذبہ، محبوب کی جدائی۔۔۔اور اس جدائی کا دکھ، کبھی یادوں کے سہارے جینے کا حوصلہ کرنا اور کبھی جیتے جی مر جانے کی کیفیت محسوس کرنا۔۔۔۔۔یہ سارے محسوسات وسیم عالم کے ماہیوں میں ایک مربوط کہانی سناتے ہیں۔چند ماہیوں سے ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سوہنا سارنگ دیکھا
میں نے ساجن کا
اک اور ہی ڈھنگ دیکھا

تو ٹال مٹول نہ کر
پیار کے مسئلے کو
بس یونہی گول نہ کر

☆ ☆

یہ راز نہ کھولوں گا
ترے ستم کو بھی
میں راز ہی بولوں گا

یوں غم کا مداوا کر
کالی راتوں کو
یادوں سے اجالا کر

☆ ☆

ہر بات ہی مانوں گا
دن کو رات کہے
تو، رات ہی جانوں گا

جینے کب دیتے ہیں
مرنے کی بھی دوا
پینے کب دیتے ہیں

☆ ☆

دل کو ناشاد نہ کر
وہ گر بھول گیا
اب اس کو یاد نہ کر

کتنے پاپڑ بیلے
تیرے لئے ہم نے
کیا کیا نہ ستم جھیلے

محمد وسیم عالم نے اپنے ماہیوں میں کہیں کہیں اردو الفاظ کو پنجابی لہجے میں برتا ہے۔نہ کو ناں تو پنجابی کی طرح اردو ماہیے میں بھی کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔بعض ساکن حروف کو متحرک بھی کر دیا جاتا ہے اور ع گرنے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ ع تو خیر اردو میں بھی بعض اساتذہ نے گرائی ہے البتہ باقی الفاظ کے برتاؤ کے سلسلے میں کیا کہاں تک روا ہے؟ اس کے لئے ہمیں وقت کے فیصلے کا انتظار کرنا ہوگا۔فی الوقت یہی بڑی بات ہے کہ ماہیے کے ذریعے الفاظ کے نئے برتاؤ کے تجربے ہو رہے ہیں۔محمد وسیم عالم نے بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ان کے ماہیوں کا یہ انداز ان کی ماہیا نگاری کے امکانات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

موجوں میں روانی ہے
عمر کا ہر پہلو
بہتا ہوا پانی ہے

اپنی ہی دنیا میں
روز وہ مرتا ہے
جینے کی تمنا میں

☆ ☆

سنسار میں بستے ہیں
بےاعتبارے بھی
اب ہم پر ہنستے ہیں

کوٹھے پر انٹینا
تیرے بن ساجن
مشکل ہے اب جینا

مجھے امید ہے کہ محمد وسیم عالم کے ماہیوں کے اگلے مجموعہ میں ان کی ماہیا نگاری کا یہ رنگ مزید گہرا ہوگا۔ان کا زیرِنظر مجموعہ اردو ماہیے کے قارئین میں محبت کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اردو ماہیے کی تحریک کو تقویت پہنچائے گا۔

(محمد وسیم عالم کے ماہیوں کے مجموعہ ''سب رنگ الفت کے'' میں شامل)

چھیّاں چھیّاں کے ماہیے

مغربی بنگال میں اردو ماہیے کو حالیہ دنوں میں جو مقبولیت اور پذیرائی ملی ہے میرے لئے حیران کن ہے۔شمیم انجم وارثی وہاں سے 34 ماہیا نگاروں کا ایک خوبصورت انتخاب شائع کر چکے ہیں۔فراغ روہوی کی جانب سے کلکتہ میں ایک کامیاب ماہیا مشاعرہ ہو چکا ہے اور اب فراغ روہوی کے ماہیوں کا مجموعہ ''چھیّاں چھیّاں'' شائع ہو رہا ہے۔مختلف ادبی رسائل میں فراغ روہوی کے ماہیے پڑھ کر میں خوش ہوتا رہا ہوں اب ان کے ڈھیر سارے ماہیے ایک ساتھ پڑھنے کو ملے ہیں تو میں جیسے خوشی سے لبالب بھر گیا ہوں۔

بعض ادیبوں نے محض اپنی بعض شخصی ترجیحات کے باعث غیر پنجابی۔۔۔اردو ماہیا نگاروں کے بارے میں ایسے رویے کا اظہار کیا تھا جس سے صرف ان کا زعم ہمہ دانی ظاہر ہوتا تھا۔اس زعم کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ معترضین گنتی کے چند اچھے ماہیے لکھنے کے بعد اپنے زعم کا خود ہی شکار ہو گئے۔دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ بہار اور پونہ کے بعد اب مغربی بنگال بھی اردو ماہیے کا مرکز بن گیا ہے اور اس مرکز کی مرکزی شخصیات میں ایک بے حد اہم نام فراغ روہوی کا ہے۔

''چھیّاں چھیّاں'' کے آغاز میں پہلے حمدیہ پھر نعتیہ اور پھر تھوڑے سے کربلائی ماہیے پیش کئے گئے ہیں۔ان ماہیوں سے محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

تعریف الٰہی میں
وقت مرا گزرے
توصیفِ الٰہی میں

☆

پھٹ جائے نہ سینہ چل
دل کی دوا لینے
چل کوئے مدینہ چل

☆

کس حال میں لشکر تھا
دھوپ کی چادر تھی
اور ریت کا بستر تھا

کربل کی کمائی تھی
پیاس شہیدوں کی
کوثر نے بجھائی تھی

اب فراغ روہوی کے چند ایسے ماہیے دیکھیں جنہیں پنجاب سے تعلق رکھنے والے ماہیا نگاروں کے سامنے اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے :

کیا مجھ کو دوا دو گے
زخم مرے چھو کر
پھر درد بڑھا دو گے

اب انگلی ہے اٹھنے کو
نام کوئی دے دو
بے نام سے رشتے کو

☆ ☆

ہر حد سے گزرتے ہیں
پیار کے پنچھی کب
پرواز سے ڈرتے ہیں

رُکنا یا ٹھہرنا کیا
عشق کی راہوں میں
انجام سے ڈرنا کیا

☆ ☆

کس بات کی الجھن ہے
ٹوٹ نہیں سکتا
یہ پیار کا بندھن ہے

کچھ پاسِ وفا رکھنا
کون مٹا تم پر
یہ یاد ذرا رکھنا

☆ ☆

کیا آنکھ لڑا بیٹھی
اپنے ہی دل کو وہ
ایک روگ لگا بیٹھی

ہم جان گئے تجھ کو
دیر لگی، لیکن
پہچان گئے تجھ کو

پنجابی ماہیے کا سیاسی اور اخلاقی رنگ۔۔۔مغربی بنگال کے اردو ماہیے میں اپنے ماحول سے اُگتا ہوا یوں فراغ روہوی کے ہاں اظہار پاتا ہے:

ہم جنگ کے دشمن ہیں
رُوپ جو کجلا دے
اس رنگ کے دشمن ہیں

وہ کالا دسمبر تھا
رام کے بھگتوں سے
ماحول مکدر تھا
(سانحہ بابری مسجد کی شہادت کی طرف اشارہ ہے)

☆ ☆

اب ایسی فضا کیوں ہے
سردُرتوں میں بھی
یہ گرم ہوا کیوں ہے

منہ اپنا نہ کالا کر
اپنے بزرگوں کی
پگڑی نہ اُچھالا کر

فراغ روہوی نے ''بچوں کے ماہیے'' بھی کہے ہیں۔یہ تجربہ پنجابی ماہیا میں بھی نہیں ملتا اور اردو میں اس کی ابتدا فراغ روہوی کے ذریعے ہوئی ہے۔فراغ روہوی کے اس نوعیت کے یہ چند ماہیے اس رجحان کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں:

سُن میری دُعا یارب
باغ میں ٹافی کا
اک پیڑ اُگا یارب

کیوں اتنا ستاتے ہیں
خواب میں بھی ہم کو
اُستاد ڈراتے ہیں

☆ ☆

یہ کیسی کہانی ہے
دور تلک جس میں
راجہ ہے نہ رانی ہے

لوگو! یہ کرم کر دو
بوجھ کتابوں کا
ہم بچوں پہ کم کر دو

☆ ☆

میرے نزدیک فراغ روہوی کا یہ تجربہ خوبصورت بھی ہے اور کامیاب بھی۔۔۔آخر میں ''چھیّاں چھیّاں'' سے چند ایسے ماہیے دیکھیں جو ایک طرف ماہیا نگاری میں ان کی انفرادیت کا موجب بن سکتے ہیں تو دوسری طرف ان کے آئندہ امکانات کی طرف۔۔۔خوبصورت ممکنات

کی طرف اشارہ کررہے ہیں:

تھے کیسے دوانے ہم
آگ کو دامن سے
نکلے تھے بجھانے ہم

وہ خاک سمندر ہے
تہہ میں اگر اُس کے
موتی ہے نہ گوہر ہے

☆ ☆

اک اچھا سا گھر دیدے
چاندسی بیٹی ہے
مولا اسے بر دیدے

دفتر نہ بنا گھر کو
پھینک بہی کھاتے
چاہت سے سجا گھر کو

☆ ☆

اب وقت پہ سوئیں گے
جاگتی آنکھوں میں
سپنے نہ سنجوئیں گے

گم صم نہ رہا کرنا
یاد کے ساحل پر
لہروں کو گنا کرنا

☆ ☆

یوں ختم سفر کردو
چھوڑ گیا مانجھی
موجوں کو خبر کردو

تکیہ نہ بچھونا تھا
خواب میں بھی مجھ کو
چٹّان پہ سونا تھا

فراغ روہوی کے ماہیوں کا مجموعہ ''چھیّاں چھیّاں،، اردو ماہیے میں ایک اضافہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس مجموعے کے مطالعہ کے بعد مغربی بنگال میں خصوصی طور پر اور پوری اردو دنیا میں عمومی طور پر نئے شعراء بھی ماہیے کہنے کی طرف مائل ہوں گے اور اردو ماہیا ایک شعری صنف کے طور پر مسلسل مستحکم ہوتا چلا جائے گا۔

(فراغ روہوی کے ماہیوں کے مجموعہ ''چھیاں چھیاں''میں شامل)

موسم سبھی اک جیسے

عاصی کاشمیری کی شعر و ادب سے وابستگی لگ بھگ نصف صدی کا قصہ ہو چلا ہے۔ شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کر چکے ہیں۔تاہم غزل ان کی پہچان کا بنیادی حوالہ ہے۔ اپریل ۱۹۹۷ء کے ماہنامہ ''کتاب نما'' دہلی میں ان کے مساوی الوزن سہ مصرعی ''ماہیے'' شائع ہوئے تو میں نے ماہیے کے وزن کے مسئلے پر اپنا موقف وضاحتی مراسلے کے طور پر ''کتاب نما'' میں اشاعت کے لئے بھیجا جو مئی ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں چھپ گیا۔اس کے بعد میں عاصی کاشمیری کے ردعمل کا منتظر رہا۔ ''کتاب نما'' میں تو کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا لیکن ایک بار ویکلی ''راوی'' بریڈفورڈ میں دکھائی دے گیا۔ ''راوی'' کے کسی شمارے میں عاصی کاشمیری کے درست وزن کے ماہیے چھپے ہوئے تھے۔ مجھے ان ماہیوں کو پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ پھر دوماہی ''گلبن'' احمد آباد، سہ ماہی ''کوہسار جرنل'' بھاگل پور اور ماہنامہ ''تخلیق'' لاہور اور دیگر جرائد میں ان کے ماہیے پڑھنے کو ملے اور مجھے محسوس ہوا کہ اردو ماہیے کے کارواں کو ایک ایسا خوبصورت ماہیا نگار مل گیا ہے جو ماہیے کی لوک لے سے بخوبی آشنا ہے۔ جب میرا عاصی کاشمیری سے رابطہ ہوا تو انہوں نے بتایا کہ پنجابی ماہیے کی لے کی بنیاد پر ماہیے کے اصل روپ سے تو وہ واقف تھے لیکن چونکہ اردو میں تین مساوی الوزن مصرعوں کا اہتمام کیا جارہا تھا تو میں نے اسے اردو روایت سمجھتے ہوئے اختیار کر لیا۔لیکن جیسے ہی مجھے علم ہوا کہ اردو میں بھی ماہیے کو اس کی لوک اصل کے مطابق رکھنے کی کاوش ہو رہی ہے تو میں نے اس رویے کو ترجیح دی۔۔۔۔

اب عاصی کاشمیری کے ماہیوں کے مجموعہ ''موسم سبھی اک جیسے'' کا مسودہ مجھے ملا ہے تو مجھے خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی ہے کہ مختصر سے عرصہ میں ان کی اردو ماہیے سے وابستگی اتنی گہری ہوگئی ہے ''موسم سبھی اک جیسے'' میں وہ تمام موضوعات ملتے ہیں جو پنجابی ماہیے کی راہ سے اردو ماہیے میں آچکے ہیں۔ان میں حمدیہ، نعتیہ اور دعائیہ ماہیے بھی شامل ہیں۔ سماجی ناانصافیوں پر برہمی کے مختلف رویئے بھی ملتے ہیں۔ ارض وطن سے محبت۔۔۔عشق کی دنیا کے مختلف رنگ

ڈھنگ اور بیتی یادوں کی کسک وغیرہ بھی موجود ہیں لیکن اب یہ سب کچھ ہوتے ہوئے ایک ایسا انداز بھی مل جاتا ہے جو ان کی ماہیا نگاری کو دوسروں سے مختلف کرنے کے ساتھ ان کی اصل پہچان کے امکان کو اجاگر کرتا ہے۔ پہلے عاصی کاشمیری کے روایتی انداز کے چند ماہیے دیکھیں۔

حمدیہ

تعریف سدا تیری
رہتی ہے ہونٹوں پر
سب حمد و ثنا تیری

اسلام ہے دین مرا
ایک خدا پر ہے
ایمان و یقین مرا

☆ ☆

نعتیہ

توقیرِ امامت ہیں
عظمتِ آدم ہیں
وہؐ فخرِ رسالت ہیں

پھولوں پہ نکھار آئے
ذکرِ محمدؐ سے
ہر شے پہ بہار آئے

☆ ☆

دُعائیہ

اتنی ہے دعا مولیٰ
میری خطاؤں کی
دینا نہ سزا مولیٰ

کچھ ایسا مقدر کر
قطرہ ہوں پانی کا
تُو مجھ کو سمندر کر

☆ ☆

سماجی اخلاقیات

اخلاق سے بے بہرہ
رنگ جوانوں پر
مغرب کا چڑھا گہرا

مغرب میں سزا بن کر
سیکس کی بیماری
پھیلی ہے وبا بن کر

☆ ☆

مجرم ہی بناتے ہیں
جتنے ڈرامے بھی
ٹی وی پہ دکھاتے ہیں

یہ زیست کا حاصل ہے
پینا پلانا اب
آداب میں شامل ہے

☆ ☆

غربی

جیتے رہے مرمر کے
کٹ گئی غربت میں
روٹی کو سدا ترسے

کٹیاؤں میں دن کاٹے
کار، حویلی کے
سپنے ہی نہیں دیکھے

ماہیے کے ان مروّج موضوعات میں عاصی کاشمیری کا اندازِ بیاں دل پر ہلکی سی دستک دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اردو ماہیے میں رشتے ناطوں کے مضمون میں ایک عمومیت سی راہ پانے لگی ہے لیکن عاصی کاشمیری کے بعض ماہیوں میں مذکورہ رشتوں سے ان کے تجربے کی نوعیت اتنی گہری ہے کہ وہ رشتے ناطوں کے مجموعی اظہار سے الگ ہو کر دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان کے اس طرح کے یہ ماہیے دیکھیں:

بھابھی نے دیا طعنہ
جا کے ولایت اب
گوری کا پکا کھانا

اس جان سے پیاری ہے
گڑیا سی لگتی ہے
پوتی جو پیاری ہے

☆ ☆

اب پیتا، پلاتا ہے
پب میں مرا لڑکا
ہر رات ہی جاتا ہے

بچوں کی لڑائی سے
بڑھنے لگے جھگڑے
اب میرے بھی بھائی سے

☆ ☆

ہو جائے گا سمجھوتہ
بھائی تو بھائی سے
ناراض نہیں ہوتا

تھالی بھری پستے کی
بات کرو ماں سے
کوئی میرے رشتے کی

عاصی کاشمیری کے دو ماہیے ان کی ماہیا نگاری کو سمجھنے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔ ماہیے یہ ہیں:

سادہ سی زباں رکھنا
سب سے الگ اپنا
اندازِ بیاں رکھنا

پنجاب کی ٹولی میں
گیت سناتا ہوں
کشمیر کی بولی میں

اندازِ بیاں سب سے الگ رکھنے کی کاوش مصنوعی طور پر ''منفرد'' دِکھنے کی کاوش نہیں

ہے بلکہ عاصی کاشمیری نیک نیتی سے سادہ زبان میں اظہار کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ کشمیر کی بولی اور اہل پنجاب کی ٹولی کے الفاظ بھی ان کے ہاں عوامی زبان اور عوام کے ساتھ، عوام کے لئے جیسے مفہوم کو واضح کرتے ہیں تاہم ان کے ہاں ایسے لطیف رمز یہ اشارے بھی ملتے ہیں جو عوام کے لئے قابلِ فہم بھی ہیں اور ماہیے کو معیار کی عمدہ سطح تک بھی لے جاتے ہیں۔ ایسے متعدد ماہیوں میں سے یہ چند مثالیں:

ناراض ہوں ماہی سے
لکھ دیا خط اس کو
اب سرخ سیاہی سے

دن میرے بُرے آئے
جیسے کہ نندوں میں
دلہن کوئی گھِر جائے

سرخ روشنائی سے خط لکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گھر سے کوئی بری خبر آئی ہے۔ پہلے ماہیے میں پنجاب کی اس پرانی رسم کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ مٹیار اپنے ماہی سے ناراض ہے لیکن ناراضگی کا برملا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتی۔ سو خط کے مضمون میں تو ناراضی نہیں جتائی لیکن سرخ روشنائی سے خط لکھ کر ماہی کو اپنی ناراضی کا احساس ضرور دلا دیا ہے۔ روشنائی کو پنجاب میں سیاہی کہا جاتا ہے چاہے وہ کسی بھی رنگ کی ہو۔ سرخ سیاہی کی ترکیب کو اگر خون کے رنگ سے مماثلت دیں تو خون گر کر جم جانے کے بعد سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ یوں دل خون ہونے کا محاورہ معنی کے ایک اور پرت کو سامنے لائے گا۔

دوسرے ماہیا میں ماہیا نگار نے اپنے برے دنوں کو نندوں میں گھری ہوئی دلہن سے تشبیہہ دے کر ہمارے سماج میں نندوں کے دلہن کے تئیں عمومی رویے کو اجاگر کیا ہے۔ لیکن اگر غور کریں تو یہ ہمارے سماج میں دلہن کی اپنی نندوں سے خواہ مخواہ کی کدورت کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ یوں انہوں نے بظاہر ایک طرف کی بات کی ہے لیکن حقیقتاً نند اور بھابی کے اس منفی روئیے کو دو طرفہ طور پر دکھا دیا ہے جو ہمارے معاشرے کا ایک عمومی رویہ ہے۔ مذکورہ بالا دونوں ماہیوں سے ظاہر ہے کہ عاصی کاشمیری سادہ زبان کے استعمال کے باوجود ماہیے کو زیادہ بامعنی بتا دیتے ہیں۔

''موسم سبھی اک جیسے'' میں دو مختلف قسم کے مکالماتی ماہیے ملتے ہیں۔ پہلے مکالماتی ماہیوں میں ماہیا نگار کا مکالمہ ایک مشرقی مزاج کی محبت سے بھری خاتون سے ہوتا ہے جبکہ دوسرے مکالماتی ماہیوں میں ماہیا نگار کا مکالمہ ایسی خاتون سے ہوتا ہے جو مغربی ماحول میں پلی

بڑھی ہے اور جس کے سامنے جذبوں سے زیادہ مادی آسائشیں فوقیت رکھتی ہیں۔

مشرقی خاتون سے مکالمہ میں محبت کی راہ میں جاں سے گزر جانے کا ارادہ، محبت میں قربانی دینے کے جذبے کو ظاہر کرتا ہے جبکہ مغربی مزاج کی خاتون سے مکالمہ میں مفاہمانہ انداز سے مل جل کر زندگی گزارنے کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ دونوں مکالماتی ماہیے پڑھنے والوں کو دلچسپ لگیں گے۔

عاصی کاشمیری کے ہاں یوں تو ہر طرح کے ماہیے مل جاتے ہیں۔ ان ماہیوں میں نشیب و فراز بھی موجود ہیں تاہم میرے نزدیک اس انداز کے ماہیے ان کی اصل پہچان بن گئے ہیں:

انعام محبت کا
داغِ جدائی ہے
یا پھول ہے فرقت کا

کتنے ہی جتن کر کے
بھولے نہیں تم کو
ہم ترکِ وطن کر کے

☆

اترا ہے سرور اس کا
ڈھلتی جوانی نے
توڑا ہے غرور اس کا

مسجد ہو کہ مندر ہو
خوف خدا لیکن
کچھ دل کے اندر ہو

☆

دلہن کی سہیلی کے
گر گئے جوڑے سے
کچھ پھُول چنبیلی کے

آوارہ نگاہی سے
سیکھا نہیں کچھ بھی
یاروں کی تباہی سے

☆

گر چہ ہے یہ نادانی
دل کی مگر میں نے
ہر بات سدا مانی

کھو جاؤں نہ میلے میں
ہاتھ پکڑ رکھنا
ڈرتا ہوں اکیلے میں

☆

بھٹکے ہوئے راہی کو
راستہ مل جائے
یارب مرے ماہی کو

اب توڑ نہ دل ماہی
دیکھ لوں جی بھر کے
اک بار تو مل ماہی

☆

اک رنگ نیا بھر دو
اپنی کہانی میں
اب ذکر مرا کر دو

جیسے بھی کٹی گزری
تیری محبت میں
اب ایک صدی گزری

☆

بہتے ہوئے پانی کا
موڑ نہ پائے رُخ
منہ زور جوانی کا

موسم کئی آئیں گے
پھول مرے دل کے
اب کِھل نہ پائیں گے

☆

چنبیلی کی کلیوں میں
گم ہے مرا بچپن
گجرات کی گلیوں میں

پھل آئے درختوں پر
بھولے مسافر اب
آ جائیں گے رستوں پر

عاصی کاشمیری کے خوبصورت ماہیوں نے اردو ماہیے کی تحریک کو تقویت پہنچائی ہے۔ انگلینڈ کے اردو شعراء کے حوالے سے بات کی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ انگلینڈ میں سب سے پہلے درست وزن کے ماہیے کہنے والے ماہیا نگار عاصی کاشمیری ہیں۔ اب انگلینڈ میں بھی اردو ماہیا مقبول ہو رہا ہے تو اس میں عاصی کاشمیری کا بھی حصہ شامل ہے اور انگلینڈ میں تو اوّلین ماہیا نگار ہونے کا اعزاز تو بہر حال ان کا اعزاز ہے۔ مجھے امید ہے کہ ماہیے سے دلچسپی رکھنے والے عاصی کاشمیری کے اس مجموعہ کو بے حد پسند کریں گے اور اردو ماہیا نگاری میں ان کے ماہیوں کی قدر و قیمت کا بہتر طور پر تعین کیا جائے گا۔

میں ''موسم سبھی اک جیسے'' کا کھلے بازوؤں سے استقبال کرتا ہوں۔

(ماہیوں کے مجموعہ ''موسم سبھی اک جیسے'' میں شامل)

پیپل کی چھاؤں میں

اردو میں ماہیا نگاری کی جتنی مخالفت ہو رہی ہے اتنی ہی اسے مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ تھوڑا عرصہ پہلے برمنگھم میں ممتاز ادیب اور صحافی محمود ہاشمی سے ٹیلی فون پر بات ہو رہی تھی۔ ماہیے کا ذکر ہوا تو محمود ہاشمی نے بتایا کہ برمنگھم کی ایک شاعرہ اور مزاح نگار رضیہ اسماعیل بھی ماہیے کہہ رہی ہیں۔ مجھے اس خبر سے خوشی ہوئی، تاہم ہلکا سا وسوسہ بھی رہا کہ یہ بھی کہیں عارضی قسم کی ماہیا نگار خاتون نہ نکلیں۔ جب ان سے رابطہ ہوا تو میرا وسوسہ دور ہو چکا تھا۔ وہ مجھ سے کسی رابطہ کے بغیر محض ادبی تحریک سے اتنے ماہیے کہہ چکی تھیں کہ ان کا مجموعہ تیار ہو چکا تھا۔ جب رابطہ ہوا تو ان کا دوسرا ادبی کام بھی سامنے آیا۔ خواتین کی ادبی و ثقافتی تنظیم ''آگہی'' کو قائم کرنے کے علاوہ تخلیقی سطح پر ان کے کام کی کئی جہات ہیں۔ غزلوں کا مجموعہ ''گلابوں کو تم اپنے پاس رکھو'' طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ''چاند میں چڑیلیں'' اور نثری نظموں (نثرِ لطیف) کا مجموعہ ''میں عورت ہوں'' (اردو، انگریزی میں ایک ساتھ) شائع ہو چکے ہیں۔ شاعری کے بارے میں تو بات آگے ہوتی رہے گی، ان کی نثر کے حوالے سے محمود ہاشمی کی رائے درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ محمود ہاشمی لکھتے ہیں:

''شاعروں اور مشاعروں کی بالادستی کے اس دور میں ایک شاعر کا نثر اور وہ بھی طنز و مزاح کی طرف متوجہ ہونا ایک خوش آئند بات ہے۔ رضیہ اسماعیل مبارکباد کی مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف نہایت سنجیدگی سے معیاری شاعری کی ہے بلکہ نثر لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ اگر لکھنے کا ڈھنگ آتا ہو، مزاج کی اپج ہو، طبیعت میں روانی ہو تو نثر میں برجستگی اور شگفتگی سے ایسی ایسی جادو بیانی کی جا سکتی ہے کہ اس پر کئی شعر قربان کیے جا سکتے ہیں۔ رضیہ اسماعیل نے نثر لکھ کر اس فصیل کو بہت حد

تک توڑ دیا ہے جو آج کے اکثر ادیبوں کے لاشعور میں نثر کی طرف جانے والے راستے میں ایک کوہِ گراں بن کر کھڑی رہتی ہے۔''

اب رضیہ اسماعیل کے ڈھیر سارے ماہیے ایک ساتھ پڑھنے کے بعد میرے سامنے رضیہ اسماعیل کی ایک اور جہت روشن ہے۔ان کے ماہیے میں ان کے خیالات،احساسات اور تلخ و شیریں تجربات کا بے ساختہ اظہار ہے۔ایک طرف ان کے ماہیوں میں حمد،نعت،سانحۂ کربلا اور تکریمِ صحابہ سے متعلق ماہیے ملتے ہیں تو دوسری طرف انگلینڈ میں مقیم ہونے کے باعث یہاں کے ثقافتی ٹکراؤ اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال کو عمدگی سے اجاگر کیا گیا ہے۔پہلے تبرک کے طور پر چند دینی ماہیے دیکھئے:

تو باغ کا مالی ہے
تیری رحمت کا
جگ سارا سوالی ہے

رب کے احکام ہوئے
آقاؐ آپ کے ہم
بے دام غلام ہوئے

اک شاخ انجیر کی ہے
رشتہ مدینے سے
صورت زنجیر کی ہے

ہمیں تیرےؐ سہارے ہیں
پیاس بجھا دینا
کوثر کے کنارے ہیں

دریا میں سفینہ ہے
ماہِ رمضاں تو
بخشش کا مہینہ ہے

معراج کی رات آئی
جھولیاں بھر لو تم
رب کی سوغات آئی

جب غم کی گھٹا چھائی
پیٹتی سر اپنا
کربل میں قضا آئی

پانی کا سوالی ہے
نانا نبیؐ، جس کا
کوثر کا والی ہے

اشکوں سے وضو کر کے
ماہیے لکھتی ہوں
میں دل کو لہو کر کے

تو آمنہ جایا ہے
بی بی حلیمہ نے
تجھےؐ دودھ پلایا ہے

دو فاطمہ جائے تھے
توؐ نے محبت سے
کاندھوں پہ بٹھائے تھے

بڑے دکھ سکھ ہوتے ہیں
تیرےؐ پہلو میں
تیرے یار بھی سوتے ہیں

ان ماہیوں میں مذہبی محبت اور عقیدت کا رنگ غالب ہے لیکن مجھے مذہب سے یہ لگاؤ ایک طرح سے ثقافتی رنگ میں بھی محسوس ہوا ہے۔انگلینڈ میں رہتے ہوئے جب ہمیں اپنا دیسی معاشرہ اور ماحول یاد آتا ہے تو اس کا مذہبی رنگ اس انداز سے اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔یوں بھی ثقافت کے ارضی رنگوں کے دوش بدوش آسمانی رنگوں کی آمیزش سے ہی کسی تہذیب وثقافت کی تکمیل ہوتی ہے۔آسمانی رنگ میں مذہبی عقائد سب سے قوی اور موثر ہوتے ہیں۔

ثقافتی ٹکراؤ یا ثقافتی بحران کی وہ صورت جو برصغیر سے تعلق رکھنے والے،یورپ میں مقیم کم و بیش ہر فرد کو درپیش ہے،رضیہ اسماعیل نے اسے اپنے ماہیوں میں اتنی عمدگی سے بیان کیا ہے کہ یہ گویا ہر دل کی آواز بن گئی ہے۔ایسے ماہیوں کی چند مثالوں سے میری بات بہتر طور پر واضح ہو سکے گی۔

کڑوے ہیں سکھ ماہیا
کس کو سنائیں اب
انگلینڈ کے دکھ ماہیا

کلچر کا رونا ہے
آ کے ولایت میں
اب کچھ تو کھونا ہے

سب زخم چھپاتے ہیں
رہنے کا یورپ میں
ہم قرض چکاتے ہیں

یو۔کے میں بستے ہیں
کیسا مقدر ہے
روتے ہیں، نہ ہنستے ہیں

انگلینڈ کے میلے ہیں
جھرمٹ لوگوں کے
ہم پھر بھی اکیلے ہیں

ہیریں ہیں نہ رانجھے ہیں
ہم نے ہوٹل میں
برتن بھی مانجھے ہیں

یورپ میں مقیم بعض دوسرے ماہیا نگاروں نے بھی یہاں درپیش مسائل کو عمدگی سے اپنا موضوع بنایا ہے لیکن ایسا انداز کہ جس سے ہم لوگوں کا ثقافتی بحران اور اس مسئلے کی داخلی کیفیات نمایاں ہو سکیں،اس کو رضیہ اسماعیل نے ایسی بے ساختگی سے بیان کیا ہے کہ یہ ان کی انفرادیت بن گئی ہے۔ایسی انفرادیت جس میں پورے اجتماع کی ترجمانی یا عکاسی موجود ہے۔

یورپی زندگی کی بعض نجی اور اجتماعی نوعیت کی ملی جلی چند مثالیں بھی دیکھتے چلیں:

کس دیس میں رہتے ہیں
بچے پیرنٹس کو
یہاں شٹ اپ کہتے ہیں

دادا ہے نہ دادی ہے
پکڑ کے ڈیڈی نے
شادی کروا دی ہے

یہاں کون ہمارا ہے
سردی دشمن ہے
ہیٹر کا سہارا ہے

کونجوں کی ڈاریں ہیں
بینیفٹ آفس میں
بڑی لمبی قطاریں ہیں

مغرب میں رہنے والی ایک پاکستانی عورت کی حیثیت سے ماہیا نگاری کرنے والی رضیہ اسماعیل نے ماہیے کے عمومی موضوعات کو بھی چھوا ہے لیکن ان میں دوسروں میں شامل رہنے کے باوجود ان سے ہٹ کر بات کرنے کی کوشش کی ہے۔ کشمیر کے موضوع پر پاکستان اور انڈیا میں الگ الگ رائے پائی جاتی ہے اور دونوں طرف سے ماہیا نگاروں نے اپنے اپنے ماہیوں میں اپنے اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ رضیہ اسماعیل نے بھی کشمیر کے حوالے سے دو ماہیے کہے ہیں اور ان میں ایک پاکستانی کی حیثیت سے اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ تاہم ان کا ایک ماہیا اتنا عمدہ ہے کہ اس کی داد انڈیا کے ادبی ذوق رکھنے والے بھی دیں گے۔

کشمیر کی وادی ہے
جائے کوئی روکے
یہ جبری شادی ہے

مجھے لگتا ہے کہ یہ ماہیا کہتے وقت بھی رضیہ اسماعیل کے لاشعور میں یورپی کلچر سے ٹکراؤ کا عمل جاری تھا۔ یہاں بعض والدین نے جس طرح بچوں کی شادیاں جبراً کرنے کی کوشش کی اور اس کے نتیجہ میں جو تلخ مسائل پیدا ہوئے، رضیہ کے ہاں کشمیر کی سیاسی صورتحال پر اپنے پاکستانی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لاشعوری طور پر ان کا اظہار ہوا ہے۔ تاہم یوں بھی نہیں کہ رضیہ صرف یورپ اور مشرق کے ٹکراؤ تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ ان کے ہاں ماہیے کا وہ رنگ بھی نمایاں ہے جو

پنجاب کا رنگ کہلاتا ہے۔ ان کے ایسے ماہیے دیکھیں:

میں لہر چناب کی ہوں
غیرت بھائیوں کی
بیٹی پنجاب کی ہوں

اک لڑکی گاؤں میں
ماہیے لکھتی ہے
پیپل کی چھاؤں میں

اک نہر کنارا ہے
گاؤں کا ہر ذرہ
مجھے جان سے پیارا ہے

بیلوں کی جوڑی ہے
اس نے شرارت سے
میری گاگر توڑی ہے

فصلوں کی کٹائی ہے
ساگ پراٹھے ہیں
کہیں دودھ ملائی ہے

ہاتھوں کی لکیریں ہیں
جوگیا! دیکھ ذرا
کیسی تحریریں ہیں

عورت کے حقوق کا موضوع رضیہ اسماعیل کا خاص موضوع ہے جو ان کی غزلوں، نظموں سے لے کر طنزیہ مزاحیہ مضامین تک نمایاں ہے۔ ان کے ماہیوں میں بھی اس موضوع کو آنا تھا، سو آیا:

عورت کو ستاؤ گے
جنم جلی ہے جو
کیا اس کو جلاؤ گے

یہ دیئے کی باتی ہے
قدر کرو اس کی
دکھ سکھ کی ساتھی ہے

عورت کو دغا دو گے
بیوی بنا کر تم
چولہے میں جلا دو گے

کمہار کا آوا ہے
پکتا رہتا ہے
مرے دل کا جو لاوا ہے

شبنم کا قطرہ ہے
تنہا عورت کو
ہر طرف سے خطرہ ہے

رضیہ اسماعیل نے اپنی ماہیا نگاری سے ماہیے کی تحریک کو تقویت پہنچائی ہے۔ انگلینڈ کے مشاعروں سے لے کر بی بی سی ایشیا کے اردو ادبی پروگراموں تک اردو ماہیا کو ادبی وقار کے ساتھ متعارف کرایا ہے۔ اب ان کے ماہیوں کا مجموعہ چھپنے جا رہا ہے تو مجھے دلی خوشی ہو رہی ہے۔
ان کے ماہیے ان کے دل کی کہانی ہیں۔ اگرچہ انہوں نے یہ کہا ہے:

یہ دل کی کہانی ہے
کوئی نہیں سنتا
اب خود کو سنانی ہے

لیکن مجھے یقین ہے کہ اس مجموعہ کی اشاعت کے بعد ماہیے کے قارئین اس کہانی کو دلچسپی سے پڑھیں گے، کیونکہ یہ صرف رضیہ اسماعیل کی اپنی ہی نہیں، ہر صاحبِ دل کی کہانی ہے۔ ماہیا ''کتابِ دل'' ہی تو ہے۔

بہر حال رضیہ اسماعیل کے اس مجموعے کا دلی خوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہوں!

(ماہیوں کے مجموعہ ''پیپل کی چھاؤں میں'' کا پیش لفظ۔۲۷ جنوری ۲۰۰۱)

امین بابر کے ''سپنوں کا میلہ''

امین بابر رحیم یار خان میں مقیم پنجابی اور اردو کے شاعر ہیں۔ ان کے اردو ماہیوں کا ایک مجموعہ ''سجدے محبت کے'' چھپ چکا ہے۔ اب ان کا دوسرا مجموعہ ''سپنوں کا میلہ'' چھپنے جا رہا ہے۔ کسی دوست کے ماہیوں کا مجموعہ چھپ رہا ہو تو مجھے ذاتی طور پر بہت خوشی ہوتی ہے۔ میری اس ذاتی خوشی میں اس وقت اس لیے بھی اضافہ ہو گیا ہے کہ یہ رحیم یار خان کے ایک ماہیا نگار کا مجموعہ ہے۔ رحیم یار خاں میرا آبائی شہر ہے۔ میں نے اپنا ابتدائی بچپن اور تیسری جماعت تک تعلیم یہیں حاصل کی۔ پھر ہم لوگ خان پور چلے گئے۔ لیکن رحیم یار خان سے نکل جانے کے باوجود یہ شہر آج تک میرے دل سے نکل نہیں سکا۔ بلکہ جتنا اس شہر سے جغرافیائی فاصلہ بڑھتا گیا یہ شہر دل میں اتنا ہی زیادہ اترتا گیا۔ اس لحاظ سے میں اپنے لیے اسے شہرِ محبت کہہ سکتا ہوں۔ ایسا شہر محبت جہاں میرے کتنے ہی معصوم سپنوں کا میلہ سجا ہوا ہے۔ تاہم یہ ایسا شہرِ محبت ہے جس نے میرے پرکھوں کو بھی دکھ دیئے اور میرا محبت کا تعلق بھی دکھ میں پرویا ہوا ہے۔ اس کے باوجود میں اس شہر سے اپنے پرانے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے بھی خوشی محسوس کرتا ہوں۔

عمر کے اس حصے میں اور پھر جرمنی میں بیٹھ کر بھی میں اس شہر سے جو قلبی تعلق محسوس کرتا ہوں اس کے پیش نظر جب مجھے امین بابر نے اپنے ماہیوں کے دوسرے مجموعہ کے لیے کچھ لکھنے کو کہا تو مجھے دلی خوشی ہوئی۔ امین بابر نے اپنے ماہیوں کے پہلے مجموعہ ''سجدے محبت کے'' سے لے کر اس نئے مجموعہ تک اپنا ماہیا نگاری کا انداز برقرار رکھا ہے۔ عقیدت سے لے کر پیار محبت تک جتنے موضوعات بھی پہلے مجموعہ میں شامل تھے، ان سب کو امین بابر نے قائم تو رکھا ہے لیکن ان کو دیکھنے اور سمجھنے کے انداز میں آگے کی طرف قدم بڑھایا ہے۔ چھیڑ چھاڑ یا طنز و مزاح والے ماہیے بھی ان

کے مزاج کا حصہ ہیں اور دوسرے مجموعہ میں بھی پہلے رنگ ڈھنگ کے ساتھ موجود ہیں۔

امین بابر کے موضوعات دراصل ان کے سپنے ہیں۔ایسے سپنے جو نہ صرف ان کے سپنے ہیں، بلکہ پاکستان کے عام انسانوں کے سپنے ہیں،تیسری دنیا کے کچلے ہوئے عوام کے سپنے ہیں اور جو حقیقتاً میرے جیسے ہر انسان کے سپنے بھی ہیں۔ یہ کوئی بہت بڑے سپنے نہیں ہیں۔صرف باعزت جینے ،محبت کے ساتھ جینے اور اپنے عقائد کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے سپنے ہیں۔جیو اور جینے دو کی بنیاد پر معاشرے کو قائم کرنے کے سپنے ہیں۔لیکن یہ امین بابر کا بھی المیہ ہے اور اس کی طرح مجبور پاکستانیوں،تیسری دنیا کے مقہور لوگوں،اور میرے جیسے لوگوں کا بھی مشترکہ المیہ ہے کہ اپنے معاشرہ میں اتنی سی آزادی کا خواب بھی پورا نہیں کر سکتے۔

آیئے امین بابر کے ماہیوں کے براہ راست مطالعہ سے ان کے سپنوں کی ایک جھلک دیکھتے ہیں:

سب خواب جھروکے ہیں
عشق کی دنیا میں
دھوکے ہی دھوکے ہیں

گردش میں ستارا ہے
ڈوبتی ناؤ کو
تنکے کا سہارا ہے

مومن ہے یا کافر ہے
زیست کی نگری میں
ہر سانس مسافر ہے

کیسی لاچاری ہے
کھانے کو مانگے
یہ پیٹ بھکاری ہے

تقصیر نہیں کرتے
دردِ دل کی ہم
تشہیر نہیں کرتے

تعبیر ہے خوابوں کی
چلتے رہے بآبر
ہم اور سرابوں کی

تعبیر نہیں چاہی
خواب کی سولی پر
تعزیر نہیں چاہی

ہنسنا کبھی رونا ہے
قسمت کے آگے
انسان کھلونا ہے

انبار ہے چاہت کا
شہرِ دل میں تو
بازار ہے چاہت کا

اک شخص اکیلا ہے
آنکھ کی پتلی میں
سپنوں کا میلا ہے

ان چند مثالوں سے امین بابر کے سپنوں اور ان کی تعبیروں کے المیہ کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

اس مخصوص حوالے سے قطع نظر جس طرح انسانی جذبات کئی کیفیات سے گزرتے رہتے ہیں، ویسے ہی امین بابر کے ہاں بھی بدلتی ہوئی کیفیات سے لبریز ماہیے ملتے ہیں۔عید کے موقعہ پر محبوب یا ساجن کی موجودگی کا احساس اردو شاعری میں ایک روایتی موضوع کی طرح رچ بس گیا ہے۔امین بابر بھی اس کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

پھر عید نہیں ہوگی
چاند سے مکھڑے کی
جب دید نہیں ہوگی

کیا خوب سماں ہوگا
عید کے موقعے پر
جب تو بھی یہاں ہوگا

لیکن روایتی مضمون کے ساتھ انہیں اپنے سامنے زندگی میں افلاس کی تلخ حقیقت دکھائی دیتی ہے تو وہ بے اختیار معاشرتی سچائی کو بیان کر کے اپنے سپنوں کی پناہوں میں چلے جاتے ہیں۔

روئے گا،رُلائے گا
مفلس بے چارا
کیا عید منائے گا

یادوں کے ریلے میں
عید گزاریں گے
سپنوں کے میلے میں

ماہیے کے مخصوص موضوعات میں امین بابر کی طبع رواں یوں ظاہر ہوتی ہے۔

دل کش سا پھندا ہے
پیار محبت بھی
بیکار سا دھندا ہے

کچھ دل کے اشارے پر
پیار کی ناؤ اب
اللہ کے سہارے پر

چاہت کو خفا کر کے
عشق نے پائی بقا
عاشق کو فنا کر کے

سب شکوے بھلا دینا
اپنی تو عادت ہے
سب کو ہی دعا دینا

امین بابر نے ظریفانہ ماہیے بھی کہے ہیں۔ایسے ماہیوں میں سماجی مسائل پر خالصتاً عوامی انداز سامنے آتا ہے:

چینی ہے نہ آٹا ہے
شادی رچانے میں
گھاٹا ہی گھاٹا ہے

معصوم، بچارا دل
تھر تھر کانپا ہے
جب بجلی کا دیکھا بل

لیکن تمام تر ہنسی مذاق اور طنز وظرافت کے باوجود زندگی کے تلخ حقائق اور زندگی کا انجام بھی ان کے مدِ نظر رہتا ہے اور وہ برملا اس کا اظہار کر دیتے ہیں۔

چاہت کے گھروندے ہیں
نفرت سے اس نے
جو پاؤں میں روندے ہیں

جتنا بھی جیالا ہے
آخر کو انساں
دھرتی کا نوالا ہے

مجھے امید ہے کہ امین بابر کے ماہیوں کا یہ دوسرا مجموعہ ''سپنوں کا میلہ'' اردو ماہیا نگاری میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوگا۔ میں اس مجموعہ کی اشاعت پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کا خیر مقدم کرتا ہوں!

(امین بابر کے ماہیوں کے مجموعہ ''سپنوں کا میلہ'' میں شامل)

جیم فے غوری کے ماہیے

جیم فے غوری ایک طویل عرصہ سے اٹلی میں مقیم ہیں۔پاکستان میں تھے تو وہاں سے ایک ماہنامہ نکالتے تھے۔''تلاش'' کے نام سے چھپنے والے اس رسالہ میں کچھ ادبی، کچھ سماجی اور کچھ انسانی حقوق کے حوالے سے تحریریں شامل ہوا کرتی تھیں۔ یہ رسالہ اب سہ ماہی ہو کر اٹلی سے نکل رہا ہے۔اسی کی مناسبت سے جیم فے غوری نے ایک ویب سائٹ بھی بنا رکھی ہے۔

اس میں ادبی، سماجی اور انسانی حقوق کے حوالے سے خبریں، اطلاعات اور دوسرا مواد چھپتا رہتا ہے۔ایک رسالہ اور ایک ویب سائٹ چلانے کے ساتھ جیم فے غوری نے ادب کا تخلیقی عمل بھی جاری رکھا ہوا ہے۔لگ بھگ تیس سال پہلے ان کے افسانے روزنامہ امروز لاہور کے ادبی صفحہ پر چھپا کرتے تھے۔ چند برس پہلے ان کا شعری مجموعہ بھی منظرِ عام پر آیا تھا۔میرا ان سے پہلا تعارف ان کے شعری مجموعہ کے ذریعے ہوا۔اس میں ان کے چند ماہیے بھی شامل تھے جو تینوں مساوی الوزن مصرعوں پر مشتمل تھے۔ظاہر ہے مجھے ایک بار تو انہیں بتانا تھا کہ ماہیے کا پنجابی لوک لے والا وزن کیا ہے؟

جب میں نے ان سے اس سلسلہ میں بات کی تو انہوں نے بڑی خوشی اور بشاشت کے ساتھ کہا کہ مجھے اس بارے معلوم ہوا تھا اور میں اب اپنے مطبوعہ ماہیوں کو بھی درست وزن میں کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے آپ کے بیان کردہ وزن ہی کو ملحوظ رکھوں گا۔ان کے اس اندازِ گفتگو اور طرزِ عمل سے خوشی ہوئی۔جیم فے غوری نے ماہیے کی پنجابی لے کو اختیار کرتے ہوئے ماہیے کہنے شروع کیے۔اور اب جب کہ ان کا نیا شعری مجموعہ چھپنے جا رہا ہے تو اس میں ان کی دوسری

شاعری کے ساتھ ان کے کافی سارے ماہیے بھی شامل ہیں۔ان کی باقی شاعری اپنی جگہ۔۔مجھے یہاں ان کی ماہیا نگاری کے حوالے سے ہی کچھ کہنا ہے۔

اردو شاعری میں مسیحا اور مسیحائی کا استعارہ اپنے وسیع تر مفہوم میں اتنا مستحکم ہو چکا ہے کہ اگر اس کے حوالے جمع کرنے شروع کیے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔میری تخلیقات میں جہاں کہیں کہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے فرمودات سے فیض حاصل کیا گیا ہے وہیں بائبل کی دوسری کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔پیدائش،حزقی ایل،دانیال،مزامیر کے بعض حوالے یا اشارے تو مجھے اسی وقت ذہن میں آ گئے ہیں جو میری تحریروں میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔

گویا میں نے جہاں قرآن شریف،احادیث،صوفیانہ روایات،بدھ کی تعلیمات ،رامائن اور ویدوں وغیرہ سے استفادہ کیا ہے،وہیں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سے بھی استفادہ کیا ہے۔

جیم ف غوری کے ہاں عہد نامہ قدیم کی چھاپ تو ہے لیکن عہد نامہ جدید کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔

رب الارباب خدا
کیوں اس دنیا میں
ہر شام کا رنگ جدا

کہتی ہیں مناجاتیں
کرن کے کاغذ پر
ہوں ختم ملاقاتیں

پھولوں کا مہینہ ہے
ہجر کی سُولی پر
رکھا ہوا سینہ ہے

تو ظلم مٹانے آ
خاک پہ بکھرے ہوئے
پھولوں کو اُٹھانے آ

اک قلعہ بنانا ہے
پتھر رد جو ہوا
کونے میں لگانا ہے

آنے کی بشارت دے
ہجر کے لمحوں کو
سہنے کی ہمت دے

پہلے چار ماہیوں میں بائبل کی روحانی فضا موجود ہے لیکن پانچواں ماہیا تو حضرت مسیح علیہ السلام کے اس فرمان پر مشتمل ہو گیا ہے۔’’جسے معماروں نے رد کیا وہی پتھر کونے کا سرا ہو گیا‘‘ میں نے اس فرمانِ مقدس کو اپنے افسانوں کے ایک مجموعہ میں باقاعدہ ایک کونے میں سجا کر پیش کیا تھا،شاید اسی لیے مجھے اس فرمان کو ماہیا کے روپ میں دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔

پاکستان میں مذہبی دہشت گردی،مذہبی نفرت انگیزی کے نتیجہ میں انسانی حقوق کی جو سنگین خلاف ورزی ابنائے وطن کے ساتھ روا رکھی جاتی ہے،وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔اس انسانیت سوز نفرت کا شکار ہونے والے اہلِ وطن پھر مجبور ہو کر وطن سے ہجرت کرتے ہیں۔بیرون ملک آ کر ان سب کو مناسب تحفظ تو مل جاتا ہے لیکن اپنی دھرتی سے وابستگی اور محبت ان کے دلوں میں کسک پیدا کرتی رہتی ہے۔یہ سارے تجربات جیم ف غوری کے ماہیوں میں یوں اپنا اظہار کرتے ہیں۔

گُل رنگ سہانے ہیں
پھر سے تازہ ہوئے
جو زخم پرانے ہیں

جذبوں کے ترانے ہیں
دیس کو دیکھے ہوئے
اب بیتے زمانے ہیں

جب دیس کی یاد آئی
رو کے سو گئے ہیں
یہ کیسی سزا پائی

طعنوں بھرے انگارے
قوم کے، سینے پر
چلتے ہیں دو دھارے

مجھے رب سے کہنا ہے
دیس میں اپنے کیوں
اک خوف سا رہنا ہے

اس تخصیص سے قطع نظر کرتے ہوئے اب جیم ف غوری کے چند ماہیے ان کے عمومی

انداز کے طور پر دیکھیں۔

سناٹے میں رہتے ہیں
خواب کی کشتی پر
ہم نیند میں بہتے ہیں

تنہا سی بستی ہے
دستِ فلک پہ کوئی
روشن سی ہستی ہے

نقطہ تھا کہ قطرہ تھا
حرف کے جنگل میں
شاخوں پہ بکھرا تھا

دیکھا اک تارا ہے
صبح کا بھولا ہوا
قسمت کا مارا ہے

ہر زخم کو بھر دے گا
ماہی جب لوٹا
مجھے زندہ کر دے گا

یادوں کے دوار کھڑے
ہجر کے بستر پر
دو خشک گلاب پڑے

دل توڑ کے مت جانا
رب کا گھر ہے یہ
یوں چھوڑ کے مت جانا

یوں ہوتے رہے مدغم
تم جو ہوا ہوتو
شعلے کی طرح ہیں ہم

قصہ ہی تمام کیا
تیری محبت میں
دل تیرے نام کیا

لو آئی ہے تنہائی
زرد دوپہروں میں
دکھنے لی انگڑائی

آؤ ہم پیار کریں
منکر دنیا میں
رب کا اقرار کریں

جیم فے غوری جس فراخدلی کے ساتھ ماہیا نگاری کی طرف متوجہ ہوئے ہیں،اس پر میں انہیں ماہیا کی دنیا میں خوش آمدید کہتا ہوں۔

اپنی فضا اور اپنے موضوعات کے اعتبار سے جیم فے غوری کے ماہیوں کو اردو ماہیے میں ایک نیا ذائقہ کہا جا سکتا ہے۔میں ان کی ادبی و تخلیقی کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں!

(جیم فے غوری کے نئے شعری مجموعہ کے لیے لکھا گیا)

ضمیر اظہر کی ''پھول کہانی''

ضمیر اظہر مرحوم کے ماہیوں میں پنجاب کی مٹی کی خوشبو،اس کے دریاؤں کی روانی،اس کے صحراؤں کی گرمی،اس کے کھیتوں کی ہریالی،۔۔۔خوشیاں اور دُکھ۔۔۔سب موجود ہیں۔ضمیر اظہر کے ماہیے پنجابی مزاج کے مطابق بھی ہیں اور پنجابی روایت سے آگے کے سفر کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں۔زندگی کے بارے میں ان کی سوچ کے انداز کو ان دو ماہیوں سے بڑی حد تک سمجھا جا سکتا ہے۔

کیا مان جوانی کا
ہے انجام خزاں
اس پھول کہانی کا

کیا روپ جوانی ہیں
نقش جو دنیا میں
موجود ہیں، فانی ہیں

ضمیر اظہر نے جب درست وزن کی ماہیا نگاری کو اختیار کیا تو یہ امید بندھی تھی کہ ان کی آمد سے درست وزن کی تحریک کو مزید تقویت حاصلو ہوگی۔ایسا ہوا بھی۔۔۔لیکن افسوس موت نے انہیں مہلت نہ دی اور وہ جلد ہی ہم سب کو داغِ مفارقت دے گئے۔انڈیا میں رشید اعجاز اور پاکستان میں ضمیر اظہر کی بے وقت موت نے اردو ماہیے کی تحریک کو دو خوبصورت ماہیا نگاروں سے محروم کر دیا۔

میر ذاتی طور پر ضمیر اظہر سے کبھی رابطہ نہیں رہا لیکن جب وہ غلط وزن کی ''ماہیا نگاری''

ترک کر کے درست وزن کی طرف آئے تو براہِ راست رابطہ نہ ہونے کے باوجود میرا ان سے ایک قلبی تعلق سا بن گیا تھا۔اسی لیے ان کی ناگہانی وفات سے مجھے شدید دکھ ہوا۔

''پھول کہانی'' کے یہ تھوڑے سے ماہیے تعداد میں بے شک کم ہیں لیکن اپنے معیار کے لحاظ سے ثلاثی قسم کی چیزوں کو ماہیے کے لیبل کے ساتھ پیش کرنے والے مجموعوں پر بھاری ہیں۔یہ ماہیے صرف ضمیر اظہر کی یادگار نہیں ہیں بلکہ یہ اردو ماہیے کی تاریخ میں بھی ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

(ماہیوں کے مختصر سے مجموعہ ''پھول کہانی'' میں شامل)

روحیں چناب کی

سیدہ نسرین نقاش سری نگر کشمیر میں اردو صحافت کے لیے اہم خدمات انجام دے رہی ہیں۔صحافت کے ساتھ انہوں نے شعروادب سے بھی اپنا تعلق قائم رکھا ہے۔غزلوں کا مجموعہ چھپ چکا ہے اوران کے ادبی مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں۔مشاعروں میں بھی ان کا نام گونجتا رہتا ہے۔یوں نسرین نقاش بیک شعروادب اورصحافت کی خدمت کر رہی ہیں۔اردو زبان کی خدمت کر رہی ہیں۔کچھ عرصہ پہلے نسرین نقاش نے ماہیا نگاری کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ہندوستان میں جو لوگ اردو ماہیا نگاری کی طرف راغب ہوئے،اپنے اخلاص کے باعث پنجابی زبان سے اور پنجاب کے ثقافتی پس منظر سے واقف نہ ہوتے ہوئے بھی انہوں نے کئی عمدہ ماہیے تخلیق کیے۔ایسے ماہیا نگاروں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی میں نسرین نقاش کی ماہیا نگاری اس لحاظ سے کچھ ہٹ کر ہے کہ کشمیر کی سرزمین سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ماہیے کی لوک لَے از خود ان کی روح میں رچی ہوئی ہے۔چنانچہ انہیں ماہیے کو سمجھنے کے لیے کسی عروضی مہارت کی ضرورت پیش نہیں آئی اور وہ اپنی فطری روانی میں ہی اردو ماہیے کہتی چلی گئیں۔

نسرین نقاش کے ماہیوں میں ایک طرف نسائی مجوبیت ہے تو دوسری طرف والہانہ محبوبیت ہے۔ایک طرف کشمیر کا حسن ہے تو دوسری طرف اس حسن کو گہناتا ہوا بارود کی دھواں ہے۔ بنتے ،ٹوٹے ہوئے انسانی رشتے ،دکھ،سکھ،خوشیاں اورغم ،ملن اور جدائی۔کامیابیاں اور ناکامیاں۔اس طرح کی متعدد متضاد کیفیات سے گھلتے ملتے ہوئے نسرین نقاش کے ماہیوں میں تخلیقی حسن پیدا ہو گیا ہے۔خوشی کی بات ہے کہ نسرین نقاش نے ماہیے سے اپنی داخلی وابستگی کی بنا پر اتنے ماہیے کہہ لیے ہیں کہ اب ان کے ماہیوں کا مجموعہ چھپ گیا ہے۔میں دلی خوشی کے ساتھ نسرین نقاش کے ماہیوں کے مجموعہ کا استقبال کرتا ہوں!

(نسرین نقاش کے ماہیوں کے مجموعہ ''روحیں چناب کی'' میں شامل تاثرات)

ماہیے کے مباحث

(مضامین)

حیدر قریشی

اُلجھے جو فقیروں سے
یوں سمجھو، اُلجھے
اپنی تقدیروں سے

انتساب

احمد حسین مجاہد کے نام

اک اپنا ہزارہ تھا
کتنے نظاروں کا
خوش رنگ نظارہ تھا

نفرت کے اندھیروں کو
توڑ مرے مالک
ظلمات کے گھیروں کو

ماہیے کی بحث

(یہ مضمون پرویز بزمی کے نہایت جارحانہ مضمون کے جواب میں لکھا گیا)

''اوراق'' کے شمارہ جنوری فروری ۱۹۹۹ء میں ایک مضمون شائع ہوا ہے ''پنجابی ماہیا کی ہیئت اور وزن''۔اس کے مضمون نگار نے بہت اچھا کیا ہے کہ ''اوراق'' کے اسی شمارہ میں اپنے ماہیے بھی پیش کر دیئے ہیں۔''اوراق'' کے صفحہ نمبر ۳۵۲ پر موصوف کے ۱۸ ماہیے موجود ہیں ان ماہیوں سے ان کے مضمون اور نفس مضمون کو سمجھنے میں خاصی آسانی رہے گی۔

مضمون نگار موصوف کے ایک ماہیے سے بات شروع کرتے ہیں۔

چکوے سے کہوری سکھی
پار کنارے پر تڑپے ہے تری چکوی

موصوف کے اب تک کے شائع شدہ سارے ماہیوں کا وزن مکمل طور پر وہی ہے جس کے لئے ہم لوگ گزشتہ دس سالوں سے اصرار کر رہے ہیں اور مخالفین کا ہدفِ ملامت بھی بنے ہوئے ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ موصوف نے اسے ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں پیش کیا ہے جبکہ ہم اسے سہ مصرعی ہیئت میں پیش کر رہے ہیں۔اردو میں ماہیے کے بارے موصوف نے عملاً ہمارے موقف کی تصدیق کی ہے بس صرف تین مصرعوں کی ہیئت کی جگہ ڈیڑھ مصرعی ہیئت پر اصرار کیا ہے۔سو اس اختلاف کو پنجابی ماہیے کی روایات کے تناظر میں بہتر طور پر دور کیا جا سکتا ہے۔سہ مصرعی اور ڈیڑھ مصرعی ماہیے کے مسئلہ سے ہٹ کر مضمون نگار نے بہت سے ایسے امور کو بھی چھیڑا ہے جس کے سلسلے میں یا تو ان کی معلومات ناقص ہے یا پھر انہوں نے دیدہ دانستہ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔سو اصل اور بنیادی مسئلے پر بات کرنے سے پہلے میں بعض ایسے امور کے

سلسلے میں حقیقت حال واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جن سے غلط فہمیاں پھیلنے کا خدشہ ہے۔

''اوراق'' کے صفحہ نمبر ۳۲۶ پر مضمون نگار نے ماہیے کی بحث کا نچوڑ گیارہ نکات کی صورت میں پیش کیا ہے۔ان میں سے نمبر ۶ کے تحت ریاض احمد کا یہ ادھورا جملہ دیا ہے ''ماہیا کے بول عوامی فنکار ترتیب دیتے ہیں جس سے عروض اور وزن کی پابندی کا تقاضہ بے سود ہے'' حالانکہ اس جملہ سے آگے ریاض احمد کے یہ الفاظ ہیں: ''تاہم ان بولوں کے آہنگ میں عروضی وزن کی تلاش کچھ اتنا بے معنی عمل بھی نظر نہیں آتا''۔شاید یہ جملہ مضمون نگار کو پسند نہیں آیا حالانکہ ریاض احمد کی بات یہیں آ کر پوری ہوتی ہے۔اپنے اس مضمون میں ریاض احمد نے یہ اصولی باتیں بھی لکھی تھیں: ۱۔ماہیا صرف ایک شاعری کی صنف ہی نہیں، ایک لَے یا سُر کا نام بھی ہے''۔

۲۔''پنجابی اوزان میں موسیقی کے بنیادی تصورات مثلاً سُر، تال وغیرہ کی مدد سے آہنگ کو اس طرح نمایاں کیا جاتا ہے کہ عروضی وزن اس آہنگ کو مدنظر رکھے بغیر مقرر کرنا مشکل ہو جاتا ہے''۔۔۔۔۔۔

ہم نے اسی آہنگ کی بنیاد پر عروضی اوزان کو دریافت کیا ہے۔

مضمون نگار نے اپنے بیان کردہ نکتہ نمبر ۴ میں میرے اور مناظر عاشق کے حوالے سے ماہیے کے پانچ اوزان کا ذکر کیا ہے اور اگلے صفحہ پر یوں مجھ پر اعتراض کیا ہے۔

''ان کا کہنا ہے کہ اس وقت تک ماہیے کے پانچ وزن دریافت ہو چکے ہیں یعنی ابھی کچھ اور اوزان بھی دریافت ہوں گے۔ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ ماہیا سُر، تال کے ساتھ گایا جا سکے اور لے کی روانی میں فرق نہ آئے وہ ماہیا صحیح وزن میں ہے۔دوسری طرف ماہیے کی جو بحریں وجود میں لا رہے ہیں اور جو نئے نئے اوزان سامنے آ رہے ہیں ان کی کچھ صورتیں ملاحظہ فرمائیں''

اس کے بعد مضمون نگار نے یونس احمر اور اشعر اور ینوی کے غلط وزن کے دو دو ''ماہیے؟'' درج کئے ہیں۔یہاں اگر موصوف نے دیدہ دانستہ حقائق کو مسخ کیا ہے تو بھی اور اگر اپنی لاعلمی کے باعث ایسا کیا ہے تو بھی ان کا تجزیہ بے حد افسوسناک ہے۔ڈاکٹر مناظر عاشق کے بیان کردہ عروضی اوزان اور تھے اور میرے بیان کردہ اور ہیں۔ڈاکٹر مناظر نے بھی بعد میں ان اوزان

کوترک کر دیا تھا۔ان کے بیان کردہ اوزان ’’گلبن‘‘ کے ماہیا نمبر میں چھپے تھےاوران اوزان کے ساتھ ہی یہ بھی درج تھا۔’’ ویسے ابھی تک فعلن فعلن فعلن/فعلن فعلن فع/فعلن فعلن فعلن اور مفعول مفاعیلن/فعل مفاعیلن/مفعول مفاعیلن کے اوزان ہی مروج ہیں‘‘۔اس کے باوجود میں نے اپنے مضمون ’’اردو ماہیے کی تحریک‘‘ میں (اس مضمون کا آخری حصہ گلبن کے ماہیا نمبر کے تجزیہ کے طور پر الگ سے بھی چھپ چکا ہے) ڈاکٹر مناظر کے ان اوزان کو تسلیم نہیں کیا اور صاف لکھا ہے کہ ’’جو اوزان انہوں نے تجویز کئے ہیں وہ ماہیے کی پنجابی لے سے میل نہیں کھاتے۔اسی لئے انہیں بطور ماہیا قبول نہیں کیا جا سکتا‘‘ ------صرف یہی نہیں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنے ادبی رسالہ ’’کوہسار جرنل‘‘ کے شمارہ مئی ۱۹۹۸ء میں میرا خط شائع کیا اور میرے موقف سے اتفاق بھی کیا۔گویا جنوری تا اپریل ۱۹۹۸ء کے گلبن میں ان کے متنازعہ اوزان شائع ہوئے اور مئی ۱۹۹۸ء کے ’’کوہسار‘‘ میں تنازعہ ختم بھی ہو گیا۔یہاں کوہسار سے میرے خط کا اقتباس پیش کر دینا مناسب رہے گا:

’’آپ نے ماہیے کی سات نئی بحریں لکھی ہیں (تفصیل کے لئے گلبن کے ماہیا نمبر میں میرا مضمون ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ہرگانوی) ان میں سے صرف ایک بحر فاعلاتن/ فاعلاتن فاعلن/ فاعلاتن فاعلاتن تھوڑی سی ترمیم کے بعد یعنی : فعلاتن فعلاتن/فعلاتن فعلن/فعلاتن فعلاتن میرے لئے محض اس لئے قابل قبول ہے کہ اسے بھی ماہیے کی پنجابی لے میں گنگنایا جا سکتا ہے۔ باقی کوئی بھی بحر نہ ماہیے کی لے سے مطابقت رکھتی ہے نہ ہی ماہیا ہے۔ماہیے کے معاملے میں میرا موقف بالکل سیدھا اور سادہ سا ہے کہ جو ماہیا پنجابی ماہیے کی لے میں گایا جا سکتا ہے وہ ماہیا ہے۔ ہمیں دُھن کی بنیاد پر ہی ماہیے کو قائم رکھنا ہے اور صرف لے میں آنے والے متبادل اوزان ہی قبول کرنے ہیں۔(حیدر قریشی صاحب! ہمیں آپ کی رائے سے سو فی صد اتفاق ہے۔نئی بحروں کے تجربے محض تجربے تھے تاکہ مساوی الوزن کہنے والوں کی سوچ بدلے اور انہیں عروضی راستے صاف نظر آئیں۔ہرگانوی)‘‘۔

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ جو اوزان لے کے مطابق نہیں تھے میں نے ان

سے اختلاف کیا تھا اور ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اعلیٰ ظرفی کے ساتھ میرے اختلاف سے اتفاق کر لیا تھا۔لہٰذا یونس احمر اور اشعر اورینوی کی مثالوں سے کسی کو ملزم کرنا مناسب نہیں ہے۔ میں نے اپنے مضمون ’’ماہیا پابندِ لے ہے‘‘ میں ماہیے کی لے کی بنیاد پر جو پانچ اوزان پیش کئے تھے وہ بھی یہاں درج کئے دیتا ہوں اور ان کے بعد جو تین نئے اوزان اردو کے عروضی قواعد کی پابندی کے ساتھ سامنے آئے ہیں وہ بھی درج کئے دیتا ہوں۔

۱۔ مفعول مفاعیلن	۲۔ فعلن فعلن فعلن	۳۔ فعلات مفاعیلن	۳فعلات مفاعیلن
فعل مفاعیلن	فعلن فعلن فع	فعل مفاعیلن	فعل مفاعیلن
مفعول مفاعیلن	فعلن فعلن فعلن	فعلات مفاعیلن	فعلات مفاعیلن
۴۔فعلاتن فعلاتن	۵۔ مفعول مفاعیلن	۶۔مفعول مفاعیلن	
فعلاتن فعلن	فعل فعولن فع	فاع مفاعیلن	
فعلاتن فعلاتن	مفعول مفاعیلن	مفعول مفاعیلن	
	۷۔ فعلن فعلن فعلن	۸۔مفعولن مفعولن	۸۔ مفعولن مفعولن
	مفتعلن فعلن	مفعولن فعلن	مفعولن فعلن
	فعلن فعلن فعلن	مفعولن مفعولن	مفعولن مفعولن

اپنے ماہیوں میں میرے موقف کی عملاً تصدیق کرنے لیکن اپنے مضمون میں میرے موقف کو دھندلانے کی کوشش کرنے والے مضمون نگار ان اوزان کو ماہیے کی کسی بھی ایسی لے پر گنگنا کر چیک کر لیں جس پر وہ اپنے اردو ماہیے گنگنا سکتے ہیں۔ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔

مضمون نگار کے نکتہ نمبر ۸ اور ۱۰ میں ایک ہی بات ہے۔ پھر ان کے الگ الگ نمبرز لگانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔سمجھ نہیں آئی۔دونوں نکات دیکھ لیں۔دونوں میں ایک ہی بات بتائی گئی ہے۔۸۔’’گاتے وقت اگر لے کی روانی نہ ٹوٹے تو ماہیا صحیح وزن میں ہے‘‘۔۱۰۔’’پنجابی میں ماہیا گانے کی ایک خاص دُھن ہے جو ماہیا اس دھن پر پورا اترے گا اس کا وزن درست ہے‘‘۔

نکتہ نمبر ۱۱ میں مضمون نگار نے لکھا ہے ''ماہیے کا وزن مفعو۔۔۔۔۔لمفا۔۔۔۔عیلن بھی ہے (حیدر قریشی)'' اور تھوڑا اور آگے چل کر یوں تمسخرانہ انداز اختیار کیا ہے! ''یہ ناقدین اگر پنجاب کے کسی گاؤں میں جائیں اور کسی چرواہے سے ماہیا سُن کر اسے کہیں کہ تمہارا ماہیا ''مفعو۔۔۔۔لمفا۔۔۔۔عیلن'' کے مطابق نہیں ہے تو وہ سمجھے گا کہ اسے گالی دی جا رہی ہے اور ناقدین کو کسی ناخوشگوار صورت حال سے دوچار ہونا پڑے گا''۔

جواباً میری پہلی گزارش یہ ہے کہ میں نے ماہیے کا وزن مفعولمفاعیلن نہیں قرار دیا تھا بلکہ مفعول مفاعیلن والے وزن کو فعلن فعلن فعلن والے وزن ہی کی تھوڑی سی بدلی ہوئی صورت لکھ کر اسے مفعو لمفا عیلن سے ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔ احمد حسین مجاہد نے اسی حوالے سے اپنا بے حد اہم مضمون ''اردو ماہیا عروضی تناظر میں'' تحریر کیا تھا جس میں عروضی حوالے سے تسکین اوسط کی کرشمہ سازی کو مدلل طریقہ سے واضح اور ثابت کر دیا تھا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ پنجابی ماہیے گانے والوں کے لئے کسی فعلن فعلن کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ مسئلہ تو ہمیں اردو میں ماہیے کے خدوخال واضح کرنے کے لئے پیش آیا ہے۔ ویسے پنجابی میں بھی ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری، تنویر بخاری، پروفیسر شارب اور متعدد دیگر پنجابی ادیبوں نے بھی ماہیے کی بحث میں بہت سارا فعلن فعلن کیا ہے اور اردو میں یہ مسئلہ سامنے آنے سے بھی پہلے پنجابی میں ایسا ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری اپنے مضمون ''ماہیے دی عروضی بحر'' میں لکھ چکے ہیں۔ ''پنجابی شاعری پر فارسی عروض کو لاگو کرنے کی کاوش ایک نئے سمندر میں ''بیڑا ٹھیلن'' والی بات ہے۔ اس لیے کسی کے رستے کو درست یا غلط کہنے کا ابھی کوئی مطلب نہیں ہے۔ ابھی پتہ نہیں اور کتنے لوگ اس موضوع پر قلم اٹھائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ بھی جس سے بن پڑتا ہے، مبارک ہے'' (پنجابی سے ترجمہ)۔

اس کے باوجود تمسخر کا نشانہ ہم ہی ہیں تو یہ بھی سر آنکھوں پر!

تیسری گزارش یہ ہے کہ پنجاب کے دیہاتی بھی تھوڑا سا عربی قاعدہ ضرور پڑھے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ گالی کے مغالطہ کا شکار نہیں ہوں گے۔ اردو عروض عربی سے آیا ہے اور اس

کے اوزان کو پڑھتے ہوئے صرف وہی شخص گالی کی غلط فہمی میں مبتلا ہوگا جو عربی الفاظ کو اپنی مادری زبان میں لینے کی بے وقوفی کرے گا۔ میری مادری زبان پنجابی ہے اور مجھے مذکورہ اوزان کو پڑھتے ہوئے کبھی کوئی الجھن پیش نہیں آئی۔ شاید یہ اپنے اپنے ذہن کی بات ہے۔

اپنے نکتہ نمبر ے میں مضمون نگار نے درج کیا ہے ''ماہیا کا نام بگڑو اور ٹپہ بھی ہے (حیدر قریشی، مناظر عاشق ہرگانوی، افضل پرویز)''۔ اس کے بعد یوں برہمی کا اظہار کرتے ہیں :
''تین مصرعوں کے ماہیا کی وکالت کرنے والے محققین اور شعراء کا کہنا ہے کہ ماہیے کا ایک نام بگڑو ہے اور ایک نام ٹپہ بھی ہے''۔

''بگڑو'' نام کے بارے میں سرائیکی دانشور بشیر ظامی نے کہا تھا کہ بگڑو ہماری زبان کا بہت قدیمی گیت ہے اور افضل پرویز نے ''بگڑو'' نام کی توجیہہ پیش کی تھی لیکن بشیر ظامی اور افضل پرویز دونوں ''تین مصرعوں کے ماہیا'' کے نہیں بلکہ ڈیڑھ، دو مصرعوں کے ماہیا کے وکیل تھے۔ مجھے علم نہیں کہ مضمون نگار موصوف نے جان بوجھ کر انہیں ہمارا وکیل بنایا ہے یا وہ خود بھی اس سے بے خبر تھے۔ ماہیے کا دوسرا نام ٹپہ پنجابی دانشور تنویر بخاری نے بیان کیا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں میری دلی میں امرتا پریتم سے دو تین ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ ان میں ضمناً ماہیے کا بھی تھوڑا سا ذکر ہوا تو انہوں نے مجھ سے چند اردو ماہیے سنے اور پھر کہنے لگیں یہ تو ٹپے ہیں۔۔۔ ماہیے کا کوئی نام ٹپہ یا بگڑو تھا، اس پر اتنا بگڑنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ کوئی بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ماہیے کا نام اردو میں بھی رائج ہو گیا ہے اور اب یہی زیر بحث ہوتا ہے۔

اب میں مضمون نگار کے اصل اور بنیادی مسئلے کی طرف آتا ہوں ڈیڑھ مصرعی ہیئت کے سلسلے میں ان کا یہ بیان توجہ طلب ہے ''ماہیے کے تین مصرعوں اور وزن کی بحث اتنے زور شور اور تواتر سے چلی ہے کہ اس کے زیر اثر پنجاب کے پیدائشی اور سکونتی شعراء نے بھی ماہیا کو تین مصرعوں کا سمجھ لیا ہے۔ ان کا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا کہ پنجابی میں ماہیا کی ہیئت ڈیڑھ مصرعہ کی ہے''۔

یہاں بھی مضمون نگار غلط بیانی یا لاعلمی کا شکار ہیں۔ خود پنجابی دانشوروں نے پنجابی میں

ہی ماہیے کی ڈیڑھ مصرعی ہیئت کو رد کرتے ہوئے اسے سہ مصرعی ہیئت میں قبول کیا ہے۔ یہ علمی بحث اردو میں ماہیے کی موجودہ تحریک کے آغاز سے بہت پہلے ہو چکی ہے، اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ ہماری بحث کے زیر اثر پنجاب کے شعراء نے بھی ماہیے کو تین مصرعوں کا سمجھ لیا۔ ڈاکٹر روشن لال آہوجا اسے تین مصرعوں کا مانتے تھے۔ تنویر بخاری نے پنجابی میں ڈیڑھ مصرعی ماہیے کا ذکر کرنے والے بیشتر دانشوروں کے حوالے درج کرنے کے بعد ان کے موقف کو مسترد کر کے سہ مصرعی ہیئت پر اصرار کیا۔ ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری نے وزن کے سلسلے میں تنویر بخاری سے اختلاف کیا لیکن اپنے اختلافی مضمون میں بھی انہوں نے سہ مصرعی ہیئت پر واضح الفاظ میں صاد کیا۔ یہاں ان کے بیان کا متعلقہ حصہ پیش ہے۔ ''ماہیا ایک چھوٹی نظم ہے۔ اس میں تین مصرعے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے پہلے مصرعہ کو آدھا مصرعہ کہتے ہیں اور اگلے دونوں مصرعوں کو یکجا کر کے، ایک مصرعہ بنا کر پوری چھوٹی نظم کو ڈیڑھ مصرعی کہتے ہیں۔۔۔تنویر بخاری صاحب نے ڈاکٹر روشن لال آہوجہ کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اسے ڈیڑھ مصرعی نہیں بلکہ سہ مصرعی تسلیم کیا ہے۔ میں تنویر بخاری صاحب کے موقف کے ساتھ اتفاق کرتا ہوں'' (ماہیے دی عروضی بحر'' مطبوعہ سہ ماہی ''پنجابی ادب'' لاہور شمارہ اپریل تا جون ۱۹۸۷ء۔۔۔(پنجابی سے ترجمہ)

ڈیڑھ مصرعی ہیئت کے حامیوں کی ایک لسٹ دینے کے بعد مضمون نگار نے ''اوراق'' کے صفحہ نمبر ۳۲۶ پر ہی یہ درد بھری شکایت کی ہے:

''کئی حضرات نے ماہیا سے کئے جانے والے اس سلوک کے خلاف ضرور صدائے احتجاج بلند کی لیکن ان کی نحیف آواز بہت سے اصحاب تک نہیں پہنچ سکی''۔ اردو ماہیے کی موجودہ تحریک کے آغاز سے پہلے ہی افضل پرویز، عبدالغفور قریشی، مقصود ناصر چوہدری، کرم حیدری، محمد بشیر احمد ظامی وغیرہ نے ڈیڑھ مصرعی ہیئت کا مسئلہ اٹھایا تھا اور اس مسئلے کو علمی و ادبی لحاظ سے ان سے کہیں بڑے پنجابی اسکالرز نے نہ صرف مدلل طریقے سے رد کر دیا تھا بلکہ تین مصرعوں کی ہیئت کو رائج بھی کر دیا تھا۔ یہ جوابِ اردو ماہیے کی تحریک کے بعد پنجابی ماہیے کی اصل ہیئت کے علمبردار سامنے آئے ہیں، کیا ان سب نے اس وقت آواز اٹھائی جب ستّر کی دہائی میں لوک ورثہ کے قومی

ادارہ نے سہ مصرعی ہیئت میں اسلم جدون کا مرتب کردہ ضخیم انتخاب ''ماہیے'' شائع کیا؟

کیا اس وقت احتجاج کیا جب پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے اکادمی ادبیات پاکستان کے تعاون سے تنویر بخاری کی کتاب ''ماہیا فن تے بنتر'' کو شائع کیا؟ ۱۹۸۸ء میں چھپنے والی اس کتاب میں تنویر بخاری نے ڈیڑھ مصرعی ہیئت کو رد کر کے سہ مصرعی ماہیے کا انتخاب پیش کیا تھا۔

کیا اس وقت کسی نے اختلافی مضمون لکھا جب ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری بھی تنویر بخاری کے موقف کو تسلیم کر رہے تھے؟

پھر اردو میں ماہیا کے نام پر ثلاثی قسم کی چیزیں لگ بھگ ۱۹۸۳ء سے چھپ رہی تھیں کیا تب ان پر مضمون نگار موصوف نے صدائے احتجاج بلند کی؟۔ آخر یہ ڈیڑھ مصرعی ہیئت کا شوشہ اتنی دیر کے بعد کیوں چھوڑا گیا؟ اہلِ نظر اس سے بے خبر نہیں ہیں۔

اردو ماہیے کی تحریک کا باقاعدہ آغاز افتخار احمد کے مضمون ''اردو ماہیے'' سے ہوتا ہے۔ یہ مضمون روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی کے ادبی صفحہ پر ۲۴ مئی ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں شامل تھا۔ اس میں افتخار احمد نے لکھا تھا ''ماہیا کو ہم دو صورتوں میں لکھ سکتے ہیں'' اور پھر ڈیڑھ مصرعی اور سہ مصرعی دونوں ہیئتوں میں ماہیا پیش کیا ہے۔ میں نے بھی اپنی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' کے صفحہ نمبر ۱۳ پر مذکورہ دونوں ہیئتوں کی مثالیں درج کرنے کے بعد لکھا تھا: ''یہ اختلاف رائے صرف ماہیے کو تحریری صورت میں پیش کرنے کا ہے۔ وگرنہ مذکورہ بالا دونوں ہیئتوں میں ماہیے کا اصل وزن محفوظ ہے۔ اگرچہ ماہیا کو تین مصرعوں کی ہیئت میں واضح پذیرائی مل چکی ہے اور یہی صورت ماہیے کی مقبول اور مروّج صورت ہے تاہم دوسرے موقف سے بھی ماہیے کا مجموعی وزن بہر حال قائم رہتا ہے''۔۔۔ان دو مثالوں سے ظاہر ہے کہ ہم لوگ ڈیڑھ مصرعی ہیئت سے بے خبر نہیں تھے لیکن ہم نے پنجابی ماہیے کی مضبوط سہ مصرعی ہیئت کو اہمیت دی۔

لگ بھگ دو سال پہلے ایک حلقے کی طرف سے مشورہ دیا گیا تھا کہ اگر ماہیے کو ڈیڑھ مصرعہ میں لکھا جائے تو ثلاثی سے اسکی الگ پہچان ہو سکے گی۔ تب میں نے جواباً لکھا تھا ''ماہیے اور ثلاثی یا ہائیکو کا محض ہم شکل ہونا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ رباعی اور قطعہ بظاہر ہم شکل ہیں لیکن دونوں

کا فرق واضح ہے۔ دوہے اور دوپدے میں بسرام کی تفریق دونوں کو ہم صورت ہونے کے باوجود الگ الگ شناخت دیتی ہے۔ دِکھنے میں آزاد نظم اور نثری نظم (نثرِ لطیف) ایک جیسی ہیں لیکن فرق صاف ظاہر ہے'' (''ماہیے کی کہانی''، مطبوعہ ''گلبن'' احمد آباد ماہیا نمبر ۱۹۹۸ء)

میرے اس جواب کے معاً بعد ڈیڑھ مصرعی ہیئت کا مسئلہ حکماً پیش کیا جانے لگا ہے تو میں اس کے پس منظر کا اندازہ بھی کر سکتا ہوں۔ ماہیے کی ہیئت پر مزید بات کرنے سے پہلے یہاں مضمون نگار موصوف کے ایک ماہیے کے وزن کا جائزہ لے لیا جائے۔ میں نے شروع میں ان کا ایک ماہیا درج کیا تھا:

چکوے سے کہوری سکھی
پار کنارے پر تڑپے ہے تری چکوی

اب اسے سہ مصرعی ہیئت میں لا کر دیکھیں:

چکوے سے کہوری سکھی
پار کنارے پر
تڑپے ہے تری چکوی

موصوف کا ماہیا۔۔۔ ماہیے کے وزن پر پورا اترتا ہے ابھی تک مضمون نگار موصوف کے جتنے ماہیے بھی رسائل میں شائع ہوئے ہیں سب کے سب اسی وزن کے مطابق ہیں لیکن مضمون نگار نے اپنے مضمون میں تین مساوی الوزن مصرعوں کے مبینہ ماہیوں کو بھی ماہیے کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ کیا یہ قول اور فعل کا تضاد نہیں ہے؟۔۔۔ راجی کی جو دُھن پیش کی گئی ہے وہ جیسی بھی ہو اگر اس پر موصوف کے ماہیے پورے اترتے ہیں تو بات تو وہیں پر ہے جہاں ہم نے ختم کی تھی۔

جہاں تک ماہیے کی تحریری ہیئت کے مسئلے کا علمی سطح پر تعلق ہے۔ اس سلسلے میں یہ جان لینا بے حد ضروری ہے کہ ماہیا پنجاب کا لوک گیت ہے جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ سفر کرتا رہا ہے۔ بیسویں صدی میں جب لوک سرمائے کو جمع کرنے کا کام شروع ہوا تب اس لوک گیت کو احاطہ تحریر

میں لایا گیا۔ پنجابی میں ماہیا تین طریقے سے تحریر کیا گیا۔ پہلے طریقے کے مطابق اسے،۔۔ پورے ماہیے کو ایک ہی مصرعہ بنا کر لکھا گیا۔

تھالی وچ کھنڈ ماہیا، کنڈھ دے کے لنگنا ایں، تیری کنڈھ دی وی ٹھنڈ ماہیا

تنویر بخاری اور امین خیال نے یک مصرعی طریقۂ تحریر کی نشاندہی کی ہے۔ عاشق حسین عاشق نے تو دو سال پہلے ''نوائے وقت'' راولپنڈی میں ایک مضمون شائع کرایا تھا۔ ''ماہیے کی ہیئت اور وزن'' کے عنوان سے چھپنے والے عاشق حسین عاشق کے مضمون میں شدت کے ساتھ کہا گیا تھا کہ ماہیا ایک مصرعہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ دوسرے طریقے کے مطابق اسے ڈیڑھ مصرعہ کر کے لکھا گیا:

تھالی وچ کھنڈ ماہیا
کنڈھ دے کے لنگنا ایں تیری کنڈھ دی وی ٹھنڈ ماہیا

''پنجابی ماہیا کی ہیئت اور وزن'' کے مضمون نگار اسی طرزِ تحریر پر اصرار کر رہے ہیں ۔اور تیسرے طریقے کے مطابق ماہیا تین مصرعوں میں لکھا گیا:

تھالی وچ کھنڈ ماہیا
کنڈھ دے کے لنگنا ایں
تیری کنڈھ دی وی ٹھنڈ ماہیا

یہ تینوں طریقے اس صدی کے اوائل میں اختیار کئے گئے لیکن یہ تینوں طریقے ہی ماہیے جمع کرنے والوں کی ایجاد تھے۔ پنجاب کے عوام اسے کسی تحریری روپ میں نہیں، صرف ایک لَے اور سُر کے روپ میں جانتے تھے۔ جب ماہیے کو پنجابی میں تینوں ہیئتوں میں لکھا گیا ہے تو کسی ایک ہیئت کو ہی ماہیے کی اصل ہیئت کہہ کر باقیوں کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے؟۔۔۔۔ پنجابی ادبی بورڈ لاہور، اکادمی ادبیات پاکستان اور لوک ورثہ کے قومی ادارہ نے اگر سہ مصرعی ماہیے کو اہمیت دی تھی تو اس سے ماہیے کی سہ مصرعی ہیئت کو قوت ملی ہے۔ پنجابی ماہیے کی سہ مصرعی ہیئت کے حق میں پنجابی کے ہی تنویر بخاری، ڈاکٹر جمال ہوشیار پوری، علامہ غلام یعقوب انور، ڈاکٹر روشن لال

آ ہوجہ، فارغ بخاری اور امین خیال جیسے دانشور موجود ہوں تو اس موقف کو کیسے غلط کہا جا سکتا ہے۔
پھر ماہیے کی لے پر غور کریں تو اس میں بھی اتار چڑھاؤ کی تین کیفیتیں ملتی ہیں۔امین خیال نے لکھا ہے کہ گاتے وقت ماہیے کے تینوں برگ واضح ہو جاتے ہیں۔اس مسئلہ پر میں اپنے مضمون ’’پنجابی لوک گیت ماہیے کی تحریری ہیئت؟‘‘ میں زیادہ تفصیل سے اپنا موقف بیان کر چکا ہوں۔اس مضمون کے آخری حصہ کو یہاں دہرا کر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

’’پنجابی لوک گیت ماہیا صدیوں سے سینہ بہ سینہ رائج چلا آ رہا تھا۔اسے لکھنے کی کوئی روایت تھی ہی نہیں۔تحریری طور پر جب لوک سرمائے کو جمع کرنے کا خیال آیا تب اسے تحریری ہیئت دی گئی۔یک مصرعی، ڈیڑھ مصرعی اور سہ مصرعی تینوں ہیئتیں مختلف اوقات میں اپنائی گئیں۔اس لئے کسی ایک کو قبول کر کے باقیوں کو رد کرنے کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔سہ مصرعی تحریری ہیئت کے بارے میں یہ ضرور کہوں گا کہ اب ماہیے کی لَے سے اس کے اتار چڑھاؤ کی تین حالتوں کی نشاندہی کے بعد شواہد اس کے حق میں زیادہ ہو گئے ہیں۔گویا (۱) لَے کی تین حالتوں کی بنیاد پر (۲) سہ مصرعی ہیئت میں زیادہ ہرا بھرا دِکھنے کی بنیاد پر (۳) پنجابی میں سہ مصرعی ہیئت کے بیشتر نمونوں کی بنیاد پر اور (۴) اردو میں مقبولیت کی بنیاد پر ماہیے کی سہ مصرعی تحریری ہیئت ہی مروّج ہیئت بنتی ہے۔اس کے باوجود اگر کوئی ماہیا نگار اصل وزن کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماہیے کو ڈیڑھ مصرعی ہیئت میں لکھے، چاہے ایک ہی لمبے مصرعہ کی ہیئت میں لکھے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ماہیا نے جس طرح اپنی لَے کے ذریعے اپنے وزن کا تعین خود کیا ہے ایسے ہی اس کی تحریری ہیئت بھی اس کی لَے کے ذریعے سے خود بخود رائج ہوتی جائیگی۔جو ہیئت اسے مناسب نہیں لگے گی، از خود قصۂ پارینہ بن جائے گی۔ڈیڑھ مصرعی ہیئت پر بے جا اصرار کرنے والوں کو بھی اس کا یقین ہونا چاہئے‘‘

(مطبوعہ: ماہنامہ ’’سخنور‘‘ کراچی شمارہ اپریل ۱۹۹۹ء)
(مطبوعہ ’’اوراق‘‘ لاہور جولائی اگست ۱۹۹۹ء)

میرے دو ادبی بزرگ

علامہ شارق جمال اور جناب ناوک حمزہ پوری انڈیا میں اردو کے کہنہ مشق شعراء ہیں۔دونوں کو میں اپنا بزرگ سمجھتا ہوں ’’گلبن‘‘ کے ماہیا نمبر میں مطبوعہ ان کے کوائف اور ماہیوں سے میرے دل میں ان کے لئے محبت پیدا ہوئی۔یہ محبت تا حال قائم ہے چونکہ محبت میں تھوڑی بہت چھیڑ چھاڑ جائز ہوتی ہے اس لئے دونوں بزرگوں کے ماہیے کی بحث میں ادبی رویوں کو یہاں ایک ساتھ پیش کرتا ہوں۔

ماہنامہ ’’نئی شناخت‘‘ کٹک جلد اول شمارہ دوم میں علامہ شارق جمال ناگپوری کے چند مساوی الوزن ثلاثی ’’ماہیے‘‘ کے عنوان کے ساتھ شائع ہوئے تھے۔یہ تب کی بات ہے جب ابھی بھارت میں درست وزن کی تحریک کی آواز پوری طرح نہیں پہنچی تھی۔میں نے جہاں دوسرے ایسے احباب کا نوٹس لیا، وہیں علامہ شارق جمال کے ’’ماہیے‘‘ بھی بطور ماہیا تسلیم نہیں کئے۔میری کتاب ’’اردو میں ماہیا نگاری‘‘ کے صفحہ نمبر ۲۴، ۲۵ پر شارق جمال اور تین دیگر احباب کے ماہیوں کے ساتھ میرے یہ ریمارکس موجود ہیں۔

’’ماہیوں میں تین یکساں وزن کے مصرعوں کی غلط روش بے خبری کے باعث عام ہوئی۔پھر اس کا ایسا بے محابا استعمال ہونے لگا کہ ہر شاعر نے من چاہا وزن گھڑ لیا۔ماہئے کے ساتھ یہ تماشہ نو آموز شاعروں نے نہیں کیا۔زیادہ تر ایسے شعراء ہیں جو ایک عرصہ سے شاعری کر رہے ہیں اور ادب کی دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔‘‘

میرے ان اختلافی ریمارکس کو علامہ شارق جمال نے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا بلکہ اپنے طور پر ماہیے کو سمجھنے کی کوشش کی اور پنجابی ماہیے کی لَے کو اصولی طور پر مانتے ہوئے اردو میں اس

کے عروضی پیمانے تلاش کئے۔انہوں نے عروضی قاعدے کے مطابق مفعول مفاعیلن کے ساتھ دوسرے مصرعہ کے لئے مفعول فعولن کا وزن تجویز کیا۔ یہ وزن عروضی قاعدے کے عین مطابق ہے لیکن ماہیے کے فطری بہاؤ میں نہیں آتا۔ ویسے کھینچ تان کر اسے لے میں لایا بھی جا سکتا ہے۔ میں نے اس وزن پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے مضمون ''اردو ماہیے کی تحریک'' میں یوں اختلاف کیا تھا۔

''شارق جمال اپنے مضمون میں تمام تر اخلاص کے باوجود ماہیے کے فطری بہاؤ کو سمجھنے کی بجائے عروضی زبان میں الجھ گئے ہیں۔ میں علم عروض میں ان کی مہارت کا معترف بھی ہوں اور قدردان بھی، اور اس وجہ سے بھی ان سے محبت رکھتا ہوں کہ انہوں نے ماہیے کے غلط وزن کو ترک کر کے درست وزن کو اپنا کر عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے تاہم اپنے مضمون میں انہوں نے عروضی قاعدے کی بنیاد پر ماہیے کا جو وزن تجویز کیا ہے وہ ماہیے کے فطری بہاؤ میں نہیں آ رہا''

(ماہنامہ سخنور کراچی۔ دسمبر ۱۹۹۸ء)

عروضی قواعد کی رو سے اپنے موقف میں حق بجانب ہونے کے باوجود علامہ شارق جمال نے اس اختلاف کو بھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور سہ ماہی ''کوہسار جرنل'' بھاگل پور کے شمارہ مارچ ۱۹۹۹ء میں ''ماہیا۔ایک مباحثہ'' کے تحت ماہیے کے تئیں پورے اخلاص کے ساتھ کہہ دیا کہ ''مساوی الوزن ماہیے تو کسی طرح ماہیے کے فارم میں نہیں آ سکتے۔ ہاں، پہلے مصرعہ کے ارکان مفعول مفاعیلن کے ساتھ دوسرے مصرعہ کے ارکان فاع مفاعیلن یا مفعول فعولن وزن اچھا لگتا ہے۔کئی طرح کے وزن سے بہتر ہے کہ انہیں ارکان میں ماہئے کہے جائیں۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ شروع میں رکن فاع کا رکھنا عروضی قاعدے کے خلاف ہے لیکن آج کے لکھنے والوں کا اتفاق وزن فاع مفاعیلن پر ہی ہے تو بہتر ہے اسی ایک وزن ہی کو رواج دیا جائے۔ ماہیے تخلیق کرنے والوں کی تعداد بتاتی ہے کہ اس صنف سخن کو کافی شہرت ملے گی۔آج بھی اسے جو شہرت ملی ہے وہ دوسری اصناف شاعری سے (غزل وغیرہ کو چھوڑ کر) زیادہ ہی ہے۔''

ماہیے کے سلسلہ میں علامہ شارق جمال کے رویے سے ظاہر ہے کہ انہوں نے ماہیے کو

بتدریج سمجھنے کے ساتھ اس کے عروضی خدوخال کو اجاگر کرنے کی مخلصانہ کاوش کی ہے۔ اس سارے تدریجی عمل میں ان کی شخصیت کا قلندرانہ رخ بھی سامنے آیا ہے کہ اس بحث میں انہوں نے فقیرانہ شان استغناء کے ساتھ اپنی انا کو بیچ میں نہیں آنے دیا اور جو ادبی سچائی محسوس ہوئی اسے خلوص کے ساتھ مان لیا۔

جناب ناوک حمزہ پوری نے ماہیے کی تفہیم میں ایک بڑی اہم اور بنیادی نوعیت کی بات تحریر کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں ''میں بھی اس امر کی تائید کرتا ہوں کہ عروض کو آہنگ کا تابع ہونا چاہئے نہ کہ آہنگ ہی کو عروض کا غلام بنا دیا جائے۔''

لگ بھگ اسی مفہوم کو انہوں نے اپنے مضمون ''ماہیے کا وزن'' مطبوعہ دو ماہی گلبن احمد آباد شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۸ء میں بھی دہرایا ہے۔ یوں اصولی طور پر ناوک حمزہ پوری ماہیے کی لوک لے کے حامی ہیں لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے لکھنا پڑ رہا ہے کہ ان کی طرف سے ماہیے کی بحث میں کہیں کسی کی بے جا طرفداری اور کہیں کسی پر بے جا طنز کا رویہ ابھرنے لگا ہے۔ بے جا طرفداری میں ظہیر غازی پوری صاحب ان کی کمزوری محسوس ہونے لگے ہیں۔ ظہیر صاحب نے اپنے ایک مضمون میں خاصی عروضی کاری گری دکھائی تھی۔ دوسرے لوگوں کا مضحکہ اڑایا تھا۔ان کی عروضی کاریگری کے جواب میں احمد حسین مجاہد نے مضمون ''اردو ماہیا عروضی تناظر میں'' تحریر کیا جو گلبن کے شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۸ء میں چھپ چکا ہے۔اس کے بعد ناوک صاحب کا جو خط گلبن کے شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ہے اس میں انہوں نے احمد حسین مجاہد صاحب کے مضمون پر اپنی اچھی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ظہیر صاحب کا ذکر ہی گول کر دیا ہے اور زیر بحث بات کو چھوڑ کر شارق جمال صاحب پر طنز کرنے لگے اور اس میں یہ بھی لکھ دیا۔

''طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ان کے پیش کردہ وزن کو خود حیدر قریشی صاحب نے مسترد کر دیا ہے''

احمد حسین مجاہد نے ظہیر صاحب کی ''عروضی مہارت'' کو اپنے مضمون میں ظاہر کر دیا تھا۔شاید ان سے توجہ ہٹانے کے لئے ضروری تھا کہ تیر کا رخ شارق جمال صاحب کی طرف کر دیا جائے۔ ظہیر صاحب بھی بھلے آدمی ہیں۔ اپنی کسی مجبوری یا غرض کے باعث ماہیے کی بحث میں

انہوں نے علمی بات ایک فیصد کی ہے اور سنی سنائی باتوں اور مخالفین کے بہتانوں کو زیادہ اجاگر کیا ہے۔نتیجتاً ان کی اپنی ادبی ساکھ خراب ہوئی ہے۔اب تو وہ اسی بات سے خوش ہو رہے ہیں کہ انہیں کسی دوست نے خط لکھ دیا ہے کہ ماہیے کا تجربہ اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ماہیے کے سلسلے میں کتنے مخلص تھے۔کبھی کبھی انسان کو اپنی مجبوریوں کے باعث ایسا بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔بہر حال میں تو ظہیر صاحب کے لئے بھی خیر خواہی کے جذبات رکھتا ہوں۔ اللہ انہیں خوش رکھے۔تاہم اس سارے بحث مباحثہ میں ناوک حمزہ پوری صاحب کی شخصیت کا جو پہلو سامنے آیا ہے اس سے میرے اس تصور کو ہلکی سی، بہت ہی ہلکی سی ٹھیس پہنچی ہے جو ان کے بارے میں میرے ذہن میں بنا ہوا ہے۔مجھے شارق جمال صاحب اور ناوک صاحب کی بزرگانہ شخصیات ایک جیسی لگتی ہیں۔اسی لئے یہ چھوٹی سی شکایت لکھ دی ہے۔ڈاکٹر مناظر ہوں، ظہیر ہوں یا حیدر قریشی۔ہم سب کی بات اور ہے۔میں دعا کرتا ہوں کہ اپنے دونوں بزرگوں علامہ شارق جمال اور جناب ناوک حمزہ پوری کے بارے میں میرے ذہن میں جو تصور بنا ہوا ہے اور دل میں جو تصویر بنی ہوئی ہے وہ ہمیشہ قائم رہے اور وہ ہماری کوتاہیوں کے باوجود ہماری رہنمائی کرتے رہیں۔

ہمارے لئے دونوں بزرگوں کا وجود تبرک کا درجہ رکھتا ہے۔

(مطبوعہ سہ ماہی اسباق پونہ۔جولائی تا ستمبر ۱۹۹۹ء)

مزید کچھ ماہیے کے بارے میں

سہ ماہی ''کوہسار'' بھاگل پور کے شمارہ مارچ ۱۹۹۹ء میں ممتاز شاعر قتیل شفائی کا مضمون ''کچھ ماہیے کے بارے میں'' پڑھ کر خوشی ہوئی۔انہوں نے بالو اور ماہیا کے کرداروں کے بارے میں عمدہ معلومات فراہم کی ہے۔اسی معلومات میں اضافہ کرنے کیلئے میں بھی مزید کچھ مواد پیش کر رہا ہوں۔اقبال بیگم گجرات (پاکستانی شہر) کے ایک معزز وکیل کی بیٹی تھی۔اقبال نام کی نسبت سے اسے بالو کہتے ہیں اور اس کا بالو نام ہی مقبول ہو گیا۔ماہنامہ ''شمع'' نئی دہلی کے فلم اور ٹی وی نمبر (۱۹۸۸ء) میں پاکستانی فلمی صحافی یاسین گوریجہ صاحب کے مضمون ''فلم۔شمالی ہند سے پاکستان تک'' میں یہ معلومات ملتی ہیں۔

''بالو کا اصلی نام اقبال بیگم تھا۔وہ گجرات کے ایک وکیل کی بیٹی تھی جسے ایک تانگے والا اغوا کر کے لے گیا تھا یا وہ خود اس تانگے والے کے ساتھ فرار ہو کر کلکتہ پہنچ گئی تھی۔ان دنوں وہ اسٹیج پر کام کر رہی تھیں۔تانگے والے کا نام محمد علی عرف ماہیا تھا۔ریہرسل میں بالو کو ہیروئن کے طور پر لیا گیا۔اس کے ساتھ بی این بالی، حیدر باندی، بے بی نور جہاں، حسن دین وغیرہ نے کام کیا۔اس فلم کی شوٹنگ کے دوران پنجاب کے وزیر اعلیٰ سکندر حیات خان بھی سیٹ پر آئے۔انہوں نے، کے ڈی مہرہ کی کوشش کو سراہا۔''ہیر سیال'' نے زبردست کامیابی حاصل کی۔پنجاب میں ۱۹۳۶ء میں یہ فلم ریلیز ہوئی اور ہر جگہ اس نے سلور جوبلی منائی۔''

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بالو اور محمد علی ماہیا کا رومانس بیسویں صدی کی چوتھی دہائی کے پہلے نصف کا حصہ ہے۔اسی مضمون میں آگے چل کر یاسین گوریجہ فلم ''سسی پنوں'' کے ذکر میں لکھتے ہیں۔''اسے داؤد چاند نے ڈائریکٹ کیا تھا۔''ہیر سیال'' والی بالو اس فلم کی ہیروئن تھی۔

اس فلم کی کامیابی کے بعد بالو بیمار رہنے لگی۔اس کے خاوند محمد علی ماہیانے اسے کلکتہ کے بازارحسن کی زینت بنا دیا۔یہیں وہ آتشک کی بیماری میں مبتلا ہو کر اللہ کو پیاری ہوگئی۔البتہ وہ ایک ایسی یادگار چھوڑ گئی جس نے بعد میں پاکستان کی صف اول کی ہیروئن بن کر نام پیدا کیا۔اس ہیروئن کا نام صبیحہ خانم ہے‘‘۔۔۔۔قتیل شفائی صاحب نے بالو کی بیماری ٹی بی بیان کی ہے جو درست ہوسکتی ہے۔یاسین گوریجہ کے اس بیان سے کہ ’’فلم کی کامیابی کے بعد بالو بیمار رہنے لگی‘‘ ٹی بی کا قیاس درست ہوسکتا ہے۔البتہ جب اسے بازارحسن میں بٹھا دیا گیا تو پھر اسے آتشک کی بیماری بھی لگ گئی۔میرا خیال ہے ماں باپ کی عزت کا جنازہ نکالنے کے بعد مقدمہ بازی اور پھر سکینڈل کی تشہیر نے بالو کو اندر ہی اندر کچوکے لگائے ہوں گے۔یہی اذیت ٹی بی کا باعث بنی ہوگی۔بازارحسن نے آتشک کا موذی مرض دے دیا اور یوں پانچ چھ سال کے مختصر سے عرصہ میں وہ گھر سے فرار کے بعد شہرت اور رسوائی سمیٹ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔اس سارے سانحہ میں یہ ایک روشن پہلو بھی ہے کہ اقبال بیگم ایک شریف خاندان کی اولاد ہو کر کوٹھے تک جا پہنچی لیکن اس کی بیٹی صبیحہ خانم نے کوٹھے سے فلم اور فلم سے اپنا گھر آباد کرنے کا سفر مکمل کیا۔بالو وکیل کی بیٹی تھی۔اعزاز احمد آذر کا یہ ماہیا بالو کے نام کے بغیر بھی بالو ہی کے ذکر سے بھرا ہوا لگتا ہے۔

اس میں بھی ہیں راز کئی
لڑکی وکیلوں کی
دے گئی تاریخ نئی

محمد علی اور اقبال بیگم کے معاشقے کے حوالے سے امین خیال جی نے اپنے مضمون ’’پنجابی ماہیا‘‘ میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔محمد شفیع اور ایک اور بالو کی عشق کی داستان کا ذکر بھی کیا ہے۔ تاہم یہ سارے قصے اسی صدی کے اوائل کے ہیں جبکہ لوک گیت ماہیا تو صدیوں سے پنجابی عوام میں رائج ہوا ہے۔

حال ہی میں مغربی ممالک میں کارنیوال کے جشن منائے گئے ہیں۔جرمنی میں اس

میلے کو فاشنگ کہتے ہیں اور صرف جرمنی میں ہی۔۔۔سارے یورپ میں سے صرف جرمنی میں اس موقع پر Bütten Reden لازماً ہوتی ہے۔مجھے اس کا قطعاً علم نہیں تھا۔جرمنی میں مقیم میرے دوست ارشاد ہاشمی نے ایک بار مجھ سے سرسری ساذکر کیا کہ یہاں جرمنی میں بھی ماہیے سے ملتی جلتی شاعری پائی جاتی ہے۔اتفاق سے اس دن ارشاد ہاشمی صاحب بھی میرے ہاں موجود تھے جب ایک جرمن خاتون میرے ایک پرانے شاگرد کے ساتھ مجھے ملنے کے لئے تشریف لائیں۔ Frau Häring سے ہم نے Bütt کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔دو مصرعوں میں بھی، تین مصرعوں میں بھی اور اس سے زیادہ مصرعوں میں بھی۔پھر انہوں نے جرمنی کے مختلف علاقوں کی فاشنگ کی تقریبات کی الگ الگ ثقافتی پہچان پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ تھوڑے تھوڑے سے فرق کے باوجود Bütt پڑھنے کا رواج سارے علاقوں میں ہے اور اس کے بغیر یہ تقریب مکمل ہی نہیں ہوسکتی۔Frau Häring نے بتایا کہ صدیوں پرانی مختلف علاقوں کی ثقافتی پہچان اب ایک مرکزی ثقافتی پہچان میں ڈھلتی جارہی ہے۔یہ ساری دلچسپ باتیں تھیں لیکن مجھے تو Bütt کی تلاش تھی۔اس معاملے میں بھی ارشاد ہاشمی صاحب بازی لے گئے۔ایک دن وہ چند Bütt لے کر آئے۔میں نے انہیں دیکھا تو حیران رہ گیا۔انہیں پنجابی اور اردو ماہیے سے گہری مشابہت تھی۔ارشاد ہاشمی صاحب کے فراہم کردہ Bütt انہیں کے اردو ترجمہ کے ساتھ پیش ہیں۔

افسر وہ سیانا ہے	Burgermeister ist sehr schlou
کام کا زور ہو تو	Wen Viel Zu Tun Ist
کر لیتا بہانہ ہے	Macht er oft bluou
تھا شوق اسے جتنا	Er Wolte ran
دیکھئے کام وہ اب	Jetz muf zeigen
کر سکتا ہے کتنا	was er kann

ارشاد ہاشمی صاحب نے خود بھی جرمن زبان میں ایک ماہیا کہا۔جرمن زبان میں اسے

پہلا ماہیا کہنا چاہئے لیکن شاید جرمن احباب اسی ماہئے کو Bütt کہیں گے۔

Es gibt nicht zu lachen

Auslander kommen

Hier mub souber machen

بعد میں Frau Häring نے مجھے ڈھیرے سارے Bütt فراہم کر دیئے۔ ان میں مصرعوں کی تعداد مختلف ہے لیکن سہ مصرعی فارم کے Bütt حیرت انگیز طور پر ماہیے جیسے لگتے ہیں۔ ابھی ان پر غور کر رہا ہوں۔ Frau Häring اور ارشاد ہاشمی صاحب نے ساتھ دیا تو ہم ماہیے جیسے بہت سارے Bütt دوسروں سے الگ کر کے یک جا کر سکیں گے۔ شاید!

ماہئے کی بحث کے سلسلے میں سب سے پہلا باقاعدہ مضمون افتخار احمد نے ''اردو ماہیے'' کے زیر عنوان لکھا تھا۔ یہ مضمون دو ادبی رسائل میں یکے بعد دیگرے شائع ہوا تھا۔ ماہنامہ ''صریر'' کراچی کے شمارہ اگست ۱۹۹۲ء میں اور ماہنامہ تجدید نو اسلام آباد کے شمارہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں۔ ان دونوں رسائل کا ماہیے کی تحریک کا آغاز کرنے میں تاریخی کردار بنتا ہے۔ تاہم تحقیقی زاویے سے یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ مذکورہ مضمون سب سے پہلے روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی کی اشاعت ۲۴ مئی ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا۔ تب اس کے ادبی صفحہ کے مدیر انوار فیروز تھے۔ سو ماہیے کی بحث کا سب سے پہلا مضمون روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی میں جناب انوار فیروز کی زیرنگرانی شائع ہوا۔ آپ خود بھی ایک عمدہ ماہیا نگار ہیں۔ امید ہے یہ ساری باتیں ماہیے سے دلچسپی رکھنے والے دوستوں کے لئے دلچسپی کا باعث بنیں گی۔

(مطبوعہ سہ ماہی کوہسار بھاگلپور۔ اگست ۱۹۹۹ء)

اردو ماہیے کو بساتے ہوئے شہر اور بستیاں

اردو ماہیے کو اردو دنیا میں جو حالیہ مقبولیت ملی ہے اس کے نتیجہ میں ماہیے کے موضوعات میں وسعت آ رہی ہے بعض ایسے موضوعات جو ماہیے کی لوک روایت کا حصہ رہے ہیں اردو میں نہ صرف انہیں اپنایا گیا بلکہ ان میں لوک روایت سے آگے کا سفر بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔ پنجابی ماہیے میں مختلف حوالوں سے شہروں اور دیہاتوں کا ذکر ملتا ہے چند مثالیں پیش ہیں۔

۱۔ڈھارے دی کنڈی آ
منڈیا لہور دیا
تیری اکھ بڑی گنڈی آ

۲۔باگ وچ لاڈیرا
منڈیا لہور دیا
عتبار نہیں تیرا

۳۔بدوملہی نوں جانواں گے
ماہی ساڈا کالے رنگ کا
اونہوں قلعی دی کرانواں گے

۴۔بدوملہی نوں جانواں گے
ماہی دیاں لمیاں مُچھاں
اوتھوں وان وٹانواں گے

۵۔سُنیا ایں چنڈ راہناں
چُن کے لُٹیا ای
تاہیوں غیراں وچ پھُنڈ باہناں

ان ماہیوں میں لاہور، بدوملہی اور چنیوٹ کے قریب ایک گاؤں چنڈ کا ذکر ملتا ہے پنجابی ماہیے کی یہ روایت از خود اور وسیع پیمانے پر اردو ماہیے میں در آئی ہے متعدد شہروں اور بستیوں کے ناموں سے اردو ماہیا بستا اور آباد ہوتا جا رہا ہے اس وقت مجھے جو رسائل، اخبارات اور کتب دستیاب ہیں ان میں بھی شہروں، بستیوں اور ملکوں کا ذکرِ فراواں ملتا ہے سو اپنے اس مضمون میں مختلف ماہیا نگاروں کے ایسے ماہیے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

دینی ماہیوں میں مدینہ منورہ کا خاصا ذکر ہوا ہے ان میں مدینہ شریف سے آنحضرت ﷺ کی نسبت کے حوالے سے گہری محبت اور عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے۔

اُس اوراجالے ہیں
جائیں مدینے جو
وہ قسمت والے ہیں
(سعید شباب)

☆

اک بات ہے سینے میں
جان مری نکلے
مولا کے مدینے میں
(قاضی اعجاز محور)

☆

روزوں کا مہینہ ہے
میری آنکھوں کا
مسکن وہ مدینہ ہے
(عارف فرہاد)

☆

مرکز گنجینے کا
شہروں میں افضل
ہے شہر مدینے کا
(امین خیال)

روشن سا ستارہ ہے
شہر مدینہ میں
جنت کا نظارہ ہے
(شاہدہ ناز)

بھرلاؤ سینے میں
نور برستا ہے
آقاؐ کے مدینے میں
(اختر رضا سلیمی)

مدینہ شہر کے حوالے سے تو بے شمار ماہیے کہے جا چکے ہیں تاہم بعض ماہیوں میں مکہ شریف کا ذکر بھی مدینہ شریف کے ساتھ آیا ہے۔

اک سبز نگینہ ہے
مرکز دنیا کا
مکہ یا مدینہ ہے
(اجمل جنڈیالوی)

اب دور سفینہ ہے
پھر بھی مرے دل میں
مکہ ہے، مدینہ ہے
(علقمہ شبلی)

دل مکہ مدینہ ہو
نورِ الٰہی سے
روشن ہر سینہ ہو
(محمد وسیم انجم)

یہاں تک تو مکہ اور مدینہ کا ذکر تھا بخش لائل پوری کے ایک ماہیے میں کاشی اور مدینہ کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے

کاشی ہو مدینہ ہو
سجدے لا حاصل
جب پاک نہ سینہ ہو

☆

بخش لائل پوری نے قلب کی صفائی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے تو ضمیر یوسف نے برملا کہا ہے:

نفرت ہے نہ کینہ ہے
پاک ہے ہر گوشہ
دل میرا مدینہ ہے

☆

نذیر فتح پوری کے ہاں اجمیر شریف کا حوالہ اولیائے کرام سے ان کی عقیدت کو ظاہر کرتا ہے:

اجمیر میں جا سجنی
پریم کے ساگر سے
دل اپنا لگا سجنی

بنارس کی صبح کا حوالہ اایک طرف گنگا کی مذہبی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے تو دوسری طرف اس کا حُسن محبوب کے حسن کی تشبیہ بن جاتا ہے۔

بہتا ہے سرن ڈھولا
صبح بنارس کی
تو پہلی کرن ڈھولا (یوسف اختر)

تاریکی زنداں ہوں
صبح بنارس تُو
میں شام غریباں ہوں (شجاعت علی راہی)

کراچی، ملتان اور لاہور کا ذکر بعض ماہیا نگاروں کے داخلی تجربوں سے یوں ماہیے میں آیا ہے۔

رنگ گوراڈاچی کا
دیکھو کرڈالا
کیا حال کراچی کا
(صابر آفاقی)

ملتان کے آم اچھے
اچھا لگتا ہے
جس شخص کے کام اچھے
(صابر آفاقی)

وہ دور نہیں دیکھا
ہم نے بزرگوں کا
لاہور نہیں دیکھا
(پروین کمار اشک)

ملتان، دلی اور راولپنڈی کا تذکرہ بہ انداز دگر یوں ملتا ہے۔

یہ ناز سے کہتا ہوں
پیروں کی نگری
ملتان میں رہتا ہوں
(ارشد اقبال آرش)

پردیس میں رہتے ہیں
دلی کے جنگل میں
دُکھ پنڈی کے سہتے ہیں
(پروین کمار اشک)

شہروں کی کہانی ہے
لڑکا پنڈی کا
لڑکی ملتانی ہے
(خاور اعجاز)

عارف فرہاد کے ماہیوں میں راولپنڈی پتھر دل صنم کا شہر بن کر ابھرتا ہے۔

دل کے لئے غم ڈھونڈے
راولپنڈی میں
کیا کوئی صنم ڈھونڈے

عمروں کے روگ ملے
پنڈی میں دل کو
پتھریلے لوگ ملے

اس کے برعکس کابل کا محبوب عارف فرہاد کو زیادہ مرغوب ہے لیکن بالآخر وہ نوشہرہ کی خوشبو سے مشام جاں کو معطر کر لیتے ہیں۔

کابل سے ہوا آئی
بہتے دریا میں
پھولوں کو بہا لائی

چاندی کی کٹوری ہے
کابل کی لڑکی
ہر چیز سے گوری ہے

چمبیلی کی کلیوں میں
خوشبو رہتی ہے
نوشہرہ کی گلیوں میں

ڈاکٹر صابر آفاقی نے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی ماہیے کے لئے خدمات کو محبت کی نظر سے دیکھا تو مناظر عاشق کے علاقہ برہ پورہ کا ذکر یوں آفاقی صاحب کے ماہیے میں چلا آیا:

اک دریا بہتا ہے
عاشق ماہیے کا
برہ پورہ میں رہتا ہے

بعض شہروں اور وادیوں کا ذکر اردو ماہیے میں اس طرح آیا ہے:

مدہوش نظارے ہیں
لوگ پشاور کے
جی دار ہیں، پیارے ہیں

اک راگ روانی میں
پیار کا نغمہ ہے
جہلم کے پانی میں
(مسعود ہاشمی)

یہ گوجرانوالہ ہے
شہر محبت کا
ہر شخص نرالا ہے
(امین خیال)

جہلم ترے دھاروں کی
بھول نہیں سکتے
ہم آگ چناروں کی
(یوسف اختر)

چنبیلی کی کلیوں میں
گم ہے مرا بچپن
گجرات کی گلیوں میں
(عاصی کاشمیری)

☆ ☆ ☆

چترال کو چلتے ہیں
سنگ پہاڑوں کے
جہاں رنگ بدلتے ہیں
(امین خیال)

گرمی سے نہ گھبرانا
جب کبھی دل چاہے
کاغان چلے آنا
(سلطان سکون)

کشمیر میں رہتا ہوں
کشمیری رنگ میں
میں ماہیے کہتا ہوں
(صابر آفاقی)

☆ ☆ ☆

شملے کا دسمبر ہے
رات کٹے کیسے
پردیس میں دلبر ہے
(شباب للت)

جھرنا کشمیر کا ہے
کس سے کریں شکوہ
قصہ تقدیر کا ہے
(جاوید خان)

لو ٹوٹ گیا سپنا
بالاکوٹ میں بھی
اب کوئی نہیں اپنا
(احمد حسین مجاہد)

ناراں کی ہوائیں ہیں
طعنے ہیں یاروں کے
اور تیری جفائیں ہیں
(احمد حسین مجاہد)

بجلی سی لپک جائے
سربن وادی کو
کرنوں کی سڑک جائے
(آصف ثاقب)

ابھی تک تو شہروں کی بات ہو رہی تھی اردو ماہیے میں بعض ماہیا نگاروں کی ذات کے حوالے سے ان کے دیہاتوں کا ذکر بھی ملتا ہے یوں گوہاڑی، جھنگی اور کیکوٹ جیسے گم نام گاؤں بھی اردو ماہیے کو آباد کرنے لگے ہیں۔

کیا تیز کلہاڑی ہے
جس گاؤں جنما
نام اس کا گوہاڑی ہے
(صابر آفاقی)

دکھ درد ہی سہتا ہوں
ہوں کیکوٹ کا اور
پنڈی میں رہتا ہوں
(اختر رضا سلیمی)

جھنگی کی وادی ہے
ہم بھی گئے تھے سجن
عارف کی شادی میں
(اختر رضا سلیمی)

ایک طرف اردو ماہیے میں غیر معروف دیہاتوں تک کے نام آرہے ہیں تو دوسری طرف یورپی ممالک کے معروف شہروں کی رونقوں سے بھی ماہیا سجنے لگا ہے اس سلسلے میں سجاد مرزا کی یورپ کی سیاحت ان کے کام آئی ہے۔ان کے چند ماہیے دیکھیں:

کولون کے فوارے
دل میں سمائے ہیں
برسات کے نظارے

وہ بون کی شاہراہیں
چھوڑ کے مرزا جی
کیوں بھرتے ہیں اب آہیں

لندن کے حسیں چہرے
دیس میں مرزا کو
رہتے ہیں سدا گھیرے

پیرس کی ہے دوشیزہ
ہاتھ میں چھتری کا
اک پھول ہے پاکیزہ

ڈاکٹر صابر آفاقی آسٹریلیا کی سیاحت کے بعد وہاں کی یادوں کو یوں سینے سے لگائے ہوئے ہیں:

رنگین بہاروں کو
بھول نہیں سکتا
سڈنی کے نظاروں کو

ان شہروں کے ساتھ ساتھ دوسرے ممالک کے نام بھی ڈاکٹر صابر آفاقی، سجاد مرزا اور جاوید خان کے ماہیوں میں آئے ہیں:

وہ حُسن وہ رعنائی
ایک حسیں دیکھا
نیپال کی یاد آئی
(صابر آفاقی)

طوفان میں رہتا ہے
اپنا حیدرؔ اب
المان میں رہتا ہے
(صابر آفاقی)

اٹلی کے حسیں لوگو
دل میں رہو بستے
تم بولو کہ نہ بولو
(سجاد مرزا)

جب سے ہیں سجن من میں
دل ہی نہیں لگتا
اب مغربی جرمن میں
(جاوید خان)

امین خیال کے ماہیوں میں پاکستان کے ساتھ جرمن، انگلینڈ، جاپان اور چین کا ذکر ان کے کسی نہ کسی شخصی حوالے سے آیا ہے۔

اک چاند اک تارہ ہے
پاکستان مجھے
جند جان سے پیارا ہے

رحمت کی پڑی جھالیں
پاکستان کو بھی
سر سبز بنا ڈالیں گے

گھوڑے پر زین پڑے
حاصل علم کرو
گو جانا چین پڑے

جرمن کی فوجیں ہیں
امن اگر ہو تو
موجیں ہی موجیں ہیں

جاپان میں رہتے ہو
درد جدائی کے
تم کیسے سہتے ہو

انگلینڈ نہ جا بیٹا
اپنے دیس میں رہ
تو آدھی کھا بیٹا

اس مضمون میں پیش کئے گئے سارے ماہیوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پنجابی ماہیے میں شہروں اور دیہاتوں کا حوالہ اردو ماہیے میں نہ صرف خوبصورتی سے آیا ہے بلکہ اس میں پنجابی روایت سے آگے کا سفر بھی دکھائی دیتا ہے۔ملکوں، شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کے ایسے ذکر سے یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ ماہیا پوری طرح ارضی اور ثقافتی بنیاد سے جڑا ہوا ہے۔ ہمارے ادب کی مختلف اصناف میں تجریدیت کی بے معنی ماورائیت کے برعکس ماہیے نے اس طرح ادب میں ارضی، ثقافتی، جسمانی اور بامعنی تخلیقیت کی اہمیت کا احساس پیدا کرنے کی کاوش کی ہے مجھے امید ہے کہ اردو ماہیا اپنی ثقافتی قوت کے بل پر ہمارے ادب میں اس مثبت رویے کو فروغ دینے کا موجب بنے گا۔آخر میں اسی موضوع سے متعلق اپنے چند ماہیے میں پیش کئے دیتا ہوں

یادوں کے خزینے میں
خانپور اپنا تو
آباد ہے سینے میں

اک روح تھی سیلانی
چھوڑ کے شہر دل
جو ہو گئی ملتانی

اک اپنا ہزارہ تھا
کتنے مناظر کا
خوش رنگ نظارہ تھا

☆ ☆ ☆

مولا کی عنایت تھی
اپنے مقدر میں
جرمن کی ولایت تھی

خود کار نظام ملے
جرمنی میں آکر
کتنے آرام ملے

دل شہر مدینہ ہو
نور محبت سے
روشن ہر سینہ ہو

(مطبوعہ ماہنامہ ''نیرنگ خیال'' راولپنڈی۔ماہیا نمبر اکتوبر 1999ء)

ماہیے کے فروغ میں خواتین کا حصہ

اردو شاعری کی نئی اصناف میں ماہیا نے نہ صرف اپنی پہچان واضح کی ہے بلکہ ادبی اور عوامی دونوں سطح پر مقبولیت بھی حاصل کی ہے۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اپنے ادبی خدو خال کے ساتھ نمایاں ہونے والی اس شعری صنف کی بنیاد پنجابی لوک گیت ماہیا ہے۔ پنجابی ثقافت کے تناظر میں دیکھا جائے تو ماہیے میں عورت کی آواز مرد کے مقابلے میں زیادہ ابھری ہے۔ اس کی دیگر وجوہات کے علاوہ ایک اہم وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ شادی بیاہ اور دوسری گھریلو تقریبات میں رنگ جمانے کے لئے خواتین ماہیے گاتی ہیں، اسی لئے پنجابی ماہیے میں عورت کی آواز زیادہ طاقتور محسوس ہوتی ہے۔ دیگر وجوہات میں سے ایک اور اہم وجہ ''قدیم ہندی گیت'' کی روایت ہے۔ قدیم ہندی گیت کی صنف بقول ڈاکٹر وزیر آغا بذات خود عورت کی ''پکار'' ہے۔ عورت کا جذبۂ آزادی، محبت کا اظہار اور دل کی پکار ہے۔ سو ہندی گیت کے بیشتر اوصاف ماہیے کی لوک روایت میں موجود ہیں۔

اردو ماہیے کے فروغ میں ماہیا نگار خواتین کا قابل قدر حصہ ہے۔ ماہیے کی بحث کے حوالے سے شاہدہ ناز، غزالہ طلعت، ثریا شہاب، ڈاکٹر جمیلہ عرشی، نصرت یاسمین اور شگفتہ الطاف، کے مضامین سامنے آئے۔ ان میں 'ماہیے کی بحث کا منظر نامہ'، شاہدہ ناز، 'ماہیے کی ہیئت اور وزن' از غزالہ طلعت اور 'گلبن کا ماہیا نمبر' از ثریا شہاب، 'عالمی تناظر میں اردو ماہیے پر ایک طائرانہ نظر' از ڈاکٹر جمیلہ عرشی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شگفتہ الطاف نے میری ماہیا نگاری کو موضوع بنایا ہے۔ منزہ اختر شاد نے مضمون تو نہیں لکھا لیکن ماہنامہ ''صریر'' میں چھپنے والا ان کا ایک خط ماہیے کی بحث میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ نصرت یاسمین نے 'ماہیا، اردو ماہیا اور ضمیر اظہر'

میں اپنی تنقیدی بصیرت کا اظہار کیا ہے۔ ان سب خواتین کے ساتھ منزہ یاسمین نے بھاولپور سے اور صبیحہ خورشید نے ناگپور سے یونیورسٹی لیول کا جو کام کیا ہے وہ اپنی اہمیت وافادیت کے لحاظ سے باقی سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ منزہ یاسمین کا کام تو ماہیے پر میرے مجموعی کام تک محدود ہے، جبکہ صبیحہ خورشید نے اردو ماہیے کے پورے منظر نامہ کو اس کے پنجابی پس منظر تک جا کر گہرائی کے ساتھ دیکھا ہے۔

ماہیا نگاری میں بھی خواتین تخلیقی لحاظ سے سرگرم عمل ہیں۔ ابتدائی ماہیا نگار خواتین میں غزالہ طلعت، فرحت نواز اور منزہ اختر شاد کے نام شامل ہیں تاہم یہ خواتین ماہیا نگاری کو باقاعدگی سے جاری نہیں رکھ سکیں، غالباً اس کی وجہ گھریلو مصروفیات ہیں۔

شادی کے جھمیلے میں
شعروادب چھوٹا
بس ایک ہی ریلے میں
(غزالہ طلعت)

ان کے بعد شاہدہ ناز، صدف جعفری اور بسمہ طاہر ماہیا نگاری کی طرف مائل ہوئیں۔ ان میں بسمہ طاہر مطلع ادب سے جلد ہی غائب ہوگئیں۔ صدف جعفری تین ہم وزن مصرعوں کے ثلاثی چھوڑ کر پنجابی لے کی بنیاد پر ماہیے کہنے لگی تھیں لیکن اصلاً وہ لے کی بجائے عروضی حساب سے ماہیے کہہ رہی تھیں۔ بار بار لڑکھڑا جاتیں چنانچہ لے کی پابندی ملحوظ نہ رکھ پانے کے باعث پھر وہ تین ہم وزن مصرعوں کی عافیت گاہ میں لوٹ گئیں۔ شاہدہ ناز اس لحاظ سے پہلی ماہیا نگار خاتون ہیں جنہوں نے تخلیقی لگن کے ساتھ مسلسل ماہیے کہے۔ غالباً اب ان کے ماہیوں کا مجموعہ تیار ہوسکتا ہے۔ شاہدہ ناز کے بعد ثریا شہاب، سلطانہ مہر اور عذرا اصغر جیسی شاعرات نے ماہیے کو وقار عطا کیا۔ یاسمین سحر اور پرزرق صنم کے ماہیوں نے اردو ماہیے کو پنجاب رنگ سے آمیز کرنے کی کاوش کی جبکہ شبہ طراز، کوثر بلوچ، یاسمین مبارک، نازیہ رحمان، اختر بانو ناز، مطلوب بی بی اور نزہت سمن کے ماہیوں سے اردو ماہیے کی تحریک کو بڑھاوا ملا۔ ممتاز افسانہ نگار اور ناول نگار بشریٰ رحمٰن نے بھی اردو

ماہیے کہے ہیں اور جب کہنے کی طرف آئی ہیں تو ڈھیروں ڈھیر ماہیے کہہ دیئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ماہیے کی طرف ان کی آمد سے اردو ماہیے کو مزید وقار اور اعتبار ملے گا۔ بشریٰ رحمٰن کی طرح ترنم ریاض نے بھی ماہیا نگاری کی طرف توجہ کی تو پنجابی لَے اور پنجابی رَس کے ماہیوں کے انبار لگا دیئے۔ بشریٰ رحمٰن اور ترنم ریاض کی ماہیا نگاری کے دوران برمنگھم سے رضیہ اسماعیل، سری نگر سے نسرین نقاش، گوجرانوالہ سے ریحانہ سرور اور اسلام آباد سے ثروت محی الدین نے کمال کر دکھایا کہ چاروں نے نہ صرف ماہیا نگاری کی طرف خصوصی توجہ کی بلکہ اتنے ماہیے کہہ لئے کہ اپنے ماہیوں کے مجموعے ترتیب دے کر شائع کر دیئے۔ رضیہ اسماعیل کا مجموعہ 'پیپل کی چھاؤں میں'، ریحانہ سرور کا مجموعہ 'دل کے کاغذ پر'، ثروت محی الدین کا مجموعہ 'دو پھول کھلے ماہیا' اور نسرین نقاش کا مجموعہ 'روحیں چناب' کی شائع ہو چکے ہیں۔ شاہدہ ناز، ترنم ریاض اور بشریٰ رحمٰن کے بھی اتنے ماہیے ہو چکے ہیں کہ وہ جب چاہیں اپنے ماہیوں کے مجموعے چھپوا سکتی ہیں۔ سوان تینوں کی طرف سے اچھی خبر کی امید رکھی جا سکتی ہے۔

پنجابی ماہیے میں نسائی آواز فریاد اور گلے شکوے کی حد سے آگے نہیں جا پاتی۔ اردو میں بھی اسی انداز کے متعدد ماہیے ملتے ہیں۔

تکلے پر پونی ہو
ٹوٹے جب دھاگا
دکھ چادر دونی ہو
(منزہ اختر شاد)

رُت آ گئی یادوں کی
ایک ستم گر کی
اور ٹوٹتے وعدوں کی
(ثریا شہاب)

یہ رات اندھیری ہے
جان مری جب سے
رخ آپ نے پھیرا ہے
(بسمہ طاہر)

یہ رات اندھیری ہے
دل ہے یا فرحتؔ
زخموں کی ڈھیری ہے
(فرحت نواز)

انگور کا دانہ ہے
ہنسنا بھی بشریٰؔ
رونے کا بہانہ ہے
(بشریٰ رحمن)

شعلوں کو ہوا دی ہے
یاد تجھے کر کے
اس دل کو سزا دی ہے
(شاہدہ ناز)

تاہم اردو ماہیا نگار خواتین نے ماہیے کی پنجابی روایت کو نبھانے کے ساتھ سیاسی اور

سماجی شعور کا بے لاگ اظہار بھی کیا ہے۔ **بسمہ طاہر** نے کراچی کے حالات کے حوالے سے ایسے ماہیے کہے ہیں:۔

اک خوف کا ڈیرا ہے
نس نس میں سب کی
دہشت کا بسیرا ہے

گھنگور اندھیرا ہے
کوئی کرن یارب!
بڑی دور سویرا ہے

اختر بانو ناز کے ہاں بابری مسجد کی شہادت کا المیہ کچھ یوں دکھ کا بیان بنتا ہے۔

ہم سب کو دُکھایا ہے
توڑ کے مسجد کو
دل مندر ڈھایا ہے

شاہدہ ناز کے ماہیوں میں سرکار کی لوٹ مار، ملک میں پھیلی بدامنی، فرقہ پرستی جیسے سامنے کے حالات سے لے کر جلتے ہوئے کشمیر تک سیاسی شعور کی ترقی پسند روایت کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اک تھال پکوڑوں کا
قرض وزیروں پر
ہے اربوں کروڑوں کا

اک جال بچھایا تھا
رہ کے حکومت میں
بس مال بنایا تھا

دھڑکا ہے پل پل کا
جس دن سے لاگو
قانون ہے جنگل کا

چنگاری بھڑکتی ہے
سب سے بڑا فتنہ
یہ فرقہ پرستی ہے

مسجد میں نمازی ہیں
خیر سے آئیں تو
سمجھو کہ وہ غازی ہیں

دھرتی ہے چناروں کی
ہولی نہیں کھیلو
اس میں انگاروں کی

رضیہ اسماعیل نے کشمیر کے سیاسی مسئلے کو ایک سماجی مسئلے کے تناظر میں یوں بیان کیا ہے:

کشمیر کی وادی ہے
جائے کوئی رو کے
یہ جبری شادی ہے

یاسمین سحر کے ہاں مایوس کن حالات کے باوجود اندھیرے چھٹنے اور سورج طلوع ہونے کی امید روشن ہے۔

چھٹتے ہیں اندھیرے بھی
آس کے آنگن میں
ہوتے ہیں سویرے بھی

اسلحہ، بارود کے ڈھیر اور ایٹم بموں کے انبار کو **سلطانہ مہر** نے بیک وقت عالمی سطح پر بھی دکھایا ہے اور برصغیر کے علاقائی تناظر میں بھی۔

سوآ نسور لائیں گے
بارودی دانے
پھل ویسے ہی لائیں گے

جیون کی ضمانت بھی
کھیل ہے ایٹم کا
ویرانی کی دعوت بھی

ترقی پسند تحریک کے بانی سجاد ظہیر کی صاحبزادی **نگار سجاد ظہیر** نے ماہیا نگاری میں لوک روایت کو شہری زندگی میں مدغم کر کے اس انداز کے ماہیے کہے ہیں۔

سورج بھی ڈوب گیا
سردی دسمبر کی
مرامیت بھی چھوٹ گیا

آنکھوں میں ستارے تھے
تم نے کبھی سمجھا
جو من کے اشارے تھے

جیون ہے سفر لیکن
لوٹ کے مت جانا
تنہا ہوں تمہارے بن

بعض ماہیا نگار خواتین کے ہاں جنسی جذبہ اپنی پوری لطافت کے باوجود شوخ علامتوں میں بیان ہوا ہے۔ انداز بیان میں علامتوں کے استعمال سے جذبہ بے حد سبک اور لطیف ہو گیا ہے۔

گندم کا ہے اک دانہ
وصل کا موسم ہے
دل توڑ کے مت جانا
(کوثر بلوچ)

کتری ہوئی امبی ہے
آج اکیلی ہوں
اور رات بھی لمبی ہے
(منزہ اختر شاد)

ہر سیپ میں موتی ہے
دل کے سمندر میں
اک ناؤ بھی ہوتی ہے
(یاسمین سحر)

خواتین ماہیا نگاروں کے ہاں ترقی پسند سوچ کے زیر اثر تخلیق ہونے والے ماہیوں کی

چند ملی جلی مثالیں بھی یہاں پیش کر دینا مناسب ہوگا۔

طاقت پہ نہ جا اپنی
جو کچھ بونا ہے
پھل لائے وہی کرنی
(سلطانہ مہر)

پھر بدلیں نہ تقدیریں
پڑ گئیں ہاتھوں میں
حالات کی زنجیریں
(ثریا شہاب)

بڑھ آتا ہے سناٹا
شام کے ہوتے ہی
چھا جاتا ہے سناٹا
(نزہت سمن)

بستی ہے کسانوں کی
پھولی ہوئی سرسوں
اور فصل ہے دھانوں کی
(عذرا اصغر)

پہروں پہ پہرا ہے
دہشت گردی کا
دلدل یہ گہرا ہے
(ریحانہ سرور)

ہم جھوٹ نہیں کہتے
حق کے شیدائی
سولی سے نہیں ڈرتے
(اختر بانو ناز)

ایسے ماہیوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خواتین ماہیا نگاروں کے ہاں عصری حسیت کتنی توانا ہے۔ تاہم ماہیے کا وہ عمومی مزاج جو غنائیت سے لبریز ہے، خواتین ماہیا نگار اس سے بھی بے خبر یا بے تعلق نہیں ہیں۔ جہاں سیاسی و سماجی شعور رکھنے والے ماہیوں میں ماہیا نگار خواتین کی ترقی پسند سوچ اپنا اثر دکھاتی ہے وہیں محبت کے مضمون سے جڑے ہوئے ماہیوں میں پنجابی لوک رس کا جادو متاثر کرتا ہے۔ ایسے ماہیوں میں دکھ اور خوشی، دونوں حالتوں میں جذبوں کی معصومیت، ماہیے کی داخلی نغمگی کے ساتھ مل کر ماہیے کو دو آتشہ کر دیتی ہے۔ دوسری خواتین سے پہلے کچھ ذکر نسرین نقاش کا۔ **نسرین نقاش** کے ہاں جذبے منہ زور ہو کر سامنے آتے ہیں۔ ان کی بے باکی اور کھلا انداز ماہیے کی پنجابی روایت کی ایک خاص طرز کی عمدگی سے نمائندگی کرتے ہیں۔

جب تن سے ملے تن من
کھلنے لگیں کلیاں
مسکانے لگے گلشن

ملتا ہے جو ڈیرے میں
کیسے ٹٹولے مجھے
کم بخت اندھیرے میں

جو چاہے وہ شیر کرے
میری چلے نہ، مجھے
جب چاہے وہ زیر کرے

ویسے نسرین نقاش کے ہاں دوسرے مضامین بھی کثرت سے ملتے ہیں لیکن مذکورہ انداز کے ماہیوں کی چمک دمک اتنی ہوتی ہے کہ دوسری طرف زیادہ دھیان نہیں جا پاتا۔

اوراب دوسری ماہیا نگار خواتین کے ماہیے دیکھیں۔ یہاں محبت کا جذبہ کئی رنگوں میں جھلکتا ہے۔ لیکن بات ایسے ملفوف انداز میں بیان ہوتی ہے کہ کہیں بھی اظہار بے محابا نہیں ہوتا۔شرمیلی نگاہوں سے محبوب کو سوچنے کا انداز اس مجوبیت کی ترجمانی کرتا ہے جو مشرقی عورت کا امتیاز رہا ہے۔ بات صرف محبت اور ملن کی نہیں بلکہ اس میں دوسری کیفیات بھی موجود ہیں۔خوشی ہو یا غم خواتین کی محبت کا مخصوص انداز ماہیوں میں انوکھی سی خوبصورتی پیدا کر دیتا ہے۔

پھولوں کی مہک پھیلی
دل کی سنی ہم نے
اور دل سے ہی سب کہہ لی

یادوں کی پناہوں سے
سوچتی بھی ہوں اسے
شرمیلی نگاہوں سے

تسبیح کے دانے ہیں
اپنے حصے کے
غم آپ اٹھانے ہیں

تم کو نہ دغا دوں گی
بجھ گیا دیپک تو
پوروں کو جلالوں گی
(شبہ طراز)

امرود کی ٹہنی ہے
اَن کہی بات کوئی
مجھے تم سے کہنی ہے
(کوثر بلوچ)

ندیا میں ہے طغیانی
ہار چکے بے شک
پر ہار نہیں مانی
(شاہدہ ناز)

برکھا کی بہاریں ہیں
تجھ بن او سجنا
بے کیف پھواریں ہیں

آنگن میں کھلے بوٹے
کیسے موسم میں
وہ ہم سے رہے روٹھے

کیسے کوئی خواب آئے
یاد کے سب منظر
پھر زیر آب آئے

کچنار کی کلیاں ہیں
آن ملو سجنا
سنسان سی گلیاں ہیں
(عذرا اصغر)

کیوں من مرا جلتا ہے
اس میں کہیں جیسے
اک کانٹا سا چلتا ہے
(ثریا شہاب)

یادوں کو سجا بیٹھے
اڑتے ہوئے پنچھی
کس ڈال پر جا بیٹھے
(یاسمین سحر)

گنجل پڑے دھاگوں میں
لکھنے والے نے
کیا لکھ دیا بھاگوں میں

تتلی کو اڑاؤں میں
پیار کے رنگ کئی
کس کس کو چھپاؤں میں

مت دور کہیں جانا
رہ نہ سکوں تم بن
فرقت کا نہ غم ڈھانا

لسی سے بھری چاٹی
عمر گذاری ہے
اک رات نہیں کاٹی
(منزہ اختر شاد)

پازیب چھنکتی تھی
اس کی ہنسی تھی یا
کوئی دھنک چمکتی تھی
(فرحت نواز)

لفظوں کو قلم کاٹے
روگ محبت کا
دیمک کی طرح چاٹے
(پرزرق صنم)

رت بدلی ہے جاڑوں کی
برف نہیں پگھلی
پر اونچے پہاڑوں کی

تھا ساتھ ہی جب جینا
کس لئے زہر غم
پھر تنہا پڑا پینا

جگ حیراں ہو گیا ہے
اک ترے جانے سے
دل ویراں ہو گیا ہے
(نزہت سمن)

پتھروں میں بھی جھرنے ہیں
برتن اپنے ہمیں
اب ان ہی سے بھرنے ہیں
(غزالہ طلعت)

سانسوں میں گھٹن جیسا
کون چھپا ہے یہ
سینے میں چبھن جیسا
(سلطانہ مہر)

یہ دن کب دیکھا تھا
ہم یوں جدا ہوں گے
کب پہلے یہ سوچا تھا
(یاسمین مبارک)

اک چندسا چمکے ہے
پیار ترا اپگلی
آنکھوں سے چھلکے ہے
(نازیہ رحمٰن)

نہیں بات یہ بھولوں کی
ان سے بچھڑنے میں
تھی بات اصولوں کی
(اختر بانو ناز)

غم دل کا نہاں رکھنا
لب پہ سدا اپنے
مسرور بیاں رکھنا
(صدف جعفری)

سیما شکیب نے پہلے مختلف انداز میں ماہیے کہے تھے، تاہم ان کے پنجابی لے والے جو ماہیے فی الوقت دستیاب ہو سکے ہیں، ان کی لوک اور ادبی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ثروت محی الدین کے ماہیوں میں پنجاب رنگ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ جبکہ ترنم ریاض اور بشریٰ رحمٰن کے ماہیے اردو ماہیے میں خواتین کے اس لب و لہجے کا احساس دلاتے ہیں جو اردو میں خواتین ماہیا نگاروں کے لئے ایک معیار کے طور پر سامنے آ سکتا ہے۔

کتنی بے حال ہوئی
کوئی سنبھالو مجھے
میں غم سے نڈھال ہوئی

000

آنکھوں میں پیاس لگے
شام پہاڑوں کی
کس قدر اداس لگے

ریشم کی پراندی ہے
درد جدائی کا
طوفان ہے آندھی ہے

000

دو اور دو چار ہوئے
سترہ مہینے ہوئے
ماہی سنگ پیار ہوئے

(ترنم ریاض)

000

مجھے اپنا کر ڈالا
پھولوں سے ماہی نے
مرا دامن بھر ڈالا

(ترنم ریاض)

اب سج گئے اردو سے
ماہیے مہکتے تھے
پنجابی کی خوشبو سے

(ترنم ریاض)

000

مرے پاؤں میں پائل ہے
دل نہ دکھا ماہیا
دل پہلے ہی گھائل ہے

000

کھڑکی میں چندا ہے
عشق نہیں آساں
یہ روح کا پھندا ہے

000

اسمانی تارے ہیں
دل کو جلائیں جو
ہمراز ہمارے ہیں

000

تو مرا کھویا ہے
میں اس پار کھڑی
اور بیچ میں نیا ہے

(بشریٰ رحمٰن)

000

دل درد کا ساگر ہے
ہتھ نہ بڑھا سجنا
مرے سر پہ گاگر ہے

(بشریٰ رحمٰن)

کرسی کی کہانی ہے
جیل کے اندر بھی
کیا شام سہانی ہے

(بشریٰ رحمٰن)

000

دو پھول گلابوں کے
آنکھوں میں پھیلے
یہ رنگ ہیں خوابوں کے

000

بہتا ہوا پانی ہے
میلہ دو دن کا
یہ حسن جوانی ہے

000

کمہار کا آوا ہے
تیرے بچھڑنے کا
اب تک پچھتاوا ہے

(ثروت محی الدین)

000

رنگ لال اناروں کا
تم پردیس گئے
کیا لطف نظاروں کا

(ثروت محی الدین)

000

سینے میں چبھا کانٹا
درد جدائی کا
سکھیوں نے نہیں بانٹا

000

دن رات کا جلنا ہے
ترے بنا جینا
تلوار پہ چلنا ہے

000

کچھ منہ سے نہ کہتے تھے
ہم ترے پہلو میں
دکھ ہجر کا سہتے تھے

(سیما شکیب)

مہندی کا رچاؤ ہے
کس کو خبر دل میں
کتنا بڑا گھاؤ ہے

(سیما شکیب)

آخر میں پردیس کے حوالے سے **بشریٰ رحمن** کا یہ ماہیا:

پردیس نہ جا ماہیا
پھر پچھتائے گا
مجھے دل سے لگا ماہیا

پردیس میں جا بسنے والوں پر پھر کیا گزرتی ہے؟ اس کا جو خوبصورت اظہار **رضیہ اسماعیل** کے ماہیوں میں ملتا ہے، اس موضوع کے حوالے سے مجھے ابھی تک اس سے اچھے ماہیے نہیں مل سکے۔

کڑوے ہیں سُکھ ماہیا
کس کو سنائیں اب
انگلینڈ کے دُکھ ماہیا

کلچر کا رونا ہے
آ کے ولایت میں
اب کچھ تو کھونا ہے

دادا ہے، نہ دادی ہے
پکڑ کے ڈیڈی نے
شادی کروا دی ہے

میں نے **گلبن** احمد آباد، **بھنگڑا** گوجرانوالہ، **قرطاس** ناگپور اور **نیرنگ خیال** راولپنڈی کے ماہیا نمبروں کو سامنے رکھا ہے۔ سہ ماہی **علم و فن** گوجرانوالہ کا **خواتین ماھیا نگار نمبر** اور عارف فرہاد کی تحقیقی و تنقیدی کتاب **اردو ماھیے کے خدو خال** بھی میرے سامنے ہیں۔ صرف ان رسائل اور کتاب میں شامل ماہیا نگار خواتین کی تعداد ایک سو کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ ان میں بعض نے ایک دو بار ہی ماہیا نگاری کی ہے، تاہم بیشتر شاعرات نے ماہیا کو اپنے جذبات کے اظہار کا ایک فطری ذریعہ محسوس کر کے ماہیے کہے ہیں۔ اوپر جن خواتین کا کسی نہ کسی حوالے سے ذکر ہو چکا ہے، ان سے قطع نظر یہاں میں ایسی چند شاعرات کے نام ضرور درج کروں گا جنہوں نے تھوڑے ماہیے کہے لیکن جتنے کہے اس سے ماہیے میں خوبصورت اضافہ ہی کیا۔ پربھا ماتھر، صابرہ خاتون حنا، کامنی دیوی، انیتا مروندی، رقیہ منیر، زبیدہ صبا، عفراء قریشی، نزہت سمن، انیلا سحر، شگفتہ یاسمین غزل، مصباح مرزا، یاسمین مبارک، رخسانہ نور، شاہدہ لطیف، عظمیٰ ناز، فرحت نسیم ہاشمی، کوثر صدیقی اور نینا جوگن۔

اردو ماہیا نگاری کے فروغ میں خواتین کے حصہ کو دیکھتے ہوئے مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ خواتین ماہیا نگاروں نے اردو ماہیے کہتے وقت ایک طرف خود کو ماہیے کی لوک روایت سے منسلک رکھا ہے تو دوسری طرف اپنے عہد کے مسائل اور دکھوں کا بھی سامنا کیا ہے۔ یوں ماہیا نگار خواتین کے ہاں عمومی طور پر اردو ماہیا اپنی اصل روایت سے منقطع ہوئے بغیر ارتقائی سفر کر رہا ہے۔ اردو ماہیے کے اس ابتدائی دور میں ماہیا نگار خواتین کی یہ گراں قدر تخلیقی خدمات فراموش نہیں کی جا

سکیں گی۔ مجھے امید ہے کہ ان شمعوں سے مزید شمعیں روشن ہوں گی اور نئی شعری اصناف میں سے اردو ماہیا اکیسویں صدی کی مقبول ترین شعری صنف ثابت ہوگا۔

(سانجھاں لاہور، نوائے وقت کراچی میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ معیّن حوالے دستیاب نہیں ہیں۔ علم و فن گوجرانوالہ کے خواتین ماہیا نگار نمبر میں بھی اسے شائع کیا گیا۔ تاہم اس مضمون میں مجھے تدریجاً اضافے کرتے رہنا پڑے ہیں اور اس وقت تک اسے اپ ڈیٹ کر لیا ہے۔)

اردو ماہیے کے دس سال

(مخالفین کی مخالفت کے آئینے میں)

1990ء میں ماہیے کے وزن کا مسئلہ اٹھایا گیا۔تب ایک طرف ماہیے کے خدوخال کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اخلاص کے ساتھ کام شروع ہوا اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں پر ماہیے کی لوک لے بتدریج واضح ہوتی گئی۔دوسری طرف ماہیے کی تحریک کی زبردست کامیابی اور مقبولیت سے برہم ہونے والوں نے اعتراض برائے اعتراض کے طور پر مسلسل پینترے بدلے۔ایک اعتراض کا مدلل جواب مل جانے کے بعد اعتراض کا دوسرا محاذ کھول دیا گیا۔علمی بحث میں کج بحثی کرنے کے ساتھ بہتان طرازی کا عمل روا رکھا گیا اور یہ کھیل ابھی تک جاری ہے۔اردو ماہیے کی حالیہ تحریک کے دس سال اس برس پورے ہو رہے ہیں۔ان دس برسوں میں معترضین کے کیمپ نے جس طرح بار بار اپنے موقف کو تبدیل کیا اور ہر حال میں اعتراضات کی گرد اڑانے کی کوشش کرتے رہے،یہاں اس کا ایک خاکہ پیش کر دینا مناسب رہے گا۔

۱۔جب ماہیے کے دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی پر اصرار کیا گیا تو تحدّی کے ساتھ دعویٰ کیا گیا کہ پنجابی میں ماہیا صرف تین مساوی الوزن مصرعوں میں ہی ہوتا ہے۔

۲۔جب یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ پنجابی ماہیے کی لوک لے کی بنیاد پر دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی لازم ہے۔تب یہ کہا جانے لگا کہ ماہیے کے لئے دونوں اوزان روا رکھے جائیں۔

۳۔جب یہ بات نہیں چلی تو انتہائی غصے کے ساتھ کہا گیا کہ ماہیا اَن پڑھ دیہاتیوں کی گھڑت ہے۔ان میں کسی وزن کی تلاش بے سود ہے۔

۴۔جب اس غلط فہمی کو دور کر دیا گیا تو پھر کہا گیا کہ پنجابی ماہیا تو بے شک ایسا ہی ہے لیکن اردو میں

تین مساوی الوزن مصرعوں کا ماہیا بھی مان لینا چاہئے۔کوئی حرج نہیں ہوگا۔

۵۔جب ماہیے کی دُھن کی بنیاد پر متبادل عروضی اوزان کی تلاش شروع ہوئی اور ہماری طرف سے تسکینِ اوسط کے حوالے سے بات کی گئی تو طنز کیا گیا کہ یہاں عروض کی ریڑھ ماری گئی ہے لیکن جب علم عروض میں مہارت رکھنے والے ہمارے احباب نے اسے غلط ثابت کر دیا تو نئے شوشے چھوڑے جانے لگے۔

۶۔جب علمی سطح پر مخالفین کی ساری دلیلیں غیر موثر ہو گئیں تو چڑ کر ماہیے کی بحث کو کافروں کی سازش قرار دے دیا گیا۔

کوئی جب نہ جواب آیا
میرے خلاف کئی
فتوے وہ لکھا لایا
(ناصر نظامی)

۷۔جب یہ حربہ بھی کامیاب نہ ہوا تو ماہیے کی تحریک سے متعلق شخصیات کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرتے ہوئے ذاتی حملے کئے گئے۔بہتان طرازی کی باقاعدہ مہم چلائی گئی۔

۸۔جب ایک طرف سے بہتان طرازی کی مہم کا دباؤ بڑھایا گیا تو دوسری طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ماہئے کو سہ مصرعی فارم کی بجائے ڈیڑھ مصرعی فارم میں کر لیا جائے۔

۹۔جب ڈیڑھ مصرعی فارم کی تجویز کو ''چور دروازہ'' بنا کر ثلاثی نگاروں کو ماہیا نگار منوانے کی چال بتایا گیا تب مخالفین نے حکماً کہنا شروع کر دیا کہ ماہیا ہوتا ہی ڈیڑھ مصرعی فارم میں ہے۔

۱۰۔جب پنجابی ماہیے میں سہ مصرعی تحریری ہیئت کی مضبوط روایت کو واضح کیا گیا ''پنجابی ادبی بورڈ۔لاہور'' اور ''لوک ورثہ کا قومی ادارہ۔اسلام آباد'' کی شائع کردہ سہ مصرعی فارم کے پنجابی ماہیوں کے ضخیم انتخاب کی کتابوں کے حوالے دیئے گئے تو اس کا کوئی مدلل جواب ہی نہیں دیا گیا۔سہ مصرعی ''ثلاثی''، قسم کی چیزیں ''ماہیے'' کے لیبل کے ساتھ پیش کرنے والوں کو کسی نے میلی نظر سے بھی نہیں دیکھا۔سارا غم و غصہ ماہیے کی لوک لے کو محفوظ رکھنے والوں کے خلاف ہی اتارا جاتا رہا۔

۱۱۔ جب ہمت رائے شرما جی کے ایک دو خطوط میں ان کی ماہیا نگاری کا سال سہواً ۱۹۳۸ء اور ۱۹۳۹ء لکھا گیا تو چراغ حسن حسرت کے ۱۹۳۷ء کے ثلاثی طرز کے گیت کو ماہیے کا اولین اردو نقش قرار دے کر شور مچا دیا گیا لیکن جب اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی کے اولین ماہیے کہنے کا سال (مئی) ۱۹۳۶ء ثابت ہو گیا تو شور مچانے والوں کو شرمندہ ہونے کی توفیق نہیں ملی۔

۱۲۔ جب حسرتؔ کا سہارا لیا گیا تو یہ اصول وضع کیا گیا۔ ''جہاں تک اردو ماہیے کا تعلق ہے اسے اگر پنجابی سے لی ہوئی صنف کے بجائے خالص اردو ہی کی نو وارد صنف تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی، یہ اردو میں بھی ڈیڑھ مصرعے والی صنف ہے''۔ مخالفین کے اس اصول کی رو سے خالص اردو کی صنف کے طور پر بھی ہمت رائے شرما جی نے سب سے پہلے ماہیے کہے تھے۔ فلم ''خاموشی'' کے یہ ماہیے ان کے شعری مجموعہ ''شہاب ثاقب'' میں سہ مصرعی ہیئت میں ادبی رنگ اور ادبی شان کے ساتھ شامل ہیں۔ اردو ماہیے کی تحریک کی دس سالہ مخالفت کا یہ مختصر سا خاکہ ہے۔ تمام نام اور مکمل حوالہ جات میری کتاب ''ماہیا۔ علمی بحث سے غوغائے رقیباں تک'' (۱) میں شائع ہوں گے۔ بے شک ماہیے کے مخالفین کی بے تکی اور حاسدانہ مخالفت اور ان کے تضادات نے اردو ماہیے کی تحریک کے لئے ''دیسی کھاد'' کا کام کیا ہے۔

(مطبوعہ سہ ماہی اسباق پونہ، انڈیا۔ اکتوبر تا دسمبر 1999ء
عکاس وہاڑی، پاکستان۔ جنوری 2000ء)

(۱) ''ماہیا۔ علمی بحث سے غوغائے رقیباں تک'' کا میٹر میرے پاس محفوظ ہے لیکن اب اس کتاب کو شائع نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ **(ح۔ق)**

اوراق اور ماہیا

اس مضمون کے لئے وزیر آغا صاحب نے مجھے 21 نومبر 1999ء کے خط میں فرمائش کی ہے اور 10 دسمبر تک مضمون طلب بھی فرمایا ہے جبکہ یہاں میرے پاس ''اوراق'' کی مکمل فائل موجود نہیں۔ 1992ء سے پہلے کے چند حوالہ جات اور چند اہم تحریروں کی فوٹو کاپیاں میرے پاس موجود ہیں۔ یوں بیشتر اہم روداد تو اس مضمون میں آ جائے گی تاہم ممکن ہے مزید حوالہ جات دستیاب ہونے کی صورت میں یہ مضمون زیادہ بہتر ہو جاتا۔ **(حیدر قریشی)**

''اوراق'' میں ماہیا نما ثلاثی 1986ء سے ذرا پہلے چھپنا شروع ہوئے تھے۔ نصیر احمد ناصر اور علی محمد فرشی نے اس سلسلے میں اچھا تخلیقی کام کیا۔ ''اوراق'' کے شمارہ اپریل۔ مئی 1987ء میں قیوم طاہر کے اسی انداز کے ''ماہیے'' شائع ہوئے۔ پھر سیدہ حنا اس میدان میں آئیں۔ یہ ''ماہیے'' اپنے مقامی رنگ کے باعث پرکشش تھے۔ خصوصاً مساوی الوزن سہ مصرعی ہائیکو کے مقابلہ میں ان کا رس اور کسی قدر لوک رنگ سے ملتا جلتا انداز زیادہ متاثر کرتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ماہیے کے وزن کی طرف سب سے پہلے ''اوراق'' میں ممتاز عارف نے توجہ دلائی تھی لیکن شمارہ اگست 1990ء سے پہلے، ممتاز عارف کی نشاندہی سے پہلے، ''اوراق'' کے کسی شمارہ میں حسن عباس رضا کے چند درد بھرے ''ماہیے'' شائع ہوئے تھے۔ ان میں سے دو ماہیے تو مکمل طور پر ماہیے کی لوک لے کی پابندی کر رہے ہیں۔

دل اپنے کشادہ تھے
اس لئے رونا پڑا
ہم ہنستے زیادہ تھے

ہم سہمے پرندے ہیں
سبز رتوں میں بھی
پرواز سے ڈرتے ہیں

سو کہا جا سکتا ہے کہ ماہیے کے درست وزن کی نشاندہی سے پہلے ادبی رسائل کی سطح پر درست وزن کے اولین دو نمونے یہی ماہیے تھے اور یہ ماہیے ''اوراق'' ہی میں شائع ہوئے تھے۔ ''اوراق'' کے شمارہ اگست 1990ء میں ممتاز عارف کا وہ تاریخی خط شائع ہوا تھا جس کے بارے میں انہیں خود بھی اندازہ نہ ہوگا کہ یہ ایک تحریک کا پیش خیمہ بن جائے گا۔ تاہم ممتاز عارف کے خط میں بعض سقم بھی موجود تھے جن میں سب سے بڑا سقم یہ تھا کہ انہوں نے حسرت کے ''ماہیا نما'' کو تھوڑے سے تصرف کے ساتھ ماہیا کر دیا تھا جبکہ مثالی نمونہ پیش کرنے کے لئے فلم ''پھاگن'' اور فلم ''نیا دور'' کے ماہیے زیادہ مناسب تھے۔ ممتاز عارف نے ماہیے کی لے کی بنیاد پر اس کے وزن کو دریافت کرنے کی کاوش تو نہیں کی لیکن ماہیے کے ''مخصوص وزن'' کا اشارہ کر کے انہوں نے ماہیے کی لے کی طرف توجہ کرنے کی راہ ضرور ہموار کر دی۔ پھر انہوں نے مدیر ''اوراق'' سے بجا طور پر یہ گذارش کی کہ ''ماہیوں کی اشاعت کے وقت ماہیے کے مخصوص وزن کو پیش نظر ضرور رکھیں۔''

''اوراق'' کے شمارہ دسمبر 1990ء میں میرے خط میں ممتاز عارف کے موقف کی بھرپور تائید کی گئی اور ساتھ ہی جملہ ''ماہیا نگاروں'' کو یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ وہ مل کر طے کر لیں کہ اردو ماہیے کو اصل پنجابی ماہیے کی طرح رکھنا ہے یا اس کا حشر بھی ہائیکو جیسا کرانا ہے۔ اس کے بعد ماہیے کی لوک لے کے حوالے سے ''اوراق'' کے خطوط کے صفحات پر تذکرہ تو ہوتا رہا لیکن ابھی اس مسئلے پر کوئی مضمون یا درست وزن کے ماہیے ''اوراق'' میں شائع نہیں ہوئے تھے جبکہ ''ادب لطیف'' لاہور شمارہ نومبر 1990ء میں میرے ماہیے شائع ہوئے اور روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی شمارہ 24 مئی 1992ء میں افتخار احمد کا مضمون ''اردو ماہیے'' شائع ہوا۔ یہی مضمون بعد میں ''صریر'' کراچی اور ''تجدید نو'' اسلام آباد میں بھی شائع ہوا۔ اور میرے ماہیے ''ادب لطیف'' کے معاً بعد ''صریر''، ''ابلاغ'' اور بعض دیگر رسائل میں شائع ہوئے۔ اس عرصہ میں ''اوراق'' میں تین ہم وزن

مصرعوں کے ماہیے شائع ہوتے رہے۔ ''اوراق'' کے شمارہ نومبر، دسمبر 1992ء میں سعید شباب نے ''اوراق'' میں پنجابی ماہیے کے وزن والے ماہیے چھاپنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا:

''امید ہے دیگر ادبی جرائد کی طرح ''اوراق'' بھی اب اصل وزن کے ماہیے چھاپنا شروع کر دے گا۔''

سعید شباب کے اسی خط کے ساتھ ''اوراق'' کے شمارہ نومبر، دسمبر 1992ء میں ایم اے تنویر کے ''ماہیوں'' کے ساتھ حیدر قریشی اور نوید رضا کے درست وزن کے ماہیے شائع ہوئے۔ اس سے اگلے شمارہ میں ایم اے تنویر اور سیدہ حنا کے مساوی الوزن سہ مصرعی ''ماہیوں'' کے ساتھ پھر حیدر قریشی کے ماہیے شائع ہوئے لیکن شمارہ مئی، جون 1993ء کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ اس میں ناصر عباس نیئرؔ کا ایک اہم مضمون ''ماہیا اور اردو میں ماہیا نگاری'' شائع ہوا۔ ماہیے کی تہذیبی و ثقافتی پہچان کے حوالے سے یہ ایسا بنیادی نوعیت کا اہم مضمون تھا جس سے آج بھی نہ صرف استفادہ کیا جا سکتا ہے بلکہ کئی حوالوں سے یہ نئے ماہیا نگاروں کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔

مضمون کے دوسرے حصہ میں ناصر عباس نیئرؔ نے دونوں طرح کے ماہیوں کو جائز قرار دیا۔ اس کے جواب میں، میں نے ''ماہیے کے وزن کا مسئلہ'' کے عنوان سے مضمون لکھا۔ اسے ''اوراق'' میں خطوط کے صفحات پر شائع کیا گیا تاہم پورا مضمون شائع کر دیا گیا۔ ناصر عباس نیئرؔ کے مضمون نے ماہیے کے وزن کی بحث کو متحرک کر دیا تھا۔ شمارہ نومبر، دسمبر 1993ء میں ایم اے تنویر کے ''ماہیوں'' کے ساتھ حیدر قریشی، رشید اعجاز، نذیر فتح پوری اور غزالہ طلعت کے ماہیے شائع ہوئے۔ 1994ء سے 1999ء تک چھ سال کے عرصہ میں ''اوراق'' میں ان لوگوں کے ماہیے شائع ہوئے۔

شمارہ	**درست وزن والے ماہیا نگار**	مساوی الوزن مصرعوں والے ماہیا نگار
جولائی۔ اگست 1994	نذیر فتح پوری، رشید اعجاز	سیما پیروز، نثار ترابی
فروری۔ مارچ 1995ء	فرحت نواز، سعید شباب، رشید اعجاز، شجاعت علی راہی	سیما پیروز، نثار ترابی، ایم اے تنویر

اگست۔ستمبر1995ء	ضمیر اظہر، نذیر فتح پوری، نثارترابی،علی محمدفرشی شجاعت علی راہی، یوسف اختر
جنوری۔فروری1996ء	پروین کمار اشک،حیدرقریشی، ا*ایم اے تنویر نذیر فتح پوری،فرحت نواز، شجاعت علی راہی، مناظر عاشق ہرگانوی
جولائی۔اگست1996ء	حیدر قریشی، احمد حسین مجاہد، نسیم سحر،علی محمدفرشی سعید شباب، قاضی اعجاز محور، اجمل پاشا، ندیم شعیب، نذیر فتح پوری
جنوری۔فروری1997ء	حیدر قریشی، سعید شباب، سیما پیروز،سجادمرزا*۲ پروین کمار اشک،اجمل پاشا
جولائی۔اگست1997ء	شاہدہ ناز،حیدرقریشی، نذیرفتح پوری، یوسف اختر
جنوری۔فروری1998ء	سلطانہ مہر،ثریا شہاب، مناظر عاشق*۳ شاہد جمیل،انور مینائی*۴
جولائی۔اگست1998ء	حیدر قریشی، ثریا شہاب، عارف فرہاد، ذوالفقار احسن، یوسف اختر،رستم نامی
جنوری۔فروری 1999ء	پرویز بزمی، حیدر قریشی، علی محمد فرشی یوسف اختر، مناظر عاشق، سلطانہ مہر،مسعود ہاشمی

جولائی۔اگست1999ء	حیدرقریشی، سلطانہ مہر،شرون کمار ورما،ترنم ریاض

جب سے ''اوراق'' میں پنجابی ماہیے کی لے سے مطابقت رکھنے والے ماہیے چھپنا شروع ہوئے ہیں تب سے اب تک غلط وزن میں ''ماہیے'' کہنے والے چھ ماہیا نگاروں کے ''ماہیے'' مجموعی طور پر 16 بار شائع ہوئے اور درست وزن میں ماہیے کہنے والے 28 ماہیا نگاروں کے ماہیے 58 بار شائع ہوئے۔اس صورتحال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لوک لے کی بنیاد پر کہا جانے والا ماہیا مسلسل مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ماہیے کی اس مقبولیت میں ان مباحث کا بہت عمل دخل ہے جو''اوراق'' کے صفحات پر ہوتی رہی ہیں۔

ناصرعباس نیرّ کے مذکورہ بالا مضمون کے بعد ڈاکٹر صابر آفاقی،احمد صغیر صدیقی،نسیم سحر اور ضیا شبنمی نے اپنے خطوط میں اختلافی زاویے کو نمایاں کیا تاہم ان میں سے ڈاکٹر صابر آفاقی بہت جلد ماہیے کے درست وزن کو مان گئے اور احمد صغیر صدیقی سلیقے سے اس بحث سے ہی الگ ہو گئے ۔ویسے احمد صغیر صدیقی نے اپنے اعتراض کے باوجود یہ لکھا کہ

''دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی کو طبلے کی تھاپ سے پورا کیا جاتا ہے''

جبکہ نسیم سحر نے جو ماہیے کو زیادہ بہتر جانتے ہیں، یہ حیران کن بات لوک لے والے ماہیے کے بارے میں لکھی کہ

''ماہیے کو ترنم سے الاپتے ہوئے جب دوسرے مصرعہ پر پہنچیں تو جھٹکا سا لگتا ہے۔''

حالانکہ یہ صورت حال مساوی الوزن سہ مصرعی ماہیوں میں پیش آتی ہے۔

ضیاء شبنمی نے تادم تحریر کوئی ماہیا نہیں لکھا لیکن ماہیے کے بارے میں سب سے مزیدار بات انہوں نے لکھی۔ان کے الفاظ میں ''یار لوگوں نے ماہیے کے بھی درمیانی مصرعے پر وار کیا ہوا ہے۔میرے خیال میں پنجابی ماہیا اس قید سے آزاد ہے۔اگر آزاد نہیں ہے تو اردو ماہیے کو اس سے آزاد ہونا چاہیے۔

''خطوط کے صفحات پر دیگر ادیبوں میں عارف فرہاد، ہیرانند سوز،شاہد جمیل،نصیر احمد ناصر،

ذکاء الدین شایاں، ناصر شہزاد اور صادق عدیل فرشتہ نے اپنے خطوط میں اختلافی رائے کا یا دوسرے موقف کی تائید کا انداز اختیار کیا لیکن اول الذکر تینوں اہم ادیب اب لوک لے کے مطابق عمدہ ماہیے کہہ رہے ہیں۔

ہمارے موقف کی حمایت میں کھل کر لکھنے والوں میں سعید شباب، نیاز احمد صوفی، ارشد خالد، راز سنتو کھسری، ملاپ چند، عبدالقیوم، احمد حسین مجاہد، غلام شبیر رانا، طاہر مجید، اجمل پاشا اور ڈاکٹر عنوان چشتی کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ بعض خطوط میں اگرچہ رواروی میں ماہیے کا ذکر کیا گیا لیکن ان سے بھی ماہیے کی طرف قارئین کی تھوڑی بہت توجہ مبذول ہوئی۔ ایسے مکتوب نگاروں میں رام لعل، جوگندر پال، افضل گورایہ، عابد انصاری، فیروز شاہ، سرمد جمالی، عباس رضوی، تنویر قاضی، فوزی خان، سحر سیال، مشتاق احمد، سجاد مرزا، ایم ڈی شاد، سرفراز تبسم، اکبر حمیدی وغیرہ شامل ہیں تاہم ماہیے کے فروغ میں نثار ترابی کے ایک طویل خط کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ''اوراق'' کے شمارہ اگست، ستمبر 1995ء میں شائع ہونے والے نثار ترابی کے خط میں ان کا موقف کھل کر سامنے آیا تو شمارہ جنوری، فروری 1996ء میں میرا جوابی خط شائع ہوا۔ یہ دونوں خطوط ماہیے کی تفہیم میں خاصے مفید ثابت ہوئے۔

''اوراق'' کے شمارہ جنوری، فروری 1997ء میں ''ماہیا اور ماہیا نگاری'' کے زیر عنوان ایک الگ سیکشن بنایا گیا۔ اس میں میرے مضمون ''ماہیے کا فروغ'' کے ساتھ چار درست وزن والے ماہیا نگاروں کو شامل کیا گیا۔ جولائی، اگست 1997ء کے شمارہ میں میرے ماہیوں کے مجموعہ ''محبت کے پھول'' پر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون اور ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے مرتب کردہ ماہیوں کے انتخاب ''رم جھم رم جھم'' پر اجمل پاشا کا تبصرہ شائع ہوا۔

1998ء میں ''اوراق'' کے دونوں شماروں میں گہما گہمی اور گرما گرمی رہی۔ ایک طرف امین خیال کے ماہیوں کے مجموعہ ''یادوں کے سفینے'' پر ذوالفقار احسن کا تبصرہ اور نذیر فتح پوری کے ماہیوں کے مجموعہ ''ریگ رواں'' پر اسلم حنیف کا مضمون شائع ہوا تو دوسری طرف ظہیر غازی پوری نے ''اردو ماہیا فن، تکنیک اور موضوع'' کے زیر عنوان ایک مضمون ماہیے کی خیر خواہی کے جذبے

کے ساتھ پیش کیا۔ اس مضمون کی بعض بنیادی اغلاط کی میں نے بھی اپنے تفصیلی خط میں نشاندہی کی لیکن ''جیسا مضمون ویسا جواب'' کے مصداق اس کا اصل جواب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنے مضمون ''اردو ماہیا۔ بحث در بحث'' میں پیش کیا۔ بعد میں ظہیر غازی پوری نے بعض وضاحتیں کرنا چاہیں لیکن وہ عذر گناہ بدتر از گناہ ثابت ہوئیں۔ ماہیے کی خیر خواہی کے جذبے سے مضمون لکھنے والے ظہیر صاحب آخر میں اس بات پر خوش دکھائی دینے لگے کہ انہیں کسی دوست نے خط لکھ دیا ہے کہ ماہیے کا انجام بھی آزاد غزل جیسا ہوگا اس لئے اس بحث میں نہیں الجھیں۔

اسی برس میں میرا مضمون ''ماہیا کیوں؟'' ''اوراق'' کے جنوری کے شمارہ میں شائع ہوا۔ یہ مضمون ماہیے کے تعلق سے ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ کے تین اہم سوالوں کے جواب پر مبنی تھا۔ اس مضمون کے نتیجہ میں مجھے ماہیے کے ادبی اور ثقافتی کردار پر غور و فکر کرنے کا موقع ملا۔

بیسویں صدی کے آخری برس کے پہلے شمارہ میں میرا تحقیقی نوعیت کا مضمون ''اردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما'' ''اوراق'' نے شائع کیا لیکن اس شمارہ کا ہنگامہ خیز مضمون پرویز بزمی نے تحریر کیا تھا۔ ''پنجابی ماہیا کی ہیئت اور وزن'' کے زیر عنوان چھپنے والے مضمون میں پرویز بزمی نے دعویٰ کیا کہ ماہیا سہ مصرعی نہیں بلکہ ڈیڑھ مصرعی صنف ہے۔ اس مضمون کی غلطیوں اور غلط فہمیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے میں نے پرویز بزمی کے بنیادی اعتراض کا مدلل جواب دیا جو ''اوراق'' کے شمارہ جولائی، اگست 1999ء میں شائع ہوا۔

اسی شمارہ میں علی محمد فرشی کے ماہیا نما ثلاثی کے مجموعہ ''دکھ لال پرندہ ہے'' پر ستیہ پال آنند کا مضمون شائع ہوا۔ اردو ماہیے کی تحریک کے نتیجہ میں اب اگر مہاراشٹر، بہار یا راجستھان کے کسی ادیب سے بھی پوچھا جائے تو وہ پنجابی ماہیے کے بارے میں اتنی بات تو آسانی سے بتا دے گا کہ پنجابی ماہیے میں عمومی طور پر عورت کی آواز سنائی دیتی ہے۔

اسی بنیاد پر میں نے اپنی کتاب ''اردو میں ماہیا نگاری'' میں اس کے سرے ہندی گیت کی قدیم روایت سے بھی جوڑے تھے لیکن ستیہ پال آنند نے اپنے مضمون میں اسے ہندی گیت کی ''روایت کے برعکس'' لکھتے ہوئے ''مرد کی طرزِ سخن'' قرار دیا ہے جو علمی لحاظ سے حیران کن بات

ہے۔ستیہ پال آنند نے ''دکھ لال پرندہ ہے'' کے ایسے اوزان کے ماہیوں کی بابت بھی خاموشی اختیار کی ہے۔

تیری سیج گلابی
اپنے باغوں سے کچھ
سپنے بھیج گلابی

دور چمکتے تارے
کروٹ کروٹ روئیں
ہم خوابوں کے مارے

اک بے نام سا رشتہ
میں پاگل سودائی
وہ انجان فرشتہ

ماہیے کی ڈیڑھ مصرعی ہیئت کے حوالے سے مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب علی محمد فرشی، نصیر احمد ناصر اور سیدہ حنا اپنے ہم وزن ''ماہیے'' سہ مصرعی فارم میں لکھ رہے تھے تب انجم نیازی نے کسی بحث کے بغیر ''اوراق'' میں اپنے ویسے ہی ''ماہیے'' ڈیڑھ مصرعی فارم میں شائع کرائے تھے لیکن تب بھی کسی نے اس فارم میں دلچسپی نہیں لی تھی۔

ماہیے کے مزاج کے سلسلے میں بعض لوگوں نے اہم سوال اٹھائے ہیں اور خصوصاً غزل کے مضامین سے اسے بچانے کی تاکید کی ہے۔ پھر ماہیے کے معیار کا مسئلہ بھی اٹھایا گیا ہے۔اس سلسلے میں ''اوراق'' میں چھپنے والے ماہیوں کا ایک بڑا حصہ معیاری تخلیقات پر مشتمل ہے۔

جہاں تک غزل کے مضامین سے بچنے کی تاکید کا تعلق ہے، مشورہ اچھا بھی ہے اور ماہیے کے لئے مفید بھی ثابت ہوگا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اردو غزل اتنی طاقتور صنف ہے کہ آزاد نظم بھی اس کے اثرات سے بچ نہیں سکی۔ ماہیا تو ویسے بھی بعض مضامین کے اظہار میں غزل سے خاصا قریب ہے اور تو اور جدید نظم کے شاعر نصیر احمد ناصر بھی جب اپنے انداز میں ''ماہیا'' کہتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔

دیوار نہ در ہوتا
ناصر کسی بستی میں
ایسا کوئی گھر ہوتا

(مطبوعہ ''اوراق'' اپریل۔مئی 1987ء)

تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ غالب کی ''بے در و دیوار کا گھر'' بنانے کی خواہش غیر ارادی طور پر ان کے ہاں آ گئی ہے۔

سو غزل کے مضامین سے بچنے اور ماہیے کے مزاج کو برقرار رکھنے کی تلقین جاری رہنی چاہئے تاہم غیر پنجابی علاقوں میں نئے تجربات کے باعث اگر کہیں اجنبیت کا ہلکا سا احساس ہوتا ہے تو اس سے بھی مانوسیت پیدا کرنی چاہئے کہ یہ مرحلہ ابھی ماہیے کا بالکل ابتدائی مرحلہ ہے۔ یہاں ''اوراق'' میں چھپنے والے آٹھ برسوں کے ماہیوں کا ایک انتخاب پیش کر رہا ہوں تاکہ ماہیے کے معیار کی بات کرتے وقت ایسے ماہیوں کو بھی مدنظر رکھا جاسکے۔

جب اونچی ہوں پروازیں
سنتے نہیں پنچھی
پھر پیڑوں کی آوازیں

(سعید شباب)

ooo

اے میرے سخی داتا
میں کب اجڑا تھا
کچھ یاد نہیں آتا

(احمد حسین مجاہد)

ooo

دکھ سکھ کا میل دکھا
ہنستے گاتے ہوئے
اس ہجر کو جھیل دکھا

(فرحت نواز)

ooo

تصویر نہیں بدلی
عمریں بیت گئیں
تقدیر نہیں بدلی

(اجمل پاشا)

ooo

وہ دور نہیں دیکھا
ہم نے بزرگوں کا
لاہور نہیں دیکھا

(پروین کمار اشک)

ooo

ماہی کبھی آ ملنے
پھول اناروں کے
شاخوں پہ لگے کھلنے

(ضمیر اظہر)

ooo

بے چین نہ ہو ماہیا
آج اکیلے ہیں
کل ہوں گے دو ماہیا

(قاضی اعجاز محور)

ooo

رنگین کہانی دو
اپنے لہو سے تم
گلشن کو جوانی دو

(مناظر عاشق ہرگانوی)

ooo

ہونٹوں پہ مچلتی ہے
پیاس ہے اندر کی
آنکھوں میں بھی پلتی ہے

(نذیر فتح پوری)

ooo

انگلی میں انگوٹھی ہے
سارے زمانے سے
پھر آج وہ روٹھی ہے
(ندیم شعیب)

ooo

بیٹھے ہوئے ناؤ میں
دونوں سلگتے ہیں
اس پریت الاؤ میں
(یوسف اختر)

ooo

صورت مرے بھائی کی
یاد دلاتی ہے
بابا کی جدائی کی
(غزالہ طلعت)

ooo

ساحل پر چھل آئی
کل تجھے آنا تھا
پر تیری نہ کل آئی
(ایم اے تنویر)

لذت ہی نرالی ہے
داور محشر سے
لو ہم نے لگالی ہے
(رشید اعجاز)

بیری کی گھنی چھاؤں
درد کے ماروں سے
مسعود بھرے گاؤں
(مسعود ہاشمی)

ooo

تاریکیِ زنداں ہوں
صبح بنارس تو
میں شام غریباں ہوں
(شجاعت علی راہی)

پانی میں اگے بوٹے
جاگ پڑی آنکھیں
پر خواب نہیں ٹوٹے
(نوید رضا)

سُونا ہے یہ گھر ماہیا
پل پل در کی طرف
اٹھتی ہے نظر ماہیا
(پرویز بزمی*۵)

کیوں شہر ہوا ویراں
تم ہی خبر لینا
داتا کے سجن میراں
(سلطانہ مہر)

ooo

موجوں کے کٹاؤ میں
عمر گذاری ہے
ہم نے ترے چاؤ میں
(عارف فرہاد)

ooo

اشکوں سے بوائی کی
قسمت میں لکھی
تھی فصل جدائی کی
(ثریا شہاب)

ooo

چڑیوں نے چنے تنکے
ترے دوارے ہم
مہمان تھے دو دن کے
(رستم نامی)

ooo

بازار میں سایا ہے
چھوڑ مرا بازو
شاید کوئی آیا ہے
(ذوالفقار احسن)

ooo

اک گندل سرسوں کی
پل میں ٹوٹ گئی
تھی یاری برسوں کی
(شرون کمار ورما)

ooo

مل مجھ سے اکیلی تو
نام سے ان کے اب
مت چھیڑ سہیلی تو
(انور مینائی)

ooo

اک پھول چنبیلی کا
ملنا لگا اچھا
بچپن کی سہیلی کا
(شاہدہ ناز)

ooo

کتنی بے حال ہوئی
کوئی سنبھالے مجھے
میں غم سے نڈھال ہوئی
(ترنم ریاض)

ooo

مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہو ولیوں کی
(حیدر قریشی)

بن نیند کے ہی سو جا
خواب کہیں رکھ دے
اور میری طرح ہو جا
(شاہد جمیل)

اردو کے پیاروں کو
اللہ خوش رکھے
سب ماہیا نگاروں کو
(ہمت رائے شرما)

اردو ماہیے کی تحریک کا آغاز ''اوراق'' سے ہوا۔بعض دیگر ادبی رسائل کے اہم اور تاریخی کردار کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ سال بھر کے وقفہ کے بعد جب ''اوراق'' نے اردو ماہیے کے فروغ میں دلچسپی لی تو ایک بڑا ادبی فورم ہمیں مل گیا۔ چونکہ ہمیں اپنے موقف کی سچائی کا مکمل یقین تھا اسی لئے ''اوراق'' میں چھپنے والے مخالفین کے موقف کا فائدہ بھی ہمیں پہنچا۔ ہمارے جوابی موقف سے نہ صرف ماہیے کے خدوخال مزید واضح ہوئے بلکہ اس تحریک کو بڑی ادبی سطح پر مقبولیت بھی نصیب ہوئی۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر وزیر آغا کے بعض خطوط نہ صرف میری حوصلہ افزائی کا موجب بنے بلکہ انہوں نے میری درست سمت میں رہنمائی بھی کی۔ آج میں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے مضبوط موقف کے خلاف کئے گئے اہم اعتراضات میں سے ایک

اعتراض بھی ایسا نہیں ہے جس کا مدلل جواب نہ دے دیا گیا ہو۔

حاشیہ

*۱: اس شمارہ میں ایم اے تنویر کے درست وزن کے دو عمدہ ماہیے بھی شامل ہیں۔

*۲: سجاد مرزا اب مسلسل درست وزن میں ماہیے کہہ رہے ہیں۔

*۳: ڈاکٹر مناظر عاشق نے ''اوراق'' کے اگلے شمارہ میں اپنے ''تجرباتی ماہیوں'' کے بارے میں خود وضاحت کر دی تھی۔

*۴: انور مینائی اس شمارہ کے بعض ماہیوں میں وزن کے لحاظ سے تھوڑا سا لڑکھڑائے ہیں۔

*۵: برادرم پرویز بزمی سے معذرت کے ساتھ ان کا ماہیا سہ مصرعی فارم میں دے رہا ہوں۔

(مطبوعہ ''اوراق'' لاہور خاص نمبر، جنوری۔فروری 2000ء)

اردو ماہیا 1999ء میں

بیسویں صدی کا آخری سال ماہیے کی مقبولیت میں حیران کن اضافے کا سال بن کر رخصت ہو رہا ہے۔ اس سال کے آغاز میں دو شعری مجموعے ''پھر وہی دن کا اجالا'' (نیاز احمد صوفی) اور ''خود سے ایک سوال'' (ثریا شہاب) شائع ہوئے۔ دونوں مجموعوں میں غزلوں اور نظموں کے ساتھ ماہیے بھی شامل تھے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ شعراء کرام اس نئی اردو صنف کو ایک باوقار شعری صنف کے طور پر قبول کر رہے ہیں۔ اس برس ماہیے کے متعدد مجموعے شائع ہوئے۔ ان میں قابل ذکر مجموعوں کے نام یہ ہیں۔ وہ چاند گواہ میرا (کلیم شہزاد)، موسم سبھی اک جیسے (عاصی کاشمیری)، سب رنگ الفت کے (وسیم عالم)، چھیاں چھیاں (فراغ روہوی)، پھوہار (نسیم فائق)، سوچ سمندر (بخش لائل پوری)، شمیم انجم وارثی نے ''مغربی بنگال میں ماہیا نگاری'' میں 34 ماہیا نگاروں کے کوائف کے ساتھ ان کے منتخب ماہیے مرتب کئے۔ تحقیق اور تنقید کے حوالے سے میری دو کتابیں اسی برس شائع ہوئیں۔ ''اردو ماہیے کی تحریک'' راولپنڈی سے جبکہ ''اردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما'' دہلی سے شائع ہوئی۔ ماہنامہ ''نیرنگ خیال'' راولپنڈی نے اپنی اکتوبر کی اشاعت ماہیا نمبر کے طور پر پیش کی۔ ''نیرنگ خیال'' کے مدیر سلطان رشک نے اس سلسلہ میں احمد حسین مجاہد اور محمد وسیم انجم کو مرتبین خصوصی مقرر کیا اور ایک عمدہ نمبر پیش کرنے میں کامیاب رہے۔

''نیرنگ خیال'' کے ماہیا نمبر کے علاوہ دیگر ادبی جرائد میں ''اوراق لاہور''، ''کوہسار''، بھاگل پور، ''سخنور'' کراچی، ''اسباق'' پونہ، ''گلبن'' احمد آباد، ''جدید ادب'' جرمنی، ''عکاس'' وہاڑی، ''شعر و سخن'' مانسہرہ، ''بیاض'' لاہور ماہیے کے فروغ میں پیش پیش رہے۔ دیگر ادبی جرائد میں ''کتاب نما'' دہلی، ''ایوان اردو'' دہلی، ''شاعر'' ممبئی، ''تخلیق'' لاہور، ''صریر''

کراچی،''عوامی منشور'' کراچی،''تیرِ نیم کش'' مراد آباد،''قرطاس'' ناگپور،''انشاء'' کلکتہ،''گل کدہ''،''سہسوان اور''انتساب'' سرونج کے نام لئے جا سکتے ہیں۔اخبارات میں روزنامہ''جنگ'' لندن، روزنامہ''نوائے وقت'' اسلام آباد، روزنامہ''منصف'' حیدر آباد،''پاکستان لنک'' لاس اینجلس،''فرائیڈے نیوز'' اسلام آباد،''ویکلی صداقت'' پونہ،''میرٹھ میلہ'' میرٹھ،''سنڈے ٹائمز'' گوجرانوالہ،''بے باک'' مالیگاؤں،''پاکستان'' انگلینڈ،''راوی'' بریڈ فورڈ اور ویکلی ''صدائے پوٹھوہار'' گوجر خان میں مضامین یا تخلیقات کی صورت میں ماہیے کا چرچا رہا۔ ماہنامہ ''فلمی ستارے'' دہلی اور ماہنامہ''بچوں کی باتیں'' لندن تک بھی ماہیے کا چرچا ہوا۔ جرمنی سے ارشاد ہاشمی اور جاوید خان کے جاری کردہ باتصویر ماہانہ ادبی خبر نامہ''اردو دنیا'' میں ماہیے کی ایک دنیا آباد رہی۔

ماہیے کی تنقید اس برس وزن کی بحث سے آگے بڑھ کر ایک طرف تہذیبی و ثقافتی حوالے سے سامنے آئی تو دوسری طرف ماہیے کے مجموعوں پر لکھے گئے مضامین اور تبصروں سے عملی تنقید میں وسعت پیدا ہوئی۔اس انداز کے مضامین اور تبصرے لکھنے والوں میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر شوکت واسطی، امین خیال، قیصر شمیم، علقمہ شبلی، ڈاکٹر رفعت اختر، عارف فرہاد، اختر رضا کیکوٹی، قیصر نجفی، کلیم شہزاد، جان کاشمیری، سلیم انصاری، ارشد خالد، سید اختر الاسلام، نینا جوگن، اکبر حمیدی اور نیاز احمد صوفی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ ماہیے کی عروضی بحث میں احمد حسین مجاہد، اسلم حنیف، ناوک حمزہ پوری اور شارق جمال ماہیے کی لے کو بنیاد مانتے ہوئے عروضی پیمانوں کی تلاش میں خلوص کے ساتھ جستجو کرتے رہے۔تحقیقی زاویے سے میرے دو مضامین''اردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما'' اور''اردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما، فلم خاموشی کے گیت اور تحقیق مزید'' ڈاکٹر مناظر عاشق کے دو مضامین''فلم خاموشی اور ہمت رائے شرما'' اور ''اردو کے دوسرے ماہیا نگار قتیل شفائی'' شائع ہوئے۔قتیل شفائی نے''کچھ ماہیے کے بارے میں'' کے زیرِ عنوان ماہیے کے لوک پس منظر کو اجاگر کیا۔ پرویز بزمی نے ماہیے کے تین مصرعوں کی بجائے ڈیڑھ مصرعوں کی فارم پر اصرار کیا۔ان کا مضمون''اوراق'' میں شائع ہوا اور''اوراق'' ہی

میں میرا جوابی مضمون شائع ہو گیا۔ یوں قصۂ زمین برسرِ زمین ہی نمٹا دیا گیا۔تحقیق و تنقید کی مذکورہ بالا میری دو کتابوں کے علاوہ مجموعی طور پر اس برس 60 سے زائد مضامین اور تبصرے شائع ہوئے۔ ارشد خالد، قیصر نجفی اور امین خیال کے دو دو تبصرے، عارف فرہاد کے چار مضامین، اختر رضا کیکوٹی کے پانچ مضامین، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کے آٹھ مضامین اور میرے 12 مضامین شائع ہوئے۔ باقی دوستوں کا ایک ایک مضمون یا تبصرہ شائع ہوا۔''نیرنگ خیال'' کے ماہیا نمبر میں محمد وسیم انجم کے اداریہ کو بھی مضمون شمار کیا جانا چاہئے جبکہ''عکاس'' کا اداریہ تو ماہیے کی سہ مصرعی ہیئت کے مسئلے پر حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ادھر''اردو دنیا'' میں ارشاد ہاشمی نے ستیہ پال آنند کی ماہیے کی لوک روایت سے بے خبری کو مدلل کے طور پر اجاگر کیا۔''کوہسار'' کے ایک مباحثہ میں قتیل شفائی اور شارق جمال کا موقف شائع ہوا۔کلکتہ ریڈیو سے ماہیے کے تعارف پر مبنی فراغ روہوی کا ایک مضمون نشر ہوا۔غیر مطبوعہ ہونے کے باوجود اسے بھی اس برس کے مضامین میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

اس برس تک ماہیا نگاروں میں اب اتنے چمکتے دمکتے نام آ گئے ہیں کہ سب کو اس جائزہ میں درج کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ماہیے کے اہم تخلیق کاروں میں امین خیال، اعزاز احمد آذر، بشریٰ رحمن، شرون کمار ورما، ہیرا نند سوز، کرشن کمار طور، احمد حسین مجاہد، عارف فرہاد، ڈاکٹر صابر آفاقی، قاضی اعجاز محور، انوار فیروز، سجاد مرزا، خاور اعجاز، سلطانہ مہر، ثریا شہاب، آصف ثاقب، رستم نامی، سلیم انصاری، فراغ روہوی، نذیر فتح پوری، مناظر عاشق ہرگانوی، نینا جوگن، شاہدہ ناز، بخش لائل پوری، عاصی کاشمیری، سیما شکیب، عذرا اصغر، شبہ طراز، یاسمین سحر، نسیم فائق، شمیم انجم وارثی، پربھا ماتھر، عنبر شمیم، فراز حامدی، ترنم ریاض، عبدالاحد ساز، پرکاش تیواری، ارشاد ہاشمی، جاوید خان، سعید شباب، احمد کمال حشمی، اظہر نیئر، ضمیر یوسف، شاہد جمیل، ناصر نظامی، مسعود ہاشمی، پرویز بزمی، اختر رضا سلیمی، منور احمد منور، تاج الدین تاج، ثروت محی الدین، امداد نظامی، ایم این اے ریحان، احمد رئیس، سلطان سکون، یوسف اختر، کلیم شہزاد، سلیم احمد سلیم، زہیر کنجاہی، ذوالفقار احسن، قاضی حسیب، سہیل اقبال، پرزرق صنم، دلدار ہاشمی، نیاز احمد صوفی، مشتاق احمد تک نام لکھنے کے بعد بھی

مجھے احساس ہو رہا ہے کہ کم از کم اتنے ہی اور اہم ماہیا نگاروں کے نام ابھی مزید درج کئے جا سکتے ہیں۔اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما اور ماہیے کے ایک اہم پیش رو قتیل شفائی کے تازہ ماہیے بھی اس برس شائع ہوئے۔

ماہیا نگاری کے مختلف رویوں میں پنجابی مزاج اور پنجابی لفظیات سے مزین اردو ماہیے کہنے کا رویہ مقبول رہا تاہم پنجابی لفظیات سے ہٹ کر بھی بے حد عمدہ ماہیے کہے گئے۔پنجاب سے جغرافیائی لحاظ سے دور دراز کے علاقوں میں ایک طرف نامانوس قسم کے ماہیے سامنے آئے تو دوسری طرف بعض ماہیے حیرت انگیز طور پر ماہیے کی مانوس فضا لئے ہوئے تھے۔بچوں کے لئے ماہیے کہنے کا دلچسپ تجربہ کیا گیا اور پیروڈی کے انداز میں ماہیے کہنے کا تجربہ بھی کیا گیا۔فکری گہرائی کا احساس دلانے والے ماہیے بھی سامنے آئے۔ایسے ماہیوں کی چند مثالیں یہاں پیش کرنے سے ماہیے کے سفر کی نوعیت کا بہتر اندازہ کیا جا سکے گا۔

کھڑکی میں چندا ہے
عشق نہیں آساں
یہ روح کا پھندا ہے
(بشریٰ رحمن)

چھاگل بھر دیتی ہے
کثرت خوشیوں کی
پاگل کر دیتی ہے
(امین خیال)

فریاد نہیں کرتے
درد کی دولت کو
برباد نہیں کرتے
(علقمہ شبلی)

ممکن نہیں چھپ جانا
انٹرنیٹ میں تجھے
ڈھونڈے ترا دیوانہ
(ارشاد ہاشمی)

مجھے اپنا کر ڈالا
پھولوں سے ماہی نے
مرادا من بھر ڈالا
(ترنم ریاض)

سانسوں میں گھٹن جیسا
کون چھپا ہے یہ
سینے میں چبھن جیسا
(سلطانہ مہر)

بازار میں سایا ہے
چھوڑ مرا بازو
شاید کوئی آیا ہے
(ذوالفقار احسن)

برسات ہے رنگوں کی
چڑھتی جوانی ہے
ہولی ہے امنگوں کی
(قیصر شمیم)

یہ کیسی کہانی ہے
دور تلک جس میں
راجہ ہے نہ رانی ہے
(فراغ روہوی)

اک اشک قبول ہوا
جاگتی آنکھوں پر
خوابوں کا نزول ہوا
(احمد حسین مجاہد)

دریا کے بہاؤ میں
ڈوب گئے ہم بھی
گوری ترے چاؤ میں
(عارف فرہاد)

گرداب میں رہتے ہیں
تجھ کو پا کر بھی
ہم خواب میں رہتے ہیں
(تاج الدین تاج)

اس انداز کے ماہیوں سے اس برس کی ماہیا نگاری کے رویوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور ماہیے کے روشن امکانات کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ماہیے کے سلسلے میں اس برس متعدد تقریبات بھی ہوئیں۔''چھیاں چھیاں'' اور ''پھوہار'' کی رسم اجراء کلکتہ میں ہوئی۔''موسم سبھی اک جیسے'' کی تقریب رونمائی ''نوٹنگھم'' انگلینڈ میں ہوئی۔''وادی کوکن'' کی تقریب ممبئی میں ہوئی۔کلکتہ میں ایک بڑا اہم ماہیا مشاعرہ ہوا جس میں علاقے کے تمام اہم شعراء نے ماہیے سنائے۔پونہ میں دو ماہیا مشاعرے ہوئے۔دہلی کے ایک سہ روزہ سیمینار میں ماہیے کے بارے میں متعدد سوال پوچھے گئے اور حاضرین نے ماہیے کو سمجھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ان تقریبات میں مجموعی طور پر علقمہ شبلی، قیصر شمیم، ڈاکٹر مناظر عاشق، فراغ روہوی، انیس دہلوی، سیفی سرونجی، شمیم انجم وارثی، عاصی کاشمیری، ایوب مرزا، یعقوب مرزا، شوکت واسطی، ساحر شیوی، نذیر فتح پوری، افتخار امام صدیقی، کالی داس گپتا رضا، دلدار ہاشمی، اقبال حمید، پربھا ماتھر، ف س اعجاز، عاصم شہنواز شبلی اور ترنم ریاض جیسے اہم ادباء نے کسی نہ کسی حوالے سے اہم نوعیت کی شرکت کی۔ یہ ساری اہم تقریبات پاکستان سے باہر ہوئی ہیں۔صرف ایک تقریب انگلینڈ میں اور باقی سب انڈیا میں۔اس پر مجھے اسی برس ''جنگ'' لندن میں چھپنے والے بشیر بدر کے یہ الفاظ یاد آ گئے ہیں۔ادب میں نئے تجربات کے سوال پر انہوں نے کہا''تجربے ہوتے رہنے چاہئیں...... ماہیے بھی لکھے جا رہے ہیں، پنجاب میں اس کا سکوپ زیادہ ہے۔''بشیر بدر نے جس تناظر میں یہ بات کہی ہے بالکل درست ہے لیکن ماہیے کی مذکورہ بالا تقریبات کے خاکے سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ماہیے نے پنجاب سے باہر کہیں زیادہ گہما گہمی پیدا کر رکھی ہے۔

بیسویں صدی کے اس آخری سال کے حوالے سے اطمینان بخش طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اردو ماہیا اپنے ممکنات کے ساتھ، اپنی ساری کامیابیاں اور کامرانیاں لئے ہوئے، باوقار طور پر اکیسویں صدی میں داخل ہو رہا ہے۔ اکیسویں صدی میں ماہیا ایک شعری صنف کے طور پر اردو میں اپنی جڑیں مزید گہری کرے گا اور اپنے درخت کی پہچان اپنے پھل سے کرائے گا۔

(انشاءاللہ)

(مطبوعہ ادبی صفحہ ڈیلی جنگ لندن۔ ۲۷ر جنوری ۲۰۰۰ء
قرطاس۔ ناگپور، انڈیا، ماہیا نمبر۔ مئی تا اگست ۲۰۰۰ء)

مرزا صاحب کے جواب میں

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اپنے مضمون ''اردو ماہیا میں اولیت کا قضیہ'' (مطبوعہ جدید ادب جرمنی۔ مئی ۲۰۰۰ء) میں جو کچھ لکھا ہے، اس پر ادبی اور علمی سطح پر تو بات ہوتی رہے گی۔ مجھے سب سے پہلے اس افسوس کا اظہار کرنا ہے کہ ماہیے کے حوالے سے اردو میں ہونے والے کام سے پوری طرح باخبر نہ ہونے کے باعث حامد بیگ نے ہمت رائے شرما کی نسبت ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جنہیں محتاط ترین لفظوں میں بھی ان کی تحقیقی جہالت کہنا چاہئے۔ اس سے ان کا اخلاقی رویہ بھی سامنے آیا ہے۔ انہوں نے جن مفروضوں کی بنیاد پر ہمت رائے شرما جی کی اہانت کی ہے، پہلے تو وہ مفروضے خود ان کی اپنی کم علمی کا مظہر ہیں۔ یہ گھٹیا الزام کہ ہمت رائے شرما جی نے فلم ''خاموشی'' کی بک لیٹ جعلی طور پر تیار کی ہے، یا کم از کم اس میں مئی 1936ء کی تاریخ انہوں نے خود لکھوالی ہے، سراسر بہتان ہے اور اس میں ذاتی طور پر اس کی کھلے لفظوں میں تردید کرتا ہوں کیونکہ میں ان سے خط و کتابت کے علاوہ متعدد بار ٹیلی فون پر بات کر چکا ہوں۔ وہ طویل عرصہ سے فالج کا شکار ہیں۔ بات کرتے کرتے کئی بار بات بھول جاتے ہیں ذرا سی بات پر بچوں کی طرح بلکنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت اور ایسی کیفیت کا حامل کوئی شخص ایسی کاریگری نہیں کر سکتا جو مرزا حامد بیگ نے ان سے منسوب کر دی ہے۔ حامد بیگ نے اگر شرما جی کے تعلق سے میری دوسری تحریریں بھی تحقیقی زاویے سے پڑھ لی ہوتیں تو اس تحقیقی جہالت اور بداخلاقی کے مرتکب نہ ہوتے ۔شرما جی کی علالت اور مذکورہ کیفیت کا میں اپنے مضمون 'اردو ماہیے کے بانی۔ ہمت رائے شرما' مطبوعہ ''انشاء'' کلکتہ شمارہ ستمبر۔ اکتوبر 1998ء اور ''اوراق'' لاہور شمارہ جنوری۔ فروری 1999ء میں ذکر کر چکا ہوں۔ حامد بیگ نے وہ مضمون پڑھ رکھا ہوتا تو جعل سازی کا گھٹیا الزام لگانے میں اتنی

دلیری نہ دکھاتے۔

ماہیے کی بحث شروع ہونے سے کئی سال پہلے 1984ء میں ہمت رائے شرما جی کا شعری مجموعہ ''شہاب ثاقب'' شائع ہوا تھا۔اس میں شرما جی کے وہی دس ماہیے شامل ہیں جو فلم ''خاموشی'' سے منسوب ہیں۔اسی مجموعہ کے فلیپ پر شرما جی کے تعارف میں یہ الفاظ بھی درج ہیں:

''ہمت رائے شرما ایک با کمال فنکار ہیں۔23نومبر 1919ء کو شرما صاحب نارووال ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔17سال کی عمر میں فلم ''خاموشی'' کے گیت لکھے''۔

1984ء میں ہمت رائے شرما جی کو یا ان کے تعارف نگار کو کوئی ایسی غرض لاحق نہ تھی کہ ایسی بات لکھ کر خود کو ماہیے کا بانی بنوانا ہے، کیونکہ تب ماہیے کا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ ویسے مرزا حامد بیگ جیسے محقق یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ شرما جی نے تب سے ہی پلاننگ کر لی تھی۔

جہاں تک ''خاموشی'' کے اداکاروں شیام، منورما اور رمولا کے حوالوں کا تعلق ہے ان پر مزید تحقیق کی جا سکتی ہے۔ضروری نہیں ہے کہ عمروں کے بیان میں پوری احتیاط سے کام لیا گیا ہو۔فرض کر لیں منورما 1936ء میں نو سال ہی کی ہو، فلم اسی سال شروع کی گئی ہو لیکن مکمل قدرے تاخیر سے کی گئی ہو۔آخر مشہور فلم ''مغلِ اعظم'' بھی تو لگ بھگ تیرہ سال کے بعد جا کر مکمل ہوئی تھی اور اس زمانے میں بہت ہی کم عمر کی لڑکیاں فلموں میں آتی رہی ہیں۔مثلاً مشہور فلمی ویمپ للیتا پوار جو شروع میں ہیروئن آئیں، گیارہ برس کی عمر میں فلموں میں آئیں۔معروف گلوکارہ اور ہیروئن ثریا کلیانی (اصل نام زرینہ)، پروڈیوسر ولی کی بیوی اور اپنے زمانے کی مشہور ہیروئن ممتاز شانتی یہ نام تو مجھے فوراً یاد آ گئے ہیں۔یہ سب گیارہ برس کی عمر میں فلموں میں آ گئی تھیں۔لہٰذا کم عمری کا بہانہ کر کے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔تحقیقی حوالے سے مرزا حامد بیگ اس لئے بھی قابل اعتبار نہیں رہتے کہ وہ ماہیے کی اب تک کی تحقیقی پیش رفت سے ہی غافل ہیں۔انہوں نے فلم ''باغبان'' بننے کا سال 1944-45ء بیان کیا ہے جبکہ یہ سال 1937ء ہے۔جب دستیاب معلومات کے باوجود غفلت کا یہ عالم ہے تو پھر تحقیق کرنے اور ٹامک ٹوئیاں مارنے میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔میرے لئے حقائق محترم ہیں لیکن مفروضے نہیں۔کسی مفروضے کے ذریعے کسی حقیقت تک پہنچنے میں مدد

تو لی جا سکتی ہے لیکن مفروضے کو ہی اصل حقیقت نہیں مانا جا سکتا۔

ماہیے کی ابتدا کے حوالے سے حسرتؔ کے جن ''ماہیوں'' کا ذکر ہوتا ہے، ان کا سرا تو اب 1937ء سے بھی تھوڑا پیچھے تک جا ملتا ہے۔بات 1936ء تک پہنچ رہی ہے اور حامد بیگ صاحب ہمیں 1945ء سنا رہے ہیں۔چونکہ حسرتؔ کے ''ماہیوں'' کا 1936ء میں لکھے جانے کا ذکر آ گیا ہے تو اس سلسلے میں بھی اپنی تازہ معلومات بیان کئے دیتا ہوں۔حمید نسیم نے اپنی کتاب ''ناممکن کی جستجو'' کے صفحہ 44اور 46پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ڈاکٹر تاثیر جنوری 1936ء میں ایم۔اے۔او کالج امرتسر میں پرنسپل بن کر آئے۔انہوں نے آتے ہی ایک مشاعرہ برپا کرایا جس میں صوفی تبسم، پنڈت ہری چند اختر، مولانا سالک اور چراغ حسن حسرتؔ کو لاہور سے مدعو کیا گیا۔اسی مشاعرہ میں حسرت نے اپنے مشہور مبینہ ''ماہیے'' پہلی بار سنائے۔اس بیان کے مطابق حسرتؔ نے اگر جنوری 1936ء میں ''ماہیے'' سنائے ہیں تو ان کا سالِ تخلیق بھی کم از کم جنوری 1936ء بنتا ہے۔یوں انہیں زمانی طور پر شرما جی پر فوقیت مل سکتی ہے۔لیکن ایک اور حوالہ ملنے سے حسرت کا سالِ تخلیق تو 1936ء رہتا ہے لیکن انہیں شرما جی پر زمانی فوقیت نہیں رہتی۔ہر لحاظ سے شرما جی کو ان پر فوقیت رہتی ہے۔**اور وہ حوالہ ''مسلم انڈینز آف بائیوگرافیکل ڈکشنری'' از احمد سعید ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری، ایم۔اے۔او کالج لاہور کا ہے۔اس کتاب کے صفحہ نمبر 327 پر ڈاکٹر تاثیر کے جو کوائف درج کئے گئے ہیں ان میں یہ واضح طور پر درج ہے کہ ڈاکٹر تاثیر نے ایم۔اے۔او کالج امرتسر کے پرنسپل کی حیثیت سے 20مئی 1936ء کو کام شروع کیا۔سو اگر انہوں نے آتے ہی مشاعرہ کرایا اور اس سلسلے میں آٹھ دس دن لگ گئے تو مشاعرہ کا مہینہ جون بنے گا۔اگر حسرت نے جون 1936ء میں ''ماہیے'' سنائے تو یہ ''خاموشی'' کے گیت تخلیق ہونے اور بک لٹ چھپنے کے بعد کی بات ہو جاتی ہے۔تاہم اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حسرت نے اپنے ''ماہیے'' 1936ء میں تخلیق کئے تھے اور یہ 1937ء میں فلم ''باغباں'' میں شامل بھی کر لئے گئے تھے۔**

اب ایک طرف تحقیق کا یہ مرحلہ ہے، دوسری طرف ہمارے ڈاکٹر مرزا حامد بیگ ہیں جو حسرتؔ کے ''ماہیے'' 1944-45ء میں ہونے کا حکم سنا رہے ہیں۔اور ایسی تحقیق کے زعم میں ہم لوگوں کے کام کو

''تحقیق پر آیا ہوا برا وقت'' کہہ کر طنز بھی فرما رہے ہیں۔ظاہر ہے ایسے ''محقق'' ہی ایسا حکم صادر کر سکتے ہیں۔پھر بھی انہیں یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ کسی کے ایک آدھ مضمون کو آدھا ادھورا پڑھ کر اور کسی اور آدھے ادھورے حوالے کی بنیاد پر نام نہاد تحقیق کی جائے تو ہلدی کی گانٹھ ملنے پر پنساری بننے والی مثال فٹ بیٹھ جاتی ہے۔

میں نے اپنے مضمون ''اردو ماہیے کے بانی۔ہمت رائے شرما'' میں یہ واقعہ بھی لکھا تھا،

☆ایک تقریب میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے یہ گیت سنا:اک بار تو مل ساجن ر آ کر دیکھ ذرا ٹوٹا ہو دل ساجن..........انہوں نے غور کیا تو محسوس کیا کہ یہ تو ماہیا ہے۔بس پھر انہوں نے تحقیق شروع کر دی کہ یہ کس نے لکھا ہے اور یوں ہمت رائے شرما کا نام انہیں معلوم ہوا۔پھر خاصی تگ ودو کے بعد وہ انہیں تلاش کر سکے۔

ڈاکٹر مناظر نے کسی تقریب میں گیت سنا اور وہ ماہیا نکلا۔ظاہر ہے وہ پرانا گیت ابھی تک کسی نہ کسی روپ میں موجود ہے تو کسی تقریب میں سنا گیا۔کتنا اچھا ہو کہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ اب اس کے حصول کے لئے ہی تحقیقی زاویے سے تھوڑی محنت کر لیں۔انڈیا میں ان کے کئی دوست ان کی مدد کر سکتے ہیں۔علاوہ ازیں ہمت رائے شرما جی کے سارے ماہیے ان کے شعری مجموعہ ''شہاب ثاقب'' میں بھی شامل ہیں اور یہ مجموعہ ماہیے کی حالیہ بحث سے کہیں پہلے (بیس سال کی تاخیر کے باوجود) 1984ء میں چھپ چکا ہے۔ان حقائق کے ہوتے ہوئے مرزا حامد بیگ کا ایسے سوال اٹھانا ان کی جہالت ہے یا پھر دیدہ دانستہ شرارت ہے کہ:

''فلم ''خاموشی'' کے لئے اردو ماہیے ہمت رائے شرما نے لکھے بھی تھے یا نہیں؟ کیا فلم میں یہ ماہیے شامل کئے گئے؟اور اگر فلم میں یہ ماہیے شامل کئے گئے تو فلم کا گیت کار ہمت رائے شرما کون تھا؟ جب تک سنیما اسکرین پر یا وڈیو کیسٹ کے ذریعے فلم ''خاموشی'' کے تعارفی ٹائٹلز میں ہمت رائے شرما کا نام نہ دیکھ لیا جائے تب تک یہ معاملہ التوا میں رہے گا''۔

جب ہمت رائے نام ملنے پر بھی آپ نے یہ شرارت کرنی ہے کہ یہ گیت کار ہمت رائے کون ہے؟ تو ٹائٹل پر ان کا نام مل جانے کے بعد بھی آپ کا یہ سوال تو قائم رہے گا۔سوتا دمِ

تحریری دستیاب حقائق کی بنیاد پر ہمت رائے شرما جی نے مئی 1936ء سے پہلے، اردو میں سب سے پہلے ماہیے لکھے تھے اور وہی اردو ماہیے کے بانی ثابت ہوئے ہیں۔

اب میں مرزا حامد بیگ کے مضمون کے بنیادی موضوع سے ہٹ کر ان کی بیان کردہ بعض دوسری باتوں کی طرف آتا ہوں۔اس سلسلے میں پہلے ان کی تین خوبیوں کا ذکر......انہوں نے ماہیے کے تینوں مصرعوں کا ہم وزن ہونا غلط سمجھا ہے اور اسے ''دوسرے مصرعہ کی سطح پر ایک بیٹ زائد ہونے کی خرابی'' قرار دیا ہے۔پھر انہوں نے ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے ''ماہیے'' نہ صرف دریافت کئے ہیں بلکہ ان کے دوسرے مصارع میں جو خامی رہ گئی ہے اس کی بھی بڑی حد تک نشاندہی کر دی ہے۔تیسری خوبی یہ کہ انہوں نے اردو کے تین معروف شعراء محمد خالد، غلام حسین ساجد اور ابرار احمد سے ماہیے کہلوائے اور اپنی طرف سے انہیں بطور ماڈل پیش کیا۔ان ماہیوں سے ہمارے مؤقف کو کئی لحاظ سے زبردست تقویت ملی ہے۔

یہ تین خوبیاں ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کا کریڈٹ ہیں۔کاش انہوں نے ہمت رائے شرما جی کے حوالے سے غیر ضروری حد تک برہمی نہ دکھائی ہوتی اور اپنی اس تحقیق کو بھی سلیقے سے بیان کیا ہوتا تو مجھے جواباً تلخ نہ ہونا پڑتا اور ان کا مضمون اردو ماہیے کے فروغ میں ایک اہم مضمون بن جاتا۔بہر حال مذکورہ تینوں شعراء کے چند ماہیے یہاں بطور حوالہ پیش کر رہا ہوں:

یہ قرض ہوا چکتا
دل تو مسافر تھا
سینے میں میں کہاں رکھتا

اٹھلا کر رات چلی
ہجر کے ماروں میں
پھر تیری بات چلی

کوئی میٹھا بول میاں
ہے یہ خلش کیسی
ذرا دل کو ٹٹول میاں

☆☆☆ (محمد خالد)

جی دے کر جی لیتے
رو کر کیا پایا
کچھ آنسو پی لیتے

مشکل میں ہے جاں میری
سپنے لوٹ آئے
آنکھیں ہیں کہاں میری

کوئی نور بھرا سایا
خواب کے کھلنے کا
موسم ہی نہیں آیا

☆☆☆ (غلام حسین ساجد)

مٹی ہے زمانوں کی
بھول گئے خوشبو
آبائی مکانوں کی

کوئی آنکھیں ملتا ہے
دل جب زور کرے
پھر بس کب چلتا ہے

کیا رنگ برستے ہیں
ہم تری بستی میں
روتے ہیں نہ ہنستے ہیں

☆☆☆ (ابرار احمد)

اب ذرا ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے مضمون کی بعض دیگر غلطیوں اور غلط فہمیوں کی نشاندہی بھی کردوں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: ''ماہیا کے عروضی آہنگ اور دیگر فنی لوازم پر بات نہ ہونے کے برابر ہوئی ہے''۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اپنی بے خبری ہے وگرنہ اس حوالے سے خاصی بحث بلکہ گرما گرمی ہو چکی ہے۔ چند اہم ادبا کے نام لکھ رہا ہوں جنہوں ے اس مسئلے کو عروضی حوالے سے گہرائی کی حد تک سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ یوسف علی لائق، شارق جمال، ناوک حمزہ پوری، احمد حسین مجاہد، عارف فرہاد، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی۔ یہ تو وہ نام ہیں جنہوں نے عروضی حوالے سے خاصی محنت کی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سارے ادیبوں نے بھی عروضی زاویے سے تھوڑا بہت اپنے خیالات کا اظہا کیا ہے۔ ناوک حمزہ پوری نے اپنے ایک مضمون میں ماہیے کی لوک لے اور عروضی ضابطوں پر گفتگو کرتے ہوئے یہ لکھا ''عروض کو آہنگ کے تابع ہونا چاہے نہ کہ آہنگ ہی کو عروض کا غلام بنا دیا جائے''اس بنیادی اصول کے بعد انہوں نے ماہیے کی لے سے مطابقت رکھنے والے عروضی اوزان بھی دریافت کئے۔ احمد حسین مجاہد نے مختلف عروضی اوزان میں تسکین اوسط کے عروضی اصول کی بنیاد پر ہم آہنگی کو اجاگر کیا ہے۔ مجھے علم عروض سے زیادہ واقفیت نہیں ہے پھر بھی اپنی بساط کے مطابق میں نے ماہیے کی دھن کو بنیاد بنا کر اس پر پورے اترنے والے اوزان کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں اپنے مضمون ''ماہیا پابندِ لے ہے'' میں میں نے پانچ اوزان، جبکہ اپنے تفصیلی خط ''ایڈیٹر ایوانِ اردو۔ دہلی کے نام'' (یہ خط ایوانِ اردو میں چھپ چکا ہے، میری کتاب ''اردو ماہیے کی تحریک'' میں بھی شامل ہے) میں آٹھ اوزان یکجا کر چکا ہوں۔ میرا شروع سے یہ موقف رہا ہے کہ۔

اردو ماہیے کے وزن کی بنیاد ماہیے کی لوک لے ہے۔ جو ماہیا اپنی فطری روانی کے ساتھ اس لے پر پورا اترتا ہے وہ ماہیا ہے۔ اب وہ عروضی لحاظ سے کسی بھی پیمانے کے مطابق ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی تحریک پر محمد خالد، غلام حسین ساجد اور ابرار احمد نے جو ماہیے لکھے ہیں وہ بالکل اسی وزن کے مطابق ہیں جس پر ہمت رائے شرما نے ماہیے لکھے تھے۔ اور یہ وہی وزن ہے جس کی بنیاد پر ہم گزشتہ دس برس سے ماہیا نگاری کے فروغ کیلئے کوشاں ہیں۔

ڈاکٹر حامد بیگ اپنے مضمون میں ماہیے کے وزن کی تفہیم میں ہمارے ہی موقف کے حامی ہیں۔ میں اس اتفاق کو مستقبل میں ماہیے کے لئے نیک فال محسوس کرتا ہوں بشرطیکہ وہ میرے ترکی بہ ترکی جواب سے مخالفت برائے مخالفت پر نہ اتر آئیں۔ اس کا ایک ثبوت تو وہ ماہیے ہیں جو ان کی تحریک پر تین شعراء نے لکھے۔ دوسرا ثبوت انکا یہ رویہ ہے کہ انہوں نے حسرت اور غلام جیلانی برق کے ''ماہیوں'' کے دوسرے مصرعوں میں غلط وزن کی بجا طور پر نشاندہی کی ہے۔ تاہم چونکہ وہ شاعر نہیں ہیں اس لئے جہاں عروضی حساب کتاب کرنے لگے ہیں وہیں ان سے گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ یہ اصولی بات کرنے کے باوجود کہ ''ماہیا کی دوسری لائن، پہلی اور تیسری لائن سے ایک Beat کی کمی کے ساتھ مختصر ہوتی ہے'' جب وہ ماہیے کا عروضی نقشہ یوں بتاتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے:

فعلن فعلن فع /فعلاتن فعلن فع /فعلن فعلن فع

محمد خالد، غلام حسین ساجد اور ابرار احمد کے ماڈل ماہیے ایسے کسی وزن پر پورے نہیں اترتے اور نہ ہی یہ ماہیے کا وزن ہے۔ تاہم اسے اس سبب سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ افسانہ نگار حامد بیگ کو عروض کا علم نہیں ہے۔ انہوں نے یہ مشورہ دیا ہے ''پنجابی ماہیا سے متعلق صدیوں سے مقررہ دھن کو بنیاد بنایا جائے'' یہ بے حد صائب مشورہ ہے۔ ہم لوگ گزشتہ دس برس سے یہی گزارش اور اصرار کرتے آرہے ہیں۔ سو یہاں ہمارے موٴقف میں ہم آہنگی خوش کن ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے ماہیے کے لئے تکنیکی سطح پر چند اہم مشورے بھی دیئے ہیں (الف) ''ماہیا میں برتے جانے والے الفاظ کو فارسی عروض پر کس کر سپاٹ بنانے سے گریز کیا جائے، یوں اردو ماہیا پنجابی ماہیا کی طرح واول ساوٴنڈز کو گرا کر جو کام لیا جاتا ہے، وہ بھی دکھائی دے جائے گا''۔

اردو عروض میں زحافات کی رعایت موجود ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ میں بنیادی اہمیت ماہیے کی دھن کو دیتا ہوں۔ چنانچہ جب ماہیے کی لے والے بعض ماہیوں پر عروضی حوالے سے اعتراض ہوئے، میں نے ان کی تردید کی۔ اس سلسلے میں سہ ماہی ''اسباق'' پونہ کے شمارہ جولائی تا ستمبر 1999ء میں شائع شدہ اپنے ایک خط کا اقتباس یہاں درج کئے دیتا ہوں تا کہ اندازہ کیا جا سکے کہ میں اس مشورے پر پہلے سے عمل کر رہا ہوں:

''محترم اسلم حنیف صاحب ماہیے کے سلسلے میں زیادہ گہرائی میں چلے گئے ہیں۔ جس کی ماہیے کو اتنی زیادہ ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے امین خیال اور بشریٰ رحمٰن کے جن ماہیوں پر اعتراض کئے ہیں مناسب نہیں ہیں۔ لفظ 'ماہیا' پنجابی تلفظ میں ''مایا'' بھی بولا جاتا ہے اور مذکورہ ماہیوں میں پنجابی تلفظ ہی لکھا گیا ہے۔ چونکہ اسلم حنیف صاحب اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں اسی لئے مغالطہ میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے جو دوسرے اعتراض کئے ہیں وہ بھی اس وجہ سے غیر اہم ہو جاتے ہیں کہ زیرِ اعتراض سارے ماہیے۔ ماہیے کی لے پر پورے اور کھرے اترتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ امین خیال جیسے پنجابی زبان کے اہم شاعر کو ماہیے کا وزن اسلم حنیف صاحب بتائیں گے تو بات خاصی مضحکہ خیز ہو جائے گی''۔

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کا ایک مشورہ بایں الفاظ ہے:

''ماہیے میں پہلی لائن کا تعلق براہِ راست دوسری اور تیسری لائن کے ساتھ دکھائی نہ دے لیکن تینوں لائنوں میں ایک باطنی ربط ضرور ہو جو پہلی لائن کو دہرا کر پڑھنے سے اپنا پتہ دے''......اس حوالے سے بھی گزارش ہے کہ ہمارے اچھے ماہیا نگار ان امور کو اپنے اپنے ڈھنگ سے پہلے ہی ملحوظ رکھ رہے ہیں اور میں نے اپنے بعض مضامین میں ان کی نشاندہی بھی کی ہے۔ بطور نمونہ یہ مثالیں کافی رہیں گی:

1۔ ''کلیم شہزاد کے ہاں پہلے مصرعہ کا چوتھی لائن میں دہرایا جانا معنوی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے کسی داخلی حوالے تک بھی لے جاتا ہے۔ ان کے یہ ماہیے دیکھیں اور ان کے مصرعوں کے ربطِ باہم سے پیدا ہونے والے معنوی تسلسل پر غور کریں۔

سب کچھ تھا اشاروں پر
جیون پیاسا تھا
دریا کے کناروں پر
سب کچھ تھا اشاروں

پانی تو بھرنا ہے
میرا دلبر تو
اک پیار کا جھرنا ہے
پانی تو بھرنا ہے

جیون یہ بنا روکی
دکھ زنجیریں ہیں
خوشیوں نے سزا بھوگی
جیون یہ بنا روگی

ان ماہیوں میں پہلا مصرعہ چوتھی لائن میں آ کر پورے ماہیے کے معنوی ربط میں ایک نئے بُعد کا اضافہ کر رہا ہے۔ پھر تیسرے اور چوتھے مصرعوں کے معانی کی الگ سے کونپل پھوٹتی محسوس ہوتی ہے''(پیش لفظ ''دہ چاند گواہ میرا'' از حیدر قریشی۔ کتاب مطبوعہ جنوری 1999 لاہور)

2 ''امین خیال کے ماہیوں میں پنجابی ماہیے کی روایت کے اثرات بہت واضح ہیں۔ پنجابی ماہیے میں بعض اوقات پہلے مصرعے کا باقی ماہیے سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور بعض اوقات سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یا بہت ہی مبہم سا تعلق ہوتا ہے۔ امین خیال کے ہاں تینوں مصرعوں کے بامعنی تعلق کی تو کئی مثالیں ہیں تاہم ایسے ماہیے بھی موجود ہیں جن میں نفسِ مضمون کے لحاظ سے پہلا مصرعہ باقی ماہیے سے الگ تھلگ دکھائی دیتا ہے''(پیش لفظ ''یادوں کے سفینے'' از حیدر قریشی۔ کتاب مطبوعہ 1997ء گوجرانوالہ)

سو حامد بیگ کا یہ مفید مشورہ ایک اچھی یاد دہانی ہے جو ماہیے کی خوبصورتی میں اضافہ کے لئے ہوتی رہنی چاہے اور اس کی مزید پرتیں بھی واضح ہوتی جانی چاہئیں۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے ایک اور عمدہ مشورہ یہ دیا ہے کہ ''ماہیا آسان سمجھ کر نہ کہا جائے اس لئے کہ پنجابی ماہیا میں جب تک احساس کی سطح پر گہری مار نہ ہو، ماہیا شمار ہی نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں پنجابی کے عمدہ ماہیے ماڈل کے طور پر سامنے رکھے جا سکتے ہیں''......اس مشورہ کی معقولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بات کو ماہیے کے مزاج کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا، ناصر عباس نیر اور خاور اعجاز بہت پہلے کہہ چکے ہیں۔ میں نے بھی اپنے خیالات کا تھوڑا بہت اظہار کیا ہے۔ دوسری تمام ادبی اصناف کی طرح ماہیے میں بھی ہر طرح کے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔ اچھا لکھنے والے، بہت اچھا لکھنے والے، برا لکھنے والے، بہت برا لکھنے والے، اوسط درجے کا لکھنے والے۔ سو آسان سمجھنے اور نہ سمجھنے میں تخلیق کار کی تخلیقی قوت کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔ میں نے اپنے اولین مضمون میں بھی اور اپنی کتاب ''اردو

میں ماہیا نگاری'' کے آغاز میں بھی پنجابی ماہیے کے عمدہ نمونے پیش کئے ہیں۔تاہم میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ پنجابی ماہیا ''خودرو جنگل'' کا حسن لئے ہوئے ہے اور اردو ماہیے کو ''خودرو جنگل'' سے ''آراستہ گلشن'' تک کا سفر کرنا ہے۔ لگے بندھے موضوعات اور انداز سے آگے جانا ہے،لیکن اپنی اصل اور بنیاد سے منسلک رہتے ہوئے یہ سفر کرنا ہے۔ بہرحال مرزا حامد بیگ کا یہ مشورہ بھی ایک اچھی یاددہانی ہے اور اس کے لئے میں خود بھی ان کا شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کے مضمون میں ایک دو علمی لغزشیں ایسی ہیں جنہیں میں دانستہ نظر انداز کر رہا ہوں۔اس حسن ظن کے ساتھ کہ وہ اپنی گرم مزاجی کے باوجود ماہیے کے تئیں بڑی حد تک مفید دکھائی دے رہے ہیں۔ ہماری جدید نظم اور جدید غزل چند مستثنیات کو چھوڑ کر انتہا پسند تجربوں کے نتیجہ میں دھرتی سے کٹ سی گئی ہے۔بعض اچھے شعراء جو اپنی انفرادیت رکھتے ہیں وہ بھی اس نامانوس فضا میں معلق دکھائی دینے لگے ہیں۔ایسے وقت میں جب اردو شاعری میں سہ مصرعی اصناف کی جستجو بڑھتی جا رہی تھی ،ماہیے کا نمایاں ہو کر اُبھر آنا واضح کرتا ہے کہ سہ ماہی اصناف میں بھی ماہیا ہی طاقتور شعری صنف ہے اور اس کے ذریعے سے جہاں ابھی اور بہت سی اہم باتیں سامنے آئیں گی، وہیں یہ تو سامنے کی بات ہے کہ ماہیا اردو شاعری کے انتہا پسند جدیدیت کے تجربوں کو خلا سے پھر زمین کا، دھرتی کا احساس دلا رہا ہے۔جن تین شعراء نے مرزا حامد بیگ کی تحریک پر ماہیے لکھے ہیں وہ عمومی طور پر اچھی شاعری کر رہے ہیں لیکن اگر وہ غور کریں تو کہیں کہیں وہ بھی جذبوں سے دور ہو کر، گہری فکر کے چکر میں نامانوس فضا میں کھو جاتے ہیں۔ یہ ان کا عمومی رنگ نہیں لیکن کہیں کہیں وہ اس کا شکار ضرور ہوئے ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ شعراء اگر اسی طرح ماہیے کہتے رہے تو ماہیے کی پیدا کردہ کیفیت خود ان کی دوسری شاعری کے لئے مفید ثابت ہوگی۔

جہاں تک اردو ماہیے کے بانی کے نام کا تعلق ہے۔ پہلے پہل چراغ حسن حسرت کو بانی سمجھا گیا تھا۔ جب ہم نے اصلاحِ احوال کا سلسلہ شروع کیا تب قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی کے نام سامنے آئے۔تحقیق میں پیش رفت ہوئی تو قتیل شفائی اور ہمت رائے شرما جی

کے نام سامنے آگئے۔اب حسرتؔ کی طرح جناب غلام جیلانی برقؔ کے ''ماہیے'' بھی نہ صرف سامنے آگئے ہیں بلکہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے ان کا مناسب تجزیہ بھی کر دیا ہے۔اسے کسی کی تردید یا تذلیل کی بجائے تحقیقی پیش رفت کے طور پر لیا جانا چاہئے۔سردست برقؔ صاحب (میں فکری طور پر انکی بہت عزت کرتا ہوں) کا نام تو چراغ حسن حسرتؔ کے نام کے بھی بعد آرہا ہے۔ مفروضوں کی بنیاد پر کسی کو رد نہیں کیا جا سکتا۔تحقیقی امور میں اپنے موقف سے زیادہ حقائق محترم ہونا چاہئیں۔سو اگر واقعی ہمت رائے شرما جی سے پہلے کسی ماہیا نگار نے اردو ماہیے کہے ہیں اور ان کا ٹھوس ثبوت مل جاتا ہے تو میں اسے تسلیم کرنے میں کبھی بھی نہیں ہچکچاؤں گا۔لیکن کسی آدھی ادھوری تحقیق اور تعصب کی بنیاد پر اور غم وغصہ کے ساتھ کوئی اپنے فرمودات کو تحقیق کا نام دیتا ہے تو اسے کوئی بھی دانشمند قبول نہیں کر سکتا۔زمانی لحاظ سے تو ہمت رائے شرما جی کو ابھی تک دوسرے تمام دعوے داروں پر فوقیت حاصل ہے تاہم یہاں اگر ''فرضِ محال'' کے طور پر حسرتؔ اور برقؔ صاحبان کی زمانی اولیت کو مان لیا جائے (جو حقیقتاً ہرگز ہرگز ثابت نہیں) تب بھی ہمت رائے شرما جی ہی اردو ماہیے کے بانی ہیں۔اس لئے کہ خود ڈاکٹر مرزا حامد بیگ حسرتؔ اور برقؔ کے ''ماہیوں'' کو درست وزن میں نہیں مانتے۔لہٰذا ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی خام تحقیق کے باوجود، درست وزن کے ماہیے کہنے میں اولیت تو ہمت رائے شرما جی کا ہی اعزاز رہتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء تحقیق بیچ اس مسئلہ کے؟

بہرحال اپنی تمام تر جوابی تلخی کے باوجود میں ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے مضمون کے ذریعے مجھے متحرک کیا اور ماہیے کے منظر نامہ کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے اور دکھانے کا موقعہ عطا کیا۔ یہ ماہیے کی مقبولیت کا ایک اور ثبوت ہے کہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ جیسے دوست بھی اس طرف توجہ دینے لگے ہیں۔

(مطبوعہ جدید ادب جرمنی۔شمارہ مئی ۲۰۰۰ء)

نوٹ: میں نے اس مضمون میں سے چند زیادہ سخت سطور حذف کر دی ہیں۔(ح۔ق)

''نیرنگ خیال'' کا ماہیا نمبر

ماہنامہ ''نیرنگ خیال'' راولپنڈی تاریخ ساز ادبی جریدہ ہے۔حکیم محمد یوسف حسن نے جولائی 1924ء میں لاہور سے اس کا اجراء کیا تھا۔اس کے ابتدائی لکھنے والوں میں علامہ اقبال، سر عبدالقادر، آغا حشر کاشمیری، نیاز فتح پوری، پریم چند، امتیاز علی تاج، محمود شیرانی، یگانہ چنگیزی، قاضی عبدالغفار، سیماب اکبرآبادی، ریاض خیرآبادی، اختر شیرانی اور اس دور کے اور کتنے ہی اہم لکھنے والے شامل تھے۔''نیرنگ خیال'' کے سالناموں کے ساتھ اس زمانے میں اس کے کئی اہم خصوصی نمبرز نکالے گئے۔ان نمبرز میں سب سے اہم ترین ''اقبال نمبر'' ہے جو آج بھی حوالے کی مستند دستاویز ہے۔1967ء میں حکیم محمد یوسف حسن اس رسالے کے مدیرِاعلیٰ بن گئے اور سلطان رشک اس کے مدیر مقرر ہوئے۔حکیم صاحب کی وفات کے بعد بھی سلطان رشک اس رسالہ کے مدیر ہیں۔اکتوبر 1999ء کا شمارہ ''نیرنگ خیال'' کا ماہیا نمبر ہے۔اس سے پہلے پاکستان سے پنجابی اخبار ''بھنگڑا'' گوجرانوالہ کا اردو ماہیا ایڈیشن اور دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد کا ماہیا نمبر شائع ہو چکے ہیں۔''نیرنگ خیال'' کے اس ماہیا نمبر کی یہ تاریخی حیثیت بنتی ہے کہ یہ پاکستان سے کسی ادبی رسالے کا پہلا ماہیا نمبر ہے۔سلطان رشک نے اس نمبر کے لئے خاص طور پر معروف شاعر احمد حسین مجاہد اور نوجوان ادیب محمد وسیم انجم کو بطور مرتبین شامل کیا۔دونوں مرتبین نے ممکنہ حد تک خاصی محنت کی ہے اور اسے ایک یادگار نمبر بنا دیا ہے۔اداریہ اول سلطان رشک کا تحریر کردہ ہے جبکہ اداریہ دوم محمد وسیم انجم نے لکھا ہے۔ان اداریوں کے بعد جو مضامین شامل کئے گئے ہیں ان کی ترتیب یوں ہے۔

1-پنجابی لوک گیت ماہیے کی تحریری ہیئت از حیدر قریشی

2-اردو ماہیا، عروضی تناظر میں، از احمد حسین مجاہد

3-امین خیال ''یادوں کے سفینے میں'' از ناصر نظامی

4-ماہیے کی عروضی اشکال از عارف فرہاد

5-اردو ماہیے کی ہیئت از اختر رضا کیکوٹی

6-اردو ماہیے کو بساتے ہوئے شہر اور بستیاں، از حیدر قریشی

7-اردو ماہیے کی تاریخ میں سب سے پہلے از ارشد خالد

ان مضامین میں ایک طرف ماہیے کی لے کی بنیاد پر اس کے عروضی پیمانے واضح کرنے کی مخلصانہ کوششیں کی گئی ہیں تو دوسری طرف ماہیے کی ہیئت کے سلسلے میں اڑائی گئی ساری گرد کو صاف کیا گیا ہے۔یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ جب ماہیے کی لے کی بنیاد پر دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کی کمی والی بات پکی ثابت ہوگئی اور مساوی الوزن سہ مصرعی، ماہیئے کے لئے کوئی دلیل نظر نہ آئی تو یار لوگوں نے حسب سابق ماہیے کی سہ مصرعی اور ڈیڑھ مصرعی فارم کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔اس سلسلے میں سہ مصرعی فارم کو رد کرتے ہوئے ماہیے کے لئے ڈیڑھ مصرعی فارم کا حکم سنایا گیا۔مخالفین نے خاصے مغلوب الغضب ہو کر غم و غصے کا اظہار کیا لیکن ان کے تیروں کا رخ صرف ہماری طرف رہا۔تین مساوی الوزن ''ماہیے'' لکھنے والوں کو کسی نے میلی نظر سے بھی نہیں دیکھا۔بعد میں پتہ چلا یہ شوشہ ہی ان لوگوں کے اشارے پر چھوڑا گیا تھا تا کہ ماہیے کی لوک لے کی بنیاد پر قائم ماہیے کے وزن میں نقب لگائی جا سکے۔بہر حال اس موضوع پر ''نیرنگ خیال'' کے ماہیا نمبر میں نہ صرف کھل کر یار لوگوں کے شور شرابے کو واضح کیا گیا ہے بلکہ اپنے اصولی موقف کو بھی واضح کر دیا ہے۔عروضی پیمانوں اور سہ مصرعی ہیئت کے مسئلوں سے ہٹ کر اور ان مباحث کو چھوڑ کر ماہیوں کی پرکھ کے سلسلے میں عملی تنقید کا آغاز بھی اس نمبر کے ذریعے ہوا ہے۔ماہیے کا یہ دور جس میں ماہیے کی تاریخ جنم لے رہی ہے، ایک مضمون کے ذریعے بعض تاریخی امور کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اس نمبر میں ایک سو ماہیا نگاروں کے ماہیے شامل کئے گئے ہیں۔یہ تعداد ''گلبن'' کے ماہیا نمبر کے ماہیا نگاروں کے لگ بھگ ہی ہے۔اس کی ایک اہمیت یہ ہے کہ اس میں پہلے سے

فعال ماہیا نگاروں کے علاوہ کئی خوش گو شعراء ماہیا نگار کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ایسے شعراء میں ترنم ریاض، بشریٰ رحمٰن ، ڈاکٹر فراز حامدی، ہیرا نند سوز، کرشن کمار طور، آصف ثاقب، رستم نامی، بخش لائل پوری، ثروت محی الدین، جمشید مسرور، قاضی حسیب، ناصر نظامی اور بعض دیگر شعراء شامل ہیں۔ پہلے سے ماہیا نگاری میں متحرک شعراء میں سے امین خیال، احمد حسین مجاہد، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، نذیر فتح پوری، عارف فرہاد، سلطانہ مہر، ڈاکٹر صابر آفاقی، سجاد مرزا، قاضی اعجاز محور، خاور اعجاز، شرون کمار ورما، یوسف اختر، پروین کمار اشک، مسعود ہاشمی، سلیم انصاری، سعید شباب، عذرا اصغر، ثریا شہاب، شاہدہ ناز، ارشاد ہاشمی، زہیر کنجاہی، جاوید خان، محمد وسیم انجم، اختر رضا کیکوٹی، کلیم شہزاد، انوار فیروز، اعزاز احمد آذر، فراغ روہوی، شبہ طراز، شوکت ہاشمی، ہارون الرشید، منور احمد منور، تاج الدین تاج، ذوالفقار احسن، پرزرق صنم، حسن عسکری کاظمی، احمد رئیس، سلطان سکون، سلیم احمد سلیم، شاہد جمیل، عارف حسن خان، محمد ارباب بزمی، نیاز احمد صوفی، عاصی کاشمیری، کامنی دیوی، صابرہ خاتون حنا، کوثر بلوچ، انور مینائی، شعراور ینوی، احمد کمال حشمی، اقبال حمید، اشراق حمزہ پوری، تنویر خیال، ایم این اے ریحان، کے دوش بدوش ضمیر یوسف، شمیم انجم وارثی، سلطان کھاروی، دلدار ہاشمی، منصور عمر، وسیم عالم، یونس احمر، اسلم حنیف، محمد یعقوب فردوسی، مشتاق احمد، نیاز بلوچ، یاسمین سحر، بلال حمزہ پوری، ساحر شیوی، سرفراز تبسم، سہیل اقبال، طفیل خلش مخلص وجدانی، واحد محسن، بشارت احمد بشارت، اجمل پاشا، ارشد اقبال آرش اور احسان سہگل تک ماہیا نگاروں کی ایک دنیا آباد ہے۔سینئر اور بزرگ شعراء میں علامہ شارق جمال، علقمہ شبلی، قیصر شمیم، علامہ نادم بلخی، اجمل جنڈیالوی، امداد نظامی اور پربھا ماتھر کے اسماء شامل ہیں۔ ماہیے کے پیشروؤں میں قتیل شفائی کے نئے ماہیے اور اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی کے تازہ ماہیے بھی اس نمبر کی زینت ہیں۔اس نمبر سے اردو ماہیے کی تحریک ایک نئے موڑ تک آ گئی ہے۔ایک تاریخی حیثیت کے حامل ادبی رسالے کا یہ ماہیا نمبر ایک تاریخی کارنامہ ہے جس کے لئے رسالہ کے مدیر اور مرتبین مبارکباد کے مستحق ہیں۔

(مطبوعہ ماہنامہ ’’قرطاس‘‘ ناگپور ماہیا نمبر۔مئی تا اگست ۲۰۰۰ء)

ہمت رائے شرما جی کا ’ماہیا‘ اور وضاحت احوال

ہمت رائے شرما جی کے تئیں میرا رویہ سراسر محبت کا ہے۔ جب وہ ماہیے کے بانی کی حیثیت سے دریافت ہوئے تب ان کے بانی قرار پانے میں ان کی اپنی بعض تحریروں کی وجہ سے اور بعض دوسرے احباب کی تحقیقی بددیانتی کی وجہ سے اور بعض احباب کی غلط فہمی کی وجہ سے بہت سے شبہات پیدا ہوگئے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ مجھے تحقیقی زاویئے سے وہ شبہات دور کر کے اصل حقائق کو وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کی توفیق ملی۔ ہمت رائے شرما جی نے ساڑھے سولہ سال کی عمر میں کسی رہنمائی کے بغیر پنجابی کے مطابق فلم ’’خاموشی‘‘ کے لئے اردو میں ماہیے لکھے تھے۔ اردو ماہیے کا بانی قرار پانے کے بعد میرا ان سے براہ راست رابطہ ہوا۔ان کے اپنے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کبھی وقت انہیں اتنا بڑا اعزاز عطا کر دے گا چنانچہ اس خوشی میں انہوں نے اس عمر میں ماہیے کے سلسلے میں زیادہ سرگرمی کے ساتھ حصہ لینا چاہا۔اسی خواہش کے نتیجہ میں انہوں نے ایک مضمون ’’ماہیا‘‘ تحریر کیا اور مجھے بھیجا۔میں نے ان کی دلجوئی کی خاطر ان کی تھوڑی سی تعریف کی لیکن ساتھ ہی انہیں لکھ دیا کہ اسے کہیں بھی نہ چھپوائیں۔ دراصل اس مضمون میں شرما جی نے بعض بہت ہی بچگانہ سی باتیں کی تھیں۔ تحقیقی زاویئے سے تو اس سے پنجابی ماہیے کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑنا تھا لیکن اس سے خود شرما جی کی علمی سبکی ہونا تھی۔اسی لئے میں نے انہیں اس مضمون کی اشاعت سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔اس کے باوجود یہ مضمون ’’قرطاس‘‘ ناگپور اور ’’سفیر اردو‘‘ لیوٹن میں شائع ہوگیا ہے۔میرے نزدیک اگر کسی نے اس مضمون کی اشاعت کیلئے شرما جی کو اکسایا ہے تو وہ ماہیے کی تحریک کا نادان دوست ہے اور اگر شرما جی نے خود ہی ایسا کر لیا ہے تو انہوں نے اپنے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہاں میں اس مضمون کے ایک بنیادی نکتہ پر بات کروں گا تاہم اس سے

پہلے شرما جی کے تعلق سے اپنے پہلے سے لکھے ہوئے بعض الفاظ یہاں درج کرنا چاہتا ہوں تا کہ شرما جی کے مضمون کی ''معصومیت'' کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

☆''ہمت رائے شرما جی کے جو خطوط ''کوہسار'' میں شائع ہوئے ہیں ان کی روشنی میں مزید تحقیق کر کے اصل حقیقت تک تو پہنچا جا سکتا ہے لیکن ان پر مکمل انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ہمت رائے شرما جی گذشتہ آٹھ برسوں سے لقوہ اور فالج کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ویسے تو طویل عمر کے بعد پچاس ساٹھ سال پہلے کی باتیں پوری طرح یاد نہیں رہ پاتیں، ان کا تاثر سا باقی رہتا ہے جبکہ فالج تو ایسی بیماری ہے جو یادداشت کو متاثر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے فلم ''خاموشی'' کے ماہیے لکھنے کا سن کبھی 1937ء بتایا ہے، کبھی 1939ء اور کبھی اسے پچاس ساٹھ سال کے اندازے سے ظاہر کیا ہے۔ ان تاریخوں میں جو تضاد ہے اس کا سبب صرف بیماری کی وجہ سے یادداشت کا متاثر ہونا ہے۔'' (مضمون ''اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما'' مطبوعہ ''انشاء'' کلکتہ۔ ستمبر 1998ء)

☆''چونکہ شرما جی کی یادداشت پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے میں تذبذب کی حالت میں رہا اور اپنے پہلے مضمون میں شرما جی کا ایک خاص بیان شامل نہیں کیا، لیکن اب مئی 1936ء کا ثبوت مل جانے کے بعد پورے اعتماد کے ساتھ ان کا بیان شائع کر رہا ہوں'' (مضمون ''اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما، فلم خاموشی کے گیت اور تحقیق مزید'' مطبوعہ ''جدید ادب'' مئی 1999ء)

☆''وہ (شرما جی) طویل عرصہ سے فالج کا شکار ہیں۔ بات کرتے کرتے کئی بار بات بھول جاتے ہیں۔ ذرا سی بات پر بچوں کی طرح بلکنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت اور ایسی کیفیت کا حامل کوئی شخص ایسی کاریگری نہیں کر سکتا جو مرزا حامد بیگ نے ان سے منسوب کر دی ہے۔''

(مضمون ''مرزا صاحب کے جواب میں'' مطبوعہ ''جدید ادب'' جرمنی، مئی 2000ء)

یہ تینوں مضامین میں نے شرما جی کی حمایت میں لکھے ہیں اور ان تینوں میں بھی اہمیت اصل حقائق کو دی ہے۔ محض شرما جی کے بیان کو اہمیت دینے کی بجائے میں نے پہلے حقائق کی چھان بین کی ہے اور اس کے بعد ان کے کسی بیان کو قبول کیا ہے یا نظر انداز کر دیا ہے۔ اب جو شرما جی نے مضمون لکھا ہے اس میں انہوں نے لفظ ''ماہی'' کی چرواہے کے معنی کی تردید کرتے ہوئے

اسے ''ماہ'' (چاند) سے ماہی قرار دیا ہے۔ اس سے نئی نکتہ آفرینی کی حد تک تو مزہ لیا جا سکتا ہے بالکل ویسے ہی جیسے ڈاکٹر رفعت اختر نے اسے اردو کے لفظ ''ماہی'' (مچھلی) سے جوڑ دیا ہے۔ سوان تک بندیوں کو معنوی قربت کے باعث نکتہ آفرینی کی حد تک قبول کیا جا سکتا ہے لیکن ماہیے کے سلسلے میں یہ بالکل واضح ہے کہ پنجابی میں اس کا مطلب ''چرواہا'' اور ''محبوب'' دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

پنجاب کے نوجوان چرواہے جب بھینسیں چراتے تھے تو اس وقت اپنا ٹائم پاس کرنے کے لئے بانسری بجانے سے لے کر گنگنانے تک ایسے کام کرتے تھے کہ جانوروں پر بھی نظر رہے اور جی بھی بہلتا رہے۔ عام نوجوان چرواہے بھی کئی مٹیاروں کے دلوں کی دھڑکن بنے ہوں گے تاہم جب مہینوال اور رانجھے جیسے رومانوی کردار بھی چرواہے کے روپ میں سامنے آئے تو پھر یہ لفظ ''ماہی'' چرواہے سے زیادہ محبوب کے لئے مخصوص ہوتا گیا۔ پنجابی میں ماہیے کا رُوٹ اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ماہیے پر بہت زیادہ کام کرنے والے پنجابی سکالروں میں پروفیسر شارب سے لے کر تنویر بخاری تک سب یہی موقف رکھتے ہیں اور یہ ان لوگوں کا موقف ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ پنجابی ماہیے کی تحقیق اور دریافت پر صرف کیا ہے۔ شرما جی اپنی ساری متحرک اور ادبی لحاظ سے فعال زندگی میں ماہیے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھ پائے۔ اب اس علالت اور ذہنی ارتکاز قائم نہ رہنے کی حالت میں ان کی تحقیق کیونکر درست ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ماہیے کی تحقیق کے سلسلے میں پنجابی سکالرز کو بالکل ہی نہیں پڑھا۔ یہاں پنجابی میں ''ماہی'' بمعنی چرواہا کے ثبوت کے طور پر وارث شاہ جیسے مستند اور کلاسک شاعر کے کلام سے چند مصرعے پیش کر رہا ہوں

ہیر اپنے والد کو کہتی ہے

''ماہی'' ڈھونڈ کے بابلا! اساں آندا
صفت ایسدی کہی نہ جاوندی اے

اس کا مطلب یوں ہے کہ ہیر کہتی ہے کہ والد صاحب! میں ایک ایسا ماہی (چرواہا)

ڈھونڈ کے لائی ہوں جس کی خوبیاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ یہاں واضح طور پر ماہی بمعنی چرواہا آیا ہے۔اگر چرواہالانے کی بجائے صرف محبوب کے معنی میں اسے لیں تو اس کا مطلب یہ بنے گا کہ ہیرا اپنے والد سے کہہ رہی ہے کہ والد صاحب ! میں ایک ایسا محبوب ڈھونڈ کے لائی ہوں جس کی خوبیاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ یہ مطلب قطعاً قصہ ہیر، رانجھا میں وارث شاہ نے بیان نہیں کیا اور وارث شاہ سے ایسی حماقت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چند مصارع اور بھی پیش کرتا ہوں، اس دعویٰ کے ساتھ کہ ان سب میں ''ماہی'' جمع اور واحد دونوں صیغوں میں چرواہا کے معنی میں آیا ہے۔

میری جان بابل جیویں ڈھول راجہ ''ماہی'' مہیں داڈھونڈ لیائی آں

جوہ وچ ''ماہی'' مجھیں چاردے سن رانجھے ہیرول کردھیان میاں

بھکھا جا ''ماہی'' مہیں نال چھڑیا اسدے کھانے دی خبر نہ کسے لیتی

سارا پنڈ ڈرے اوس ماہیڑے توں سر ''ماہیا'' دے اوہدا کنڈڑا جے

وارث شاہ میاں چاویاہ داسی سنجے پھرن کھیندے منگو ''ماہیاں'' دے

یہ صرف وارث شاہ کے چند حوالے ہیں۔ وگرنہ دوسرے قدیم اور مستند پنجابی شعراء کے کلام سے بھی اس کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔سو میں ہمت رائے شرما جی کے مضمون کو ان کی ایک معصومانہ کاوش سمجھ کر نظر انداز کرتا ہوں۔انہوں نے سب سے پہلا ماہیا ظہیر الدین بابر سے منسوب کیا ہے۔ یہ بھی ابھی تک صرف ایک مذاق والی بات لگتی ہے۔اس لئے کہ خود شرما جی کے اپنے بیان میں تضاد ہے۔ پہلے لکھتے ہیں ''یہ ماہیا بابر کے بچپن کے دوست میر باقی خان نے گایا جو ترکی زبان میں تھا'' جبکہ چار سطروں کے بعد ہی یہ لکھتے ہیں ''جب میر باقی خان نے ہیرے جواہرات اور موتیوں سے بھرا ہوا تھال بابر کو پیش کیا تو قلندر صفت بادشاہ نے برجستہ کہا:

مج کونہ ہوا کج ہوس مانک وموتی

فقر اہلیغر بس

بولغوسیدور پانی وروتی

یہ تھا سب سے پہلا ماہیا نما شعر جو بابر نے اپنی زبانی اور اس وقت بولی جانے والی پنجابی زبان میں

کہا تھا''۔

☆ چار سطر پہلے میر باقی خان نے ''پہلا ماہیا'' ترکی زبان میں گایا تھا اور چار سطروں کے بعد ہی لکھتے ہیں یہ ''ماہیا نما شعر'' بابر نے پنجابی میں کہا تھا۔ میں سمجھتا ہوں یہ سب کچھ صرف شرما جی کی علالت کا نتیجہ ہے تاہم ''توزک بابری'' سے اس سلسلے میں مزید تحقیق کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ مجھے اب بھی ہمت رائے شرما جی سے محبت ہے لیکن ان کے مضمون سے چونکہ بنیادی قسم کا مغالطہ پھیل سکتا ہے۔اس لئے میں اصل حقائق واضح کر کے اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔ ماہیے کے بانی آج بھی ہمت رائے شرما ہیں، اس کی تحقیق میں نہ ان کا کوئی سابق رول تھا نہ وہ اب بوجہ علالت ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''اردو دنیا'' جرمنی، اکتوبر 2000ء)

ماہیے کا جواز

سہ ماہی ''مژگاں'' کلکتہ کے شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء میں ''کھلی ادبی بحث'' کے تحت پرویز اختر کے جو تاثرات شائع ہوئے ہیں مجھے ان کے حوالے سے جواباً کچھ عرض کرنا ہے۔انہوں نے ماہیے کی اب تک کی بحث کا پورا مطالعہ کیا ہوتا تو ماہیے کے جواز کا سوال نہ اٹھاتے بلکہ اس سلسلے میں میری وضاحت سے بات آگے بڑھاتے۔دو ماہی ''گلبن'' احمد آباد کے ماہیا نمبر میں میرا مضمون ''ماہیے کی کہانی'' شائع ہوا تھا۔اس میں ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹر ہیلڈ کے تین سوالات کے جواب بھی دیئے گئے تھے۔ان کا پہلا سوال ہی یہ تھا ''ماہیا سے پہلے اردو میں ہائیکو، ثلاثی اور بعض دیگر سہ مصرعی اصناف موجود ہیں۔ان کے ہوتے ہوئے ماہیا کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' اسی بات کو پرویز اختر نے اپنے تاثرات میں گھما پھرا کر دہرایا ہے۔سو اس کے جواب میں اپنے مضمون کا وہی حصہ یہاں دہرا دیتا ہوں جو دو سال پہلے ''گلبن'' کے ماہیا نمبر میں چھپ چکا ہے۔

''میرے خیال میں کسی ادبی صنف کا آغاز کبھی بھی کسی پلاننگ کے ساتھ نہیں کیا جاتا۔غزل قصیدے سے الگ کیوں ہوئی؟ برّ صغیر میں داستانوں کی عظیم روایات کے ہوتے ہوئے ہمیں ناول اور افسانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ایسے سوال تو شاید ہر ادبی صنف کے بارے میں کئے جا سکتے ہیں جبکہ حقیقتاً ہر صنف خودرو پودوں کی طرح اپنی زمین اور اپنی زبان سے خود بخود اُگ آتی ہے۔جو تجربے دوسری زبانوں سے آتے ہیں وہ بھی جب تک نئی زبان اور کلچر کے اندر تک اتر کر اپنی جڑیں مضبوط نہ کر لیں تب تک برگ و بار نہیں لا سکتے۔اس لئے ماہیے کے بارے میں کسی ''نظریہء ضرورت'' کی تلاش مناسب نہیں ہے۔ہاں امکانات پر ضرور غور کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر یہ بھی ایک امکانی بات ہے کہ ہائیکو اور ثلاثی کے تجربات اردو میں کسی سہ مصرعی صنف کی داخلی جستجو رہے ہوں لیکن ہائیکو اور ثلاثی ثقافتی سطح پر اردو میں جُڑ نہیں پا رہے ہوں، تب ماہیے نے چُپکے سے اپنے ادبی اور ثقافتی وجود کا اظہار کر دیا ہو۔ممکن ہے پنجابی اور اردو کی لسانی قربت اور برِّ صغیر کے ایک بڑے علاقے میں اپنی ثقافتی جڑیں ہونے کے باعث ماہیا دوسری تمام سہ مصرعی اصناف کے مقابلے میں کہیں زیادہ زرخیز ثابت ہو''

پرویز اختر نے ایک طنزیہ فرما دیا ہے کہ ''محض موجد بننا۔۔۔!! یہ تخلیق کا زوال ہے نہ کہ کمال! کیا تخلیق کار کا مقصد یہ ہے کہ وہ محض موجد بن کر رہ جائے؟''

ماہیے کا موجد ہونے کا کسی کا بھی دعویٰ نہیں ہے۔اردو میں اس کا اوّلین نقش ہمت رائے شرما کے ہاں ملتا ہے اور ۱۹۳۶ء میں ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ فلم ''خاموشی'' کیلئے لکھے جانے والے ان کے یہ ماہیے کبھی انہیں اردو ماہیے کا بانی بنا دیں گے۔ہاں جو لوگ بھی اس نئی صنف کے فروغ میں دلچسپی لے رہے ہیں اور حاسدوں، بدخواہوں کی مخالفانہ ملامت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، ان کی ماہیے کے لئے خدمات تو بہر حال ادب کی تاریخ میں رہیں گی۔

موصوف کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ ثلاثی میں جو بات کہی جا سکتی ہے اسے ماہیے میں کیوں کہا جائے اور کبھی اس بات پر برہم ہونے لگتے ہیں کہ جب بات غزل کے دو مصرعوں میں مکمل ہو سکتی ہے تو تین مصرعوں کی کیا ضرورت ہے؟ (تین مصرعوں کا اعتراض بھی صرف ماہیے پر ہے۔ثلاثی یا ہائیکو یا کسی اور سہ مصرعی صنف پر نہیں ہے۔)۔

یہاں پھر اپنی ۱۹۹۳ء کی ایک تحریر دہرا دیتا ہوں تاکہ یہ بھی واضح ہو سکے کہ یا تو ہمارے معترضین کا مطالعہ کچا پکا اور ادھورا ہے اور یا وہ جان بوجھ کر ایک وقفہ کے بعد پرانے اعتراض دہرانے لگے ہیں۔موصوف صرف غزل کے حوالے سے اعتراض کر رہے ہیں میں نے غزل سمیت نظم اور گیت کے حوالے سے بات کی تھی۔

''اردو شاعری کی تین بڑی روایات گیت، غزل اور نظم مجھے ماہیے میں یکجا ہوتی دکھائی دے رہی ہیں۔ماہیا بنیادی طور پر ایک چھوٹی سی نظم ہے لیکن اس میں تین مصرعوں کے باوجود پہلے اور

آخری مصارع میں قافیہ، ردیف کا التزام اسے غزل کے شعر کے قریب کر دیتا ہے۔ پھر کوزے میں دریا بند کرنے کا غزل کے شعر کا وصف بھی ماہیے میں موجود ہے۔ مزاجاً ماہیا گیت جیسا ہے۔۔۔لہٰذا اگر اس صنف کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملا تو اس کے وسیع تر امکانات کھل کر سامنے آئیں گے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیادی اینٹ درست رکھی جائے۔''

(بحوالہ ''اوراق'' لاہور شمارہ: نومبر، دسمبر ۱۹۹۳ء)

پرویز اختر نے لکھا ہے: ''اب تک ماہیہ کے نام پر جو دستیاب ہوا ہے، اس کی روشنی میں ماہیہ کے علمبرداروں اور اس کے تئیں نرم گوشہ رکھنے والے ادب نوازوں سے یہ سوال ضرور کرنا چاہوں گا کہ کیا وہ ادب اور اس سے جڑی ہوئی صنف کی اہمیت و افادیت اور قوت سے واقف ہیں؟ کیا وہ واقعی اس صنف سے پوری طرح انصاف کر پا رہے ہیں؟''

چونکہ میں بھی اس صنف کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہوں اس لئے اس سوال کا رُخ اپنی جانب بھی سمجھتا ہوں۔ میں اس صنف کے حوالے سے اتنی واقفیت تو رکھتا ہی ہوں کہ پرویز اختر صاحب جو سوال اس صدی میں اُٹھا رہے ہیں ان کے جواب میں گزشتہ صدی میں دے چکا ہوں۔

رہی انصاف کرنے بات، تو صاحب! یہ بتایئے ادب کی دوسری اصناف کے ساتھ کتنا انصاف ہو رہا ہے؟ وہاں بھی بیک وقت اچھا بھی لکھا جا رہا ہے اور برا بھی لکھا جا رہا ہے۔ بے وزن غزلیں بھی لکھی جا رہی ہیں لیکن اس غلطی کا الزام غزل کے سر تو نہیں تھوپا جا سکتا۔ ایسے ہی اگر بعض لوگ کمزور ماہیے کہہ رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ماہیے کی صنف کو ہی برا کہہ دیا جائے۔ مجھے علم نہیں ہے کہ میں کسی بھی ادبی صنف کے ساتھ انصاف کر پا رہا ہوں یا نہیں، تاہم یہاں اپنے چند ماہیے پیش کئے دیتا ہوں۔

رائن سے چناب ملا
کوئی حقیقت تھی
یا خواب سے خواب ملا

یوں روشن جان ہوئی
دل میں کہیں جیسے
مغرب کی اذان ہوئی

جب 'عصر' اشارہ ہوا
سود میں ڈھلنے لگا
جتنا بھی خسارہ ہوا

(رائن جرمنی کا مشہور دریا ہے)

اک روح تھی سیلانی
چھوڑ کے شہرِ دل
جو ہو گئی ملتانی

اک یاد تھی بستے میں
کھو گئی جانے کہاں
اس عمر کے رستے میں

بچپن کے خزانے میں
کتنے زمانے تھے
اُس ایک زمانے میں

یہ بھید نہ کھل پائے
دل بھر آنے پر
کیوں آنکھ بھی بھر آئے

نہیں، ہم نہیں روئے تھے
چاند کی کرنوں میں
کچھ موتی پروئے تھے

اس درد خزانے کے
چل دو نفل ہی پڑھ
رب کے شکرانے کے

الجھن سے چھڑاتے ہوئے
باندھ لیا دل کو
بال اس نے بناتے ہوئے

تھے دیس میں پردیسی
آ کے ولایت میں
اب ہو گئے ہیں دیسی

خوش قسمتی کا مارا
دل کلہم کلا
اور کثرتِ نظّارا

پھولوں کو پرونے میں
سوئی تو چُبھنی تھی
اس ہار کے ہونے میں

منظر ترے گاؤں کے
گرم دوپہروں میں
ہنستی ہوئی چھاؤں کے

کچھ رشتے ٹوٹ گئے
برتن مٹی کے
ہاتھوں سے چُھوٹ گئے

تو کس کا سوالی تھا
دامنِ دل جس کا
خود اپنا ہی خالی تھا

گندم کی کٹائی پر
چھوڑ دیا گاؤں
گوری کی سگائی پر

پھرتے ہیں اکیلے میں
ساتھ نہیں کوئی
صدمات کے میلے میں

مل مہکی فضاؤں سے
یار نکل باہر
اندر کے خلاؤں سے

مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہو ولیوں کی

جھک آئے فلک سائیں
دیکھی تھی ہم نے
بس ایک جھلک سائیں

سب صبحوں کا تاج ہوئی
رحمتِ عالمؐ کو
جس شبِ معراج ہوئی

کثرت کی زبانی ہیں
کعبہ کی دیواریں
وحدت کی نشانی ہیں

کیا ان ماہیوں سے ماہیے کے آئندہ امکانات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا؟ اس بارے میں اب پرویز اختر خود انصاف کریں یا قارئین ادب انصاف کریں۔ مجھے اس برس کا ''گلبن'' کا غزل نمبر مرتّب کرنے کا موقعہ ملا تھا تو غزل کے ابتدائی دور کی غزلیں دیکھ کر مجھے جہاں غزل کے ارتقا کو سمجھنے میں آسانی ہوئی وہیں ذاتی طور پر مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ غزل کے مقابلہ میں ماہیے کو اپنے امکانات اجاگر کرنے میں زیادہ بہتر زبان اور فضا نصیب ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے اس کے پنپنے کے اور ادب میں اپنی مستقل حیثیت بنانے کے اچھے مواقع موجود ہیں۔ اس لئے اس کے تئیں جارحانہ اور متعصّبانہ رویہ اپنانے کی بجائے ہمدردانہ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں لیکن ماہیے کی خیر خواہی اور بہتری کے جذبے کے ساتھ۔
یہی صحت مند رویہ ہے!

(مطبوعہ سہ ماہی ''مژگاں''، کلکتہ۔ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۰ء)

ماہیے کے خدوخال

عارف فرہاد راولپنڈی کے نوجوان اور فعال شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ماہیے کی تحقیق و تنقید کے سلسلہ میں بہت سے ضروری حوالہ جات کی فراہمی سے لے کر دیگر معاون امور تک راولپنڈی سے مجھے اختر رضا سلیمی اور ڈاکٹر وسیم انجم کی طرف سے بہت سپورٹ ملتی رہی تھی۔ ان کی اس تائید اور مدد کے لیے آج بھی تہہ دل سے دونوں دوستوں کا شکر گزار ہوں۔ لیکن عارف فرہاد کی جانب سے میرا جو ساتھ دیا گیا وہ تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی تینوں زاویوں سے اتنا زیادہ اور اتنا اہم ہے کہ اس کے لیے شکریہ کا لفظ اپنے تمام تر اخلاص کے باوجود رسمی سا لفظ بن جائے گا۔

بحث کے عروج کے زمانہ میں عارف فرہاد نے دیوانہ وار کام کیا۔ تخلیقی سطح پر مسلسل عمدہ ماہیے کہے۔ تنقیدی مباحث کو نہ صرف غور سے دیکھا اور ان میں شرکت کی بلکہ مجھے مناسب مشورے بھی دیتے رہے۔ اپنے طور پر کام بھی کرتے رہے۔ ہمت رائے شرما جی کی زمانی اولیت کے مسئلہ پر بہت سارے دوسرے شواہد جمع ہو گئے تھے لیکن عارف فرہاد نے لاہور جا کر وہاں سے ایسا حوالہ تلاش کیا جو اس بحث میں ایک طرح سے فیصلہ کن کردار ادا کر گیا۔ احمد سعید ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ آف ہسٹری، ایم اے او کالج لاہور کی کتاب 'مسلم انڈینز: آف بائیوگرافیکل ڈکشنری' کے صفحہ نمبر ۳۲۷ کا حوالہ سامنے لانا حقیقتاً عارف فرہاد کی محنت تھی جس نے مجھے اپنے تحقیقی کام میں بہت تقویت دی۔ اس حوالے کے سلسلہ میں میرا مضمون ''مرزا صاحب کے جواب میں'' دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا مقصود تھا کہ عارف فرہاد نے خلوصِ دل اور سچی لگن کے ساتھ اس علمی و ادبی معاملہ میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔

اُس زمانہ میں ہمارے ایک مخالف کرم فرما نے اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر وسیم انجم کے تعلیمی سلسلہ کو مشکل میں ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ عارف فرہاد کا پی ایچ ڈی

کا پراجیکٹ تو بطور خاص شروع ہونے سے پہلے ہی ان کرم فرما کی زد میں آ گیا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ عارف فرہاد کا پی ایچ ڈی کرنا کھٹائی میں پڑ گیا ہے تو دلی افسوس ہوا۔ ابھی تک یہ سب کچھ حسابِ دوستاں در دل والا معاملہ تھا لیکن اب عارف فرہاد کی تحقیق و تنقید کی کتاب ''ماہیے کے خدو خال'' پر لکھنے بیٹھا ہوں تو مجھے یہ ساری باتیں یاد آتی گئی ہیں۔ اور ایمانداری کے ساتھ اپنی دلی کیفیت کو بیان کرتا گیا ہوں۔

''اردو ماہیے کے خدوخال'' ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ تب تک تحقیق و تنقید کے حوالے سے ماہیے پر میری تین کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ دوسرے بہت سارے دوستوں نے ماہیے کی بحث کے مختلف پہلوؤں پر عمدہ مضامین لکھے تھے، ان میں سے بعض سطحی نوعیت کے اور غیر ضروری بھی تھے لیکن بہت سارے معیاری اور علمی بحث کو آگے بڑھانے والے تھے۔ تاہم ایسا سارا کام بکھری ہوئی صورت میں تھا۔ عارف فرہاد کی کتاب ''اردو ماہیے کے خدو خال'' اس لحاظ سے کسی دوست کی پہلی کتاب تھی جس میں نہ صرف ماہیے کے خدو خال کو اجاگر کیا گیا بلکہ اس سلسلہ میں ہونے والی تب تک کی ساری بکھری ہوئی بحث کو یکجا کر دیا گیا۔

''چند اہم باتیں'' کے زیرِ عنوان کتاب کا ابتدائیہ تحریر کر کے عارف فرہاد نے سلیقے کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں ماہیا اور اس کی ابتدا، ماہیے کا مزاج، ماہیے کی عروضی اشکال اور ماہیے کی تقطیع کے عروضی قواعد کے عناوین کے تحت عارف فرہاد نے اپنے موقف کو عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ باب دوم میں ''ماہنامہ اوراق میں ماہیے کے فروغ پر ہونے والی ارتقائی بحث'' اور'' ماہنامہ اوراق میں شائع ہونے والے ماہیے'' کے تحت تفصیل درج کی گئی ہے۔ یہاں عارف فرہاد نے کج بحثی کرنے والوں کو نہ صرف اچھی طرح علمی گرفت میں لیا ہے بلکہ ماہیے کے خدوخال کو عمدہ طریقے سے مزید واضح کر دیا ہے۔

باب سوم میں ''ماہیے کے حوالے سے چند اہم خطوط'' کے زیرِ عنوان احمد ندیم قاسمی کا ایک خط اور میرے ۱۹ خطوط کو شامل کیا ہے۔ اپنے ان سارے خطوط کو پڑھتے ہوئے مجھے وہ زمانہ ایک بار پھر یاد آ گیا جب ماہیے کی بحث میں مجھے اور میرے دوستوں کو کئی اطراف سے الجھایا جا رہا تھا۔ تب ہی میں نے اپنی کتاب ''ماہیا۔۔علمی بحث سے غوغائے رقیباں تک'' ترتیب دینا

شروع کر دی تھی کیونکہ دوسرے فریق نے محض طاقت کے بل پر ہر طرح کا جھوٹ پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ تب میں ''۔۔۔غوغائے رقیباں'' والی کتاب کے لیے ایسی ساری کاروائیوں کی روداد پورے شواہد کے ساتھ جمع کر رہا تھا۔ میرے ۱۹ خطوط میں سے مکتوب نمبر ۱۵ محررہ ۱۴ر مئی ۱۹۹۸ء میں ایک خامی راہ پا گئی ہے۔ کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۱ پر یہ جملہ درج ہے ''احمدیوں سے میرا یہاں مکمل سوشل بائیکاٹ ہے''۔ میں سو فی صد یقین کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میری کسی تحریر میں ایسا لکھا ہوا نہیں ملے گا۔ میری دانست میں یہ جملہ یوں ہوگا:

''احمدیوں کی طرف سے میرا یہاں مکمل سوشل بائیکاٹ ہے''۔

ہوسکتا ہے۔۔'' کی طرف'' کے الفاظ کتابت ہونے سے رہ گئے ہوں۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ کسی کے ساتھ محض اس سے اختلافِ عقیدہ کے باعث نفرت کرنا یا اس کا سوشل بائیکاٹ کرنا میری فطرت کے خلاف ہے۔ میرے ہم مسلک ہوں یا غیر مسلک کے لوگ ہوں جو بھی اختلافِ عقیدہ کی بنا پر کسی کا سوشل بائیکاٹ کرتا ہے، درحقیقت اپنی علمی شکست کا اعتراف کرتا ہے۔ یہ اصول کسی ایک کے لیے نہیں ہر ایک کے لیے ہے۔

ایک گمان یہ بھی ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں بشیر سیفی نے علمی طور پر لاجواب بلکہ شرمندہ ہونے کے بعد آخری حربہ کے طور پر اپنے کسی شاگرد یا مسعود اختر کے فرضی نام سے ایک مضمون چھپوایا تھا کہ ماہیے کی یہ بحث کافروں کی سازش ہے۔ اس لیے عارف فرہاد نے مقامی طور پر اس کے ردِ عمل سے بچنے کے لیے میرے خط کو اس رنگ میں چھاپ دیا ہو، تاکہ مخالفت کا اثر زائل کیا جا سکے۔ مسعود اختر نامی کسی فرد کے اس الزام کے جواب میں تب ہی میں نے اپنا جواب بہ عنوان ''جوابِ آں غزل'' نوائے وقت راولپنڈی کے ادبی صفحہ پر چھپوایا تھا اور میرے جواب سے بھی زیادہ شاندار جواب اختر رضا سلیمی نے اپنے اخبار ہوٹل ٹائمز میں خود لکھ کر شائع کیا تھا۔ (یہ میٹر بھی میں نے ''۔۔۔غوغائے رقیباں'' والی کتاب میں سنبھال لیا تھا۔)

یہ ساری وضاحت اس لیے کرنا پڑی کہ میری نسبت کبھی بھی ایسا گمان نہیں کیا جانا چاہیے کہ میں کسی سے اختلافِ عقیدہ کی بنا پر نفرت کرتا ہوں اور پھر اس میں اس حد تک جا سکتا ہوں کہ نعوذ باللہ دوسروں کا سوشل بائیکاٹ کر سکتا ہوں۔ میں تو خود زندگی بھر اپنوں اور پرایوں سب

کی ایسی نفرتوں کا شکار رہا ہوں۔میں ایسے اقدام کا مرتکب کیسے ہوسکتا ہوں۔

ہم پہ گزرے ہیں خزاں کے صدمے
ہمیں معلوم ہے افسانۂ گل

باقی ادبی مباحث میں کسی کے مذہبی عقائد سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔دلیل کا جواب دلیل سے دیا جانا چاہیے، جھوٹے اور اشتعال انگیز بیانات سے نہیں۔بہر حال تب سے اب تک پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے۔لیکن ان باتوں کا ماہیے کی بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عارف فرہاد نے اپنی کتاب ''اردو ماہیے کے خدوخال'' کے باب چہارم میں تین ماہیا نگاروں کی ماہیا نگاری کا خصوصی مطالعہ پیش کیا ہے۔حیدر قریشی، زُہیر کنجاہی اور مسعود ہاشمی۔اس سلسلہ میں بعض نسبتاً زیادہ بہتر ماہیا نگاروں کو بھی اس خصوصی مطالعہ میں شامل کر لیا جاتا تو یہ باب زیادہ اچھا ہو جاتا۔محض مذکورہ تین ناموں سے خصوصی مطالعہ کا حق ادا نہیں ہوا۔

کتاب کے باب پنجم میں عارف فرہاد نے ماہیے کا ایک اچھا انتخاب پیش کیا ہے۔اس میں ۱۵۵ کے لگ بھگ ماہیا نگاروں کے ماہیوں کا انتخاب شامل کیا گیا ہے۔

میرے لیے تو ماہیے کی بحث میں علمی و ادبی محبت کے ساتھ شریک ہونا ہی بہت بڑا ساتھ تھا، عارف فرہاد نے نہ صرف بحث میں بھرپور شرکت کی، بلکہ اس بحث میں میرے لکھے کو عزت دی اور اس سب کچھ کے ساتھ کتاب کا انتساب بھی بڑی محبت کے ساتھ میرے نام کر دیا۔

اردو ماہیا کی تحقیق و تنقید کے سلسلہ میں عارف فرہاد کی کتاب ''اردو ماہیے کے خدوخال'' ابتدائی قابلِ ذکر، اہم اور بنیادی کتابوں میں شامل رہے گی۔

عارف فرہاد کو ان کی اس محنت پر داد اور مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

☆☆☆

(اپنی اس کتاب ''اردو ماہیا تحقیق و تنقید'' میں ''اردو ماہیے کے خدوخال'' پر میرے تاثرات

شامل نہ ہوتے تو مجھے اپنی کتاب ادھوری محسوس ہوتی۔Reha Klinik میں قیام کے دوران عارف فرہاد کی کتاب پر آج ۲۵ر جولائی ۲۰۱۰ء کو کلینک کے اپنے روم نمبر ۴۱۲ میں یہ مختصر سے تاثرات لکھ کر اپنی اس کتاب کو مکمل کر لیا ہے۔)

نوٹ: برادرم اختر رضا سلیمی پہلے اپنے گاؤں کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ کیکوٹی لکھا کرتے تھے۔اب اپنے نام کے ساتھ سلیمی لکھتے ہیں۔سو مضامین میں جہاں کہیں کیکوٹی یا سلیمی کا فرق ملے تو اس سے مراد بہر حال آپ ہی ہیں۔ ح۔ق

ماہیے پر مکالمہ

(لوک گیت سے ادبی صنف تک)

پلوشہ مومند (پشاور) / حیدر قریشی (جرمنی)

سلام حیدر صاحب!

سب سے اول تو معذرت قبول کیجئے، میری گزشتہ میل آپ کے لئے زحمت کا باعث ہوئی تھی۔اس پہ میں شرمندہ ہوں۔اردو ادب کے بارے میں بات کرتے ہوئے مجھے یقیناً اردو میں ہی بات کرنی چاہیئے تھی۔اس میل میں میں نے جو بات کی تھی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔گو ماہیے کی تیکنیکی باریکیوں سے میں واقف نہیں لیکن اس کے بارے میں میرا گمان یہ ہے لوک ادب کی ایک صنف ہے اور لوک ادب میرے مشاہدے کے مطابق ہر معاشرے میں ہم عصر ادب سے الگ حیثیت رکھتا ہے۔لوک ادب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کا مصنف ہونے کا دعویٰ کوئی نہیں کرتا بلکہ جو کچھ بھی لکھا جاتا ہے اسے ساری کمیونٹی کا مشترکہ اثاثہ اور مشترکہ میراث سمجھا جاتا ہے۔اس ضمن میں، میں نے پشتو کی لوک شاعری کی اصناف کی مثالیں دی تھیں کہ ان میں شاعری ہوتو رہی ہے لیکن ان کی آتھرشپ کلیم نہیں کی جاتی۔کیونکہ یہی لوک لٹریچر کی اصل سپرٹ ہے۔

۲۔اردو ادب میں لوک شاعری کی کوئی روایت موجود نہیں، اس لئے اردو شاعری میں ایک صنف کی حیثیت سے ماہیے کا تعارف کچھ آرٹیفیشل سی بات لگتی ہے۔

۳۔ماہیا شاید پنجابی لوک شاعری کی صنف ہے اس لئے اس کی خوبصورتی اور نزاکتوں کا

احساس وہی لوگ زیادہ کر سکتے ہیں جن کی مادری زبان پنجابی ہے۔ایک پختون کی حیثیت میں، میں ان لوگوں کے احساسات کا احترام تو کر سکتی ہوں لیکن ماہیے کے ساتھ وہ وابستگی محسوس نہیں کر سکتی جو ان کو ہے۔آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔اللہ حافظ

پلوشہ

28/ستمبر۲۰۰۳ء

پلوشہ بی بی

سلام مسنون

آپ کی رومن اردو میں لکھی ای میل ملی۔شکریہ

۱۔آپ کی بات اصولاً درست ہے کہ لوک گیت پورے معاشرے کی مشترکہ ملکیت ہوتے ہیں اور ان پر کسی کی انفرادی تصنیف کا لیبل نہیں ہوتا۔یہ بھی درست ہے کہ لوک گیت اپنے معاشرے کے مزاج کے عکاس اور ترجمان ہوتے ہیں۔تاہم کسی لوک سرمائے کا تدریجی سفر کرتے ہوئے لوک روایت سے ادبی روایت میں ڈھلنا کوئی نئی بات نہیں ہے۔اس کے لئے متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔اس وقت جو مثالیں بالکل سامنے ہیں ان میں سب سے پہلے ہندی دوہا کو لے لیجئے۔یہ ہندی کا لوک گیت تھا۔اس کی غنائیت کے جادو نے ممتاز شعراء کو اپنا اسیر بنایا تو دوہا ادبی صنف کے طور پر لکھا جانے لگا۔ہندی سے یہ اردو میں بھی آیا۔اگرچہ اردو میں بعض دوستوں نے کچھ بے خبری کے باعث اور کچھ بسرام پر گرفت کی مہارت نہ ہو پانے کے باعث ہم وزن اشعار کو (یا دوپدوں کو) دوہے کے نام سے لکھا ہے تاہم اس میں شک نہیں کہ ہندی کا یہ لوک گیت اردو میں اپنے اصل چھندوں کے مطابق بہت خوبصورتی سے لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔یہ برصغیر کے اندر کی بالکل سامنے کی مثال ہے کہ لوک گیت ادبی صنف بن گیا ہے۔بلکہ ابھی مجھے خیال آیا ہے کہ برصغیر کے ہندی گیت بھی تو اصلاً لوک گیت ہی تھے۔صدیوں پہلے یہ صرف

گائی جانے والی لوک شاعری تھی اوراس کے شعراء کا کوئی تعین نہ تھا۔آریائی اور دراوڑی تہذیبوں کے ٹکراؤاور ملاپ سے جنم لینے والی یہ لوک شاعری برصغیر کی شاعری کی ابتداتھی۔پھراسی بے نام حوالے سے نام والے حوالے سامنے آنے لگے۔ہندی اور اردو گیت نگاروں کی ایک طویل فہرست بنائی جاسکتی ہے۔اسی طرح ماہیا جو پنجاب کی لوک شاعری تھی ایک عرصہ تک گایا جاتا رہا۔فلمی شاعری نے آکر جب اس لوک گیت سے استفادہ کیا تو ایک طرح سے لوک شاعری اور ادب کے درمیان رابطے کا کام کردیا۔ایسا کسی ادبی منصوبہ بندی کے تحت نہیں ہوا۔

۱۹۳۶ء میں ساڑھے سولہ سال کے ایک لڑکے (ہمت رائے شرما) نے اپنے شہر امرتسر کے ایک ناکام عاشق کے پنجابی ماہیے گانے سے متاثر ہوکر فلم خاموشی کے لئے اردو میں اسی طرز کو استعمال کرتے ہوئے ماہیے لکھ دیئے۔پھر ایک لمبے وقفہ کے بعد قمر جلال آبادی،ساحر لدھیانوی اور قتیل شفائی نے بھی اردو فلمی گیتوں میں جان ڈالنے کے لئے ماہیے سے استفادہ کیا۔فلم سے ہٹ کر اردو ادب میں اس کے تجربے وقفے وقفے سے ہوئے۔اور دوہے کی طرح یہاں بھی یار لوگوں نے لوک روایت پر غور کئے بغیر اسے برابر مصرعوں میں بانٹ کر ''ماہیوں'' کے ڈھیر لگانے شروع کردیئے۔میں نے اور میرے دوستوں نے صرف یہ اصرار کیا ہے کہ اگر یہ لوک شاعری اردو میں جڑیں پکڑ رہی ہے تو اس کی لوک روایت کو برقرار رکھنا چاہئے۔یہاں ایک اور وضاحت بھی کرتا چلوں کہ اردو کے ساتھ ساتھ بہت سے شعراء کرام ایک عرصہ سے پنجابی میں ماہیے کہہ رہے ہیں۔پنجابی کے ادبی رسالوں میں ایسے شعرا کے ماہیے میں اپنے بچپن سے پڑھتا آرہا ہوں۔

۲۔بے شک اپنی محدود عمر کے حساب سے اردو زبان کی اپنی لوک روایت نہیں ہے،لیکن اردو زبان نے جن زبانوں کی آمیزش سے جنم لیا ہے ان کی لوک روایات پر بھی اس کا اتنا ہی حق بنتا ہے جتنا ان کی لفظیات پر حق بن چکا ہے۔جب عربی اور فارسی سے غزل،اور دوسری شعری اصناف لی جاسکتی ہیں،ہندی سے دوہا اور ہندی گیت لئے جاسکتے ہیں تو اس لحاظ سے پنجابی سے اردو نے جتنا لسانی استفادہ کیا ہے اس کے عین مطابق ماہیے سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔کیا خیال ہے؟

۳۔بے شک ماہیے کے مزاج کو پنجابی حضرات زیادہ بہتر طور پر پیش کر سکتے ہیں لیکن جب کوئی ادبی تجربہ آگے بڑھتا ہے تو اپنی روایت میں رہتے ہوئے اس میں بہت سے نئے تجربات بھی ہوتے ہیں۔ان تجربات میں کہیں کچھ ''غلط سا'' بھی سرزد ہوسکتا ہے لیکن مجموعی طور پر اگر اس کے اثرات ادب کے لئے مفید ثابت ہوں تو پھر اس کی ادبی حیثیت خود بخود مستحکم ہوتی جائے گی۔میں نے اپنے بعض مضامین میں مثالیں دے کر بتایا ہے کہ پنجاب کے بعض شعراء اپنے زعمِ پنجابیت میں کیسے کیسے کمزور اور بے رس ماہیے کہہ رہے ہیں اور ان کے مقابلہ میں مہاراشٹر، بنگال، راجستھان اور بہار کے صوبوں کے شعراء کے ماہیوں میں ماہیے کا بنیادی مزاج نسبتاً زیادہ عمدگی سے آگیا ہے۔یہ سارے حوالے میرے مضامین میں چھپ چکے ہیں۔آپ دیکھیں کہ ۱۹۹۲ء سے اب تک بمشکل گیارہ سال کے عرصہ میں اردو ماہیا کو تین سو شعراء نے تخلیقی طور پر آزمایا ہے۔یہ کوئی معمولی پیش رفت نہیں ہے۔ایسا محض پروپیگنڈے کے زور پر نہیں ہوتا بلکہ کسی زبان میں کسی صنف کی داخلی طلب ہی اس حد تک لاتی ہے۔میرا خیال ہے کہ مختصر شعری اصناف کے جتنے نئے تجربے گزشتہ پچاس سال کے دوران اردو میں ہوئے ہیں،اردو ماہیا اپنی متعدد خصوصیات کی بنا پر ان سارے تجربوں میں سب سے کم عمر ہو کر بھی سب سے زیادہ مقبول ہوا ہے۔پنجابی ماہیے کی جس خوبصورتی اور نزاکت کا آپ نے حوالہ دیا ہے،میرے مضمون ''ماہیے کا جواز'' میں شامل میرے ماہیوں کو اسی زاویے سے پڑھئے۔۔۔خدا کرے انہیں پڑھ کر آپ کا دل پسیج جائے۔

بہرحال آپ کے خط نے مجھے لوک اصناف اور ادبی اصناف کے درمیان فرق کے حوالے سے اور ان میں باہمی تعلق کے حوالے سے سوچنے کا موقعہ دیا ہے۔ابھی تک کی سوچ یہاں تک لائی ہے۔میں اب غزل کے عربی دور کی بھی کچھ معلومات حاصل کرتا ہوں۔مجھے یاد پڑتا ہے کہ عربی غزل ایک زمانے میں 'اورل' رہی ہے۔زبانی کلامی بولیں تو لوک کے قریب ہو جاتے ہیں لیکن خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔فی الوقت آپ کے سوال کے تین پہلوؤں کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کردیا ہے۔اب مزے کی بات تب ہے کہ آپ ماہیے کہنا شروع کردیں۔ریحانہ

صاحبہ کا شکریہ مجھ پر دہرے طور پر واجب ہو گیا ہے۔۔ایک تو اس لئے کہ انہوں نے ''جدید ادب'' کی اشاعت کے خواب کو سچ کر دکھایا اور دوسرے اب اس لئے کہ ان کے توسط سے آپ کے ذریعے ماہیے کی بحث میں ایک سنجیدہ اور علمی نکتہ سامنے آیا اور مجھے اس پر غور کرنے کا نہ صرف موقعہ ملا بلکہ مزید تحقیق کا شوق بھی پیدا ہو گیا۔ چونکہ وہ میرے شکریہ کہنے پر مائنڈ کرتی ہیں سو ان کا بھی شکریہ اور آپ کا بھی شکریہ، دونوں شکریے آپ کو پہنچیں۔ اللہ آپ دونوں کو خوش رکھے۔

والسلام نیک تمناؤں کے ساتھ

حیدر قریشی

۲۸ ستمبر ۲۰۰۳ء

سلام حیدر صاحب آپ فوک اور نان فوک لٹریچر کے باہمی تعلق کے بارے میں تحقیق شروع کر کے یقیناً ایک بڑا کام کریں گے۔ میری طرف سے اس سلسلے میں پیشگی شکریہ قبول کیجئے۔ آپ کے خط میں ایک دو جملے ایسے تھے جن سے مجھے گمان گزرا کہ گویا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ماہیے کی صنفی حیثیت سے مجھے اختلاف ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ میں صرف یہ نہیں سمجھ پا رہی کہ فوک لٹریچر کی ایک genre نان فوک contemporary لٹریچر میں authership claims کے ساتھ کس طرح شامل ہو سکتی ہے۔ آپ نے ہندی دوہے اور فلموں میں پنجابی ماہیے سے استفادے کی بات لکھی ہے۔ میرے ذہن میں اس سے یہ سوال اٹھے ہیں۔

۱۔ لفظیات اور صوتیات کے حوالے سے اردو ہندی سے زیادہ قربت رکھتی ہے یا پنجابی سے؟

۲۔ اصناف سخن میں اپنی ساخت کے حوالے سے غزل، اور اقسام کے تنوع کے اعتبار سے نظم کو جو حیثیت حاصل ہے اس کو دیکھتے ہوئے لوک شاعری کی primitive قسم کی اصناف کا contemporary literature میں متعارف کروانا کس حد تک درست ہے؟ ''ماہیے کے جواز'' میں

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ کسی بھی ادبی صنف کا آغاز کسی پلاننگ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اس سے مجھے صد فیصد اتفاق ہے۔ لیکن یہ معاملہ کسی نئی صنف کے آغاز کا نہیں بلکہ ادب کی ایک قسم کی صنف کو ادب کی دوسری قسم میں بطور صنف متعارف کرانے کا ہے۔ قصیدے سے غزل کے الگ ہونے اور داستانوں کی روایت کی موجودگی میں ناول اور افسانوں کے لکھے جانے کی مثال آپ نے دی ہے۔ اس سلسلے میں بھی میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کہ غزل کے الگ ہو جانے اور ناول اور افسانے لکھنا شروع ہونے کے بعد قصیدوں اور داستانوں کو زیادہ اہمیت ملی یا پھر ان نئی اصناف کو؟ اگر نئی اصناف کو زیادہ اہمیت ملی تو اس کی وجہ کیا تھی؟ کیا ایسا نہیں کہ یہ نئی اصناف intellectually زیادہ ترقی پانے والے ذہن سے مطابقت رکھتی ہیں؟ آپ کے خیال میں غزل اور نظم کی موجودگی میں ماہیے کی کیا حیثیت ہے؟ اور کتنے فیصد intellectually developed اذہان کے لئے یہ قابلِ قبول ہے؟

۳۔ جہاں تک فلمز کا تعلق ہے تو دنیا کے جس خطے میں ہم رہ رہے ہیں وہاں کے مشاہدے کے مطابق تو میری رائے یہی ہے کہ یہاں فلم بین طبقہ دراصل انہیں لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کو فوک لور زیادہ اپیل کرتا ہے۔ اسی لئے اگر ساحر جیسے بڑے شعراء ان کے لئے بننے والی اردو فلمز میں ان کی لوک شاعری کی کسی صنف کو استعمال کرتے ہیں تو یہ یقیناً معاشرے کے ایک حصے کی ذہنیت کو ان کے بخوبی سمجھ لینے کی دلیل ہے۔ فلمی شاعری کے تقاضے الگ ہوتے ہیں۔ اس بات کا علم آپ کو بھی بخوبی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا قتیل کی بجائے میر، غالب اور اقبال کی شاعری فلم میں زیادہ استعمال ہوتی۔ کیا آپ فلمی شاعری کو غیر فلمی شاعری کے ساتھ یکساں درجے کا سمجھتے ہیں؟

ایک اور سوال میں صرف اپنی معلومات کے لئے کرنا چاہ رہی ہوں اور وہ یہ کہ پنجابی زبان میں غزل گوئی کا آغاز کب ہوا ہے اور سب سے بڑا غزل گو شاعر کسے مانا جاتا ہے؟ آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی۔

پلوشہ

۶ اکتوبر ۲۰۰۳ء

پلوشہ بی بی سلام مسنون

آپ کے خط کا جواب خاصی تاخیر سے دے رہا ہوں۔ای میلز سے آپ کو میری مجبوریوں اور مصروفیات کا اندازہ ہو چکا ہے اس لئے ان کا ذکر یہاں کرنا مناسب نہیں ہے۔آپ اس تاخیر کی اجازت دے چکی ہیں۔لہٰذا بغیر کسی رسمی تمہید کے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ ایک بنیادی اور اصل سوال کے جواب کے اندر سے محض مزید سوال اٹھاتے چلے جانے سے بات نہیں بنے گی جب تک پہلے سوال کو کسی نتیجے تک نہ پہنچا دیا جائے۔آپ کا بنیادی سوال یہ تھا کہ لوک شاعری کا کوئی مصنف نہیں ہوتا،یہ پورے معاشرے کی ترجمانی کرتی ہے۔اس لئے کوئی لوک شاعری کیونکر ادبی صنف بن سکتی ہے کہ اس میں تو باقاعدہ مصنف ہوتا ہے۔میں نے اس سلسلے میں ہندی دوہا،ہندی گیت دو اہم مثالیں دی ہیں کہ یہ قدیم ہندوستان کے لوک گیت تھے اور اب ہندی اور اردو دونوں زبانوں کے ادب کا اہم حصہ ہیں۔دوہا اور گیت دونوں ادبی طور پر لکھے جا رہے ہیں اور ان کے شعراء کی ایک طویل فہرست ہے۔اس لئے ہمیں پہلے یہیں رُک کر طے کرنا چاہئے کہ کیا لوک گیت کا ادبی صنف میں ڈھلنا روا ہے یا نہیں ہے؟ یہ ایک اصولی بات طے ہوگی یا رد ہوگی۔رد ہونے کی صورت میں ہمیں اردو اور ہندی کے سارے ادبی دوہوں اور ادبی گیتوں سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا اور قبول ہو جانے کی صورت میں ماہیے کے ادبی صنف میں ڈھلنے کا ایک اور جواز سامنے آ جائے گا۔لہٰذا پہلے اس نکتے پر رُک کئے اور اسے واضح کیجئے کہ یہاں تک کیا طے ہوتا ہے۔یہ آپ کا پیش کردہ بے حد اہم اور بنیادی نکتہ ہے۔تاہم اس بنیادی نکتے پر اصل توجہ مرکوز رکھنے پر اصرار کے ساتھ میں یہاں آپ کے اٹھائے گئے نئے تین سوالات کے جواب میں بھی اپنی سوچ کے مطابق کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔

ا۔ آپ نے لکھا ہے: ''**لفظیات اور صوتیات کے حوالے سے اردو ہندی سے زیادہ قربت رکھتی ہے یا پنجابی سے؟**'' آپ کے ذہن میں کیا بات ہے آپ کھل کر کہتیں تو میں زیادہ وضاحت

کر سکتا تاہم جہاں تک میں اس حساب کتاب کی نوعیت سے اندازہ کر پایا ہوں اس کی بنیاد پر لکھ رہا ہوں کہ جو ہندی بہت زیادہ سنسکرت آمیز ہے اس کے مقابلہ میں اردو زبان۔۔پنجابی اور سرائیکی سے زیادہ قریب ہے۔اس کی مثال کے لئے صرف ولی دکنی کے دور میں ہی چلے جائیں تو اس دور کی شاعری سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس پر پنجابی اور سرائیکی طرز کی مقامی زبانوں کا کتنا گہرا اثر تھا۔تاہم زبانوں کے معاملہ میں کوئی ایسا نسخہ بنانا مشکل ہے کہ اس میں فلاں زبان اتنے ماشہ ،فلاں زبان اتنے تولہ اور فلاں زبان اتنے گرام شامل ہے۔سو مختلف اوقات میں ہندوستان کی مختلف مقامی زبانوں کے الفاظ اردو نے اپنے اندر جذب کئے ہیں۔شیرانی صاحب کی تحقیق کے مطابق تو اردو کا مولد ہی پنجاب تھا۔تاہم یہ سب اضافی باتیں ہیں۔میرے نزدیک ان کا آپ کے بنیادی سوال سے کچھ اتنا زیادہ تعلق نہیں ہے۔تاوقتیکہ آپ اس کی خود وضاحت کر دیں کہ اس کا یہ تعلق ہے۔

۲۔ آپ کے دوسرے سوال میں بیک وقت دو الگ الگ سوال ہیں۔ایک سوال یا اعتراض یہ کہ:

''ماہیے کے جواز'' میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ کسی بھی ادبی صنف کا آغاز کسی پلاننگ کے ساتھ نہیں ہوتا۔اس سے مجھے صد فیصد اتفاق ہے۔لیکن یہ معاملہ کسی نئی صنف کے آغاز کا نہیں بلکہ ادب کی ایک قسم کی صنف کو ادب کی دوسری قسم میں بطور صنف متعارف کرانے کا ہے۔''

جواباً عرض ہے کہ میرے مضمون ''ماہیے کا جواز'' میں بات چل رہی تھی ان معترضین کی جو کہہ رہے تھے کہ ثلاثی اور ہائیکو وغیرہ سہ مصرعی اصناف کے ہوتے ہوئے ماہیے کا نیا تجربہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔اور اسی تناظر میں ان کو جواب دیا جا رہا تھا۔آپ کے سوال کے جواب میں تو بہت ہی سیدھی سی اور آسان سی دو مثالیں دے دی ہیں ہندی دوہے اور ہندی گیت کی جو بڑی کامیابی کے ساتھ لوک شاعری سے ادبی شاعری میں ڈھل گئے۔

آپ کے دوسرے سوال کے اندر کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ داستانوں کے ہوتے ہوئے ناول اور افسانے،اور قصیدے کے ہوتے ہوئے غزل ابھری۔غزل قصیدے سے اور ناول و افسانے

داستانوں سے زیادہ مقبول ہوگئے۔۔۔سو وضاحتاً عرض ہے کہ غزل کے قصیدے سے الگ ہونے کے بعد بھی ایک عرصہ تک قصیدے کا بول بالا رہا۔غزل نے حضرت امیر خسرو کے دور سے سفر شروع کیا اور صدیوں پر محیط ایک عرصہ تک قصیدے کے سامنے کسمپرسی کے عالم میں رہی۔ یہ تو کئی صدیوں کے بعد غزل نے جا کر طاقت پکڑی تھی۔غزل کے مقبول ہو جانے کے بعد بھی قصیدے کی روایت تب تک مضبوطی کے ساتھ قائم رہی جب تک برصغیر میں بادشاہت رہی۔اس لئے قصیدے کے غائب ہونے میں بادشاہت اور شاہی دربار کے غائب ہونے کی وجہ شامل ہے۔اسی طرح داستان تو بجائے خود ایک افسانوی مجموعہ ہوتی تھی۔ جو کئی افسانوں کو الگ الگ بیان کرتی تھی اور پھر سارے افسانوں کو گویا غزل کے اشعار کی طرح پرو لیتی تھی۔یعنی داستان میں بیان کی گئی کہانیاں اپنی الگ اکائی بھی رکھتی تھیں اور پوری داستان کی مالا میں پروئی ہوئی بھی تھیں۔ داستانیں بھی درحقیقت لوک گیت کی طرح سنائی جانے والی چیزیں تھیں۔ وقت بدلنے کے ساتھ اور مختلف سیاسی وسماجی صورتحال کے اثر انداز ہونے کے نتیجہ میں وہی کہانیوں کی صنف افسانوں کا چولہ پہن کر خالصتاً ادبی چیز بن گئی۔ میرا خیال ہے کہ کسی بھی اچھی ادبی صنف کی کسی دوسری اچھی ادبی صنف سے کوئی دشمنی یا مقابلہ بازی نہیں ہوتی۔ ہر ایک کا اپنا اپنا دائرۂ کار ہوتا ہے۔اس لئے ماہیے کو کسی صنف کے مدمقابل لانے کا رویہ مناسب نہیں ہے۔اگر اس بنیاد پر بات کی جاتی تو غزل کو اپنی ابتدائی دو تین صدیوں کے بعد ہی مر جانا چاہئے تھا کیونکہ دو تین صدیوں تک تو وہ قصیدے کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ کسی شمار میں ہی نہیں تھی۔

تیسرے سوال میں آپ نے فلمی شاعری اور ادبی شاعری کے معیار اور فرق کا مسئلہ پیش کرتے ہوئے فلمی شاعری کو لوک شاعری سے قریب قرار دیا ہے۔لیکن میرا خیال ہے کہ آپ نے میرے پہلے جواب پر توجہ نہیں کی۔ میں نے لکھا تھا:

''ماہیا جو پنجاب کی لوک شاعری تھی ایک عرصہ تک گایا جاتا رہا۔فلمی شاعری نے آ کر جب اس لوک گیت سے استفادہ کیا تو ایک طرح سے لوک شاعری اور ادب کے درمیان رابطے کا کام کر دیا۔ایسا کسی ادبی منصوبہ بندی کے تحت نہیں ہوا۔''

میں نے فلمی شاعری کو لوک شاعری اور ادب کے درمیان رابطے کی کڑی کے طور پر پیش کیا تھا۔میرے اس جملے پر آپ غور کریں تو آپ کو مزید وہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی جو آپ نے فلمی اور لوک شاعری کے حوالے سے لکھا ہے۔تاہم یہیں سے ہم پھر آپ کے اصل اور بنیادی سوال اور اس کے جواب کی طرف لوٹتے ہیں کہ کیا لوک گیت ادبی صنف میں ڈھل سکتا ہے؟ اگر ایسا کسی مصنوعی طریقے سے نہیں بلکہ فطری انداز میں ہو رہا ہے تو ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے، اب بھی ہو سکتا ہے اور آئندہ بھی ہو سکتا ہے۔

ابھی تک کی ساری گفتگو میں اٹھائے گئے آپ کے سوالوں کے جواب اپنی توفیق اور علم کے مطابق دے دیئے ہیں۔اب میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اس کے بعد جو کچھ لکھنا چاہیں، ایک خط اور سوالنامہ کی صورت میں نہیں بلکہ مضمون کی صورت میں لکھیں۔اس سے آپ کا نکتہ نظر بہتر طور پر کھل کر سامنے آ سکے گا اور مجھے بھی آپ کے علمی نکات کو ان کے پورے تناظر میں سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

پنجابی غزل کی ابتدا کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے۔اس کے بارے میں اس زمانے میں پڑھا تھا جب ایم اے پنجابی کرنے کا موڈ بنا تھا۔لیکن اب کچھ یاد نہیں ہے۔غزل کے شاعروں میں صوفی فقیر محمد فقیر کی غزل مجھے بہت اچھی لگی تھی۔ان کے بعض شعر آج بھی یاد ہیں۔

امید ہے آپ اپنی جستجو کے اس سفر کو اب بڑی سطح پر جاری رکھیں گی اور اس سلسلہ میں باقاعدہ مضمون لکھیں گی۔ میں آپ کے مضمون کا خیر مقدم کروں گا اور اسے ''جدید ادب'' میں شائع کروں گا۔اللہ آپ کو خوش رکھے۔ والسلام

دعا کے ساتھ

حیدر قریشی

۲۴ر اکتوبر ۲۰۰۳ء

(مطبوعہ **جدید ادب** جرمنی، شمارہ جنوری ۲۰۰۴ء)

حیدر قریشی سے بذریعہ انٹرنیٹ انٹرویو

اختر رضا سلیمی (اسلام آباد)

سوال: آپ کب سے لکھ رہے ہیں؟

جواب:۱۹۷۱ء میں پہلی غزل کہی تھی۔ویسے چھوٹی موٹی تک بندی تو اسکول کے زمانے سے جاری تھی۔

سوال: پہلی مطبوعہ تحریر؟

جواب:ھفت روزہ ''لاہور'' کے غالباً مئی ۱۹۷۲ء کے کسی شمارہ میں وہ غزل شائع ہوئی' جو میں نے ۱۹۷۱ء میں کہی تھی۔

سوال: جب ''اوراق'' لاہور کے ذریعے ماہیے کے درست وزن کی نشاندہی کی گئی تو آپ نے اسے ایک تحریک کی صورت دی۔ابتدا میں آپ کے موقف کو لائقِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔کیا آپ کو یقین تھا کہ مستقبل قریب میں آپ کے موقف کو پذیرائی ملے گی؟

جواب: میرے ذہن میں صرف اتنی سی بات تھی کہ ماہیے کے بارے میں بے خبری کے باعث جو ایک چھوٹی سی غلطی راہ پا گئی ہے اس کی نشاندہی ہونے پر ماہیا نگار حضرات اسے خوشدلی سے درست کرلیں گے۔اسی لئے میں نے ماہیے کی لے کو مدِنظر رکھ کر ماہیے کہنے شروع کئے۔ساتھ ہی احباب پر ماہیے کا وزن واضح کرنا شروع کیا۔میرے گمان میں تو یہ بھی نہیں تھا کہ ایک سیدھی سی بات کہنے پر مجھے اتنا برا بھلا کہا جائے گا اور اس قدر مخالفت کی جائے گی۔بس جیسے ہی مخالفت

شروع ہوئی ہمارے موقف کو پذیرائی ملنا شروع ہوگئی۔آپ کو مزے کی ایک بات بتاؤں۔مجھے یار لوگوں کی بے جا مخالفت پر حیرانی تھی۔اسی دوران ڈاکٹر انور سدید ایبٹ آباد آئے۔میں نے بڑی سادگی کے ساتھ اپنی حیرت کا اظہار کیا کہ یار لوگ سیدھی سی بات کو سمجھ ہی نہیں رہے۔تب ڈاکٹر انور سدید نے مسکرا کر کہا ادب میں ایسے ہی ہوتا ہے۔پھر انہوں نے مشورہ دیا کہ مخالف کو مخالفت کرنے دیں۔آپ اپنے موقف کو مضامین کے ذریعے پیش کرنا شروع کردیں۔سو مضامین لکھنے کے سلسلے میں ڈاکٹر انور سدید کا مشورہ بے حد مفید رہا۔بعد میں جب ''تخلیق'' لاہور میں میری شدید مخالفت کی گئی تب میں نے اپنی تائید میں دوسرے مقتدر ادباء کے ساتھ انور سدید کی تحریروں کے حوالے بھی دیئے تو مجھے یہ دیکھ کر پہلے تو حیرت ہوئی کہ ڈاکٹر انور سدید جیسے ''حق گو نقاد'' نے اپنے لکھے کا دفاع کرنے کی بجائے ''معنی خیز'' خاموشی اختیار کرلی۔لیکن اب سوچتا ہوں کہ ادب کے تئیں ایک تو ان کی ترجیحات بدل چکی ہیں اور وہ زیادہ وقت صحافت کو دے رہے ہیں دوسرے یہ کہ غالباً وہ مجھ میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے مجھے اکیلے ہی مخالفین کا سامنا کرنے دینا چاہ رہے تھے۔سو مجھے تو مخالفت کا بھی گمان نہ تھا۔اور یہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر میری اتنی شدید مخالفت نہ ہوتی تو ماہیے کو ایسی پذیرائی نہیں ملتی۔

سوال: کسی سلسلے میں جب آدمی کی مخالفت ہونے لگتی ہے تو وہ سوچتا ہے کہ میں نے مفت کی درد سری مول لے لی ہے۔آپ نے جب ماہیے کے درست وزن کی تحریک کا بیڑہ اٹھایا تو ہر طرف سے آپ کی مخالفت شروع ہوگئی۔آپ کو اس وقت کبھی ایسا خیال آیا؟

جواب: جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ مخالفت پر مجھے بڑی حیرانی ہوتی تھی کہ اتنی سیدھی سی بات' بالکل سامنے کی بات لوگوں کو سمجھ میں کیوں نہیں آرہی! لیکن وقت کے ساتھ ساتھ دنیا کے رنگ ڈھنگ واضح ہوتے گئے اور ادبی زندگی' جینے کا طریقہ بھی سمجھ میں آتا گیا۔کبھی کبھی یہ خیال ضرور آتا ہے کہ ماہیا میری پہلی ترجیح نہیں ہے لیکن مجھے اسی میں زیادہ کام کرنا پڑ رہا ہے۔لیکن پھر یہ بھی سوچتا ہوں کہ کوئی ادبی صلاحیت ملنا' اسے بروئے کار لانے کی توفیق ملنا اور پھر اس کا مثمر بہ ثمرات ہونا سب خدا تعالی کی مہربانی سے ہوتا ہے۔سو اگر وہ مجھے اس میدان میں زیادہ کام کرنے

کی ہمت اور توفیق دے رہا ہے تو میں اس پر بھی اس کا شکر گزار ہوں۔

سوال: ماہیے کے وزن کے حوالے سے کچھ لوگوں نے ابتدا میں آپ کے موقف کی حمایت کی لیکن جلد ہی وہ آپ کے موقف کی مخالفت کرنے لگ گئے۔اس تبدیلی کی کوئی خاص وجہ؟

جواب: بعد میں مخالفت کرنے والوں میں ماہیا نگار تو صرف ایک ہی ہیں لیکن انہوں نے بھی جتنے ماہیے کہے ہیں' مخالفت کرنے کے باوجود ہمارے موقف کے مطابق ہی کہے ہیں۔لہٰذا ان کی مخالفت کا سبب از خود ظاہر ہے۔باقی جن ایک دو دوستوں نے موقف تبدیل کرنے کی کوشش کی میں نے بروقت ان کی نشاندہی شواہد کے ساتھ کر دی۔میری کتاب 'اردو ماہیے کی تحریک' میں ان کا مکمل حوالہ موجود ہے وہ اس سے آگے بات کریں تو میں مزید وضاحت کرنے کو تیار ہوں۔انہوں نے کسی ذاتی رنجش میں ہی موقف تبدیل کیا تھا۔تاہم ہمارا موقف کسی فرقے کا عقیدہ نہیں ہے کہ اس سے اختلاف کرنے والوں کو مرتد قرار دے دیا جائے' یا ان کی مخالفت پر کمر کس لی جائے۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، ہاں جب ہم پر حملہ ہوگا تب ہم اپنا دفاع ضرور کریں گے۔

سوال: آپ نے ماہیے کی سہ مصرعی ہیئت پر اصرار کیا حالانکہ پنجابی میں دونوں ہئیتیں (ڈیڑھ مصرعی اور سہ مصرعی) ملتی ہیں؟

جواب: پہلے تو یہ وضاحت کر دوں کہ اب تک کی تحقیق کے مطابق پنجابی میں ماہیے کی دو نہیں بلکہ تین تحریری صورتیں ملتی ہیں۔ایک یک سطری' دوسری ڈیڑھ سطری اور تیسری سہ مصرعی۔اور یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ میں نے سہ مصرعی ہیئت پر اصرار کیا ہے۔آپ میری کتاب ''اردو ماہیے کی تحریک'' میں شامل میرے مضامین ''اردو ماہیے کی تحریک'' اور ''پنجابی لوک گیت ماہیے کی تحریری ہیئت'' دیکھ لیں اور ''اوراق'' شمارہ جولائی اگست ۱۹۹۹ء میں شامل میرا مضمون ''ماہیے کی بحث'' بھی دیکھ لیں۔میں نے کہیں بھی اصرار نہیں کیا لیکن سہ مصرعی ہیئت کو پنجابی میں بھی اور اردو میں بھی ماہیے کی مقبول صورت ضرور لکھا ہے۔اپنے لکھے کو یہاں دہرا دیتا ہوں:

''پنجابی ماہیے کا بطور لوک گیت مجموعی وزن یہی بنتا ہے فعلن فعلن فعلن رفعلن فعلن فع رفعلن فعلن فعلن (دوسرے متبادل اوزان میں بھی اسی طرح ایک سبب کی کمی رہے گی) اب

اسے چاہے ایک مصرعہ بنا کر لکھ لیں' ڈیڑھ مصرعے بنا کر لکھ لیں یا تین مصرعوں کی مقبول صورت کو اپنا لیں۔ماہیے کا مجموعی وزن بہر حال وہی رہے گا جو ماہیے کی لے کے مطابق ہے۔مجھے ڈیڑھ مصرعی ہیئت پر کوئی اعتراض نہیں ہے تاہم اب بصری لحاظ سے سہ مصرعی ماہیا زیادہ اچھا لگتا ہے۔۔۔۔سو اب ماہیے کی تحریک جس مقام پر آ گئی ہے' یہاں ڈیڑھ مصرعی ہیئت کو غلط کہے بغیر میں یہ ضرور کہوں گا کہ سہ مصرعی صورت میں ماہیا زیادہ ہرا بھرا لگتا ہے''۔

تو جناب میں تو تینوں ہیئت میں ماہیے کو مانتا ہوں لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ اس سے ماہیے کے وزن میں نقب نہ لگائی جائے۔ہیئت کو ''چور دروازہ'' بنا کر ماہیے کی لوک لے سے الگ نہ کیا جائے۔ویسے ڈیڑھ مصرعی ہیئت پر بے جا اصرار کرنے والوں سے میں نے ''اوراق'' کے مذکورہ شمارہ میں یہ سوال کئے تھے کہ وہ لوگ اس وقت کہاں تھے جب پنجابی کے مقتدر دانشور سہ مصرعی ہیئت میں ماہیے کی کتابیں مرتب کر کے چھاپ رہے تھے اور یہ سارے کام مقتدر سرکاری ادبی اداروں کی نگرانی میں ہوئے تھے؟ اور اس وقت یہ لوگ کہاں تھے جب ۱۹۸۳ء سے مساوی الوزن ''ماہیے'' کہنے والے سہ مصرعی فارم میں ماہیے کہہ رہے تھے؟ تادمِ تحریر نہ ان مقتدر پنجابی دانشوروں کو کسی نے برا بھلا کہا ہے' نہ مساوی الوزن سہ مصرعی ''ماہیے'' کہنے والوں کو کسی نے میلی نظر سے دیکھا ہے؟ سو اب میرا سوال یہ ہے کہ ڈیڑھ مصرعی فارم کا شوشہ چھوڑنے والوں کے تیروں کا رُخ صرف ہماری ہی طرف کیوں ہے؟ جن اہم پنجابی دانشوروں نے پنجابی ماہیے کی سہ مصرعی فارم والی کتب مرتب کی ہیں اور جن اردو کے مساوی الوزن ''ماہیا نگاروں'' نے اب تک یہی فارم اختیار کر رکھی ہے انہیں کیوں بچا لیا جاتا ہے؟ اور صرف ہم پر ہی کیوں ''نظرِ کرم'' فرمائی جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب مخالفین کو ہر سطح پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تب جان بوجھ کر سہ مصرعی فارم کا شوشہ چھوڑنے کے لئے بندے چھوڑے گئے۔یہ واضح حقیقت ہے۔

سوال: آپ کے بقول ماہیا وہی ہے جس کے دوسرے مصرعے میں ایک سبب کم ہو۔بشیر سیفی 'ارشد محمود ناشاد اور ان کے ہم نواؤں کا کہنا ہے کہ پنجابی میں نہ صرف مساوی الوزن ماہیے موجود ہیں بلکہ دوسرے مصرعہ میں ایک سبب زائد والے ماہیے بھی موجود ہیں؟

جواب: دراصل انہوں نے میرے مضامین کو دھیان سے نہیں پڑھا۔اس لئے میری کہی ہوئی ایک بات کو آدھا لے اُڑے ہیں۔میری کتاب ''اردو ماہیے کی تحریک'' کے صفحہ نمبر ۱۳۱'۱۳۲ کو پڑھ کر دیکھیں۔میں نے نشاندہی کی ہے کہ پنجابی ماہیے میں صرف مساوی الوزن اور دو حرف کم یا زائد والے ہی نہیں بلکہ چار حرف کم یا زائد والے ماہیے بھی ملتے ہیں۔ایسی صورت میں تو ماہیے کی یہ پانچوں ہیئت رائج کر لینی چاہئیں۔لیکن ایسا غدر اسی صورت میں ہوگا جب آپ پنجابی ماہیے کو اردو عروض کے مطابق دیکھیں گے لیکن اگر آپ ماہیے کی لَے کو بنیاد مان لیں تو پھر نہ کوئی کنفیوژن رہتا ہے نہ کوئی غدر مچتا ہے۔بشیر سیفی تو بہت بہادر آدمی ہیں میرے لکھے کو اپنا موقف بنا کر پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی میری مخالفت بھی کرتے ہیں،انہوں نے ماہیے کی دُھن والے میرے موقف کو بڑے مزے سے اپنا موقف بنا کر بیان کر دیا اور ساتھ ہی میری مذمت بھی فرما دی

جو میرے لکھے سے استفادہ بھی کر رہا ہے
خلاف باتیں وہی زیادہ بھی کر رہا ہے

سوال: آپ نے ماہیے کو پابندِ لَے گردانا ہے۔اُدھر مساوی الوزن ماہیے کے حامیوں کا کہنا ہے کہ دوسرے مصرعے میں ایک سبب کی کمی والا ماہیا لَے میں فٹ نہیں بیٹھتا۔اس تضاد نے ماہیے کے قارئین کو الجھا کر رکھ دیا ہے؟ آپ اپنے موقف کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب: میرے علم میں نہیں ہے کہ کس نے ایسی بات کہی ہے۔لیکن جس نے بھی یہ کہا ہے کہ دوسرے مصرعہ میں ایک سبب کم والا ماہیا لَے پر فِٹ نہیں بیٹھتا' اس نے بڑی ہی بچکانہ بات کی ہے۔۱۹۳۶ء سے اب تک اردو ماہیے کے گائے گئے جتنے نمونے دستیاب ہوئے ہیں سب کے سب ہمارے موقف کی تصدیق کرتے ہیں۔ہمت رائے شرما' قتیل شفائی' قمر جلال آبادی' ساحر لدھیانوی' نذیر قیصر' وپن ہانڈا تک فلمی ماہیا نگاروں کے کم از کم سات نمونے تو میں خود پیش کر چکا ہوں۔یہ سارے ماہیے' پنجابی لَے کے مطابق لکھے اور گائے گئے ہیں اور انہیں لکھنے والا ہر شاعر ہمارے موجودہ موقف سے بے تعلق تھا اس کے باوجود ہمارے موقف اور ان کے ماہیوں میں جو تعلق ہے وہ صاف ظاہر ہے۔مجھے تو وہ صاحب کوئی بہت بھولے بھالے لگتے ہیں جنہوں نے

ایسی بات کہہ دی۔باقی ماہیے کے سلسلے میں جتنا الجھاوا پیدا کیا جا رہا ہے وہ صرف معترضین اپنے آپ کو اور ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔جہاں تک ماہیا نگاروں اور ماہیے کے عام قاری کا تعلق ہے وہ ماہیے کو بخوبی جان چکے ہیں معترضین کو بخوبی علم ہے کہ ماہیا نگاران کی بات کو نظر انداز کر کے درست وزن کے ماہیے کہہ رہے ہیں اور قارئین بھی حقیقت سے آگاہ ہیں۔

سوال: اردو ماہیے پر وزن اور ہیئت کے حوالے سے تو خاصی بحث ہو چکی ہے لیکن اس کے مزاج کو کسی نے درخورِ اعتنا نہیں جانا حالانکہ ماہیے کا اپنا ایک مخصوص مزاج بھی ہے۔اس پر بھی تو بحث ہونی چاہئے؟

جواب: مزاج کے حوالے سے تھوڑا بہت کام تو ہوا ہے لیکن یہ درست ہے کہ اس پر مزید کام کی ضرورت ہے۔تاہم ضروری ہے کہ ماہیے کے مزاج پر بات کرنے والا پنجابی ماہیے کو اس کے ہر پہلو سے کسی نہ کسی حد تک ضرور جانتا ہو۔یہاں مجھے ایک ''نقاد'' یاد آ گئے۔موصوف مجھ پر اس لئے بگڑ گئے کہ میں نے ماہیے کے ڈانڈے ہندی گیت کے ساتھ ریختی جیسی فحش صنف سے کیوں ملا دیئے حالانکہ پنجابی ماہیے میں حمد و نعت سے لے کر فحش گوئی تک ہر موضوع پر ماہیوں کا ذخیرہ موجود ہے۔بندے نے صرف تنویر بخاری کے مرتب کردہ انتخاب ہی کو پڑھ رکھا ہو تو وہ ایسے بچکانہ اعتراض سے بچ سکتا ہے۔سو ماہیے کے مزاج پر بات کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے پنجابی ماہیے کو ہمت کر کے ہر پہلو سے دیکھ اور سمجھ لیں۔

سوال: گزشتہ دس سالوں میں اردو ماہیے کو بے حد پذیرائی ملی' جس میں آپ کی کوششوں کا عمل دخل سب سے زیادہ ہے اور اب تو حیدر اور ماہیا لازم و ملزوم ہو گئے ہیں۔آپ کو کیسا لگتا ہے؟

جواب: اچھا لگتا ہے لیکن یہ بھی ہے کہ محض اس چکر میں بعض اچھے دوست گنوا بیٹھا ہوں۔حامد سروش اور سیدہ حنا سے میری بہت اچھی دوستی تھی وہ ہاتھ سے گئی۔بشیر سیفی سے گہری دوستی نہ سہی لیکن اچھی ہائے ہیلو تھی۔ماہیے کی بحث میں ان کے آنے سے پہلے انہیں مجھ سے ایک دوستانہ سی شکایت ہوئی تھی۔میں اسے دور کرنا چاہ رہا تھا لیکن اس سے پہلے ہی انہوں نے اپنی کاروائی شروع کر دی۔سو اچھا لگنے کی خوشی کے ساتھ ہلکا سا تاسف کا احساس بھی ہے۔

سوال: کوئی بھی صنفِ سخن ہو ارتقائی مراحل بتدریج طے کرتی ہے۔کسی بھی صنفِ سخن کو پنپنے میں خاصا وقت لگتا ہے لیکن ماہیا اچانک آیا اور چھا گیا۔اس کے اسباب پر روشنی ڈالیں گے؟

جواب: میرے ذہن میں اس کے دو اسباب آتے ہیں۔ہوسکتا ہے اور اسباب بھی سامنے آئیں۔پہلا سبب تو یہ کہ اردو میں کسی سہ مصرعی صنف کی جستجو بڑھ گئی تھی۔ثلاثی، ہائیکو اور ترو ینی جیسی سہ مصرعی اصناف شاعری میں کسی سہ مصرعی صنف کی جستجو کا احساس دلاتی ہیں۔ان سب کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے۔تاہم ان میں سے کوئی بھی شاید ثقافتی سطح پر جڑ نہیں پا رہی تھی۔ان کے برعکس ماہیا تو یہاں کی ثقافت میں رچا ہوا تھا سو جیسے ہی سہ مصرعی صنف کی طلب کو ماہیا ملا، ماہیا مقبول ہو گیا۔دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ حالیہ دس برسوں میں جتنی ماہیے کی مخالفت ہوئی ہے کسی اور ادبی اشو پر اتنی کسی کی مخالفت نہیں ہوئی اور یہ تو ہوتا ہے کہ جس چیز کی زیادہ مخالفت ہو لوگ اس میں زیادہ دلچسپی لینے لگتے ہیں۔سو ماہیے کے مخالفین نے بھی اس کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔لوگوں کو اس طرف متوجہ کر دیا ہے۔باقی لوگ خود سیانے ہیں، دونوں موقف جاننے کے بعد خود ہی بہتر فیصلہ کر لیتے ہیں سو اس لئے بھی ماہیا مقبول ہوا ہے۔

سوال: بعض نقاد تو یہ خدشہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ماہیا اگر طوفان کی صورت آیا تو جھاگ کی صورت بیٹھ بھی جائے گا یعنی ماہیا کا کوئی مستقبل نہیں؟

جواب: دنیا جس ڈگر پر جا رہی ہے مجھے تو اس سے ادب کے مستقبل پر بھی تشویش ہونے لگتی ہے۔جہاں تک ماہیے کا تعلق ہے ہم نے اپنی توفیق کے مطابق کام کیا ہے۔اور ہمارے کام سے زیادہ خدا نے پھل پھول لگا دیئے ہیں۔اردو میں کتنی اصناف کبھی بے حد مقبول تھیں اب ان کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے۔اس کے باوجود ادب کی ترویج کی تاریخ میں ان اصناف کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔سو ماہیے نے تو اتنے مختصر سے عرصہ میں اپنے لئے ایک اہم جگہ بنا لی ہے۔اس لئے مجھے اس کے مستقبل کے حوالے سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ویسے آپ دیکھیں تو اس قسم کا پروپیگنڈہ وہ لوگ کر رہے ہیں جو ماہیے کی بحث میں علمی لحاظ سے ہر سطح پر شکست کھا چکے ہیں اور اپنے دل کے بہلانے کے لئے نجومی بابا بن رہے ہیں۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ حیدر نے ماہیے کو سستی شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے؟

جواب: اگر میرے مجموعی ادبی کام کے تناظر میں دیکھا جائے تو ماہیے کے چکر میں میرا دوسرا کام کسی حد تک نظر انداز ہوا ہے۔اپنی غزلوں، اپنے خاکوں اور افسانوں، اپنے سفرنامے اور ''کھٹی میٹھی یادوں'' کے حوالے سے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں لیکن میں ایمانداری سے محسوس کرتا ہوں کہ ماہیے کی بحث میں میرا وہ سارا کام پس پشت چلا گیا ہے۔سو ماہیے کی شہرت مجھے سستی نہیں مہنگی پڑی ہے۔پھر اوپر سے یار لوگوں کی ملامت۔جو بھی علمی سطح پر لا جواب ہوا اس نے شخصی دشمنی قائم کر لی۔جہاں چور اور بے وزن شاعروں اور افسانہ نگاروں کو آسمان پر چڑھا دیا گیا وہاں حیدر قریشی کے لئے زمین پر رہنے کا حق بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔سو ماہیے والی شہرت سے تنویر سپرا مرحوم کا ایک شعر یاد آ گیا ہے

عزت بڑھی تو ساتھ ہی رُسوائی بڑھ گئی
تنخواہ کے حساب سے مہنگائی بڑھ گئی

ویسے آپ دیکھیں کہ جن لوگوں کی ادب میں کوئی حیثیت ہی نہیں تھی وہ صرف اس لئے اہم ہو گئے کہ وہ ماہیے کے مخالف ہیں۔تو ماہیے نے تو اپنے مخالفوں کو بھی شہرت عطا کر دی ہے۔

سوال: ابتدا میں ماہیے لکھنے والے محدود تھے تو ماہیوں کا معیار بلند تھا لیکن جوں جوں ماہیے لکھنے والوں کی تعداد بڑھتی گئی معیار کم ہوتا گیا اور اب تو بقول شخصے اچھا ماہیا ڈھونڈنا پڑتا ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ کہ جس صنف میں بھی زیادہ لکھنے والے ہوں گے اس میں غیر معیاری میٹر اتنا ہی زیادہ ہوگا۔سو یوں صرف ماہیے کو مطعون کرنا ٹھیک نہیں ہے معیار کی صورتحال تو ہر مقبول صنف میں تقریباً ایک جیسی ہے۔باقی یہ رسائل کے مدیران پر بھی منحصر ہے کہ وہ کس معیار کی تخلیقات قبول کرتے ہیں۔''جدید ادب'' کے دونوں شمارے اٹھا کر دیکھ لیں اور ان میں شامل ماہیوں کے معیار پر مجھ سے بات کر لیں۔''اردو دنیا'' جرمنی میں چھپنے والے ماہیوں کا عمومی معیار بھی بہت عمدہ ہوتا ہے۔پھر آپ ''اوراق'' میں چھپنے والے ماہیوں کے عمومی معیار کو دیکھ لیں۔''کوہسار'' بھاگل پور اور ''اسباق'' پونہ میں بھی عام طور پر معیاری ماہیے چھپتے ہیں۔

''نیرنگِ خیال'' کا ماہیا نمبر معیار کے لحاظ سے بھی ایک عمدہ نمبر ہے۔چھوٹی موٹی استثنائی مثالیں تو درگزر کرنا پڑتی ہیں۔ویسے آپ یہ بھی دیکھیں کہ ایسی بات کہنے والے وہ لوگ تو نہیں جو علمی میدان میں ہر سطح پر مار کھانے کے بعد کبھی نجومی بننے لگے ہیں اور کبھی ماہیے کے معیار پر بڑھی دکھانے لگے ہیں۔میرے ماہیوں کو بھی اب تو برا بھلا کہا جانے لگا ہے۔بہر حال جیسے کسی کو خوشی ملتی ہے خوش رہے!

سوال: آپ نے تو ماہیے پر تخلیقی، تحقیقی و تنقیدی تینوں سطحوں پر کام کیا ہے۔آپ کے علاوہ چند ایسے نام جنہوں نے تحقیقی و تنقیدی سطح پر کام کیا ہو؟

جواب: تحقیقی سطح پر مربوط کام تو دوسرے دوستوں نے بہت کم کیا ہے تاہم میری تحقیق میں بہت سارے دوستوں نے ایسا میٹر تلاش کرنے میں میری مدد کی جس سے میری تحقیق کو ٹھوس بنیاد ملی۔ایسے دوستوں میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، احمد حسین مجاہد اور عارف فرہاد کے نام خاص طور پر لوں گا۔ہمت رائے شرما جی نے بھی بے حد اہم نوعیت کے میٹر کی فراہمی میں میری بہت مدد کی۔ویسے ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما جی کی دریافت ڈاکٹر مناظر عاشق کا تحقیقی کارنامہ ہے۔ مجھے اس پر بعد میں مربوط کام کرنے کی توفیق ملی۔جہاں تک تنقید کا تعلق ہے اسے دو خانوں میں بانٹ لیں۔ماہیے کی پہچان کرانے میں گہرے عروضی حوالے سے آصف ثاقب، احمد حسین مجاہد، ناوک حمزہ پوری، شارق جمال، اسلم حنیف، ڈاکٹر مناظر عاشق اور بعض دیگر دوستوں نے اپنی اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق کام کیا ہے۔جبکہ ماہیے کے وزن اور ثقافتی پہچان کے حوالے سے سعید شباب، امین خیال، ناصر عباس نیر، ڈاکٹر انور سدید، گوہر شیخ پوری، کے بعض مضامین خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ماہیے کی عمومی بحث اور ماہیا نگاروں کی ماہیا نگاری پر تجزیاتی یا تعارفی مضامین کو ماہیے کی عملی تنقید میں شمار کرنا چاہئے۔اس میدان میں ڈاکٹر جمیلہ عرشی، فراز حامدی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، اکبر حمیدی، ہارون الرشید، عارف فرہاد، اختر رضا کیکوٹی، محمد وسیم انجم، ناصر نظامی، سعید شباب، اور متعدد دیگر نام ہیں جو لگن اور خلوص کے ساتھ ماہیے کی عملی تنقید میں اپنی اپنی توفیق کے مطابق کام کر رہے ہیں۔خوشی کی بات یہ ہے کہ ماہیے کی تنقید کے حوالے سے ماہیا نگاروں نے نہ

سکہ بند نقادوں کا انتظار کیا، نہ کسی کے بارے میں گلے شکوے کئے، نہ کسی کو طعنے دیئے، ادب کے اس عمومی رویے کے برعکس ماہیا نگاروں نے اپنے تنقید نگاروں کا کارواں بھی خود ہی تشکیل دیا اور سارا فیصلہ وقت پر چھوڑ دیا۔

سوال: آپ نے ایک جگہ ماہیے کو''کتابِ دل'' کہا ہے۔اس کی وضاحت کریں گے؟

جواب: یار! یہ تو سیدھی سی بات ہے اس کی کیا وضاحت کروں۔دل اور دماغ کی تفریق کو ذہن میں رکھیں اور پھر کتابِ دل پر غور کریں۔ماہیا گہری فکر کے مقابلہ میں قلبی کیفیات کی زیادہ بہتر طور پر عکاسی کرتا ہے۔دل کی باتیں دوسرے دل میں بھی جلد ہی اتر جاتی ہیں۔دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ماہیا اپنے اظہار کی سادگی اور بیانیہ میں ہی لطافت پیدا کر دکھاتا ہے۔

سوال: کیا ماہیا عشقیہ مضامین کے علاوہ دیگر موضوعات کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا؟

جواب: پنجاب کے بیشتر لوک گیت کسی خاص خاص علاقے میں زیادہ مقبول ہیں۔ماہیا واحد لوک گیت ہے جو پنجاب کے ہر علاقے سے لے کر صوبہ سرحد کے ہندکو اور کشمیر کے گوجری علاقہ تک یکساں مقبول ہے اور اس مقبولیت کا ایک سبب یہ ہے کہ ماہیا زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرتا ہے۔زندگی کا کوئی ایسا رُخ نہیں جو ماہیے کا موضوع نہ بنا ہو۔محبت سے سیاست تک ہر موضوع ماہیے کا موضوع رہا ہے۔جب پنجابی ماہیے میں سارے موضوعات پر ماہیے ملتے ہیں تو اردو ماہیے کے لئے بھی سارے موضوع روا ہیں۔البتہ اس میں اردو ماہیا نگاروں کو یہ احتیاط کرنا پڑے گی کہ موضوع کے ساتھ اس کے مزاج کو بھی ملحوظ رکھیں۔اس وضاحت کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ ماہیے کا غالب موضوع محبت ہی ہے۔اس لحاظ سے ماہیے کو غزل کا ہم مزاج کہہ سکتے ہیں کہ غزل کا غالب موضوع بھی محبت ہے جبکہ غزل میں بھی سارے موضوع برتے جا سکتے ہیں۔سو ماہیے میں بھی ایسا کیا جا سکتا ہے، بس برتاؤ کا سلیقہ آنا چاہئے۔

سوال: انوار فیروز کے نام ایک خط میں آپ نے ماہیے سے ملتی جلتی ایک جرمن لوک صنف کا ذکر کیا تھا اس میں اور ماہیے میں کیا مماثلتیں ہیں؟

جواب: میں ''کوہسار'' بھاگلپور میں چھپنے والے اپنے مضمون''مزید۔۔۔کچھ ماہیے کے بارے

میں' اس کا ذکر کر چکا ہوں۔ یورپ بھر میں کارنیوال کا جوجشن منایا جاتا ہے اس میں صرف جرمنی میں ''Bütten reden'' ضرور ہوتی ہے۔ مجھے اس کا علم ارشاد ہاشمی صاحب چیف ایڈیٹر ''اردو دنیا'' کے ذریعے ہوا تھا۔اس شاعری کی کھوج لگائی تو پتہ چلا کہ اس میں مصرعوں کی تعداد مختلف ہوتی رہتی ہے تاہم جو Bütt سہ مصرعی یا ڈیڑھ مصرعی ہیں وہ حیرت انگیز طور پر ماہیے سے مشابہت رکھتے ہیں۔کارنیوال کے موقعہ پر پڑھی جانے والی یہ شاعری صرف اور صرف طنز و مزاح پر مشتمل ہوتی ہے۔اسے حسنِ اتفاق کہئے کہ پنجابی ماہیے میں بھی طنزیہ اور مزاحیہ ماہیوں کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔میں اس مشابہت پر کام کرنا چاہتا ہوں لیکن ابھی جاب کی مصروفیت' گھریلو ذمہ داریاں اور پہلے سے موجود ادبی ذمہ داریاں اس کی مہلت ہی نہیں دے رہیں۔ یہاں ایک Bütt ترجمہ کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ترجمہ ارشاد ہاشمی نے کیا ہے:

Burgermeister ist sehr schlau ------- افسر وہ سیانا ہے

Wen viel zu tun ist -------- کام کا زور ہو تو

Macht er oft Blau ------------ کر لیتا بہانہ ہے

ارشاد ہاشمی نے جرمن زبان میں ایک ماہیا کہا ہے۔اسے جرمن میں پہلا ماہیا کہا جاسکتا ہے لیکن جرمن احباب اسے پڑھ کر شاید Bütt قرار دیں:

Es gibt nicht zu lachen

Ausländer Kommen

Hier muß sauber machen

سوال: ماہیے پر آپ کی اگلی کتاب کونسی آرہی ہے؟

جواب: میں نے ''ماہیا۔۔۔علمی بحث سے غوغائے رقیباں تک'' کا بیشتر کام مکمل کر لیا ہے۔لیکن اسے چھپوانے میں مجھے ابھی تھوڑا تامل ہے۔ مجھے ہلکا سا احساس ہے کہ شاید میری مخالفت میں ظلم کی حد تک چلے جانے والے دوستوں کو کسی مرحلے پر اپنی زیادتی کا احساس ہو جائے۔اس کے تھوڑے سے آثار ایک دو طرف سے دکھائی بھی دیئے ہیں۔سو اگر متعلقہ دوست

سکوت اختیار کرتے ہیں تو میں اس کتاب کی اشاعت ہی روک دوں گا تا کہ جو ہو چکا اس پر مٹی ڈال دی جائے۔لیکن اگر یہ صرف ایک دھوکا ہوا تو پھر مجھے مجبوراً وہ سارا ریکارڈ کتابی صورت میں محفوظ کرنا ہوگا۔سرِ دست میں ماہیے کے حوالے سے اپنی تین کتابیں ترتیب دے رہا ہوں۔۱۔ماہیوں کا دوسرا مجموعہ۲۔''اردو ماہیے کی تحریک'' کی اشاعت کے بعد کے مطبوعہ مضامین۔اس میں ''غوغائے رقیباں'' والا میٹر نہیں ہوگا۔۳۔ماہیے کے جن مجموعوں کے لئے مجھ سے پیش لفظ یا تاثرات لکھوائے گئے ان کا مجموعہ۔تاہم اس میں صرف وہی میٹر شامل کروں گا جو مطبوعہ کتب میں چھپ چکے ہیں۔لہٰذا جن احباب نے مجھ سے تاثرات لکھوائے ہیں لیکن ابھی تک اپنے مجموعے نہیں چھپوائے وہ اپنے مجموعے جلد چھپوالیں۔

سوال: آپ نے غزل بھی کہی' نظم بھی۔افسانہ بھی لکھا' انشائیہ اور خاکہ بھی۔تحقیق بھی کی اور تنقید بھی اور ان سب پر مستزاد کہ ماہیے پر تخلیقی' تنقیدی اور تحقیقی تینوں سطح پر کام کیا۔اتنی اصناف میں آپ اپنی شناخت کیسے سمجھتے ہیں؟

جواب: میرا خیال ہے کہ میری شناخت اگر کبھی بنے گی تو میرے سارے کام کے تناظر میں بنے گی۔ایک بات واضح کر دوں کہ اگر کوئی کمزور تخلیق کار کئی اصناف میں کام کرے گا تو اس کا ضعف بڑھے گا لیکن اگر کوئی اچھا تخلیق کار کئی اصناف میں اظہار کرے گا تو اس کا ایک کم از کم معیار ہر صنف میں دکھائی دے گا۔میں ریا کاری کی انکساری سے کام نہیں لوں گا۔ مجھے اتنا علم ہے کہ اگر آنے والے وقت میں ادب کی کوئی اہمیت اور قدر و قیمت رہی تو میرے کام کے بارے میں' میری ادبی شناخت کے بارے میں آنے والا وقت ہی فیصلہ کرے گا۔وہ وقت جس میں'۔۔۔۔میں'۔۔۔۔آپ'۔۔۔۔میرے موجودہ مخالفین۔۔۔۔اور موجودہ دوستوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہوگا۔تب جو بھی فیصلہ ہوگا درست فیصلہ ہوگا!

☆☆☆

(مطبوعہ: سہ ماہی ''ماہیا رُوپ'' کراچی شمارہ نمبر۱' جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء
ماہنامہ ''کائنات'' اردو دوست ڈاٹ کام۔۔۔کتاب ''انٹرویوز'' مرتب سعید شباب)